یہ ہے کہ کفار جب قیامت میں رکوع وسجود کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ طرح طرح کے انعام واکرام ان پر ایک آسان عمل سے ہو رہے ہیں تو سخت رنج وافسوس ہوگا کہ ہائے ہم نے کس لیے اس حکم کو نہ مانا۔ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ یہ ایک اور خرابی ہوگی جو دسویں خرابی ہے۔

پھر جب ان کفار کو دارِ آخرت کا حال اس طرح کرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ منکروں کے لیے یہ خرابیاں اور ماننے والوں کے لیے یہ نعمتیں ہیں تو پھر اگر اس کو سن کر بھی ایمان نہ لائے تو فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ پھر کس بات پر اس بیان کے بعد ایمان لائیں گے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ بعدہ کی ضمیر بیان واضح قرآن کی طرف راجع ہے جو قرینہ حاصل سے سمجھا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس آیت تک پہنچے تو اس کے بعد کہے آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِمَا انزل۔

تم بحمد اللہ سبحانہٗ المجلد السابع فی ۱۷ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر فی ایام الشتاء۔

الصحہ فقیر محمد عبدالتواب چشتی غفرلہٗ

❀❀❀❀❀

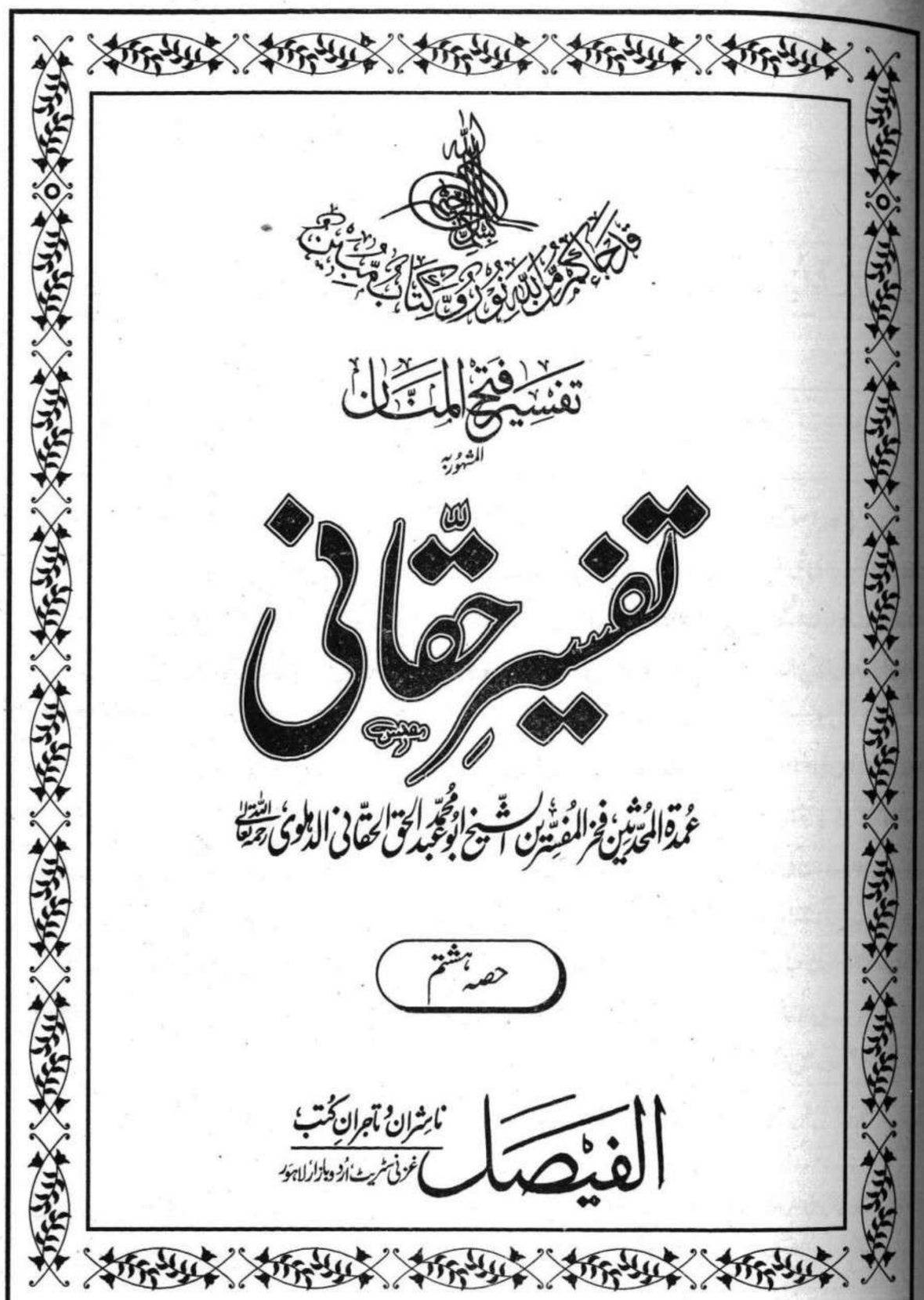
قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین
تفسیر فتح المنان
المشہور بہ
تفسیر حقانی
عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ ہشتم
الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

المجلد الثامن

(سورہ نباء مکیہ ہے اس میں چالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥

الجزء الثلثون ۳۰

"کیا" چھوڑے ہیں؟ کیا وہ بڑی خبر؟ (حادثہ قیامت) کہ جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیے عنقریب جان لیں گے (ہم) پھر (کہتے ہیں) ایسا نہ کرنا چاہیے ابھی جان لیں گے۔

ترکیب : عم اصلہ عن ما فادغمت النون فی المیم وحذفت الالف لیتمیز الخبر عن الاستفھام وکذلک فیم وبم۔ والاستفھام فی اللفظ وفی المعنی تفخیم لشانہ کما تقول ای شیء تریدا اذا عظمت شانہ عن النباء العظیم عن بدل من الاولی والف الاستفہام التی ینبغی ان تعاد محذوفۃ وعن الاولی متعلقۃ بیتساء لون وقیل عن الثانیۃ متعلقۃ بفعل محذوف غیر مستفھم عنہ ای یتساء لون عن النباء علی ھذا التقدیر عن النباء جواب الاستفھام کانہ قولہ تعالیٰ لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار الذی ھم فیہ مختلفون الموصول صفۃ للنباء بعد وصفہ بکونہ عظیمًا۔

تفسیر : اس سورت کو سورہ تساؤل اور سورہ نباء بھی کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق مکے میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چالیس یا اکتالیس آیات دو رکوع ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ مرسلات سے مسئلۂ معاد میں ہے اور ہجرت سے پہلے یہی مسئلہ زیادہ تر مبحوث عنہا تھا۔

شانِ نزول : شانِ نزول اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے اور ان انسانی اعمال کی جزاء وسزا کے منکروں کو ایک آنے والے دن کی خبر دی کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ دنیا زیروزبر ہو جائے گی اور انسان بارِدگر زندہ ہوں گے اور ان کے نیک وبد اعمال کی ان کو جزاء وسزا ملے گی (یہ خبر عقلمند کے نزدیک البتہ بڑی خبر ہے۔ کس لیے کہ شتر بے مہار ہو کر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے والوں اور پھر سلسلۂ حیات کو اسی حیات پر تمام سمجھنے والوں کو ایک سخت پریشانی کا سبب اور نہایت فکر کی بات ہے) تب وہ کفار بار بار تعجب کی راہ سے حضرت نبی ﷺ سے دریافت کرتے تھے کہ کب وہ دن ہے اور یہ کیونکر ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ ان کے اس سوال اور تعجب کا ان آیات میں ذکر کرتا ہے۔

---

۱ عم دراصل عن ما تھا الف کو تخفیف اور کثرۃ استعمال کی وجہ سے حذف کیا قاعدہ ہے کہ الف ما کو ان حروف جر کے بعد حذف کر دیتے ہیں۔ عن۔ تا۔ لام۔ وفی۔ وعلیٰ۔ والی وحتی ۱۲ منہ

۲ الضمیر یرجع الی اہل مکۃ کانوا یتساء لون عن البعث ای تعین البعث بکونہ تسائلا دون امر النبوۃ والقرآن علی ما قیل لاقتضاء قولہ تعالیٰ الم نجعل الارض الخ او یتساء لون الرسول والمؤمنین عنہ استھزاءً او للناس یعنی المسلمین والکافرین ۱۲ حقانی

۳ اقراء الجمہور عم بحذف الالف وقرئ باثباتھا وھو قلیل وقرئ بھاء السکتۃ عوضا عن الالف عمہ ۱۲ منہ

۴ سیعلمون قراء الجمہور بالیاء التحتیۃ فی الفعلین وقرئ بالتاء علی الخطاب وقرأ الضحاک الاولی بالفوقیۃ والثانی بالتحقیقۃ۔ ۱۲ منہ

فقال عم یتسالون کہ یہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں؟ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے مگر یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کوئی بڑی بات پوچھتا ہے یا چاہتا ہے تو کہتا ہے تو کیا پوچھتا ہے۔ کیا چاہتا ہے یعنی یہ پوچھنے اور چاہنے کی چیز نہیں۔ تساؤل باہم سوال کرنا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ یہ پوچھنے والے کون تھے؟ بظاہر کفار تھے کہ تعجب وانکار وتمسخر کی راہ سے آپس میں چرچا کرتے اور پوچھتے تھے۔ فراء کہتے ہیں تساؤل بات چیت کو بھی کہتے ہیں۔ گرچہ باہم سوال وجواب نہ ہو کمافی قولہ تعالیٰ واقبل بعضھم علی بعض یتساء لون قال قائل منھم انی کان لی قرین یقول اننک لمن المصدقین اس تقدیر پر یہ معنی ہیں کہ وہ آپس میں کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟ یعنی یہ چرچا کرنے اور تعجب وانکار کرنے کی بات نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ پوچھنے یا چرچا کرنے والے کفار تھے کس لیے کہ اس کے بعد کلا سیعلمون اور ھم فیہ مختلفون میں ضمیریں کفار کی طرف پھرتی ہیں۔ اس لیے یتساءلون کی ضمیر بھی ان ہی کی طرف پھرنی چاہیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان وکفار باہم ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ کفار مسلمانوں پر شبہات پیش کرتے تھے۔ وہ جواب دیتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان وکفار سب آنحضرت ﷺ سے پوچھتے تھے' مسلمان اس لیے کہ اور بھی یقین قوی ہو جاوے اور کفار تمسخر کی راہ سے یا شکوک وشبہات وارد کرنے کی غرض سے۔

پھر آپ ہی فرماتا ہے عن النباء العظیم الذی ھم فیہ مختلفون۔ اس بڑی چیز سے سوال کرتے ہیں کہ جس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی کیا وہ بڑی خبر پوچھ رہے ہیں؟ جس کا پوچھنا اور تعجب کرنا لازم نہیں۔ لفظ عظیم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ تو ایک بڑی بھاری بات ہے۔ اس کی عظمت دلوں پر خود بخود اثر ڈال رہی ہے۔ بشرطیکہ دلوں پر حجابِ ظلمانی اس اثر سے روکنے والے نہ ہوں اور جملہ ھم فیہ مختلفون بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کس لیے کہ اختلاف کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس بڑی خبر کے بطلان پر بھی ان کے پاس کوئی برہان قاطع اور تسلی بخش دلیل نہیں بلکہ محض توہمات ہیں۔ پھر ان کے زور پر الہامی باتوں پر اس قدر انکار اور اصرار حماقت ہے۔

نباءِ عظیم کی تفسیر! نباء کے معنی ہیں خبر۔ نباء عظیم بڑی خبر۔ وہ کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔ اول قیامت اور اس پر چند دلیل ہیں: (۱) یہ کہ بعد میں فرمایا ہے سیعلمون جس سے تہدید مراد ہے اور وہ تہدید قیامت میں زیادہ متحقق ہے (۲) یہ کہ بعد کی آیات میں الم نجعل الارض مھادا الخ میں وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اس کی قدرت وجبروت انعام وافضال کے نمونہ ہیں جن سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کرنا مقصود ہے۔ (۳) یہ کہ لفظ عظیم ایک اور جگہ بھی قرآن میں قیامت پر اطلاق ہوا ہے بقولہ تعالیٰ الایظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین وقولہ تعالیٰ قل ھو نباء عظیم انتم عنہ معرضون۔ دوسرا قول یہ کہ نباء عظیم سے مراد قرآن شریف ہے اور اس میں ان کا اختلاف تھا۔ کوئی اس کو سحر کوئی شعر کوئی اگلوں کے قصے کہتا تھا اور نیز نباء جس کے معنی خبر کے ہیں' قرآن سے زیادہ چسپاں ہیں۔ کس لیے کہ قرآن خبر دیتا ہے برخلاف قیامت کے کہ وہ مخبر عنہ ہے۔ تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت ہے اور وہ بڑی چیز ہے جس نے دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ پہلے قانون اور رسم ورواج پلٹ دیے۔ پرانی بادشاہتیں غارت کر کے نئی قائم کر دیں۔ ان ہی باتوں سے ان کفار کو جو دقیانوسی خیالات کے پابند اور پرانی لکیر کے فقیر تھے' آنحضرت ﷺ کی نبوت میں اختلاف تھا' اختلاف بمعنی انکار۔

مختلفون کی تفسیر! قیامت کا اکثر عرب کو انکار تھا اور تعجب سے کہتے تھے ءاذا متنا وکنا ترا باذلک رجع بعید۔ اور کچھ قائل بھی

تھے۔ نصاریٰ معادِ جسمانی کے منکر تھے' صرف معادِ روحانی کے قائل تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ یہود کے بعض فرقے بالکل قیامت کے منکر تھے اور ہنود تناسخ کے پیرایہ میں سزاء وجزاء کے قائل ہیں۔ پھر قیامت کی کیفیت میں بھی سخت اختلاف تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مر کر انسان کی روح جنوں یا فرشتوں میں مل جاتی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے۔ پھر اس عالم میں اس جسمِ سابق میں آنا محال ہے اور نہ یہ آسمان وزمین فنا ہوں گے نہ عناصر بلکہ جس طرح یہ قدیم ہیں اسی طرح ابدی بھی ہیں۔ البتہ ان سے باہم ترکیب پا کر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ حادث ہیں اور وہی فنا پذیر بھی ہیں۔ ان سب کے جواب میں فرماتا ہے کلا سیعلمون تمہارے خیالات صحیح نہیں ہیں عنقریب مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا' ثم' ہم پھر کہتے ہیں کلا تمہارے خیالات صحیح نہیں۔ سیعلمون تم کو قیامت اور اس کی اصلی کیفیت عنقریب معلوم ہو جاوے گی' کس لیے کہ دنیا روزے چند ہے۔[1]

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ
مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۙ﴿۱۶﴾

کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنادیا اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام بنادیا اور رات کو اوڑھنا بنادیا اور ہم نے دن روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بنایا اور ہم نے برستے بادلوں سے پانی کا ریلہ اتارا تاکہ اس سے اناج اور گھاس اور گھنے باغ اگاویں۔

ترکیب! الاستفہام لتقریر ای جعلنا الارض مفعول اول ومھادا مفعول ثان لجعلنا والجعل بمعنی الخلق وفیہ معنی التقدیر والتسویۃ وقیل بمعنی التصییر والمھاد جمع مھد بمعنی الفراش قراء الجمہور بالجمع وقری مفرداً اوتادا جمع وتد (میخ) وخلقناکم معطوف علی المضارع المنفی داخل فی حکمہ ازواجاً حال ای متجنسین متشابھین جمع زوج سباتا قال الزجاج السبات ان ینقطع عن الحرکۃ والروح فی بدنہ وحاصل المعنی الراحۃ ای جعلنا نومکم راحۃ لکم معاشا منصوب علی الظرفیۃ المعاش مصدر سمی بہ المعیشۃ شداد جمع شدیدۃ ای قویۃ محکمۃ وھاجا لوھاج المضیئ من قولھم وھج الجوھر ای تلالا المعصرات فیھا قولان اول وھو احدی الروایتین عن ابن عباس وقول مجاہد ومقاتل وقتادہ والکلبی انھا الریاح التی تثیر السحاب ومن بمعنی الباء والمعنی انزلنا بالریاح المثیرۃ للسحاب الثانی وھو الروایۃ الثانیۃ عن ابن عباس اختیار ابی العالیۃ والربیع والضحاک انھا السحاب بوجوہ منھا انہ قال المورج المعصرات السحائب بلغۃ قریش ماء موصوف ثجا جاصفۃ الجموع مفعول انزلنا والثجاج شدۃ الانصباب یقال ثج الماء ای سال بکثرۃ وثجہ ای اسالہ فیکون لازماً ومتعدیا الفافا ای بساتین ملتفۃ قال صاحب الکشاف انہ لا واحد لہ کالاوزاع والاخیاف الجماعات المتفرقۃ والجماعات المختلطۃ والاخرون اثبتوا لہ واحد ثم اختلفوا فیہ فقال الاخفش والکسائی واحدھا لف بکسر اللام وقیل بضمھا وقال المبرد واحدھا لفاء وجمعہ لف وجمع لف الفاف وقیل جمع لفیف کشریف واشراف والمعنی ان کل جنۃ فیھا الاشجار المجتمعۃ المتقاربۃ یقال امرأۃ لفاء اذا کانت غلیظۃ

[1] اس جگہ تکرارِ کلام محض زجر وتوبیخ کے لیے ہے۔

الساق مجتمعۃ اللحم بفرغ من تقاربہ ان یتلاصق۔

تفسیر: اس دن یا اس خبر کی عظمت بیان فرما کر اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت کرتی ہیں اور جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیمِ برحق اس عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا اور عالم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس عالم کو فنا کر کے دوسرے عالم کے پیدا کرنے میں جو کچھ اس کی حکمت ہے اس کی کیفیات وخصوصیات تک عقولِ بشریہ کو رسائی نہیں۔ پھر ایسی چیزوں سے سوال کرنا محض نادانی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بنانے میں ذرا بھی کسی کو شرکت نہیں یا یوں کہو کہ وہ دن جس کی وہ خبر پوچھتے اور اس کے آنے کی جلدی کرتے ہیں، وہ یوم الفصل ہے جیسا کہ بعد میں بیان ہوتا ہے ان یوم الفصل الخ جس دن مطیعوں اور نافرمانوں میں بالکل امتیاز ہو جائے گا نہ مکان میں شرکت نہ کھانے پینے کے کسی سامان میں شرکت باقی رہے گی۔ نہ اسبابِ تعیش وموجباتِ راحت میں برخلاف دنیا کے کہ یہاں ان سب چیزوں میں مومن وکافر مطیع وعاصی سب شریک ہیں پھر یہاں وہ دن کیونکر آ سکتا ہے۔ اس لیے جلدی کرنا اور سوال کرنا عبث ہے اور نیز یوم الفصل کی حقیقت بھی فی الجملہ بیان کر دی گئی کہ وہاں نہ یہ آسمان ہوں گے جو آج تم پر قائم ہیں نہ یہ آفتاب ہوگا۔ نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ پہاڑ ہوں گے جن کے نفع میں سب شریک ہیں۔ نہ ان بدلیوں سے پانی برسے گا۔ باغوں اور نباتات کی روئیدگی کے اور ہی سامان ہوں گے۔ نہ یہ رات اور دن ہوں گے جن میں رات کو پڑ کر بے خبر سوتے اور دن کو روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے سوال کا بھی فی الجملہ جواب دینا مقصود تھا۔ اس لیے اس کے بعد یہ نو چیزیں بیان کرتا ہے جن پر دنیا اور اس کی زندگی مربوط ہے۔ فقال (۱) الم نجعل الارض مهادا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے رہنے چلنے پھرنے کے لیے فرش نہیں بنایا؟ ضرور بنا دیا۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ہمارے اس انعام میں مومن وکافر سب ہی تو شریک ہیں۔ برخلاف دارِ آخرت کے کہ وہاں مطیعون کے رہنے کی اور جگہ ہے نافرمانوں کی اور اس سے یہ بھی تم غور کر سکتے ہو کہ جس قادرِ مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا ہے وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا؟ اور نئی زمین نہیں بنا سکتا۔ ضرور بنا سکتا ہے۔ یہ دنیا کے گھر کا فرش ہے جس پر ہوا میں اڑنے اور ہلنے جلنے کے لیے (۲) والجبال اوتادا کیا ہم نے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا؟ ضرور بنا دیا جس سے یہ فرش ہلتا نہیں۔ اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں اور پہاڑوں سے جو کچھ نفع ہیں سب ان سے حصہ پا رہے ہیں برخلاف یوم الفصل کے۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہاڑوں میں ثقل پیدا کر کے زمین کو ڈگمگانے اور ہلنے جلنے سے محفوظ رکھا وہ ایک روز اس کو ہلا نہیں سکتا۔ واذا رجت الارض رجا۔

حکماءِ حال کے نزدیک زمین حرکت کرتی ہے جیسا کہ اور ستارے اپنے مدار پر گھومتے ہیں یہ بھی دورہ تمام کرتی ہے۔ ان کے نزدیک بھی ان آیات سے انعامِ الٰہی اور اس کی حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت ہے۔ کس لیے کہ اب اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں جیسا کہ کشتی میں پتھر ڈال دینے سے وہ ادھر ادھر ڈگمگاتی نہیں اور ایک خاص انداز پر چلتی ہے۔ زمین کے فرش بنانے اور پہاڑوں کو میخیں بنانے سے ان کے نزدیک یہی مراد ہے اور یہ اس کا بڑا انعام اور قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔

یہ فرش بنا کر اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) وخلقنا کم ازواجا تم کو اے بنی آدم جوڑے جوڑے پیدا کیا۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا مرد بنایا تا کہ اس فرش پر رہیں اور اولاد جنیں اور پھولیں پھلیں۔ اس نعمت میں بھی کافر ومومن سب ہی شریک ہیں۔

ازواج کے معنی اور بھی عام ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کے مقابلہ دوسرا ہے۔ بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے۔ غنی ہے تو مفلس بھی ہے۔ نیک ہے تو بدکردار بھی ہے۔ حسین ہے تو بدشکل بھی ہے۔ کالے ہیں تو گورے بھی ہیں۔ عقلمند ہیں تو احمق بھی ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی فرش پر ایک ہی مادہ سے کیسی مختلف چیزیں بنا دیں اور نیز انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھا دی اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو ہم نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے۔ اپنے اندر بھی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق تم کو بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا اور تمہارا یہ اختلاف تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال کی جزاء وسزا کا ایک اور گھر ہے۔ پھر اس دنیا کے فرش پر تم کو کس طرح سلایا۔ (۴) وجعلنا نومکم سباتا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے راحت بنا دیا۔ اگر رات کو یا دن کو انسان اچھی طرح نہ سوئے اور نومِ غریق نہ آوے جس کو سبات کہتے ہیں یا سرے سے نیند ہی نہ آوے اور جو آوے تو غریق نہ ہو بلکہ نیم خوابی سی ہو تو پھر دیکھیے حضرتِ انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں مجرموں کو نیند کہاں۔ بیقراری اور سوزش میں نیند کب آتی ہے؟ دنیا کی یہ بے فکری کی نیند یاد کر کے رویا کریں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت ہے۔ اس کا شکریہ کرو بقدر ضرورت اس سے کام لو پھر طلبِ معاش یا یادِ الٰہی میں وقت گزارو نہ یہ کہ سو سو کر عمر گزار دو اور نیز یہ موت کا بھی ایک نمونہ ہے کہ ابھی تو باتیں کرتے تھے یا چٹ پٹ سو گئے دنیا سے غفلت ہو گئی۔ گویا مر گئے۔

پھر جو تم کو ہر روز مارتا اور ہر روز جلاتا ہے۔ پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ جس پر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا ضرور کرے گا اور اصل بیداری وہی ہوگی اس جہان کی بیداری بھی خواب ہے بلکہ خوابِ پریشان۔ (۵) وجعلنا الیل لباسا اور ہم نے رات کو اوڑھنا بنا دیا یعنی پردہ، رات پردہ دار ہے۔ اس پردہ میں کوئی برائی کرتا ہے، کوئی بھلائی، چور چوری کرتا ہے۔ زناکار چھپ کر زنا کرتا ہے۔ عابد وزاہد نمازِ تہجد اور مراقبہ وذکر میں بیٹھا ہوا ہے اور نیند کا وقت بھی رات ہی ہے۔ ستر کی وجہ سے رات کو لباس کہنا استعارہ ہے۔

فائدہ: کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر یا رات میں؟ آپ نے فرمایا، رات میں کس لیے کہ رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے اور عورت کو وھن لباس لکم اس لیے عورت اور اس کے نکاح کو رات ہی مناسب ہے۔ ایک لباس کو دوسرے سے مناسبت ہے۔ یہ اس کی پانچویں نعمت ہے پھر جس نے تم کو یوں راحت سے سلایا اور جگا کر بھوکا نہیں رکھا بلکہ (۶) وجعلنا النهار معاشا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لیے بنایا۔ اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں۔ برخلاف اس دن کے کہ نیک بہشتوں میں آرام کرتے ہوں گے۔ بد جہنم میں جلتے ہوں گے، روزی تلاش کرنا کجا اہلِ دنیا کی فطرت میں ہے کہ رات کو سوتے اور دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات رہتی یا ہمیشہ دن رہتا تو عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ آفتاب اور دیگر سیارات کی گردش یا کہو زمین کی آفتاب کے گرد حرکت جیسا کہ حکماءِ جدید کا خیال ہے اس طرح اور اس نظام سے کہ رات اور دن پیدا ہوں اس کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے۔ پھر جو ان اجرام کو ایک خاص ارادے پر حرکت دے رہا ہے۔ کیا اس کے نزدیک بارِ دگر پیدا کرنا مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہ دنیا کی حاصل کار باتیں تھیں یعنی رات کو سونا اور دن کو روزی کے دھندے میں لگنا اس میں غافل عمر تمام کر جاتے ہیں۔ ان دو

مشغلوں کے سوا دارِ آخرت کی فکر تک نہیں۔ اب اس گھر کی چھت کا حال بیان فرماتا ہے (۶) وبنینا فوقکم سبعاً شداداً کہ ہم نے تمہارے اوپر سات چھت مستحکم بنائیں جو زمانے کے گزرنے سے ہرگز پرانی نہیں ہوتیں اور نہ ان میں کوئی قصور وفتور واقع ہوتا ہے۔ اب تک ویسے ہی ہیں۔ اس کاریگر کی یہ کاریگری قابلِ غور ہے۔ وہ سات چھت کیا ہیں۔ سات آسمان کہ جن میں سات ستارے دورہ کرتے ہیں اور ان ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت، روشنی و تاریکی سے سب نیک و بد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکوں کے لیے جنت میں چھت کی جگہ بلند مرتبہ لوگوں کے مکان ہیں جن کی روشنی ان پر پڑتی ہوگی اور وہ بلند مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام ان ماتحتوں کی ترقی میں مدد کریں گے اور بدوں کو جہنم کے طبقات احاطہ کئے ہوں گے اور یہی ان کی چھت ہوگی اور کفار اپنے ظلماتِ کفر میں اپنے سے اوپر والوں کو اور بھی زیادہ عذاب میں مبتلا سمجھیں گے۔

حکماءِ حال کے نزدیک سبع شداد سات ستارے ہیں جو یکے بعد دیگر قائم ہیں اور اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور جس فضا میں یہ حرکت کرتے ہیں۔ وہ ان کے آسمان ہیں مگر کوئی دوربین اب تک ایسی نہیں پیدا ہوئی جو اس قدر دور دراز کی فضا کو جس میں اجرامِ لطیف ہیں محسوس کر سکے۔ پھر آسمان کا انکار محض مکابرہ ہے۔

اب اس دنیا کے گھر کا چراغ بھی ضرور تھا۔ اس لیے فرماتا ہے (۸) وجعلنا سراجاً وھاجاً اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا۔ دن کو آفتاب رات کو ماہتاب اور ستارے جن کے نور سے نیک و بد برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ جنت میں آفتاب کی روشنی کی ضرورت نہ ہوگی اور جہنم میں سرے سے کوئی روشنی نہ ہوگی۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور نیز یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی برہان ہے کہ آفتاب میں یہ نور دیا اور پھر ان ستاروں کے انوار میں یہ فرق پیدا کر دیا کہ کسی کی روشنی گرم ہے تو کسی کی سرد۔ پھر کیا وہ حکیم اس جہان میں نیکوں اور بدوں کو جزاء وسزا نہیں دے سکتا؟ ضرور دے سکتا ہے اور دے گا۔ یوں ہی معطل نہ چھوڑے گا۔

اس کے بعد اس جہان میں جو بندوں کی راحت کا سبب ہے اس کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ایسا گھر بنا کر ہم تم کو اس تدبیر سے کھانا کھلاتے ہیں۔ فقال (۹) وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا کہ ہم بادلوں سے پانی کا ریلا اتارتے ہیں۔ بادلوں سے پانی کا برسنا اور وہ بھی اس طرح سے کہ چھوٹی چھوٹی بوندیں برستی ہیں۔ اس کی حکمت وقدرت کی دلیل ہے۔ حکماء نے کہا ہے کہ آفتاب کی حرارت سے زمین سے بخارات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کے بارد طبقہ میں جا کر جم جاتے ہیں۔ پھر ان سے پانی برستا ہے۔ یہ ٹھیک مگر اس سلسلۂ اسباب میں جو کچھ کاریگریاں ہیں ان کو تو دیکھو جہاں عقل حیرت میں آ کر یہی کہہ دیتی ہے کہ تو ہی مسبب الاسباب ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہر کام کی ڈوریاں ہیں پھر یہ پانی بیکار نہیں بلکہ اس لیے ہے لنخرج به حباً ونباتا وجنات الفافا کہ اس سے ہم اناج پیدا کرتے ہیں جو اے ابن آدم! تمہارے کھانے میں آتا ہے اور نبات بھی پیدا کرتے ہیں یعنی جڑی بوٹیاں کہ جن میں تمہارے چارپایوں کی بھی غذا ہیں اور دوا میں تمہارے بھی کام آتی ہیں اور کچھ ان میں سے خوشبو اور مصالحہ کا کام دیتی ہیں اور جنات الفافا اور گھنے باغ اگاتے ہیں جن میں طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی سبزی و شادابی تمہاری عشرت وفرحت کا سبب ہے۔ اب دیکھو ایک پانی ہے۔ اس سے کیا کیا مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس میں بھی کافر و مومن برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ کوئی امتیاز نہیں برخلاف اس جہان کے کہ وہاں نیکوں کے اعمال واعتقادات واحوال، باغ وانہار اور میوے بن کر سامنے آویں گے اور بدوں کے اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ زقوم وماءِ حمیم بن کر ظاہر

ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں تمام منافع میں شرکت ہے۔ امتیاز کلی نہیں بلکہ اس جہان کی فنا وتخریب کے بعد ایک اور جہان ہوگا جہاں بدوں کو نیکوں کے ساتھ کسی راحت اور نفع میں شرکت نہ ہوگی پس وہ دن فیصلہ کا ہے اور وہیں جزاء وسزائے کامل ہے اور وہی فصل یعنی امتیازِ کلی کا بھی دن ہے۔

فائدہ: ان آیات میں جس طرح اس عالم کے منافع میں شرکتِ عمومی بیان کی گئی کہ جو یوم الفصل کے برخلاف ہے۔ اسی لیے یہ جہاں دارِ جزاء وسزا ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ایک اور جہان کا انتظار کرنا چاہیے جس کی تمام انبیاء علیہم السلام خبر دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی اول منزل ہر ہر فردِ انسانی کے لیے موت ہے اور سب کے لیے اس جہاں کی تخریب[1] جس کو آئندہ بیان فرماتا ہے اور جس کی نسبت سوالات کرنا اور تعجب کرنا عقل کی کوتاہی ہے۔ اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ اور نعمتِ شاملہ کا بھی ہر فرد انسانی کے لیے ثبوت ہے جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تم اس محسن اور قادرِ مطلق وحکیمِ برحق کی نافرمانی کرتے ہو اور ان نعمتوں میں اور معبودوں کو شریک ٹھہرا کر ملزم[2] بنتے ہو توہماتِ فاسدہ کے گھوڑے دوڑاتے ہو۔ یہ کمال ناسپاسی اور پوری نمک حرامی ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے اور نیز ان آیات میں حیات و موت اور بقاء وفنا کا بھی نقشہ دکھایا ہے، مثلاً آفتاب طلوع کرتا ہے پھر نصف النہار پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر غروب ہو جاتا ہے اور دنیا میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے یہی حال انسان کا ہے کہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کی حد تک پہنچ کر ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ آخر ایک روز زمین کے پردے میں یہ چمکتا ہوا مہتاب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے وجودِ عارضی پر ایک عدم کی اندھیری رات چھا جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح ایک مدتِ معین کے بعد آفتاب بارِ دگر طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ مہ پارہ بھی نئی دنیا اور دوسرے جہان میں پھر طلوع کرے گا اور اس طرح پانی سے سبزہ اگنے میں بھی حیات وموت کا نمونہ ہے۔ پانی کے قطرے سے یہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کی ٹپکتی بدلیوں سے برسا تھا۔ پھر اس سے ایک بوٹا اگا اور کیا کیا جوانی اور لڑکپن کی بہاریں آئیں۔ آخر پژمردہ ہوتا چلا اور سوکھ کر زمین پر گر پڑا اور ہوا میں اس کے ریزے ریزے اڑتے پھرے۔ اسی طرح رات اور دن خواب و بیداری بھی نمونہ ہیں۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَفُتِحَتِ
السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ
مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا
وَلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ

[1] یعنی اس جہان کا برباد ہونا دوسرے جہاں کے لیے سب کے لیے یہی منزل ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ ان نو چیزوں میں سے کونسی کسی اور معبود نے بنائی ہے یا بنانے میں مدد دی ہے۔ پھر وہی معبودِ واحد قابلِ پرستش ہے۔

ع ۱

اِلَّا عَذَابًا ۝۳۰

بے شک فیصلہ کا دن معین ہو چکا ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا تو تم جوق جوق (پرے باندھے) چلے آؤ گے اور آسمان کھولا جاوے گا تو (اس میں) دروازے بن جاویں گے اور پہاڑ اڑائے جاویں گے تو ریتا ہو جاویں گے۔ بے شک دوزخ تو شریروں کی تاک میں ہے۔ ان کا ٹھکانا ہونے کے لیے۔ اس میں قرنوں پڑے رہیں گے نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مگر گرم پانی اور زخموں کی پیپ پورا پورا بدلہ ملے گا کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتیں بے باکی سے جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو قلمبند کر رکھا ہے۔ پھر (ان سے کہا جائے گا) لو چکھو۔ سو ہم تمہارے لیے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے۔

ترکیب ¦ کان میقاتا الجملۃ خبر ان یوم الفصل اسمہا۔ یوم ینفخ بدل من یوم الفصل اوعطف بیان۔ الصور اما جمع الصورۃ فالنفخ فی الصور عبارۃ عن نفخ الارواح فی الاجساد واما ھی عبارۃ عن قرن ینفخ فیہ افواجا حال من فاعل تاتون وھی جمع فوج ای جماعات جماعات والفاء فی فتاتون فصیحۃ وفتحت معطوف علی ینفخ وصیغۃ الماضی علی تحقق الوقوع وقیل عطف علی فتاتون۔ مرصادا خبر کانت والمرصاد اسم للمکان الذی یرصد فیہ کالمضمار للمکان الذی یضمر فیہ الخیل وکذا المنہاج۔ وقیل مفعال من الرصد والمفعال من ابنیۃ المبالغۃ کالمھمار علی ھذا ان جھنم ترصد اعداء اللہ وتشھق علیھم للطاغین ان قلنا ان جھنم مرصاد للکفار فقط فکان قولہ للطاغین من تمام ما قبلہ ای جھنم کانت مرصاد للطاغین ثم قولہ مآبا بدل من قولہ مرصادا وان قلنا انھا مرصاد للکفار وللمؤمنین ثم قولہ علیٰ مرصادا وکان للطاغین مآبا کلاما مبتدءً مآبا خبر ثان لکانت للطاغین متعلق بہ او بمحذوف او بکانت المآب المرجع یقال آب یؤب اذا رجع۔ لابثین منصوب علی الحال المقدرۃ من الضمیر المستکن فی الطاغین واحقابا منصوب علی الظرفیۃ وھی جمع حقب بضمتین وھو الدھر والا حقاب الدھور وتقدیر الحقب عند اھل اللغۃ ثمانون سنۃ واصل الحقب الترادف والتتابع یقال احقب اذا ردف لایذوقون الجملۃ حال من الضمیر فی لابثین اوصفۃ لاحقابا اومستانفۃ لبیان ما اشملت علیہ من انھم لایذوقون فی جھنم او فی الاحقاب برداً والا شرابا بردخنکی آب یا ہواء) وقیل النوم والشراب الماء جزاء وفاقا ای موافقا لاعمالھم وفاقا صفۃ الجزاء اما علی حذف المضاف ای ذا وفاق واما علی المبالغۃ ونصب جزاء علی انہ مفعول مطلق من فعل محذوف قال الفراء والاخفش جازینا ھم جزاء وافق اعمالھم وقال الزجاج جوزوا جزاوفاقا۔ قال الفراء الوفاق جمع الوفق والوفق والموافق واحد انھم کانوا الجملۃ مستانفۃ وتعلیل لاستحقاقھم الجزاء المذکور۔ وکل شیء منصوب علی الاشتغال ای احصینا کل شیء وقرئ بالرفع علی انہ مبتداء مابعدہ خبرہ کتابا فی نصبہ اوجہ احدھا انہ تمیز من احصینا والثانی انہ حال ای مکتوبا فی اللوح والثالث انہ مصدر من بمعنی الاحصاء والتجوز اما فی المصدر او فی الفعل اذ یراد بالاحصاء والکتب الضبط۔

تفسیر ¦ اس کے بعد قیامت کے چند احوال بیان فرماتا ہے: (۱) ان یوم الفصل کان میقاتا کہ فیصلے کا دن موقت و معین ہے۔ اس وقت سے پہلے تمہارے انکار و اصرار کی وجہ سے آ نہیں سکتا۔ کس لیے کہ اس وقت کے لیے چند چیزیں لازم ہیں۔ اول یہ کہ ارواح کا بار دیگر ابدان سے تعلق۔ دوم یہ کہ جب تک یہ تمام کارخانۂ دنیا درہم برہم نہ ہو اور اس کے گھر کی چھت اور فرش اور قندیل اور اس کے سامانِ رزق و راحت جن کا آج فائدہ عام ہے، منقطع نہ کر دیے جاویں اور تمام آنے والی روحیں اس گھر میں آ کر فائدہ نہ اٹھالیں۔ اس وقت

تک قیامت نہیں آئے گی۔ میقاتا کے یہ بھی معنی ہیں کہ یوم الفصل میقات یعنی حد ہے اس عالم کے تمام ہونے کی یا وقت ہے ان چیزوں کا کہ جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے یا وقت ہے اجتماعِ خلائق اور معاملات کے فیصلہ کا۔

میقات کے لفظ میں ان کے سوالات کا جواب بھی ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو اور کس لیے تعجب کی راہ سے پوچھتے ہو۔ آخر ہر ایک بات کی حد بھی تو ہوتی ہے۔ دنیا کا حادث ہونا جب تم کو ان نو دلائلِ مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا تو یہ جان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہر حادث کی انتہاء اور حد بھی ہے۔ ایک روز یہ کارخانہ تمام بھی ہونا ہے۔ پس وہی قیامت ہے اور وہ اس دنیا کی انتہائی حد ہے۔

(۲) یوم ینفخ فی الصور اس دن صور پھونکا جاوے گا۔ پہلے صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جاوے گی جیسا کہ اس صورِ اول کے حالات بعد کی آیات میں آتے ہیں اور چونکہ وہ حالات اور واقعات ہولناک ہیں، اس لیے ان کو بعد میں جداگانہ بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد بارِ دیگر صور پھونکا جاوے گا اور صور ایک بگل یا ترہی کیسی مجوف چیز ہے۔ حضرت اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے جس کی سخت آواز کی تاثیر سے یہ عالم خراب ہوگا۔ اس کے بعد بارِ دگر پھونکیں گے تو اس کی تاثیر سے تمام ارواح اپنے اپنے اجسام سے متعلق ہو جاویں گی اور اجسام گوریزے ریزے ہو گئے تھے مگر وہ ریزے باقی تھے جمع ہو جاویں گے۔ تب ہر ایک بارِ دگر زندہ ہوگا اور فتاتون افواجا تم سب کے سب جوق جوق تختِ رب العلمین کی طرف عدالت کے لیے آؤ گے۔ افواجا کے معنی کی قرآن مجید میں بہت جگہ تشریح آئی ہے۔ ایک جگہ آیا ہے یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون ایک جگہ ہے واذا النفوس زوجت ایک جگہ ہے یوم ندعوا کل اناس بامامھم اور احادیث میں بھی تفصیل و تشریح بہت کچھ ہے۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہوگی۔ بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں سے نمازیوں کی جدا۔ صدقات و خیرات دینے والوں کی جدا۔ صابروں کی جدا تو شاکروں کی جدا۔ رات میں چھپ کر عبادت کرنے والوں کی جدا۔ مجاہدین کی جدا۔ اشاعتِ علم و دین کرنے والوں کی جدا۔

بدوں میں مشرکوں کی جدا۔ پھر مشرکوں میں سے آفتاب پرستوں کی جدا۔ اصنام پرستوں کی جدا۔ ارواحِ غیر مرئیہ سے مدد مانگنے والوں کی جدا، توہمات پرستوں کی جدا۔ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے پوجنے والوں کی جدا۔ ملائکہ کے پوجنے والوں کی جدا۔ جنوں بھوتوں سے مدد مانگنے والوں کی جدا۔ پھر زناکاروں کی جدا تو ظالموں کی جدا۔ دغابازوں، جھوٹ بولنے والوں، کم تولنے والوں کی جدا جماعت ہوگی۔ ہر ایک جماعت کا نشان ہوگا اور اس پر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں جماعت ہے۔ ہر ایک جماعت عدالت میں حاضر ہوگی اور اپنے اعمال کا بدلہ پاوے گی۔

اس کے بعد صورِ اول کی کیفیات بیان فرماتا ہے (۳) وفتحت السماء فکانت ابوابا اور آسمان کھولے جاویں گے تو اس میں دروازے ہو جاویں گے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ اول یہ کہ صور پھونکنے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جاویں گی۔ جن کو دروازوں سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مستحکم گول چھت گرتی ہے تو پہلے اس میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ ملائکہ کے لشکر نازل ہونے کے لیے جو دنیا کے خراب کرنے کو آئیں گے۔ آسمان میں بہت دروازے ہو جاویں گے۔ یہ دنیا کی چھت گرنے کا حال تھا جس کو سبعا شدادا سے تعبیر کیا تھا۔ اس کے بعد فرش کے اٹھائے جانے کا حال بیان فرماتا ہے (۴) وسیرت

الجبال فکانت سرابا کہ پہاڑ اڑائے جاویں گے اور ریزہ ریزہ ریتے کی مانند ہو جاویں گے۔ یہ وہ پہاڑ تھے جو زمین کی میخیں تھیں پھر جب وہ نہ رہے تو زمین کہاں؟ ان دونوں کے ضمن میں باقی اور چیزوں کی فنا بھی بیان ہوگئی۔ کس لیے کہ جب آسمان وزمین نہ رہیں گے تو ان کے اندر رہنے والے کہاں؟

اس کے بعد پھر صورِ دوم کے بعد کے حالات بیان فرماتا ہے جو دربار الٰہی میں پیش ہونے کے بعد ظاہر ہوں گے۔ سب سے اول بدوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو دنیا میں اس دن کو بھول بیٹھے تھے اور شہوت ولذات میں فریفتہ ہو کر حق سبحانہ سے باغی ہو گئے تھے۔ اب دربارِ الٰہی اور عدالتِ ربانی سے ان کے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔ فقال (۵) ان جھنم کانت مرصاداً للطاغین مآبا کہ جہنم سرکشوں یعنی بدکاروں، مشرکوں، کافروں کی تاک میں ہوگی۔ منتظر ہوگی کہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ آخر اس میں ڈالے جاویں گے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا اور ٹھکانا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہیں بلکہ (۶) لابثین فیھا احقابا۔ سالہائے دراز اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے۔ کافر ومشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے اور ایماندار گنہگار ایک زمانے کے بعد نکل آئیں گے۔ افسوس حیاتِ دنیا تو چند روزہ تھی۔ دس بیس پچاس ساٹھ ستر اسی۔ سو دو سو برس جہاں لذات وشہوات کے مزے اڑائے تھے، اس کے بدلے یہاں ہزاروں، لاکھوں برس بلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ کیا برا سودا کیا اور کیا بری کمائی کر کے آئے۔ گھڑی دو گھڑی کے ایسے مزے پر پھٹکار جس کے بدلے برسوں گوناگوں عذاب اور تکالیف بھگتنی پڑیں۔ کوئی عاقل ایسا نہیں کرے گا مگر اس جہاں میں غفلت اور شیطانی تخیلات کے پردے عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں جن کے اٹھانے کو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے اور کتاب الٰہی ساتھ لائے۔

پھر اس جہنم میں کیا ہوگا؟ لایذوقون فیھا بردا ولا شرابا الا حمیما وغساقا کہ وہاں ان بدبختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد ہوا نہ سرد مکان نہ سرد لباس نہ سرد دکھانے نہ ٹھنڈک دینے والی چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔

بعض علماء فرماتے ہیں برد سے مراد نیند ہے۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں ان کو نیند نہ آوے گی اور استعارہ کے طور پر چکھنے کی نفی کر کے یہ بتلا دیا کہ ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ دل بھر کر تو کجا نہ بدن کی ٹھنڈک، نہ دل کی ٹھنڈک، نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی۔ لفظ کو عام رکھنا بہتر ہے اور شراب سے مراد پانی ہے کہ اور تو کیا جو دنیا میں ہلکی چیز ہے یعنی پانی جو قیدی اور خونی کو بھی پلا دیا جاتا ہے۔ وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلے الا حمیما کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلس دے، وہ ملے گا اور کھانے کو غساق جہنمیوں کے زخموں کی پیپ حمیم اور غساق کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔

اور یہ کس لیے جزاء وفاقا یہ ان کا پورا بدلہ ہوگا۔ شہوت وحبِ جاہ ومال کی آگ جو دل میں بھڑکا کرتی تھی وہی تو یہ آگ ہے۔ اب اس سزا اور کامل جزا کے مستحق ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں دی گئی۔ فقال انھم کانوا لایرجون حسابا کہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔ واضح ہو کہ نفسِ انسانیہ کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں۔

اول: قوتِ نظریہ کہ حقیقت الامر کو ٹھیک ٹھیک دریافت کرے۔

دوسری: قوتِ عملیہ کہ اس صحیح دریافت کے موجب عمل بھی کرے جن کی یہ دونوں قوتیں درست ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جن کی یہ دونوں قوتیں فاسدہ ہیں وہ شقی ہیں۔ سو ان کفار کی قوتِ عملیہ کا فاسد ہونا تو اس جملہ سے بیان فرما دیا اور اسی لیے کسی گناہ کا نام نہیں لیا کہ اس

کی وجہ سے ان کو یہ دن نصیب ہوا۔ حالانکہ بہت سے گناہ تھے بلکہ عموماً قوتِ عملیہ کا فساد ظاہر فرمایا اور وہ اس لیے کہ انسان جب اپنے اعمال پر باز پرس اور حساب کا اعتقاد نہیں رکھتا تو نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ کوئی گناہ ہو اس کے نزدیک کچھ بھی بڑی بات نہیں اور کسی نیک کام کی مشقت بھی سر پر نہیں رکھتا۔ باز پرس اور حساب ہی کا خیال انسان کو ہر ایک بدی سے روک دیتا ہے اور نیکی کو عمل میں لانے پر تحریک کرتا ہے۔ جن قوموں میں یہ اعتقاد نہیں وہ برائی میں کوتاہی نہیں کرتیں۔ نیکیوں سے دور رہتی ہیں۔ عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارے تمام گناہوں کے عوض حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو گئے۔ اب ہم سے کچھ بھی باز پرس نہیں ہوگی، پھر شراب خوری اور زناکاری اور عیاری کا کونسا کام ہے جو ان سے رہ گیا ہے۔

قوتِ نظریہ کا فساد اس جملہ سے ثابت کرتا ہے وکذبوا بآیتنا کذابا اور ہماری آیات کو عام ہے کہ آیاتِ قرآنیہ ہوں یا آیاتِ قدرت ہوں سب کو جھٹلایا اور خوب ہی جھٹلایا یعنی حق کے منکر اور باطل پر مصر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رواعت وفساد میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ اس لیے جزاء وفاقا کے مستحق ہوئے۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے ان کی شقاوت کے اصول بیان کر دیے ورنہ جزئیاتِ اعمال اور ہر ایک بات جو وہ کرتے تھے اور ہر ایک اعتقادِ باطل جس کے وہ پابند تھے۔ وہ بھی ہمیں سب معلوم ہیں کس لیے وکل شیءٍ احصینا ہ کتابا کہ ہر شے کو ہم نے گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک چیز ہمارے احاطۂ علم میں ہے اور علم بھی کیسا کہ اس کو دفترِ غیب میں لکھ رکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جزئیات کا علم بخاصیلہا وخصوصیاتہا وکیفیاتہا وکمیاتہا حق سبحانہ کو حاصل ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال واقوال و اعتقادات ایک ایک ہم کو معلوم ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کے مناسب وقتاً فوقتاً جو جو سزائیں ہوں گی وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ اس لیے جزاءِ وفاق دیا جانا صحیح ہے۔ گویا اس جزاءِ وفاق کی یہ بھی ایک دلیل ہے جس میں ضمناً منکروں کے شبہ کا بھی رد ہے کہ خدا کو ہمارے ہر روز کے کام اور خیالات کیونکر معلوم ہیں اور معلوم ہیں تو اس وقت کیونکر یاد رہیں گے۔ پھر جب یہ نہیں تو جزاءِ وفاق کا دعویٰ غلط ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ہم کو ہر شے معلوم ہے اور معلوم بھی کس طرح کہ ہم نے اس کا احصاء کر لیا ہے جو کمالِ علمی اور علم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور احصاء بھی اس قسم کا ہے کہ وہ دفترِ غیب میں درج ہے۔ جہاں نسیان وذہول کا گزر بھی ممکن نہیں۔ وہ کچھ ایسا لکھنا نہیں کہ جیسا دنیا کے دفتروں میں قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے جس میں تلف ہو جانے کا خطرہ باقی رہتا ہے بلکہ وہ ایک ثبوتِ علمی ہے اور عالمِ غیب میں چھپ جانا اور نقش ہو جانا ہے اور وہ لوحِ علمی ہمیشہ اس کے حضور میں رہتی ہے۔

جب یہ ہے تو ہر ایک عملِ بد اور قولِ بد اور اعتقادِ فاسد پر ہم وقتاً فوقتاً ایک سزا اس کے مناسب دیں گے۔ فلن نزید کم الا عذابا اور یہ بھی ہے کہ جوں جوں بیمار کا زمانۂ مرض دراز ہوتا جاتا ہے، تکلیف پر تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنمیوں کے عذاب کی کیفیت ہوگی۔ لحہ بہ لحہ عذاب اور دکھ بڑھتا جاوے گا اور اس میں اس طرف بھی تعریض ہے کہ اے منکرو، بدکارو، جس طرح باوجود پند ونصیحت کے تم دم بدم سرکشی اور بدی میں بڑھتے جاتے ہو، آگے ہی پاؤں رکھتے ہو پیچھے نہیں ہٹاتے۔ اسی طرح تمہیں دم بدم عذاب زیادہ ہوتا جاوے گا۔ کس لیے کہ ہم کہہ چکے ہیں جزاء وفاقا اعمال کے موافق جزا دی جاوے گی فلن نزید کم جوفا کے ساتھ کلام صادر ہوا گویا اسی تمام کلامِ سابق کو مدلل کر کے نتیجے کے طور پر ثابت کر دیا۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

ضرور پرہیزگاروں کو کامیابی ہے (ان کے لیے) باغ ہیں اور انگور اور نوجوان ہم عمر عورتیں اور پیار چھلکتا ہوا نہ وہاں بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ مکر جانا آپ کے رب کی طرف سے (ان کو) بدلہ دیا جائے گا (اور) انعام گن گن کر جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم (کرم) کرنے والا ہے۔ ان کو اس سے بات کرنے کا مقدور نہ ہوگا۔

ترکیب: مفازا اسم ان وللمتقین خبرھا والمفاز مصدر میمی بمعنی الفوز والظفر بالمطلوب والنجاۃ من الھلاک ولذا یطلق المفازۃ علی الفلاۃ[1] تفاولاً بالخلاص منھا وقیل الفوز النجاۃ والھلاک ایضا فاطلاق المفازۃ علی الفلاۃ حقیقی حدائق بدل من مفازاً بدل الاشتمال اوبدل الکل علی طریق المبالغۃ وھی جمع حدیقۃ ہی کل بستان[2] محوط علیہ من قولھم احدقوا بہ ای احاطوا بہ وکذا اعنابا معطوف علی حدائق وھی جمع عنب (انگور) وکواعب عطف علی اعنابا وھی جمع کاعبۃ وھی الناہدۃ[3] التی تکعبت ثدیھا ای استدرات مع ارتفاع اترابا صفۃ کواعب وھی جمع ترب بالکسر ہمزادہ[4] یقال ھذہ ترب ھذہ وھن اتراب صراح وکاسا موصوف دھاقا صفۃ عطف علی کواعب الکاس جام باشراب مونث جمعہ کؤوس۔ واذا لم تکن فیھا خمر فلیس بکاس دھاق بالکسر جام پرادھاق پرکردنِ جام۔ او بریختن آب را (صراح) لایسمعون الجملۃ حال من الضمیر فی خبران ویجوزان یکون مستانفا والضمیر فی فیھا یرجع الی الکاس ای لا یجری بینھم لغو فی الکاس التی یشربونھا بخلاف کاس الدنیا وقیل یرجع الی الجنۃ ای لایسمعون فی الجنۃ ما یکرھونہ کذابا التخفیف ای کذبا وبالتشدید ای تکذیبا من واحد لغیرہ بخلاف ما یقع فی الدنیا عند شرب الخمر جزاء منصوب علی انہ مصدر ای جازاھم جزاء من ربك صفۃ لہ عطا بدل منہ حسابا مصدر اقیم مقام الوصف ادحاق علی مصدریۃ مبالغۃ اوھو علی حذف مضاف وفی معناہ کلام طویل قیل معناہ کافیا ماخوذ من قولھم اعطانی ما احسبنی ای ما کفانی وقیل معناہ بقدر ما وجب لہ فیما وعدہ من الاضعاف ماخوذ من قولھم حسبت الشیء اذا اعددتہ وقدرتہ وقیل معناہ کثیرا۔ والاول ارجح وفی القاموس حسبک درھم کفاک وشیء حساب کاف ومنہ عطاء حسابا رب السموٰت الخ بالرفع علی الابتداء وفی خبرہ وجہان احدھما الرحمٰن فیکون ما بعدہ خبرآ آخرا اومستانفا والثانی الرحمٰن نعت ولا یملکون الخمر ویجوزان یکون رب خبر مبتداء محذوف ای ھو رب السموات الرحمن وما بعد مبتداء وخبر ویقراء رب والرحمٰن بالجر بدلا من ربك لایملکون الجملۃ مستانفۃ لما تفیدہ الربوبیۃ العامۃ من العظمۃ والکبریاء۔

تفسیر: دارِ آخرت میں اشرار و بدکاروں کی جو حالت ہوگی اس کو بیان کر کے ابرار و صلحاء کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جاوے یا یوں کہو کہ بدکاروں کے حق میں بیان فرماتا تھا کہ ان کو عذاب دم بدم زیادہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پرہیزگاروں کو جو ہر دن نئے عیش و کامرانی میں دیکھیں گے اور بھی دل جلیں گے گویا یہ روحانی عذاب ہوگا۔ اس لیے پرہیزگاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان للمتقین مفازا کہ ضرور بالضرور پرہیزگاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیاتِ جاودانی اور کامرانی حاصل ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیے، متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جن کا حکم ہے ان کو کرے۔ پھر تقویٰ کے چند

[1] فلاۃ صحرا خالی از آب وخورش۔ ۱۲ منہ
[2] وہ باغ جس کی دیوار نہ ہو۔ ۱۲ منہ
[3] یعنی پستان ابھری ہوئی۔ ۱۲ منہ
[4] ہم سن وہم عمر۔ ۱۲ منہ

مراتب ہیں۔ اول مرتبہ توحید اور ایمان ہے۔ اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے۔ گو وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ دوم مرتبہ ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کو عمل میں لانا، برے افعال سے بچنا۔ اس مرتبہ میں گنہگار ایماندار کو متقی لکھا جاوے گا۔ جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کسی کی محبت اس کے دل پر نہ ہو۔ یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا انتہا درجہ ہے کہ ماسواء اللہ کوئی چیز ان کے قلوبِ صافیہ تک نہیں پہنچتی۔ وہ اس کے سوا سب سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ متقی کو مطلق رکھا ہے کیا تعجب ہے کہ اس کی رحمت گنہگار و ایمانداروں کو بھی مفاز یعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفازا میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے۔ روحانی ہو یا جسمانی لیکن کی عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اس لیے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جواہر[1] کو بیان فرماتا ہے۔ فقال حدائق باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبانِ عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمالِ صالحہ سے سینچے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کئے گئے تھے۔ یہ لفظ بھی عام تھا، باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آ گئی تھیں۔ پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہ ہوں جو ہم کو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔ دنیا میں اقالیم کے لحاظ سے باغوں کا حال مختلف ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے جہاں کے باغ اس لیے اپنی مہربانی سے اس خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال واعنابا[2] وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے۔ انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے اور اس سے شراب بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پر ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔ اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہ رو ہم نشین نہ ہوں تو کچھ بھی لطف نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے وکواعب اترابا کہ وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کی پستان ابھی ابھری ہوں گی یہ نوعمری اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے۔ پھر ان کی نوعمری اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہل جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہ ہو۔ انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے۔ نوجوان لڑکی بوڑھے مرد سے کبھی لطفِ صحبت نہیں پاتی۔ اس لیے اترابا کا لفظ بھی ارشاد فرما دیا کہ یہ متقی بھی ان کے ہم سن یعنی نوجوان ہوں گے۔ پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چوچلے اور اچھل کود نہ ہو نو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے۔ اس لیے اس کا بھی سامان کر دیا جائے گا۔ وکاسا دھاقا کہ جامِ شراب کے دور چلیں گے جن سے ایک فرحت و سرور تازہ ہوگا۔ دہاق کے معنی بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے در پے کے بھی معنی ہیں کہ یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا۔ یہ وہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیِ کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔

شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں۔ بیہوشی اور دردسر اور اہلِ مجلس کی بیہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لایسمعون فیھا لغوا ولا کذابا کہ وہاں ایذا اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات سننے میں نہ آئے گی اور نہ جھوٹی بات۔ نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلاوے اور رنج ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہوگا۔ یہ دنیا کی شرابِ محبتِ الٰہی کا ظہور ہے جس کے نشے میں احوال و مقامات کے ابکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں لاتے ہیں۔ دنیا کی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکت اسمی ہے

[1] جس میں سے چند جواہر بیان فرماتا ہے جام شراب کے دو چلے گئیں یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا یہ وہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیِ کوثر کے مے خانہ سے عطا ہوئی تھی۔ حقانی ۱۲

[2] حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے بھی جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے پھر عیسائی کیوں کہتے ہیں کہ وہاں لذاتِ جسمانیہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ورنہ ان کی حقیقت اور ان کی اور ''چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک'' یہاں کی فانی اور ظلمانی چیزوں پر نام کی شرکت سے وہاں کی چیزوں کا قیاس کر کے اعتراض کرنا بے فہمی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے جزاء من ربك کہ یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں۔ بندوں کے اعمال وعقائد ومعارف کا تیرے رب کی طرف سے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کرے گا ویسا پاوے گا بغیر تقویٰ اختیار کیے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد فلاں کے شاگرد فلاں کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں۔ اب دنیا میں متقی بننے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقویٰ کا سرمایہ حاصل کرو۔ جزا کو رب کی طرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گو اعمال کی جزا ہے مگر جزا بھی کسی تنگ دل تنگ حوصلہ شخص کی طرف سے نہیں بلکہ اے محمد (ﷺ) تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جس کی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلے میں سینکڑوں حصہ بڑھ کر دے گا اور اس دنیا کی چند روزہ کوشش میں نعماءِ باقیہ وصافیہ عطا فرمادے گا۔ اس لیے فرماتا ہے عطاء کہ یہ سب کچھ گو جزا یا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اس قدر اور ایسی چیزیں دراصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حسابا کافی اور پوری اور بہت کچھ اور یہ اس لیے کہ یہ انعام وافضال اس کی طرف سے ہیں جو رب السموات والارض وما بینھما آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ ہر ایک چیز کو بغور دیکھے تو اس کے وجود اور ذات اور اس کے بقاء میں سینکڑوں عنایات ہیں۔ بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے۔ درختوں کو پتے عطا فرمائے۔ ان کی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنے کی قوت دی۔ پھر رنگا رنگ کے پھول دیے جو نہایت خوشنما ہیں جن کے نقل کرنے میں بڑے بڑے صناع اور کاریگر نقاش حیران ہیں۔ پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شے پر یہ عطا وفضل کیا تو اس جہاں میں اس کی عطا کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لیے ذرا سا عمل کا ہی بہانہ ہے۔

اب یہ شبہ کرنا کہ نعماءِ آخرت کو جزاء کہنا جو بدلہ ہوتا ہے اور پھر اس کو عطا کہنا جو بے بدل ہوتی ہے تعارض ہے۔ محض کم فہمی ہے۔ جزا اور لحاظ سے ہے تو عطا اور لحاظ سے۔

رب السموات الخ کے بعد اور بھی صفتِ جود کا اظہار کرتا ہے۔ الرحمن کہ وہ عطا کس کی طرف سے ہے۔ رحمٰن کی طرف سے جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ ہر ذرہ پر بے شمار رحمتیں ہیں جن کا کسی کو بھی استحقاق نہیں لایملکون منه خطابا اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں مجھے کیوں نہیں دیں کیونکہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلاوے اور گلہ کرے۔ فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لایملکون کی ضمیر کفار کی طرف پھرتی ہے کہ کفار قیامت میں اس سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے یعنی وہ متقیوں پر رحمٰن ہوگا ان کو شرفِ کلام حاصل ہوگا مگر یہ نعمتیں دیکھ کر کفار کو اس کی ہیبت وجبروت دیکھ کر کلام کرنے کی قدرت نہ ہوگی مگر اول معنی بہت ٹھیک ہیں اور اس جملہ سے شفاعت کا انکار نہیں ثابت ہوتا۔ کس لیے نفی جو ہے تو استحقاق جتلانے میں کلام کرنے کی ہے اور شفاعت میں استحقاق نہیں جتلایا جاتا بلکہ وہ بھی فضل وکرم پر موقوف ہے اور فضل وکرم کا دروازہ بڑا وسیع ہے۔ ہر مومن اس سے وہاں کلام کرے گا بلکہ عذر ومعذرت کے لیے کفار بھی کلام کریں گے۔ صرف نفی کلامِ استحقاقی کی ہے حاصل یہ ہے کہ رحمٰن بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ ہیبت وجبروت بھی ہے کہ کوئی بات نہیں کر سکتا بے اذن کے۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾
ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَوْمَ

يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

جس دن کہ روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں کوئی نہیں بولے گا مگر وہ کہ جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس نے بات بھی ٹھیک کہی ہوگی وہ دن برحق ہے پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ہم نے تم کو ایک عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے جس دن کہ انسان آپ دیکھ لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا اور کافر کہے گا اے کاش میں خاک ہو جاتا!

ترکیب: یوم منصوب بلایملکون اوبلایتکلمون صفا حال ای صافین اومصدر ای یصفون صفا والجملۃ مستانفۃ اوحالیۃ الا من استثناء من قولہ لایتکلمون ای لایتکلم احد الا المأذون من الرحمٰن فلا استثناء متصل وقال معطوف علی قولہ اذن ذلک مبتداء الیوم الحق خبرہ الی ربہ ما با الی متعلقہ بما قدم علیہ اھتماما ورعایۃ للفواصل فمن شاء المفعول محذوف شرط اتخذ جوابہ یوم ینظر یوم منصوب علی انہ بدل من عذابا او ظرف لمضمر ھو صفۃ لہ ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء موصولۃ تقدمت یداہ صلۃ والعائد محذوف والصلۃ والموصول المجموع منصوب محلا علی انہ مفعول ینظر والمرء فاعلہ ویقول معطوف علی ینظر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی کلام نہیں کر سکتا اس کی ہیبت وجلالِ کبریائی کی وجہ سے اب اس بات کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یہ کس روز کا واقعہ ہے اور اس دن کی کیا کیفیت ہوگی۔ فقال یوم یقوم الروح والملئکۃ صفا کہ جس روز روح اور فرشتے پرا باندھے کھڑے ہوں گے عین دربار کا وقت ہوگا اور ہیبت وجلالِ کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا تو اس روز لایتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھے کھڑے ہوں گے بات نہ کریں گے ہیبت وخوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جس کو رحمٰن کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اجازت پا کر بھی وہ واہی تباہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ادب وقاعدے کو ملحوظ رکھ کر یا یہ معنی کہ وہی کلام کرے گا یعنی شفاعت اسی کے لیے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ وہ شخص کہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شخص ہوگا کہ جس نے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہوگی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت۔ یالا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ قولِ صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنے کی اجازت پا کر۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین وآسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان وزمین کے رہنے والے ہیبتِ الٰہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے۔ صرف وہی بات کرے گا جس کو اجازت ہوگی اور وہ بعد اس کے بات بھی غلط اور بے قاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر ومشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رورعایت نہ کرے گا نہ کمی زیادتی: بات ٹھیک ہو اسی قدر کہے گا۔

ان آیات میں ان مذاہبِ باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ بطلان ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت کے عہد میں تھے اور کچھ اب بھی ہیں اور ان کے مذاہب بڑے غلط خیالات پر مبنی تھے۔ عرب کے بعض مقامات پر عیسوی مذہب کی حکومت تھی وہ یہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ بنی آدم کے تمام گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ذمے لے گئے اور ان کے عوض آپ نے تین روز جہنم میں رہنے کی سزا پائی۔ بس اب قیامت میں باز پرسِ اعمال کا تو کھٹکا ہی نہیں۔ صرف مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا یعنی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا تصور کر لینا کافی ہوگا۔ پھر اس روز حضرت مسیح علیہ السلام کے تو تمام کارخانہ ہاتھ ہی میں ہوگا' وہ اپنے بندوں کو جنت میں لے جاویں گے اور وہ سب خدا کے داہنے ہاتھ کرسیوں پر جا بیٹھیں گے۔ اب جو چاہو کرو' مشقتِ عمل اور قیدِ حلال وحرام بیکار ہے۔ اس عقیدہ کا بطلان کر دیا گیا کہ وہاں اس کے برابر

کون کرسی پر بیٹھ سکتا ہے۔ وہ روح جس کو تم روح القدس کہتے ہو اور جس کو الوہیت کا ایک اقنوم قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح کی تائید ان سے ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی اور فرشتوں کے ساتھ باادب صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ بغیر اجازت کے بات بھی نہ کر سکیں گے اور سفارش کریں گے تو اس کی کہ جس نے حق بات دنیا میں کہی نہ اس کی کہ جس نے کفر بکا اور خدا تعالیٰ کی ذات بیچون وبیچگوں کے حصے بخرے کر ڈالے ہوں اور اقنوم قرار دیے ہوں اور اسی لیے روح کا ذکر اس آیت میں آیا۔

اس سے روحِ حیوانی یا انسانی یا نباتی یا جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں بلکہ روحِ اعظم جو ایک اور دوسری چیز ہے یعنی سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ادھر مشرکینِ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ حضرات ملائکہ اور انبیاء وصلحا اور دیگر اوہام کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو اس کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔ دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لیے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لیے ان کی نذر ونیاز کرتے تھے۔ آڑے وقت ان کے نام کی دہائی دیتے تھے۔ المدد المدد پکارتے تھے اور آخرت میں ان کو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے اور بہت تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے۔ اس خیال کا بطلان بھی ان آیات میں کر دیا گیا کہ تمام آسمان وزمین کے رہنے والے باادب کھڑے ہوں گے۔ کسی کو لب ہلانے کی قدرت نہ ہوگی مگر اجازت پا کر سفارش بھی کریں گے تو اسی کی کہ جس سے حق بات دنیا میں بولی تھی۔ توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا نہ خدا کے دشمنوں باغیوں سرکشوں کی۔ اسی کے قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب کے تراشیدہ خیالات عالمِ آخرت کے باب میں ہیں جن میں حق سبحانہ کی تنقیص ہے اور ان کے خیالی معبودوں کی عظمت ہے اور اس طرح جو کچھ ان لوگوں کو شہادت کی بابت گمان ہے کہ ہمارے حق میں مفید شہادت دیں گے' یہ بھی غلط۔ کس لیے کہ وہ سچ اور حق بات کہیں گے' خواہ مفید ہو یا مضر اور یہ اس لیے کہ ذلك اليوم الحق کہ وہ دن حق ہے۔ آج جو حق وباطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے اس روز نہ ہوگا' حق کا ظہور ہوگا' باطل باقی نہ رہے گا۔ پردہ کھل جائے گا یا یہ معنی کہ اس دن کا آنا حق ہے جس میں یہ حال ہوگا۔ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں وہ آنے والا ہے اور اس روز سوائے حق سبحانہ کی پناہ اور ٹھکانے کے اور کوئی پناہ اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ فمن شاء اتخذ الى ربه مآبا پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لے۔ تقویٰ اختیار کر لے' بری راہ سے ہٹ جاوے جو جہنم تک پہنچاتی ہے۔ ایمان وپرہیزگاری ایک سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچتا ہے۔ اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب وجوارِ رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس رستہ کا اختیار کرنا اللہ کے ہاں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔

آدمی جب کسی نئے شہر میں جاتا ہے تو ضرور فکر کرتا ہے کہ وہاں رہنے ٹھہرنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے۔ پھر اس دن کا آنا برحق ہے اور ہر انسان کو اس نئے جہان میں جانا ہے جہاں کا مالک اور بادشاہ اللہ ہے پھر جو پہلے سے اس سے آشنائی پیدا کیے بغیر وہاں جاتا ہے تو اس پر ہزار افسوس وہ وہاں کیسا مارا مارا پھرے گا اور جہنم میں ڈالا جاوے گا۔ اہل اللہ اس جہان میں ہی حق سبحانہ کو اس طرح ٹھکانا بناتے ہیں کہ ہر کاروبار میں دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے جہاں کہیں ادھر سے ذرا غفلت ہوگئی تو گھبرا کر اس کی طرف دوڑتے ہیں کہ جیسا کوئی گھر بھول جاتا ہے اور جب اس کا رستہ پاتا ہے تو دوڑ کر ادھر ہی آتا ہے۔ اس کی روحِ پاک کا وہی حیزِ طبعی اور مرکزِ اصلی ہو جاتا ہے۔ بے اس کے کہیں قرار اور چین نہیں آتا۔ الا بذكر الله تطمئن القلوب۔ اس عالم سے گزرنے کے بعد پھر تو ان کے اور حق کے درمیان کوئی حجاب جسمانی بھی حاجز نہیں رہتا۔ یہ اسی کے درباری ہو جاتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی کا رستہ بتا کر اور آنے والے دن کی مصیبت جتا کر پھر اپنے بندوں پر حجت تمام کرتا ہے۔ فقال انا انذرناكم عذابا قريبا کہ ہم نے تو اے بنی آدم تم کو بہت نزدیک کی مصیبت سے خبردار کر دیا ہے۔

قیامت کا دن گو ابھی بہت دور ہے مگر آنے والی چیز گو دور ہو' بہت ہی قریب ہے اور نیز عقلمند ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب ہی سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت بہت ہی قریب ہے اور موت اس دن کا دروازہ ہے۔ اس لیے مر کر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے' وہ بہت ہی قریب ہے۔ کس لیے کہ مر کر انسان کے بڑے کام کی ظلمت جو نفس پر غالب تھی' ہولناک صورتوں میں پیش آتی ہے اور ایمانداروں کا ایمان اور نیک کاموں کی روشنی عمدہ صورتوں میں ظہور کرتی ہے۔ اس جہاں میں نفس ادراکات وتصرفات میں مصروف ہے۔ اس لیے وہ صورتیں اور وہ اشیاء جو اس کے نیک وبد اعمال کا ظہور عالمِ مثالی میں متشکل ہو رہا ہے اس کو دکھائی نہیں دیتا لیکن جب مرے گا اور نفس ان شواغل سے فارغ ہو جاوے گا تو اس روز سب کچھ دیکھے گا يوم ينظر المرء ما قدمت يداه اس روز انسان دیکھے گا کہ اس نے کیا کر کے آگے بھیجا تھا اور کیا کیا کام نیک وبد کیے تھے۔ وہ سب عالمِ مثالی میں اپنی اپنی مناسب صورتوں میں اس کو نظر آویں گے۔ ماقدمت يداه کے لفظی معنی ہیں کہ کیا اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا' اس کو دیکھ لے گا۔ اس سے مراد اس کی کوشش ہے مگر ہاتھ دنیا میں ہر کام کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایک محاورہ ہے۔

پھر جب وہ پردہ کھل جاوے گا اور کافر اپنے کفر اور بداعمال کو ہیبتناک صورتوں میں دیکھے گا کہ اس کے ہلاک کرنے پر تیار ہیں اور کوئی ٹھکانا اور پناہ نہ پاوے گا تو يقول الكافر وہ کافر کہے گا يا ليتني كنت ترابا کہ اے کاش میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور انسان نہ پیدا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا اور نہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ انسان کے جسم کی اصل خاک ہے۔ کیونکہ غذاؤں سے نطفہ بنا اور غذائیں خاکی چیزوں سے بنیں تو ایسے وقت اپنی اصل حالت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہی رہتا۔ انسان نہ بنایا گیا ہوتا۔ اتنے ہیر پھیر کر انسان بنے اور یہ مصائب دیکھنے میں آئے اور اپنے جسم کا مآلِ کار بھی انسان خاک ہی دیکھتا ہے کہ مر کر سب کچھ خاک ہو جاتا ہے۔ اس جہاں میں روح کے زندہ وباقی ہونے سے جب یہ بلائیں دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش خاک ہو جاتا' روح باقی نہ رہتی۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن ابی حاتم وابن المنذر وبیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حیوانات کا حساب لے کر نیک وبد کا بدلہ دے کر حکم دے گا کہ سب خاک ہو جاؤ۔ وہ سب خاک اور نیست ہو جاویں گے۔ اس وقت کافر آرزو کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا' زندہ نہ رہتا۔ ابتداء خاک تھی اور انتہاء بھی خاک ہے۔ ہر اعتبار سے آرزو خاک بن جانے یا ہونے کی کرے گا۔

فائدہ۔ بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کے اس قول سے کہ کاش میں خاک ہوتا' یہ مراد ہے کہ کاش دنیا میں خاک ہوتا' تکبر وغرور نہ کرتا' خاکسار بن کر احکامِ الٰہی مانتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد خاص ابلیس ہے کہ وہی سب کافروں کا پیر ومرشد ہے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کو جو خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھے گا کہ حق سبحانہ نے ان کو کیا کیا عزتیں بخشیں تب آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی خاک سے پیدا ہوتا' آگ سے نہ بنتا جس پر میں نے فخر کیا تھا۔ خلقتني من نار وخلقته من طين۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ کافر کا حال بیان فرمایا مومن گنہگار کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے مومن کے اعمالِ بد نے گو اس میں تاریکی پیدا کر دی تھی لیکن اس کے ایمان اور اعتقادِ صحیح نے بھی اس میں ایک بڑی نورانی ہیئت پیدا کر دی ہے۔ کشاکش کے بعد انجام کار نورِ ایمان ظلمتِ اعمالِ بد پر غلبہ پاوے گا اور ہیئتِ ظلمانیہ گھٹا کی طرح پھٹ جاوے گی جبکہ آفتابِ ایمان کا نور چمکے گا۔ اس لیے وہ بھی انجام کار نجات پاویں گے برخلاف کافر کے کہ وہاں نور کا نام بھی نہیں اللھم نورنا بنور الایمان والعرفان۔

(سورہ والنازعات مکیہ ہے اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥

وقف لازم

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی گھس کر اور (آسانی سے) گرہ کھول دینے والوں کی اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں پھر ان کی جو دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں پھر ان کی جو انتظام کرتے پھرتے ہیں۔

ترکیب: والقسم جارۃ النازعات مجرور مقسم بہا و الناشطات والسابحات عطف علیہ بالواو فالسابقات فالمدبرات عطف بالفاء لکونہا مسببۃ عن التی قبلہا کانہ قیل والملاتی سبحن فسبقن کما تقول قام فذہب فضرب وانتصاب۔ غرقا علی انہ مصدر محذوف الزوائد ای اغراقا او علی الحال ای ذوات اغراق یقال اغرق فی النزع یغرق فیہ اذا اوغل فیہ وبلغ غایۃ وکذا نشطا وسبحا وسبقا مصدر والنصب علی انہا مفعول مطلق وامرا مفعول بہ وقیل حال ای یدبرون ماموراتٍ وجواب القسم محذوف ھوعندالفراء لتبعثن وقال الاخفش والزجاج لتغیرن فی الصور نفختین وقال الکسائی الجواب المحذوف ھوان القیامۃ واقعۃ والدلیل علی جمیع الاقوال مابعدھامن الآیات۔ وقیل الجواب مذکور ثم فیہ اقوال الاول انہ قولہ قلوب یومئذ واجفۃ والثانی ھوھل اتاک حدیث موسیٰ الثالث ھوقولہ تعالیٰ ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشٰی

تفسیر.....مناسبت: ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں۔ مناسبت اس سورت کو سورہ عم یتساءلون سے یہ ہے کہ اس سورہ میں کفار کا سوال مع جواب مذکور تھا جو وہ قیامت کے بارے میں انکار کے طور سے کیا کرتے تھے۔ اس سورہ میں قیامت کے مبادی قسم کے طور سے ذکر فرما کر بعد میں قیامت اور اس جہانِ باقی کی مجملاً کیفیت بیان فرمائی تا کہ ان نادانوں کو معلوم ہو کہ قیامت دور نہیں۔ کس لیے کہ اس کے مبادی یعنی موت اور اس کے سامان بہت قریب ہیں اور یہ موت قیامت کا دروازہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ من مات قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی اور نیز ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر موت کی کیفیت بھی بیان فرمادی کہ بدوں کی روح کھینچ کر اور گھسیٹ کر ان کے جسم سے نکالی جاتی ہے اور غافل ومست شہواتِ دنیا کو یوں فرشتے گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور نیکوں کی روح کی جسم سے گرہ کھول دی جاتی ہے۔ گویا وہ اس عالم کے مشتاق تھے خصوصاً جبکہ نزع میں وہاں کی کیفیت سے وہ خبردار ہو چکے تھے تو اس تن کے پنجرے میں اس طرح تڑپتے اور پھڑ پھڑاتے تھے کہ جس طرح مرغِ چمن جو پنجرے میں بند ہو چمن دیکھ کر اور مرغانِ چمن کی آوازیں سن کر تڑپا اور پھڑ پھڑایا کرتا اور مشتاق ہوتا ہے کہ جلد قفس کا دروازہ کھول دیا جاوے تو اڑ جاؤں ؎

آوازِ من برسانید بمرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادست

یہی حال مومن کا ہوتا ہے۔ پھر فرشتے اس کی گرہ اور قفس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ پھر وہ ارواحِ طیبات اڑتی ہوئی اور ایک دوسرے سے تیز روی کرتی ہوئی عالمِ قدس میں جا پہنچتی ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم راحتِ جاں طلبم و سوئے جاناں بروم
درہوائے رخِ تو ذرہ صفت رقص کناں تالبِ چشمۂ خورشید درخشاں بروم

پھر اس عالم میں ملائکہ ان کے لیے ان کے درجات کے موافق ان کے عیشِ جاودانی کا سامان وانتظام کرتے ہیں۔ سبحان اللہ پانچ چیزوں کی قسم کھا کر قیامت کا برپا ہونا بیان فرمایا مگر ان پانچ چیزوں کے ذکر سے نفوسِ بشریہ کو اس عالم کا مشتاق بنا دیا اور ان میں سے بدکاروں اس خسیس جہاں پر شیدا ہو کر یہیں پسر جانے والوں کو پر حذر بھی کر دیا اور بتا دیا کہ خود نہ جاؤ گے تو گھسیٹ کر فرشتے بری حالت سے لے جائیں گے۔ یہاں رہنا نہیں ہوگا۔

یا یوں کہو کہ اس سورہ میں ان کے سوالِ قیامت کے درجواب یوں فرمایا تھا۔ فتاتون افواجا کہ تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہو کر عدالت میں حاضر ہو گے۔ اب یہاں اس سورہ کے مطلع یعنی شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر ان پانچ صفات کی طرف اشارہ کر دیا جن کے سبب ہر نیک وبد کو اپنے مراتبِ سعادت وشقاوت میں دوسرے سے امتیاز ہے اور ہر ایک صفت کا ایک گروہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفوسِ انسانیہ جب سعادت[1] کی طرف عروج کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے بعد اس مقصود کو پہنچتے ہیں۔ اول مرتبہ: اول مرتبہ یہ کہ جو چیزیں اس کے اس مقصود کے خلاف اور اس کے لیے حائل ومانع ہیں اور ان کی طرف اس کی طبیعت مائل ہے تو اس کو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچ کر اور نفس کو گھسیٹ کر ادھر سے لاوے اور اپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے۔ اس مرتبے کو والنازعات غرقا سے تعبیر کیا۔ شہوات ولذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شرع میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ ہر کام میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اول مجاہدہ اور سچی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے۔ ست اور ہوا وہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔ بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں۔ گرمی سردیوں کی تکالیف اٹھائی ہیں۔ علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی عرق ریزیاں کی ہیں۔ اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں۔ سالہا راتوں جاگے ہیں، نفس سے لڑائیاں کی ہیں چلّے کھینچے ہیں۔ دوسرا مرتبہ: دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط وسرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے اور اب ان موانع وشہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے، میدان صاف ہو جاتا ہے۔ اس کو نشاط کہتے ہیں اور اس مرتبہ کو والنشطت نشطا سے تعبیر فرمایا۔ اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات ومجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق وذوق ہے۔ یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔ تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اس سے سرزد ہونے لگتا ہے۔ اس مرتبہ کو والسبحت سبحاً سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا۔ کس لیے کہ تیرنے والا کسی آڑ بغیر بے کھٹکے سیر کرتا ہے۔ اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سباحت کہتے ہیں۔ اہلِ سلوک کے نزدیک اس کا نام سیرِ احوال ومقامات ہے۔ اب یہاں سے شاہدِ مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پوچھے، آپ نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کے لیے بے کلفت ومشقت ہے۔ چوتھا مرتبہ: چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہمسروں سے اس شغل میں بڑھ جاوے۔ یہ سب سے آگے دوڑے۔ اس حالت کو فالسبقت سبقاً سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک اس کا نام طیران وعروج ہے۔ پانچواں مرتبہ: اس کے بعد پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ جمیع مراتبِ کمال کو طے کر کے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتداء ومرشد ہو جاوے اور اس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں۔ اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک رجوع ونزول ودعوۃ الخلق الی الحق کہتے ہیں۔ اس مرتبہ

[1] بلکہ شقاوت اور دنیاوی کاروبار، حرفت وصنعت میں اور علومِ اکتسابیہ میں بھی یہ یہی مراتب طے کرنے پڑتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کواس عبارت سے تعبیر فرمایا۔فالمدبرات امرا۔

چونکہ ہرایک مرتبہ عمدہ ہے اس لیے ان کی قسم کھاتا ہے اور بھی مضامین میں اس سورہ کو سورہ عم تیساء لون سے مناسبتیں[1] ہیں۔اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں والنازعات غرقا غرع کشیدن چیزے از جائے خود و برکندن و مانند شدن بہ پدرو کشیدنِ کمان یقال نزع فی القوس ای مدہا وفلان فی النزع ای وفی قلع الحیواۃ نزاع آرزومند شدن یقال نزع الی اہلہ نزوع پرداختن از کار (عع ف اک ۲) بیرنزوع بالفتح ونزیع چاہ کہ قعرِ او نزدیک باشد (ازصراح) غرقِ آب از سرگذشتن وسخت کشیدن کمان راو مبالغت کردن درمدح و ذم و جز آن۔ استغراق فراگرفتن ہمہ را۔اغتراق درآمیختن۔اسپ باسپانِ دیگر۔صراح نازعات نازعۃ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور غرقا مصدر ہے۔ان دونوں لفظوں کے کئی معنی ہیں۔اس لیے یوں ہی معنی ہوئے کہ قسم ہے ان کی جو کھینچتے ہیں ڈوب کر یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو کمان کھینچتے ہیں زور سے یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو سخت آرزومند ہیں یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو اپنے کام سے بالکل فارغ ہونے والے ہیں۔

ہرایک معنی پر کلام طویل ہے۔پہلے معنی کہ جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔اس میں متعدد اقوال ہیں۔جمہور کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو جان نکالتے ہیں۔خدا تعالیٰ فرشتوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کی بہتر مخلوق ہے اور ان میں سے بالخصوص ان فرشتوں کی جو روح کھینچتے ہیں گھس کر۔اس سے کفار کی جانکنی مراد ہے کہ ان کی روح عالمِ آخرت کے مصائب سے ڈر کر ان کے بدن میں ادھر ادھر تمام اطراف و جوانب میں چھپتی پھرتی ہے۔اس لیے وہ ملائکہ بھی ان کے اجسام میں گھس کر روح نکالتے ہیں۔اسی طرح نشطت۔سبحت۔سبقت۔ مدبرات سے بھی مراد ملائکہ ہیں جن کو باعتبار ان کے صفات وحالات کے مختلف صفات سے تعبیر فرمایا اور اسی تغایرِ وصفی کو تغایرِ ذاتی کی طرح عطف کا باعث سمجھنا چاہیے۔اس تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ نازعات وغیرہ مؤنث کے صیغے ہیں اور فرشتہ مونث نہیں بلکہ خدا پاک نے کفار کو فرشتوں کے مؤنث کہنے میں الزام دیا۔حیث قال وجعلوا الملئکۃ الذین ھم عباد الرحمن انثا الآیہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں جمع اور جماعات کو بصیغۂ مؤنث تعبیر کرتے ہیں اور ملائکہ سے اشخاص مراد نہیں بلکہ جماعات۔ بعض کہتے ہیں کہ نازعات غرقا سے مراد ستارے ہیں اور یہ حسن بصری کا قول ہے اور ان کو نازعات باعتبار طلوع کے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھینچ کر اوپر لاتے ہیں اور غرقا سے اشارہ ان کے غروب کی طرف ہے۔اس میں اپنے عجائب قدرت اور عالم کے عروج ونزول اور فنا و بقاء پر اپنا قادر ہونا ثابت کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم! ہم قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہیں اور یہ کہ جب یہ روشن اجسام غروب کرتے ہیں تو پھر تمہارا غروب یعنی فنا وموت کیا بات ہے اور پھر جس طرح غروب کے بعد یہ طلوع کرتے ہیں قیامت کے روز تم بھی بارِ دگر طلوع کرو گے اور اسی طرح نشطت وغیرہا سے بھی مراد ستارے ہیں باعتبار ان کے اوصاف کے اور ایک جگہ ستاروں کی نسبت یوں بھی آیا ہے وکل فی فلک یسجون اس تقدیر پر مدبراتِ امر سے ستارے مراد لینے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ تدبیرِ امور حق سبحانہ کے ہاتھ میں ہے نہ ستاروں کے۔اس لیے اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اخیر جملہ سے مراد ملائکہ کرام ہیں۔وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ارضی وسماوی معاملات کے سرانجام دینے پر مامور ہیں مگر ستاروں کے مدبرات ہونے کی یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ حرارت و برودت، شعاع وضیاء کی وجہ سے ان کی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں۔پھل پکتے ہیں، پھول آتے ہیں وفیہ مافیہ۔بعض کہتے ہیں ان پانچوں کلمات سے مراد ارواح ہیں۔پس نازعات

[1] ازانجملہ مضامین میں یہی مناسبت ہے جس طرح اس سورہ میں مبداء ومعاد کی تصویر کھینچی گئی ہے اس میں بھی ازانجملہ اس سور کے اختتام میں قیامت برپا ہونے اور نیک وبدوں کے درجات اور کافروں کی حسرت بیان فرمائی تھی۔اس سورہ کے ابتداء میں اس آنے والے وقت کا چند چیزوں کی قسمیں کھانے میں ذکر کر دیا کہ ملائکہ یوں جان قبض کرتے ہیں اور اس طرح سے لے جاتے ہیں اور یہی قیامت اور اس عالمِ غیب کی ابتداء ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ وہاں عذاب قریب سے ڈرایا گیا تھا یہاں وہ عذاب قریب آنکھوں کے سامنے لا کر دکھایا گیا۔۱۲منہ

سے مراد وہ ارواح ہیں جو اس عالمِ سفلی اور ظلمانی پر مبتلا ہیں۔اس لیے ان کا جسم سے فراق نزع شدید ہے یعنی کھینچ کر اور گھسیٹ کر سختی سے دور کیے جاتے ہیں اور جو ارواح علائقِ جسمانیہ سے الگ ہیں اور ان کو عالمِ علوی کا از حد اشتیاق ہے وہ بہت جلد ادھر کو جسم چھوڑ کر روانہ ہوتی ہیں۔ان کی اس سیر کو نشط اور سباحت سے تعبیر کیا۔پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔

بعض اور بھی سریع السیر ہیں۔جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کی ارواح طیبات اور ان میں سے بعض عالمِ علوی کے مدبرِ امور بھی ہیں۔چنانچہ حدیثِ صحیحہ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا' میں تمہارے آگے جاتا ہوں کہ تمہارے لیے تیاریاں کروں اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس عالم میں ارواحِ مومنین کے مربی و مدبرِ امور ہیں بلکہ جو لوگ ایمان واعمالِ صالحہ سے منور ہو کر اس جہاں میں جاتے ہیں وہ اپنے ان آنے والے عزیزوں محبوں کے لیے جنت میں تیاریاں کرتے ہیں۔

بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ حضراتِ اولیاء وانبیاء کی ارواحِ پاک گروہِ ملائکہ میں مل جاتی ہیں۔پھر ملائکہ کی طرح وہ بھی تدبیرِ عالمِ سفلی میں مصروف ہوتی ہیں۔پہلی امتوں نے جو حضرات انبیاء واولیاءِ کرام وملائکۂ عظام کی پرستش اور ان سے نذر و نیاز کر کے اپنے مقاصد کا سرانجام چاہنا دستور کر لیا تھا' غالباً وہ اسی خیال سے تھا جس کو اسلام نے رد کر دیا اور بتا دیا کہ گو وہ مامور ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو حکمِ الٰہی ہوتا ہے۔نہ وہ کسی کی نذر و نیاز سے خوش ہوتے ہیں نہ پکارنے' دہائی دینے پر ان کے کام بناتے ہیں۔وہ حق سبحانہ کی مرضی کے تابع محض ہیں۔ان کا ذاتی ارادہ واختیار ان معاملات میں کچھ بھی نہیں۔

بعض[1] کہتے ہیں یہ پانچوں کلمات غازیوں کے گھوڑوں کی بابت ہیں۔نازعات وہ گھوڑے جو گردن کھینچ کر اور بلند کر کے چلتے ہیں اور وہی نشطت ہیں یعنی دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب کی طرف جانے والے ماخوذ ہے۔قول عرب سے ثور ناشط اذا خرج من بلد الی بلد اور یہی سبحت ہیں۔دوڑنے کو سباحت سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی لیے تیز رو گھوڑوں کو سبوح کہتے ہیں اور یہی سبقت ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے دوڑ کر دشمن کے سامنے جاتے ہیں اور انجام کار یہی تدابیر امر یعنی فتح وظفر کرتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے کہ ان ہی کے سبب سے دشمن پر فتح وغلبہ حاصل ہوتا ہے۔ابومسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ ان پانچوں کلمات سے مراد غازی ہیں۔پس نازعات غازیوں کے ہاتھ ہیں اور نشطت ان کے تیر ہیں جو ان کی کمانوں سے شاں شپ چھوٹتے ہیں اور سبحت ان کے گھوڑے ہیں جو اس موقع پر دھاوا کرتے ہیں اور وہی سبقت ہیں کہ بڑھ کر دشمن تک پہنچتے ہیں اور ان ہی کو مجازاً باعتبارِ انجام فتح وظفر کے مدبرات کہا گیا ہے۔والنشطت نشطاً نشط بالفتح شادمانی نمودن وگرہ کشادن نشیطہ آنچہ غزاۃ درراہ یابند از غنیمت ناشط گاؤ دشتی نشط گزیدنِ مار و بردنِ اندوہ وآب برکشیدن از چاہ بے بکرہ وگرہ آسان بستن۔نشوط چاہ کہ دلو از دے بہ بسیار کشیدن برآید وایضا نوعے از ماہی از صراح ان لغوی معانی کے لحاظ سے ہر ایک توجیہ چسپاں ہو سکتی ہے۔

والسبحت سبحا۔سبح۔سباحہ۔بالفتح والکسر شناوری کردن۔سبح تصرف کردن در معاش۔قولہ تعالیٰ ان لک فی النھار سبحا طویلا۔ورفتارِ اسپ فرش سابح سبحہ باضم مہرہا کہ عدِ تسبیح بوی گیرند۔ونماز وذکرِ تسبیح پاکی وبپاکی یاد کردن سبحانہ اللہ معناہ التنزہ بہ للہ نصب علی المصدر یہاں بھی ہر معنی مناسب چسپاں کر لینے چاہییں فالسبقت فالمدبرات کے معنی ظاہر ہیں۔اول سبقت یعنی پیش روی اور آگے بڑھنا اور دوسرے کے معنی تدبیر کرنا آگے بڑھنے والوں تدبیر کرنے والوں کی قسم کھاتا ہے مگر سب سے اول معنی صاف ہیں یعنی قسم ہے اس جماعت کی جو اپنے نفس کو کسی کام میں کھینچتے ہیں یعنی کوشش وسرگرمی کرتے ہیں اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں نشاط وشوق پیدا کرتے ہیں

[1] وجوہ مذکورہ بالا اور ان کی سوا اور وجوہ جو الفاظِ قرآنیہ سے پیدا ہو سکتی ہوں سب منصوص نہیں معانی پر لحاظ کر کے ہر ایک عالم نے ایک مناسب معنی مراد لیے ہیں۔۱۲منہ

اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں دوڑتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسم جو اس دوڑ کے بعد آگے بڑھتے ہیں' سبقت کرتے ہیں پھر اس جماعت کی قسم جو ان مراتب سے فارغ ہو کر لوگوں کی تکمیل و رہنمائی کرتے ہیں اور چونکہ یہ اخیر دونوں جماعت پہلی تینوں جماعت سے بالاتر ہیں۔ اس لیے ف لائی گئی جس کو فء تعقیب کہنا چاہیے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨
اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ ءَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣
فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤

جس دن کہ زمین لرزے' پے در پے زلزلہ آئیں کتنے ایک دل تو اس روز دھڑ کتے ہوں گے ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی۔ منکر کہیں گے کہ کیا ہم پہلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے (بارِ دگر زندہ ہوں گے) ارے اس وقت کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے' کہتے ہیں تب تو یہ پھر آنا بڑا ہی ٹوٹا ہے۔ پھر وہ واقعہ صرف ایک ہی ہیبتناک آواز تو ہے۔ پھر تو وہ اسی وقت میدان میں آموجود ہوں گے یعنی جاگ جائیں گے۔

ترکیب: یوم منصوب بالجواب المضمر والتقدیر لتبعثن یوم ترجف الراجفة اے فی الوقت الواسع الذی یحصل فیہ الخفقان وقیل منصوب بما دل علیہ قلوب یومئذ واجفة ای یوم ترجف رجفت القلوب۔ والرجفة / الحرکة والاضطراب یقال رجف یرجف اذا اضطرب ومنہ قولہ تعالیٰ یوم ترجف الارض والجبال وقیل الھدۃ النکرۃ والصوت الھائل من قولھم رجف الرعد یرجف رجفا ورجیفا ومنہ قولہ تعالیٰ فاخذتھم الرجفة فعلی ھذا الرابعة صیحة عظیمة تتبعھا الرا فتہ الجملة منصوب علی الحال من الرابعة والمعنی لتبعثن یوم الخفخة الاولی حال کون الخفخة الثانیة تابعة لھا والرادفة کل شیء جاء بعدہ شیء آخر یقال ردفہ ای جاء بعدہ۔ قلوب مبتداء یومئذ منصوب بواجفة وھی صفة لقلوب' ابصارھا مبتدا ثان خاشعة خبرہ والجملة خبر الاول۔ والضمیر فی ابصارھا راجع الی اصحاب القلوب۔ وجف وجیف طپیدن ونوعے از رفتار شتر (عع ف اک ۲) ایجاف راندن شتر براں رفتار ومنہ قولہ تعالیٰ فما او جفتم علیہ من خیل والارکاب' ء انا الجملة الاستفہامیة مقولة یقولون الحافرة عند العرب اول الشیء وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرتہ عند العرب اول الشیء وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرة ای علی الطریق الذی جاء منہ والمراد الحالة الاولی واصل الحافرة الطریقة حفرھا ای اثر فیھا بمشیة فیھا جعل اثر قدمیہ حفرا فھی فی الحقیقة محفورة الا انھا سمیت حافرة کما فی عیشة راضیة وما وافق۔ احتفار زمین کندن حفرہ بالضم کندہ حافر سم مستور حافرہ اول ہر چیزے (صراح)ء اذا کنا الجملة تاکید للانکار والعامل فی اذا مضمر یدل علیہ مردودون قراء الجمہور نخرۃ وقراء حمزۃ والکسائی ناخرۃ قال الاخفش ھما لغتان ای معنا ھما واحد۔ وقیل ان الناخرۃ غیر النخرۃ لان الناخرۃ من النخیر بمعنی الصوت کنخیر النائم والمخوق فھی العظام الفارغة التی یحصل من ھبوب الریح فیہ صوت والنخرۃ من نخر العظام ینخر فھو نخر کعفن یعفن عفن اذا بلی وصار لوسمتہ تفتت تلک مبتداء خاسرۃ خبرہ۔ الساہرۃ وجہ الارض قال الفراء سمیت بھا لان فیھا نوم الحیوان ومھر ھم وقیل الساھرۃ ارض بیضاء۔

تفسیر: ان مذکورہ بالا چیزوں کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ اے منکرینِ قیامت! تم اس کا کیا انکار کر رہے ہو۔ تم ضرور مرنے کے بعد بارِ دگر حساب کے لیے زندہ کیے جاؤ گے۔ یوم ترجف الراجفة اس روز کہ لرزنے والی چیزیں لرزیں یعنی زمین اور پہاڑ ہلیں اور وتبعھا

الرادفة پے در پے لرزہ اور زلزلہ آوے۔ یہ نفخِ صورِ اول کے وقت ہوگا کہ زمین ہل جاوے گی اور پے در پے زلزلے آکر یہ تمام دنیا نیست و نابود ہو جاوے گی۔ اس کے بعد بارِ دگر ہر ایک انسان زندہ ہوگا۔ ابتداءِ نفخِ صورِ اول سے لے کر نفخِ ثانی تک ایک متصل زمانہ ہے۔ اس لیے اس میں زندہ ہونا صحیح ہو سکتا ہے ورنہ صرف نفخِ اول صور میں تو کوئی زندہ نہ ہوگا بلکہ زندہ لوگ مر جاویں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یوم ترجف الراجفة سے مراد وہ بڑی ہیبتناک آواز ہے جو نفخۂ اولی کے وقت ہوگی جس سے زمین و آسمان' وحوش و طیور' حیوان و انسان نیست و نابود ہو جاویں گے اور تتبعھا الرادفة سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے یعنی بارِ دگر صور پھونکنا جس سے تمام حیوان و انسان بارِ دگر زندہ ہوں گے اور ان دونوں نفخ صور میں بمقدار چالیس برس کا زمانہ ہوگا اور ادفہ اس لیے بارِ دگر صور پھونکنے کو کہتے ہیں کہ وہ اول کے بعد ہے اور ایک شے سے بعد کی چیز کو ردفہ کہتے ہیں اور گھوڑے پر دو شخص بیٹھنے والوں میں سے اخیر کو ردیف کہتے ہیں۔

امام احمد و ترمذی و حاکم وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر چکتی تھی تو فرمایا کرتے تھے' اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ راجفہ آئی اس کے پیچھے رادفہ آتی ہے۔ موت اور اس کے سامان قریب آپہنچے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔ یوم ترجف الراجفة تتبعھا الرادفة کہ زمین اور جو اس پر ہے' ہلیں گے کہ جس طرح کشتی ڈگمگایا کرتی ہے (اخرجہ ابو الشیخ وابن مردویہ والدیلمی) ابو مسلم ان دونوں جملوں سے قیامت کے احوال مراد نہیں لیتے بلکہ راجفہ و رادفہ سے مراد مشرکوں کے گھوڑے۔

پھر جب یہ حالت ہوگی تو اس روز قلوب یومئذ واجفة بہت دل دھڑکتے ہوں گے۔ کس لیے کہ عمر رائیگاں گئی۔ پھر عمل کرنے کا موقع نہیں رہا، برے اعمال اور خیال کا نتیجہ سامنے آیا۔ جہنم جوش مار رہی ہے۔ احکم الحاکمین کی طرف سے داروگیر ہو رہی ہے اور ایسی حیرت و دہشت طاری ہوگئی وابصارھا خاشعة کہ ان کی آنکھیں شرم کے مارے نیچی ہوں گی۔ ان مصائب کو دیکھ نہ سکیں گے۔ خوف کے وقت جبکہ سامنے مہلک سامان موجود ہوتے ہیں تو ملزم آنکھ بند کر لیتا ہے اور شرمندگی سے بھی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

قیامت کا حال بیان فرما کر کفار کے اقوال نقل کرتا ہے کہ وہاں تو یہ حالت ہوگی اور وہ وقت قریب آلگا ہے اور یہ لوگ اب اس دنیا میں غفلات ولذات کے نشہ اور جہالت کی تاریکی میں کس غرور سے یقولون ء انا لمردودون فی الحافرة کہتے ہیں کہ کیا ہم بارِ دگر پھر اس حالتِ حیات کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا مر کر ہم بارِ دگر زندہ کیے جاویں گے! یہ کہنا ان کا تمسخر اور غرور کی وجہ سے تھا۔ ء اذا کنا عظاما نخرۃ ارے کیا جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور چورا چورا ہو جاویں گی' اس کے بعد پھر زندہ ہوں گے؟ یہ ان کی ناقص سمجھ میں محال بات تھی اور اس کو خدائے قدیر کی قدرت سے باہر جانتے تھے۔ قالوا تلك اذا کرۃ خاسرۃ کہتے ہیں۔ تب تو یہ بارِ دگر جینا بڑے نقصان کی بات ہے یعنی اگر مدتوں کے بعد زندہ بھی ہوئے تو یہ زندگی نقصان کی ہوگی۔ کس لیے کہ اتنی مدت میں کوئی عضو کہیں گیا ہوگا' کوئی کہیں پھر جو کوئی زندہ ہوا تو کسی کی انگلی نہ ہوگی' کسی کے پاؤں نہ ہوں گے' کوئی اندھا ہوگا۔ کسی کے بال نہ ملیں گے وغیرہ وغیرہ اور نیز اقارب بھی اس حالت میں نہ ہوں گے اور دنیا میں جو کچھ کمایا تھا' وہ بھی نہ ہوگا اور نیز اس لیے بھی کہ ہم نے قیامت کے منکر رہ کر اعمالِ صالحہ و ایمان سے غفلت اختیار کی اور آج ان کی پرسش ہو رہی ہے اور ہم خالی ہاتھ رہے۔ الحاصل ان وجوہ سے اس زندگی کو خاسرہ سمجھتے تھے یعنی اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ بارِ دگر زندہ ہوں گے تو وہ زندگی ناقص ہوگی اور یہ اس حکیم و قدیر کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے بھی وہ اس بارِ دگر زندہ ہونے کو محال جانتے تھے اور اس پر یہ دلیل لاتے تھے۔ ان کے جواب میں اس کا امکان بلکہ وقوع بتلاتا ہے۔ فقال انما ھی زجرۃ واحدۃ کہ یہ کرہ یعنی بارِ دگر جینا کچھ مشکل نہیں صرف ایک سخت آواز یعنی نفخِ صور سے ہو جاوے گا۔

کوئی حالتِ منتظرہ نہ ہوگی' فوراً ہر ایک بدن تیار ہو جاوے گا اور اجزاءِ بدن مجتمع ہوں گے۔ اسی وقت ان ابدان سے ارواح کو

متعلق کر دیا جاوے گا۔ گویا سوتے کو جگا دیا۔ اس لیے فرماتا ہے فاذا هم بالساهرة کہ پھر تو جب ہی وہ یعنی ان کی روحیں ان کے بدنوں سے متعلق ہو جاویں گی اور جاگ جاویں گی یا یوں کہو فوراً وہ میدان میں حاضر ہو جاویں گے۔

اول[1] معنی چسپاں تر ہیں۔ کس لیے کہ اس زندگی کے بعد جو موت طاری ہوتی ہے اس کو خواب سے تشبیہ تام ہے۔ چند وجوہ سے: اول یہ کہ جسم سالم اور صحیح موجود ہوتا ہے اور خواب کی وجہ سے بیکار ایک جگہ پڑا رہتا ہے۔ نہ چلتا پھرتا ہے نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے۔ نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسی کو جواب دیتا ہے۔ یہاں کچھ ہی ہوا کرے اس کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہی حال موت سے ہو جاتا ہے۔ وہی جسم ہے۔ وہی اس کے اعضاء ہیں مگر ایک تختہ سا پڑا ہے نہ اب اس کو جورو بچوں کی پروا ہے نہ کسی یار دوست کی۔ نہ دنیا کے زر و جواہر مرغوب چیزوں کی جن کے لیے مارا مارا پھرتا تھا۔ نہ ان سے متمتع ہو سکتا ہے۔ سب بیکار پڑا ہے اور جس طرح خواب میں اس پر بہت کچھ واقعات گزرتے ہیں کہیں باغوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ دوستوں سے مل کر لطفِ صحبت اٹھاتا لذت و سرور پاتا ہے۔ کہیں کسی مکان تنگ میں بند کیا جاتا ہے۔ مار پڑتی ہے۔ سانپ بچھو ڈستے ہیں' روتا پیٹتا ہے' چیختا ہے' چلاتا ہے۔ پاس والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی' نہ جسم پر ان خواب کی راحتوں یا تکلیفوں کا کچھ اثر نمودار ہوتا ہے۔ نہ خواب کی حالت میں ان خواب کے واقعات کو فرضی اور خیالی سمجھتا ہے بلکہ اصلی بلکہ خواب کو بھی خواب بیدار ہو کر سمجھتا ہے۔ خواب میں تو اسی عالم کو اصلی حالت اور سچے واقعات سمجھتا ہے۔ یہی حال میت کا ہے۔ جب اس پر ادھر سے بے ہوشی ہوئی اور دوسرا عالم منکشف ہوا اور فرشتوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پھر کوئی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ ملائکہ پاک صورت و حوریان مہر طلعت سے باتیں کر رہا ہے۔ ان کے جلسوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ باغِ قدس کی بہاریں دیکھ رہا ہے۔ کسی پر وہاں گرز پڑ رہے ہیں' جہنم کی لپٹیں اس کو کھائے جاتی ہیں۔ مکان تاریک و تنگ میں محبوس ہے۔ سانپ بچھو ڈس رہے ہیں' روتا چلاتا ہے مگر اس کے جسم پر کوئی اثر نہیں۔ نہ جسم کے دیکھنے والوں کو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر جس طرح خواب سے بیدار ہونے والا پھر ایک دوسرے عالم میں آتا ہے اور یہاں کے حالات دیکھ کر اس عالم کو عالمِ خواب و خیال سمجھتا ہے۔ اسی طرح مردے جب سخت آواز سے خوابِ عدم سے جگا کر بیدار کئے جاویں گے تو ایک اور زندگی دیکھیں گے اور اٹھ کر کہیں گے' من بعثنا من مرقدنا کہ کس نے سوتے ہوئے ہم کو جگا دیا؟ اس لیے بارِ دگر زندگی کو زجرة واحدة ایک تند آواز سے وابستہ کیا۔ جیسا کہ خواب سے بیدار کرنا ایک تند آواز سے ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ اس عالم میں خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ اس لیے اس عالم میں آوازِ تند سے بیدار ہونا بیان فرمایا۔

اور بھی موت کو اور مر کر بارِ دگر جینے کو انسان کی زندگی اور اس کے خواب اور اس کی بیداری سے مشابہتیں ہیں اور یہ کلام تخیلی نہیں بلکہ مقدماتِ حقہ اور یقینیہ پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ ایک برہان یا حجت ہے جس کو ہر ایک ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ
اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ
فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ

[1] یعنی لفظ ساہرہ کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ فوراً یہ لوگ قیامت کے دن جاگ اٹھیں گے موت کی نیند سے۔ دوم یہ کہ فوراً میدانِ حشر میں آحاضر ہوں گے۔ اول معنی زیادہ مناسب اور بہت چسپاں ہیں کس لیے کہ موت کو خواب سے زیادہ مشابہت ہے اور سہر بیداری کو کہتے ہیں حیاتِ اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے چند وجہ سے جن میں سے ایک وجہ تفسیر میں بیان کی گئی۔ ۱۲ منہ

فَنَادٰى ﴿۲۴﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

آپ کو کچھ موسیٰ کا بھی حال معلوم ہوا؟ جبکہ ان کے رب نے ان کو پاک وادیٔ طویٰ میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔ پھر (جا کر) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ سدھر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ بتاؤں کہ تو ڈرنے لگے؟ پھر موسیٰ نے اس کو بڑی نشانی دکھائی سو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے پکارا تو کہا کہ میں ہی تمہارا بڑا معبود ہوں۔ پھر تو اس کو اللہ نے آخرت اور دنیا کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ بے شک اس میں ہر ایک ڈرنے والے کے لیے (بڑی) عبرت ہے۔

ترکیب: هل استفهامیة او بمعنی قد و الجملة مستانفة لبیان مسئلة النبوة اذ متعلق بحدیث۔ لاباتاك لاختلاف قیتهما طویٰ قریٔ بالتنوین و ترکه و هما سببیتان فمن صرفه جعله اسم وادٍ و مکانٍ و جعله نکرة و من لم یصرفه جعله بلدة و بقعة و جعله معرفة و هو وادٍ بین الشام و قلزم و هو بدل من الوادی اذهب ای قال اذهب و قیل هو تفسیر للنداء تزکی قرء الجمهور بالتخفیف و قرأ نافع و ابن کثیر بتشدید الراء علی ادغام التاء فی الزای قال ابو عمرو بن العلاء علی الاول معناه تکون زکیاء مؤمنا و علی الثانی الصدقة۔ والی متعلقة بمحذوف و هو رغبة او توجه و هو مبتدا لك خبره و اهدیك معطوف علی تزکی منصوب بان و الفاء فی فتخشی لترتیب الخشیة علی الهدایة یسعیٰ حال من الضمیر فی یسعی۔ نکال الآخرة و فی نصب النکال وجهان احدهما هو مصدر لان اخذ و نکل به معناهما واحد الثانی هو مفعول له ای اخذه الله لاجل نکال الاخرة والاولی۔ ورجح الزجاج القول الاول لعبرة اسم ان فی ذلك خبرها۔

تفسیر: مسئلۂ معاد پر دلائلِ عقلیہ بیان فرمانے کے بعد وہ دلائلِ نقلیہ بیان فرماتا ہے جن کا تعلق ایک جمِ غفیر کے مشاہدہ سے ہے یعنی بیسیوں آدمیوں نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا ہے اور جو چیز بظاہر قابلِ حیات نہیں اس میں حق سبحانہ نے روح پھونک دی ہے اور یہ تاریخی واقعات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اتباع کے عہد میں ان کی برکت و معجزات سے سرزد ہوئے تھے) عرب میں مشہور اور معروف تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال هل اتاك حدیث موسی کہ کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی۔ پھر دیکھو کیا ان کے وقت میں مردہ زندہ نہیں ہوا جس کا قصہ سورہ بقرہ میں موجود ہے اور نیز ان کے پاس ایک عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا پھر مردہ کا زندہ کرنا خشک لکڑی کے سانپ بنانے سے کچھ بڑھ کر ہے؟ ہرگز نہیں۔

یا یوں کہو کہ مسئلۂ معاد کے بعد مسئلۂ نبوت کا ثابت کرنا یہی اہم مقاصد میں سے تھا۔ اس لیے ایک مسلم النبوۃ نبی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلۂ معاد کو بھی ثابت کرتا ہے اور یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ اے قریش! تم نے موسیٰ کا حال تو سنا ہوگا۔ وہ فرعون کے پاس ہماری طرف سے رسول بن کر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم اے قریش! دولت و حشمت میں تم سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔ انہوں نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا' معجزات کو جھٹلایا۔ پھر اس کا اور اس کے سرداروں کا یہ انجام ہوا کہ ہم نے ان کو دنیا اور آخرت کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ دنیا میں قلزم میں ڈوب کر مرے۔ آخرت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گئے۔ ان کے سروسامان سب دھرے رہے۔ اب تم جو ہمارے رسول کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہو جو فرعون نے موسیٰ سے کیا تھا۔ سو تم بھی اپنے لیے دنیا و آخرت کی خواری کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: حضرت موسیٰ کا حال اکثر سورتوں میں بتفصیل مذکور ہے مگر اس سورہ میں جو کہ نزول میں ان سے مقدم ہے۔ اجمالاً ذکر فرمایا گیا۔ فقال اذ نادٰه ربه بالواد المقدس طویٰ کہ جب موسیٰ کو اس کے رب نے یعنی ہم نے پاک جنگل میں جس کا نام

طویٰ ہے اور کوہ طور بھی وہیں واقع ہے پکارا۔ یہ مختصر کیفیت ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر میں پیدا ہوئے تھے بنی اسرائیل کے خاندان میں۔ فرعون نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس سے تیری ہلاکت ہوگی ان کے ہر ایک بچے کو قتل کرواڈالتا تھا۔ اس خوف سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ بہتے ہوئے فرعون کے محلوں میں آنکلے۔ اس کی بیوی نے دیکھ لیا۔ صندوق کھولا گیا تو چاند سا لڑکا دکھائی دیا۔ فرعون کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس کی بیوی نے بیٹا بنالیا۔ ان ہی کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پائی' جوان ہوئے تو ایک بازار میں دیکھا کہ ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ مظلوم کے چھڑانے کو بڑھے فرعونی باز نہ آیا تو اس کے آپ نے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس خوف سے کہ فرعونی اور فرعون مجھے نہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر قلزم پار شہر مدین میں آئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ یہاں ان کی ایک بیٹی سے آپ نے شادی کر لی۔ آٹھ یا دس برس یہاں رہے۔ اب مصر کا شوق ہوا اور سمجھے کہ اب اس قصہ کو لوگ بھول گئے ہوں گے۔ بیوی بچے بھی ساتھ چلے۔ بیوی حاملہ تھیں رستہ میں ایک منزل پر وادیِ طویٰ میں پہنچ کر راہ بھول گئے۔ سردی کا موسم تھا' رات ہوگئی تھی۔ آپ نے دور سے ایک آگ کا چمکارا دیکھا۔ بیوی اور غلاموں سے کہا' تم یہیں ٹھہرو میں آگ کے پاس جاتا ہوں' آگ لاؤں گا۔ تمہارے تاپنے کے لیے اور اگر آگ نہ ملی تو راستہ تو بتا دے گا۔ رستہ پوچھ لوں گا۔ آپ اس مقام پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پر تجلی ہے اور ہر ایک شاخ و برگ سے ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں آرہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر حیران ہو گئے۔ پھر ایک ایسا نورِ عظیم الشان متجلی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں اور موسیٰ کو آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں رب العلمین ہوں' قریب آ۔ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرا عصا ہے۔ فرمایا اس کو زمین پر ڈال دے۔ ڈالا تو سانپ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر پیچھے بھاگنے لگے۔ فرمایا ڈر نہیں اس کو اٹھالے۔ اٹھایا تو پھر عصا تھا اور کہا اپنا دایاں ہاتھ بغل میں دبا کر نکال۔ نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے یا نشانیاں عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے تجھے رسول کیا تو اذھب الی فرعون انه طغٰی شاہ مصر کے پاس جا کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ خدائی دعویٰ کرتا ہے۔ بندگانِ خدا کو ایذا دیتا ہے' نہایت بدکار ہے اور اس کے سبب سے اس کی قوم بدکاری کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہاں جا کر فقل هل لك الى ان تزكّٰى یہ کہہ کہ کیا تجھ کو اس بات کی رغبت و خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے' تیرے اخلاق بد دور ہو جاویں اور تو تمام روحانی نجاستوں سے پاک وصاف ہو جاوے اور پاک ہونے کے بعد واهديك الىٰ ربك تیرے رب کا تجھے رستہ بتاؤں۔ جب تک انسان روحانی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے اس کو اس کے رستہ تک بھی رسائی نہیں' اس تک تو کجا۔ یہی تاریکیاں حجاب حاجز ہیں۔ بندے کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتیں۔ اول تزکیہ پھر تخلیہ ہے اور صرف یہی بات نہیں کہ تجھے رستہ بتا دوں' وہاں پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ پہنچا ہی دوں۔ کس لیے کہ کمالِ ہدایت ایصال الی المطلوب۔ فتخشٰی کہ پھر تو ڈرنے لگے کس لیے کہ دربارِ الٰہی میں جب پہنچ ہو جاتی ہے تو بہیمیت کمزور ہو جاتی ہے اور جلالِ الٰہی کا پرتو اوپر پڑتا ہے جس لیے بندہ ڈرنے اور لرزنے لگتا ہے جو بادشاہ کے دربار تک ہی نہیں پہنچا اس پر دربار کی کیا ہیبت پڑے گی۔ خشیت دلیلِ وصال ہے اس مقام پر بجز گریہ کے اور کچھ نہیں بن آتا۔ اے فرعون! اگر تجھ کو ان سب باتوں کی رغبت ہے تو میں کوشش کروں کیونکہ طالب کے لیے ارادت شرط ہے ورنہ محرومی ہے۔ فرعون نے ارادت تو ظاہر نہ کی بلکہ انکار و مقابلہ کر کے پوچھا کہ راہ دکھانا اور درست کرنا تو بعد کی بات ہے۔ پہلے اپنا رسول ہونا تو ثابت کیجئے' ہم کس دلیل سے جانیں کہ تجھ کو خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟ اس لیے فاراه الایت الکبریٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بڑی نشانی دکھائی۔ بڑی نشانی کیا تھی؟ بعض علما فرماتے ہیں ید بیضا بعض کہتے ہیں عصا۔ لکھا یا کہ وہ سانپ بن گیا اور فرعون اور اس کے درباری ڈر کر بھاگنے لگے اور یہی قول قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں دونوں

لہ کس لیے کہ توریت سفر خروج کے (۷) باب میں یہی ہے۔ ۱۲ منہ

معجزے دکھائے۔ ہر ایک کو آیۃً کبریٰ کہا جا سکتا ہے۔ یہ اول ملاقات کا معاملہ ہے اور بعد میں تو اور بہت معجزات دکھائے جن کا ذکر جلد دوم سورہ بقرہ کی تفسیر تاریخ بنی اسرائیل میں ہم کر چکے ہیں مگر فرعون معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لایا بلکہ فکذب وعصٰی جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ جادو ہے۔ میرے جادوگر اس سے بھی بڑھ کر دکھا سکتے ہیں۔ اس لیے میں تیرا ان سے مقابلہ کراتا ہوں اور ایک روز مقرر کر کے تیرے مقابلہ کے لیے انہیں بلاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا مگر جادوگر عاجز ہو کر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس پر بھی خدا کی نافرمانی کی کہ ان جادوگروں کو ایمان لانے کے جرم میں مروا ڈالا۔ اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ ثم ادبر یسعٰی اس نے اس کے بعد پشت پھیرنے یعنی نافرمانی میں کوشش کی اور بنی اسرائیل کو اور زیادہ تکالیف دینی شروع کر دیں اور یہ قصد کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو کیا میں اس کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ اس لیے اس نے ایک روز درباریوں کو جمع کیا۔ فحشر اور جب سب جمع ہو گئے تو فنادیٰ (منادی) کی۔ فقال انا ربكم الاعلیٰ کہ میں ہوں تمہارا بڑا رب نہ موسیٰ کا خدا۔ بس تم موسیٰ کے کہنے میں نہ آنا' میری اطاعت کرنا ہے اور اس کی قوم بت پرست تھی مگر فرعون اپنی سرکشی سے خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے زور و قوت جتانے کو لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ میں بڑا رب ہوں۔ تمہاری پرورش میرے ہاتھ میں ہے' جس کو جس قدر چاہوں دوں جس کو چاہوں سزا دوں' پھر اتنا اختیار میرے سوا کس کو ہے؟ خدا تعالیٰ کا محسوس نہ ہونے کے سبب قائل نہ تھا۔ اس لیے وہ بے عقل اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں پہلے زمانوں میں راجاؤں کو معبود سمجھا کرتے تھے۔ یہی مصر کا دستور تھا۔

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ مانی اور سرکشی میں ترقی کرتا گیا تو فاخذه الله اس کو اللہ جبار و قہار نے پکڑ لیا اور کس بلا میں مبتلا کیا۔ نکال الآخرة و الاولیٰ آخرت کے عذاب میں اور دنیا کے عذاب میں۔ اس روز اس کی ساری خدائی بوسیدہ ہو کر ہوا میں اڑ گئی۔

اس گرفتاری کی تفصیل اور سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون اپنا لشکر لے کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو گرفتار کرنے نکلا تھا۔ بنی اسرائیل قلزم سے پار اتر گئے۔ دریا نے رستہ دے دیا۔ بعد میں جو فرعون اور اس کا لشکر آیا تو سب غرق ہو گئے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی تھی' آخرت کے لیے جہنم تیار ہے۔ آخرت کو اس لیے مقدم کیا کہ دنیا کی رسوائی بمقابلہ آخرت کی رسوائی کے کچھ نہیں۔ اصل عذاب و رسوائی وہیں کی ہے۔ اس لیے اس کے اسباب سے بچنا چاہیے۔ ان فی ذلك لعبرة اس بیان میں عبرت اور نصیحت ہے مگر کس کے لیے؟ لمن یخشٰی۔ اس کے لیے جو خدا ترس ہے اور اس کے دل پر کفر اور بدکاری کی سیاہی چھا نہیں گئی ہے۔ اس کو عبرت و نصیحت ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ غلط نہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ یقینی ہے ہو کر رہے گا۔ ان سے مقابلہ کرنے والا انجام کار خراب ہوتا ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی مگر جو بدبختِ ازلی ہے اس کو عبرت و نصیحت نہیں ہوتی۔ کیسا ہی حادثہ ہو وہ اس کو ایک معمولی بات خیال کرتا ہے۔ اب بھی خدا تعالیٰ کی آیاتِ قدرت وقتاً فوقتاً ہماری عبرت کو ظاہر ہوتی ہیں۔ وبا' بربادیِ خاندان یا بجلی' ہوا' ژالہ باری وغیرہ مگر دل کے اندھے ان کو معمولی بات جانتے ہیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ
لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا
وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ جس کو اس نے بنایا جس کی چھت بلند کی پھر اس کو سنوارا اور اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی نکالی اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا (پھر) اس میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ کیا۔ تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب: انتم مبتداء اشد خبرہ خلقا تمیز منہ السماء مبتداء والخبر محذوف ای اشد والترديد بين الجملتين بالهمزة وام بناها الجملة مستانفة وقيل حال من المحذوف قال الزجاج والفراء الكسائی تم الكلام عند قوله بناها لانه من صلة السماء والتقدير ام السماء التی بناها بحذف التی رفع سمكها مستانف لبيان البناء۔ اوصفة سمک برداشتن وسقف خانہ (وعع اض ۲) يقال سمک الله السماء سمكا سموک بلند شدن يقال سنام سامک ای عال مرتفع سمک بالتحريک ماہی۔ سماک سموک ج۔ ازصراح۔ اغطش اغطاش تاریک کردن شب راوتاریک شدن متعدی ولازم۔ ص۔ والارض منصوب بفعل محذوف ای وحی الارض وكذا الجبال ای وارسی الجبال قرئ بالرفع على الابتداء متاعا مفعول له اومفعول مطلق ای متع متاعا

تفسیر: منکرینِ حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لایعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مینڈک کی مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے۔ کلام انسان اشرف المخلوقات کے بارِ دگر زندہ ہونے میں ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ ء انتم اشد خلقاء ام السماء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بارِ دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادرِ مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اس میں یہ یہ صنعتیں رکھیں اور جس نے زمین کو بنایا اور اس کو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خورش پیدا کی جس کی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونہ موجود ہیں۔ پھر اس کے نزدیک انسان کا بارِ دگر پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے؟ کس لیے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہا باریکیاں رکھی ہیں، پیدا کر دینے پر قادر ہے وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے خصوصاً جبکہ ایک بار اس کو پیدا بھی کر چکا ہو۔

اس کے بعد آسمان کی پیدائش اور اس کے اندر جو صنعتیں رکھیں، ان کو بیان فرماتا ہے۔ اول رفع سمکھا کہ اس کی چھت کس قدر بلند کی۔ زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ دوم فسوھا یہ نہیں کہ بیڈول اس کو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا۔ ہر موقع پر ہر چیز ہے نہ اس میں شگاف ہے نہ ٹیڑھا تر چھا پن ہے۔ سوم واغطش لیلھا واخرج ضحھا اس کی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کیسی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے۔ کیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کر کے نہیں بیٹھ رہا بلکہ والارض بعد ذلك دحھا اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اس کو ٹھیک کر کے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔ ان آیات اور سورہ فصلت کی ان آیات ثم استوىٰ الى السماء اور سورہ بقرہ کی آیات هوالذی خلق لكم ما فی الارض الخ وان آیات قل ء انكم لتكفرون بالذی خلق الارض فی يومين الخ میں کچھ تعارض نہیں۔ اس کی تشریح وتفصیل ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اخرج منها ماء ها ومرعاها زمین سے پانی نکالا، کنوؤں اور چشموں سے اور چارہ پیدا کیا والجبال ارسها اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ بنایا جس سے ڈگمگاتی نہیں۔ متاعالكم ولانعامكم تمہارے برتنے اور آرام پانے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے اور کھانے کے لیے۔ پھر یہ مصالح زمین وآسمان میں جس نے ملحوظ رکھ کر ان کو بنایا ہے۔ کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ
لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

پھر جبکہ وہ بڑا حادثہ آموجود ہو جس دن کہ انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیا کا جینا ہی پسند کر لیا ہوگا سو اس کا تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور دل کو خواہشوں سے روکا پھر بے شک اس کا تو جنت ہی مقام ہے۔

ترکیب: فاذا اشرط الطامة قال المبرد هی عند العرب الداهية طم طم درانپاشتن (عع ف اض ۲) يقال فوق كل ذی طامة طامة و بريدن والطامة قيامت صراح قال المبرد هی من قولهم طم الفرس طميما اذا استفرغ جهده فی الجری وطم الماء اذا ملاء النهر كله وقال الليث الطم طم البئر بالتراب وهوالكبس ويقال للشیء الذی يكبر حتی يعلوطم والطامة الحادثة تطم علی ماسواها كبير۔ والعامل فی اذا جوابها وهومعنی قوله يوم يتذكر قال الواحدی جواب اذا محذوف والتقدير اذا جاءت الطامة الكبرىٰ دخل اهل النار النار واهل الجنة الجنة وقيل جوابها قوله فان الجهيم هی الماویٰ وكانه جزاء مركب علی شرطين يوم يتذكر الظرف بدل من اذا وقيل من الطامة الكبرىٰ۔ وبرزت معطوف علی جاءت قراء الجمهور برى بالتحتية وقرأت عائشة وعكرمة ومالک بن دينار وزيد بن علی بالفوقية ای لمن تراه الجحيم فاما شرطية من موصولة طغىٰ اصلتها واثر معطوف علی طغىٰ آثر اختار فان الجهيم الجملة جواب الشرط هی الماویٰ له اوالالف واللام عوض عن المضاف اليه وقس عليه اما من خاف مقام ربه قائما بين يديه وقال الجلال جواب اذا فاما من طغىٰ الخ۔

تفسیر.....مسئلۂ توحید کا اثبات: آسمان وزمین کی بناوٹ میں اپنی حکمتِ بالغہ وقدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر بظاہر تو یہ بات ثابت کی تھی کہ ہم انسان کے بارِ دگر زندہ کرنے پر قادر ہیں اور ضمناً یہ بھی بتایا تھا کہ دراصل ہم ہی مربی ورزق رسان ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے لیے یہ گھر بنایا جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے اور جس میں تمہاری معیشت کے کل سامان ہیں۔ پھر ہم ہی قابلِ پرستش ہیں۔ ہمارے ساتھ عبادت واستعانت میں دوسرے کو شریک کرنا کمال ناشکری ہے اور ہماری عبادات واطاعت شکرگزاری اور حق شناسی ہے۔ اس میں مسئلۂ توحید کا بھی کامل ثبوت کر دیا گیا۔ اب یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ دنیا کا گھر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ کے لیے نہیں۔ آخر ایک روز یہ گھر بگڑنا ہے اور تمہیں ایک دوسرے گھر میں جا کر سدا رہنا ہے جہاں انسان کو اس کی کوشش اور عمل کا نتیجہ نیک یا بد بھگتنا پڑے گا اور اس دارِ امتحان میں جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ پانا ہوگا اور اس گھر میں بسانے سے یہی مقصود بھی تھا نہ کہ یہیں رکھنا اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الطامة الكبرىٰ جبکہ بڑا حادثہ یعنی قیامت آوے۔ طامہ بڑا حادثہ جو اور سب حادثوں پر غالب ہو اور کبریٰ میں اور بھی تاکید ہے۔ یہ موت کے حادثے اور دنیا کے جمیع حوادث انقلاباتِ سلطنت، دریائی طغیانی، پہاڑوں کی آتش فشانی، قوموں کے زیروزبر ہونے، نئے مکانوں کے بننے، پہلوں کے گرنے، انسان کے بڑھاپے اور دولت مند وفقیر ہونے سب سے بڑھ کر ہے۔ کس لیے کہ اس حادثہ میں یہ تمام عالم ہی زیروزبر ہو جائے گا۔ یہ گھر فنا ہو جاوے گا۔ ان آیات میں پھر اس مسئلۂ معاد کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور یہی خیال انسان کو نیکی پر ابھارتا اور بدکاریوں سے روکتا ہے۔

قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا' زمین کا فنا ہونا' پہاڑوں کا اڑتے پھرنا' جو نفخِ صور اول سے متعلق ہے۔ تو طیہ وتمہید ہے اور اصل مقصد انسان کا بارِ دگر زندہ ہو کر اپنے اعمال وایمان کا بدلہ پانا ہے اس لیے طامہ کبریٰ کے بعد جو قیامت ہے اس اصلی مقصد کو بیان فرماتا ہے فقال یوم یتذکر الانسان ماسعٰی یعنی جس دن کہ آدمی یاد کرے گا کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا' اس کو وہ قوی اور حواس عطا ہوں گے کہ جو کچھ آج دنیا میں کر کے بھول گیا ہے' اس روز وہ سب یاد آجاوے گا اور اعمال کا نیک وبد نتیجہ اپنی مناسب اشکال میں اس کو آنکھوں سے دکھائے گا۔ وبرزت الجحیم اور مظہرِ قہرِ الٰہی جس کو جہنم یا جحیم کہتے ہیں' ظاہر ہو جاوے گی۔ لمن یریٰ ہر ایک دیکھنے والے کے لیے آج جو یہ تفرقہ ہے کہ اس کو اہلِ بصیرت حضرات انبیاء واولیاء دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اسی لیے شتر بے مہار ہو کر لوگ لذات وشہوات میں گرے پڑتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب انکار کرتے ہیں' اس روز یہ نہ ہوگا۔ ہر ایک کھلم کھلا دیکھے گا۔ لمن یریٰ کے لفظ نے تعمیم کر دی۔ پھر اس فرمانِ الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جاوے گا بلکہ فامامن طغٰی جس نے سرکشی کی دنیا میں کہ حد مقرر سے آگے پاؤں دھرا' یہ لفظ جمیع گناہوں کو شامل ہے۔ معاملات سے لے کر عبادت تک حکمِ الٰہی سے سرتابی' تجاوز' طغیان ہے۔ یہ قوتِ نظریہ کے فساد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اپنے نفس کو حقیر جانے گا اور ہر دم خداوندِ قہار وجبار کو انتقام پر قادر سمجھے گا۔ پھر اس سے طغیان یعنی سرکشی سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا۔ رہا مقتضائے بشری جس کے بعد توبہ وندامت ہو وہ طغیان نہیں۔ واثر الحیواۃ الدنیا اور طغیان ہی پر بس نہیں بلکہ زندگیِ دنیا پر بھی ریجھ گیا ہو۔ یہ قوتِ عملیہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دوسرے جہاں میں جانے کا اس کو یقین نہیں ہوتا تو وہ رات دن اسبابِ عیش وآرام کے جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے' خواہ حرام سے خواہ حلال سے کسی طرح سے ہو مال وزر زمین وجائیداد پیدا کرنے کے خیال میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ پھر اس کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کیسا ہی گناہ اور حق تلفی ہو پروا نہیں کرتا۔ نہ جھوٹ بولنے اور دغابازی کرنے سے حذر کرتا ہے نہ ظلم کرنے سے ڈرتا ہے۔ اپنا شیوہ منافقانہ بنانا دنیاداری کے اصول میں سے جانتا ہے۔ پھر اس کو نماز وروزہ یا اور کسی نیکی کی فرصت ومہلت کہاں؟ رات دن اسی میں رہتا ہے خواب بھی اسی کے دیکھتا ہے۔ آخر اسی حالت میں دنیا سے جاتا ہے۔ فان الجحیم ھی الماویٰ تو لامحالہ دوزخ ہی اس کا مقام اور ٹھکانا ہوتا ہے۔ مرتے ہی وہ عالمِ برزخ میں اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کس لیے کہ یہ وہی تو اس کا طغیان وحب الدنیا ہے جو جہنم کی شکل میں ظاہر ہوگئی اور حشر میں اور بھی ظہور ہوگا۔ واما من خاف مقام ربہ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا جو شخص اس خیال کو دل میں جگہ دے گا' وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور یہ صفت وصفِ طغیان کی ضد ہے جس میں یہ صفت ہوگی وہ نہ ہوگی اور اسی خیال پر بس نہیں بلکہ ونھی النفس عن الھویٰ وہ نفس کو خواہشِ نفسانی سے بھی روکتا ہے۔ جس طرح وہ دونوں صفتیں جمیع قبائح اور الواث کو شامل تھیں۔ اسی طرح یہ دونوں صفات جمیع اطاعات وحسنات وتطہیرِ باطن وظاہر ومکارمِ اخلاق کو شامل ہیں اور ان نیک صفتوں میں سے اول دوسری کے لیے علت ہے کس لیے کہ نفس کی بدکاریوں سے لگام' روکنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ تصور کرلے گا کہ مجھے ایک روز خدائے جلیل وجبار کے سامنے کھڑا ہونا اور حساب دینا ہے۔ خاف مقام ربہ میں قوتِ نظریہ کی تکمیل کی طرف ونھی النفس میں قوتِ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے پاک لوگوں کا فان الجنۃ ھی الماویٰ بہشت انجام ہے۔ وہی ان کا مقام ہے۔ وہ عالمِ قدس میں بادشاہت کیا کریں گے۔ سبحان اللہ دو آیتوں میں دارِ آخرت کا حال اور نیکی وبدی کا انجام اور اصولِ سعادت وشقاوت کس خوبی سے

بیان فرما دیے۔ ان آیات میں تعمیم ہے۔ کوئی کیوں نہ ہو جو ایسا ہوگا یہ انجام ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پہلے دونوں جملوں میں عامر بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے جو بدکار دنیا پرست تھا اور اخیر کے جملوں میں اس کے بھائی مصعب بن عمیر کی طرف اشارہ ہے جو تارک الدنیا تجرد گزار تھا۔ احد میں شہید ہوا جس کے لیے پورا کفن بھی نہ تھا۔ سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جو پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

(اے رسول!) آپ سے اس گھڑی کا حال پوچھتے ہیں کہ اس کا کب وقت ہے؟ آپ کو اس کے ذکر کی کیا پڑی اس کی خبر تو آپ کے رب کے پاس ہے۔ آپ تو اس گھڑی سے اس کو ڈراتے ہیں کہ جو اس سے ڈرتا ہے۔ جس دن کہ اس کو دیکھ لیں گے تو (یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں) گویا ہم ایک شام یا اس کی صبح تک ٹھہرے تھے۔

ترکیب: ایان ظرف زمانی مبنی علی الفتح مبتداء مرسھا خبرہ ای منتھی قیامھا قال ابوعبیدۃ مرسی السفینۃ مستقرھاء والجملۃ بیان السوال۔ فیم اصلہ فیما ای فی ای شیء خبر والمبتداء انت من ذکراھا بیان لای شیء والمعنی لست فی شیء من ذکر وقت القیامۃ انما یعلمھا اللہ تعالیٰ خاصۃ والاستفھام انکاری وردلسوال المشرکین عنھا الی ربک متعلق بثابت خبر منتھاھا مبتداء ای منتھی علمھا لا یعلم تعین وقتھا الا ھو والجملۃ تاکید الجملۃ الاولی فی ردسوالھم وکذا انما انت منذر مضاف الی من وھذا قراۃ الجمھور وقرئ بالتنوین قال الفراء کلاھما صواب کقولہ بالغ امرہ وموھن کید الکافرین وقال صاحب الکشاف الاصل ھو التنوین والاضافۃ تخفیف وکلاھما یصلح للحال والاستقبال کانھم کان اسمھاھم لم یلبثوا خبر ھا یوم یرونھا ظرف لقولہ لم یلبثوا ای یظنون انھم لم یلبثوا فی الدنیا الا عشیۃ او ضحھا ای عشیۃ یوم او بکرتہ وصح اضافۃ الضحیٰ الی العشیۃ لما بینھما من الملابسۃ اذ ھما طرفا النھار والاضافۃ عند العرب تصح بادنیٰ مناسبۃ یقولون اتیتک الغداۃ او عشیتھا واتیک العشیۃ او غداتھا۔ والعشیۃ من الزوال الی الغروب الضحیٰ ھوا البکرۃ الی الزوال۔

تفسیر: کفارِ عرب نے جب قیامت میں دوزخ کا ظاہر لایا جانا اور بدوں کا سزا اور نیکوں کا جزا پانا سنا اور نیکی وبدی کا اصول بھی معلوم کیا تو بجائے اس کے کہ اصولِ حسنات پر عمل کرتے اور بدی کے رستے سے رکتے خود قیامت سے ہی سوال کرنے لگے۔ ایان مرسھا کہ اس کا کونسا وقت ہے؟ یہ کمال نادانی ہے۔ کس لیے کہ اگر طبیب حاذق کسی کو کہے کہ تمہارا مرض مہلک ہے' علاج کرو ورنہ مر جاؤ گے تو احمق بیمار یہ پوچھے گا کہ اگر سچ ہو تو بتاؤ کہ کب مروں گا۔ حالانکہ اس کو اپنا مرض معلوم کر لینے کے بعد علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ حکیم سے لایعنی سوال کرنا اور تمسخر سے پیش آنا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ فیم انت من ذکرھا۔ تجھے کیا پڑی جو اس کا وقت ذکر کرے۔ اول تو یوں کہ ان کو کچھ فائدہ نہیں' کس لیے کہ وقوع سے پہلے وقت کی خبر کو کب سچا جانیں گے اور وقوع کے بعد کوئی تدبیر ہاتھ میں نہیں۔ دوم الیٰ ربک منتھاھا اس کا علم اور وقت کی تعیین تیرے رب ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم کے ارکان کو درہم برہم کر دے گا اور اس کا سبب اس عالم کے سوا اور ہی کوئی ہے۔ پھر کسی علم اور قرائن سے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے اور حق سبحانہ اس کی خبر اس لیے نہیں دیتا کہ کارخانہ عالم درہم برہم ہو جاوے گا۔ بدوں کو نیکی سے باز رہنے کے لیے ایک یہ بھی حیلہ ملے گا کہ اجی دل کھول کر شہوت

پرستی کر و کیا ابھی قیامت آئے جاتی ہے؟ وہ تو بہت دور ہے۔

انما انت منذر آپ کا کام اے نبی! خبردار کر دینا اور لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دینا ہے۔ مگر آپ کے انداز سے نفع اسی کو پہنچے گا جو من یخشھا قیامت سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے ایک روز سامنے جا کر حساب دینا ہے وہی اپنے امراض کے لیے علاج کے لیے روحانی حکیموں سے چارہ جوئی کرے گا اور وہ کیوں اتنی جلدی کر رہے ہیں کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ اوضحھا جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو اس جہاں کی یہ زندگانی ایسی کم معلوم ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ وہاں آدھے دن رہے تھے۔ صبح یا شام۔ بدحواسی سے پورے طور پر یہ بھی معلوم نہ رہے گا کہ کب تک رہے تھے۔ اول دن یا پچھلے دن۔ دنیا کی عافیت کا خیال آوے گا تو صبح سے دوپہر تک رہنا خیال کریں گے کس لیے کہ یہ فرحت کا وقت ہوتا ہے اور جو تکالیف کا خیال آوے گا تو اخیر دن کا رہنا ڈھلتی پھرتی چھاؤں سا بیان کریں گے۔

سورہ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیات ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣ اَوْ يَذَّكَّرُ
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝٦ وَمَا عَلَيْكَ
اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَهُوَ يَخْشٰى ۝٩ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠ كَلَّآ
اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝١٤
بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝١٥ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝١٦

(محمد ﷺ) اتنی بات سے کہ ان کے پاس اندھا[1] آیا ترش رو ہو گئے اور منہ موڑ لیا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سدھر ہی جاتا یا نصیحت کی باتیں یاد کرتا یا وہ سوچتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی لیکن وہ جو پروا بھی نہیں کرتا سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام بھی نہیں لیکن وہ جو آپ کے پاس ڈر کر دوڑتا ہوا آئے اور دوڑ رہا ہے سو اس سے آپ بے پروائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرو۔ یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اس کو یاد کرے۔ یہ (قرآن) مکرم بلند مرتبہ مقدس صحیفوں میں نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔

ترکیب : ان جاءہ ای لان جاء مفعول لاجلہ والعامل فیہ اما عبس او تولی علی الاختلاف بین البصریین والکوفیین فی التنازع والمختار مذہب

[1] مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کفار کو سمجھا رہے تھے اور ان کے بے جا سوالات اور کم بختیوں سے ملول ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک اندھا جس کا نام عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھا آیا اور آپ سے قرآن سننے کی التجا کی۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور اشراف قریش ہی کی طرف مخاطب رہے اور اس کے بار بار سوال کرنے سے چیں بچیں ہوئے جس پر یہ سورہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ پر قدرے تہدید ہے کہ ہمارے نزدیک طالب صادق مرغوب سے دولت مند اور مفلس کا کچھ لحاظ نہیں۔ آپ نے طالب صادق سے اعراض کیا اور منہ بنایا۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ اندھا سدھر جاتا اور اس کا تقربات میں مرتبہ بالا ہو جاوے اور دین کے بڑے بڑے ہادیوں میں سے ہو جاوے گا۔ گو بظاہر اندھا ہے مگر قلبی و روحی استعداد میں ممکن ہے کہ ہزار آنکھ والوں سے بڑھ کر ہو جس سے وہ خود بھی درست ہو جاوے اور درست ہو کر اوروں کی بھی اصلاح و تربیت کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البصریین لعدم لاضمار فی الثانی۔ اویذکر عطف علی یزکی داخل فی حکم الترجی معہ فتنفعہ قرأ الجمہور برفع المضارع عطفا علی یذکر وقری بالنصب علی جواب التمنی فی المعنی تصدیٰ التصدی الاصغاء وقیل ھو تفعل من الصدی وھو الصوت ای لا یناد یک الا احبتہ ویجوز ان یکون الالف بدلا من دال ویکون من الصد وھو الناحیۃ والجانب۔ قرأ الجمہور بالتخفیف علی طرح احدا التائین تخفیفا وقرا نافع وابن محیض بالتشدید علی الادغام وما علیک الخ ای لیس علیک باس فی ان لا یتزکی والجملۃ فی محل النصب علی الحال من الضمیر فی تصدی یسعیٰ حال من فاعل جاء وھو یخشی حال من فاعل یسعیٰ علی التداخل او من فاعل جاءک علی الترادف تلھی والتلھی التغافل یقال لھیت عن الامر الھی ای تشاغلت عنہ وکذا تلھیت ولیس من اللھو۔ انھا الضمیر الی الموعظۃ والضمیر فی ذکرہ للقرآن فی صحف حال من الھاء وقیل الجار والمجرور نعت لتذکرۃ مابینھا اعتراض وکذلک بایدی الخ وقیل فی صحف خبر تان لانھا وما قبلھا اعتراض والاول تذکرہ سفرہ جمع سافر من السفارۃ وھو السعی بین القوم او من الکتابۃ قال الزجاج یقال للکاتب سفر بکسر السین وسافر لانہ یسفر ای یکتب والاصل ان معناہ الاظہار یقال اسفر الصبح اذا اضاء ویقال اسفرت المرءۃ اذا کشفت النقاب عن وجھا وفی السفارۃ والکتابۃ یوجد ذلک المعنی ولذا یطلق علیھما جمع ھار

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیالیس آیات ایک سو تیس کلمات پانچ سو پینتیس (۵۳۵) حرف ہیں اور اس سورۃ کا نام سورہ عبس اس لیے ہے کہ اس کے نزول کا باعث عبوس یعنی ترش روئی تھی۔

جملہ اولی لعلہ یزکی میں خود اس کی درستگی اور صلاحیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ اویذکر فتنفعہ الذکری میں اس کی ترقی اور مرتبہ ارشاد و تکمیل تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ یذکر تذکیر سے ہے اور یہ لفظ قرآن میں دوسروں کے سمجھانے کے معنی میں اکثر وارد ہوا ہے[1]۔ پھر جب وہ اس مرتبہ میں پہنچ جاوے گا تو اے محمد (ﷺ) تیری نصیحت[2] ضرور نافع اس کو پہنچے گا۔ چونکہ اس کی استعداد کا پورا حال کہ کمال ہی کے مرتبہ تک ہے یا تکمیل کے مرتبہ تک آنحضرت ﷺ و صحابہ کو معلوم نہ تھی بات معلوم تھی کہ یہ ہونہار ہے۔ اس لیے لفظ او ان دونوں جملوں کو ذکر فرمایا جو مانعۃ الخلو ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف پھرتی ہے نہ اعمیٰ کی طرف تب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محمد (ﷺ) تجھے کیا معلوم کہ وہ کافر (کہ جس کے سمجھانے کے لیے آپ اس قدر دردسری اور عرق ریزی کر رہے ہیں اور اس کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس اندھے کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے بلکہ اس کے درمیانی سوال سے ترش رو ہوتے ہیں) سمجھ ہی جاوے گا۔ اس کی خباثتِ کفر اس سے دور ہو جاوے گی یا وہ سمجھا جاوے گا اور اس کو تیری نصیحت سے نفع پہنچے گا؟ پھر جب یہ معلوم نہیں تو اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس اندھے غریب سے کہ جس میں استعداد ہے بے اعتنائی کرنا کیا! اس لیے فرماتا ہے امامن استغنی فانت لہ تصدی کہ جو تیرے ارشاد و ہدایت سے بے پروائی کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے عقائدِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ اور حیاتِ دنیا اور اس کے عیش و نشاط کو بہتر جانتا ہے۔ آپ اس کے درپے ہو رہے ہیں' کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ اس کی بے پروائی اس کو اس دریائے ضلالت میں غرق کر دے گی۔ اس کا پہلے تدارک کرنا چاہیے اور جو شوقین ہے اس کا شوق ضرور اس کو اس ورطۂ ضلالت سے بچا لے گا۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ مریض کی حالتِ موجودہ کو دیکھ کر سخت بیمار کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ کس لیے کہ رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہی تھا اور حق سبحانہ عواقبِ امور کو دیکھتا تھا کہ جو مریض قابلِ علاج اور اس میں شفا پانے کی صلاحیت ہے۔ آپ اس کو چھوڑ کر اس لاعلاج مریض کی طرف کیوں اس قدر متوجہ

[1] یہ اس تقدیر پر کہ یذکر بصیغہ مجہول پڑھا جاوے جیسا کہ بعض کی قرأت ہے۔ ۱۲ منہ

[2] تصدی کان رکھنا آواز جو خالی مکانوں اور خشک لکڑیوں سے سنی جاوے۔ پیاس بہر حال کوشش و سعی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اسی لیے محرون کو متصدی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں کوشش و ہوشیاری کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ہوتے ہیں۔ اگر وہ مرجاوے تو مرجائے آپ کا ذمہ نہیں۔ اسی مضمون کو اس جملہ میں ادا فرمایا ہے وما علیکم الایزکی اور تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ اگر وہ کافر بے پروا درست اور پاک نہ ہوجائے کس لیے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے۔ اب سدھرنا یا نہ سدھرنا استعدادِ ازلی پر موقوف ہے اور تبلیغ کا مستحق یہ متکبر بے پروا منہ پھیرنے والا نہیں بلکہ واما من جاءك یسعیٰ الخ وہ جو شوق میں تیرے پاس دوڑتا آوے اور خدا ترس بھی ہو جیسا کہ ابن ام مکتوم آپ کو ان سے متوجہ ہونا چاہیے مگر آپ کی رحمدلی اور شفقت اس کے برخلاف اس دوسرے گمراہ کی طرف متوجہ ہے جو جہنم کے کنارہ کھڑا آپ کو دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے آپ اس شوقین سے التفات نہیں کرتے فانت عنه تلهیٰ بلکہ اس سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ کلا ہرگز ایسا نہ کرو کیونکہ حکمتِ الٰہی کا مقتضی یہ نہیں کس لیے کہ انها تذکرة یہ آیات تذکرہ ہیں یعنی خدا کے نام اور صفات وافعال واحکام اور اس کی جزاء وسزا اور محبت ومعرفت وخوف ورجاء کو یاد دلاتی ہے اور خدا سے ملانے کا رستہ بتاتی ہے۔ سو یہاں خود طالب کی رغبت وارادت درکار ہے۔ یہاں یہ چاپلوسی اور التجا اور سر ہونا مفید نہیں۔ من شاء ذکره جو چاہے اپنی رغبت اور شوق سے اس قرآن کو یاد کرے۔ قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں اس کی ذات وصفات وتہذیبِ نفس کے متعلق بہت کچھ ہے اور بالخصوص اس میں ایک تاثیر ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والے پر ایک تجلی ہوتی ہے جس سے روح میں نورانیت اور بہیمیت کو شکستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ القرآن حبل الله المتین کہ قرآن بندہ کے لیے خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسہ ہے جس نے اس کو پکڑ لیا بامِ سعادت پر چڑھ گیا اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تجلی الله لعباده فی کلامه ولکنهم لایبصرون کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بندوں کے لیے متجلی ہوتا ہے لیکن بندے دیکھتے نہیں۔

اوصافِ قرآن ! اب قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان فرماتا ہے اور ضمناً کفارِ قریش پر تعریض بھی کرتا ہے جو نجاستِ کفر، فسق وحبِ شہوات میں آلودہ تھے اور ان کو قرآنِ عظیم کی طرف التفات نہ تھا اور وہ تعریض یہ ہے کہ یہ قرآن ایسے پاک ہاتھوں کا لکھا ہوا بلند شان اوراق میں ہے کہ ناپاک اور دنی لوگ اگر اس سے تنفر کریں اور اس کی خوبیوں سے ان کی آنکھیں اندھی رہیں اور ان کے ناپاک ہاتھ اس کو تلاوت کرنے میں مس نہ کریں تو کچھ تعجب نہیں۔ اس لیے اے پیغمبر آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ ظاہر کا اندھا روشن دل ہے وہی اس کا مستحق ہے اور وہ اوصاف یہ ہیں۔ **اول:** فی صحف مکرمة مرفوعة کہ قرآن مجید گرامی قدر بلند شان صحیفوں میں ہے یعنی اوراق میں۔ اس سے بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ کتبِ سابقہ میں جو معزز اور بلند مرتبہ ہیں قرآن مجید کے مطالبِ عالیہ موجود ہیں یا ان میں اس کا ذکرِ خیر ہے جیسا کہ فرمایا ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهیم و موسیٰ اور ایک جگہ یہ آیا ہے وانه لفی زبر الاولین اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ صحف مکرمہ مرفوعۃ سے مراد وہ الواحِ نورانیہ ہیں جو آسمانِ ہفتم میں ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً قرآن مجید تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا کرتا تھا۔ مرفوعۃ کے معنی بلندی سودہ بلند بھی ہیں اور رفیع القدر بھی ہیں اور مطہرۃ پاک بھی ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بعض کہتے ہیں صحف مکرمہ ایمانداروں کے قلوب میں ہیں جن میں قرآنِ مجید بطور حفظ کے مکتوب ومنقوش ہے نہ تحریف کو گنجائش ہے نہ کسی آفت کو رسائی ہے اور وہ دل خدا کے نزدیک مکرم ومعظم ہیں اور پاک بھی ہیں۔ نجاساتِ کفر وشرک وتلویثات، حبِ شہوات ان تک چھو بھی نہیں گئی ہے۔

دوم: بایدی سفرة کرام بررة وہ قرآن ناپاک اور خیانت آمیز ہاتھوں سے نہیں لکھا گیا بلکہ کاتبوں کے ہاتھ سے جو کرام یعنی بزرگ اور مقدس اور بررہ نیک ہیں یا تو اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ اگر صحفِ مکرمہ سے مراد الواحِ نورانیہ ہیں یا دنیا کے نیک اور باخدا لوگ جو قرآن کو حضرت نبی کریم ﷺ کے حکم سے لکھا کرتے تھے نہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کم وزیادہ کرتے تھے نہ کسی غرض سے اس میں ہیر پھیر کرتے تھے۔ خیانت اور خودغرضی ان کے پاس نہ پھٹکی تھی۔

یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن سے قرآن مجید جمیع کتب پر فوقیت رکھتا ہے اور انہیں کے سبب آج تک اسی اصلی چمک دمک سے باقی ہے۔ اس میں کوئی گرد وغبار پیدا نہیں ہوا نہ ہوگا۔ برخلاف اور کتابوں کے کہ ان میں ذلیل اور ناپاک اور ناخدا ترس ہاتھ بھی لگے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس کی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ وہی ہے جیسی کہ تھی توریت وانا جیل وزبور میں جو کچھ تغرات ہوئے ان کا کوئی منصف مزاج اہلِ کتاب بھی انکار نہیں کرسکتا۔ رہی زندواستا اور دساتیر پارسیوں کی آسمانی کتاب اور ہندوؤں کی کتاب چاروں وید۔ وہاں تو یہ بھی تحقیق نہیں کہ کس مصنف کی تصنیف ہیں اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے ماں باپ کا کیا نام تھا۔ کیا عمر تھی۔ کیا کیا کرتے تھے اور بعدہ کس نے ان سے لیا اور کس طرح محفوظ رکھا۔ ان اوصافِ قرآنیہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب نفیس کاغذوں پر مطلا حرفوں میں لکھے جانے اور عمدہ صندوقوں اور بلند طاقوں میں رکھے جانے سے معزز ومحترم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں یہ خوبیاں نہ ہوں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

انسان غارت ہوجائے، کیسا ناشکر ہے۔ اس کو کس چیز سے بنایا ایک بوند سے۔ اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ کیا۔ پھر اس کے لیے راہ آسان کردی۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا اس کو الٹا کھڑا کرے گا جس چیز کا اس کو حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا ہی نہیں کیا۔

ترکیب ! قتل الانسان الجملة فی الظاهر خبر وفی المعنی انشاء وهی دعاء علیه وهی من اشنع دعوات العرب لان القتل اشد مصائب الدنیا۔ والدعاء علی الانسان یلیق بالعاجز والله سبحانه قادر فوجهه انما اورده علی اسلوب کلام العرب ومحاورتهم ما اکفره صیغة التعجب۔ والجملة انشائیة انما اوردها علی محاورتهم من ای شی خلقه استفهام والغرض زیادة التقریر فی التحقیر ومن تتعلق بخلق من نطفة جواب الاستفهام والوقف علیه جید من تتعلق بخلق خلقه الخ کلام مبتداء لبیان خلقة الانسان السبیل منصوب بفعل مضمر یدل علیه المذکور ای یسر السبیل یسره کلا۔ ردع وزجر للانسان الکافر عما هو علیه من التکبر والاصرار علی الکفر۔ لما بمعنی لم وفاعل یقض عند الجمهور هو الانسان وقیل الله تعالیٰ وفاعل امر بالاتفاق هو الله جل ذکره۔

تفسیر ! کفار قریش کے بڑے بڑے متکبر ومغرور آنحضرت ﷺ کی محفل میں حاضر تھے جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تھے اور اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا سوال ان کے اثناءِ وعظ میں برا معلوم ہوا تھا کہ اس غریب کی طرف متوجہ ہونے میں ان متکبروں کو برا معلوم ہوگا اور اسی لیے یہ ہدایت پانے سے محروم رہ جاویں گے۔ سو اس بات پر اول تو حق سبحانہ نے آنحضرت ﷺ کو تنبیہ کی ایسے طالبِ صادق اور غریب آدمی کی خاطر شکنی نہ چاہیے تھی اور اب ان متکبروں کے مایۂ غرور کو باطل کرتا ہے۔ فقال قتل الانسان ما اکفره کہ مارا جائے انسان کیا ہی ناشکر ہے۔ ہم نے تندرستی، دولت، مال واولاد اس لیے عطا کیا تھا کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور ہماری طرف متوجہ ہو اور اس کو ہمارا عطیہ سمجھے نہ کہ اور غرور میں آکر ہمارے سامنے سرکشی کرے۔ میرے فرستادوں کا کہنا نہ مانے غریب، مفلس، خدا پرستوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مجامعِ خیر[1] وعظ وپند وعبادت میں بھی شریک ہونا عار جانے۔

[1] آج کل یورپین عیسائی دیندار عبادتگاہوں میں بھی دیسی لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے تکبر سے شریک ہونا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ساتھ کھانا اور بیٹھنا۔ یہ دعوائے دینداری اور یہ غرور اس سے موجود مذہب عیسوی کے پیروؤں کا انداز ہوسکتا ہے کہ اب کہاں تک ان میں مذہب عیسوی کا اثر تام باقی ہے اور یہی حال رحمدلی عفت، پرہیزگاری، پابندیِ عہد، ادائے حقوقِ ہمسائیگی کا ہے۔ خوشبو چلی گئی اس کا دھبہ باقی ہے۔ ۱۲ منہ

فائدہ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان سے مراد خاص اشخاص ہیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ عموماً کفار مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں ان میں سے خاص عتبہ بن ابی لہب مراد ہے جو بڑا متکبر تھا اور گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے ہے مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی دولت مند متکبر ہو۔

فائدہ۔ خدائے پاک بددعا خاص محاورۂ عرب اور ان کے اسلوبِ کلام کے لحاظ سے کرتا ہے ورنہ وہ خود غارت کرسکتا ہے اور یہی حال تعجب کا ہے۔ وہ خود جانتا ہے مگر یہ بھی اور اسی قسم کے جمیع الفاظ و جملے محاورہ کے لحاظ پر ہیں۔ کس لیے کہ جس زبان میں کلام کیا جاتا ہے۔ اس کے محاورات استعمال میں لانا فصاحت و بلاغت ہے۔ اس کے بعد انسان کا تکبر باطل کرنے کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے کہ من ای شئی خلقه کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ پھر آپ ہی جواب دیتا ہے من نطفة کہ ایک بوند یعنی منی کے ناپاک قطرہ سے۔ یہ حضرت کی اصل ہے جو بدن پر یا کپڑے پر لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہ ہو۔ پھر اس پر یہ غرور یہ فوں فاں کہ ہیچ من دیگرے نیست۔ پھر اس قطرہ میں کیا کاریگری کر کے انسان کو بنایا۔ خلقه فقدره اس منی کے قطرہ سے انسان کی آفرینش کی۔ اس میں سے اعضاءِ بدن مناسب بنائے، جان ڈالی، رحم میں حیضِ مادر سے جو وہ بھی بے حس چیز ہے غذا پہنچائی۔ اے واہ آفرینش ایسی چیز سے کہ پیشاب کی راہ سے نکلی اور دوسری پیشاب گاہ کے رستہ سے رحم میں گئی۔ یہ ہے حضرت انسان کے وجودِ دنیاوی کی اصل، جس پر یہ غرور ہے۔ پھر پیدا کر کے یوں ہی بیکار ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ فقدرہ اس کا اندازہ کیا عمر کا اندازہ، رزق کا اندازہ، جو کچھ دنیا میں نیک و بد کام کرے گا سب کا اندازہ کیا۔ رحم میں رہنے کا اندازہ کیا۔ فائدہ: تعقیبِ بیان کے لیے ہے نہ کہ تعقیبِ تقدیر کے لیے کس لیے کہ جب پیدا کیا تھا جب ہی بلکہ اس کے پہلے ہی اس کی سب باتوں کا اندازہ علمِ ازلی میں ہو چکا تھا۔ ابودرداؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکتا ہے۔ اس کی اجل اور اس کے عمل (خیر و شر) اور اس کے سکون و قرار اور اس کی حرکت و اضطرار اور اس کے رزق سے یعنی یہ سب باتیں پہلے ہی سے اندازہ ہو چکتی ہیں۔ (رواہ احمد) یہاں تک کہ انسان جو پیدا ہو کر بڑھتا ہے خواہ جسم میں ترقی کرے جیسا کہ لڑکا یا علوم و معارف میں ترقی کرے یا کسبِ اموال میں سب کچھ پہلے ہی سے مقدر ہو چکتا ہے۔ جسمانی حرکت میں کیا ممکن ہے کہ لڑکی لڑکے کے رستہ کو طے کرے جہاں جہاں بال برآمد ہونے قضاء و قدر نے مقرر کر دیے ہیں وہیں سے برآمد ہوتے ہیں۔ پھر اعضائے جسم کی بالیدگی میں ذرا بھی تناسب میں فرق نہیں ہونے پاتا۔ کیا ممکن ہے کہ قوائے نامیہ ناک کو ٹانگ کے برابر بڑھا دیں۔ یہ اندازہ ماں کے پیٹ میں رہنے سے پہلے ہو چکتا ہے۔ پھر جب اپنی عمرِ طبعی کا ایک زمانہ اس تنگ و تاریک مکان میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آیندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قضاء و قدر اس کو اس تنگ رستہ سے باہر لاتی ہے۔ ثم السبیل یسرہ اور اس تنگ رستہ کو اس پر سہل کر دیتی ہے۔ نو مہینے کے پورے پاٹھے بچے کو خیال کرو اور عورت کے اندامِ نہانی کو خیال کرو کہ کیسا تنگ رستہ ہوتا ہے مگر پھر کس حکمت سے باہر نکالتے ہیں۔ اول تو اندامِ نہانی میں نرمی اور قدرے وسعت رطوبات کے ذریعہ سے کر دیتے ہیں۔ پھر بچہ بوقتِ ولادت ملہمِ غیبی کے کہنے سے پہلے سر باہر نکالتا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہوتا بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اختیارِ قضاء و قدر ثابت کرنے کے لیے کبھی ایسا بھی کر دکھاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد بالخصوص عضوِ مخصوص ہی نہیں بلکہ عام ہے اس کو بھی شامل اور پیدا ہونے کے بعد اور سب رستوں کو شامل چنانچہ پیدا ہوتے ہی اس کو ماں کی پستانوں سے دودھ پینے کا رستہ آسان کر دیتے ہیں، ہاتھ سے پستان پکڑ کے چوستا ہے اور بھوک کا اظہار اپنے رونے سے کرتا ہے اور منہ میں پستان کو کس انداز سے دباتا ہے کہ دودھ نکل آوے، پھر اس کے اور غذاؤں کا رستہ آسان ہوتا ہے کہ دانت برآمد کر دیتے ہیں جس سے روٹی ٹکڑا کھانا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو معاش کے رستے آسان کر دیتے ہیں۔ حرفت، صنعت، زراعت، تجارت میں کیسی کیسی ایجادیں کرتا ہے۔ اسی طرح تندرستی، بیماری، سفر و حضر، مقابلۂ اعداء، بنائے مکان و دیگر اسباب

آسائش کے طریقے اس کے لیے تازیست آسان کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ بری سفر کی آسانی کے لیے ریل اور بحری کے لیے دخانی جہاز بنا دیے یعنی ان کے بنانے کے علوم اس کے دل میں القاء کیے۔ الغرض اس کے ہر ایک کمال تک پہنچنے کے رستے آسان کیے۔ خیر و شر نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل عطا کی یہاں تک کہ راہِ آخرت کو اور راہِ وصول الی اللہ کو بھی (کتابیں اور انبیاء علیہم السلام بھیج کر اور مرشدوں اور ہادیوں کو قائم کر کے) آسان کر دیا اور اسی طرح شقاوت کے رستے بھی بدنصیبوں کے لیے آسان کر دیے۔ کسی نے شراب ایجاد کی، کسی نے اشعار اور مزامیر سے قوائے شہوانیہ کو حرکت دی۔ فواحش کے گلے میں بدکاری کا طوق ڈالا۔ دینیات سے غفلت کے پردے ڈالے نادیدہ امورِ آخرت پر توہمات کے پتھر برسائے۔ شبہات کے عمیق گڑھوں میں گرے۔ یہ سب رستے شقاوت کے ہیں۔ ان کو بھی قضاء و قدر نے آسان کر دیا۔ زانی کو جس طرح عورت فاحشہ کا ملنا آسان کر دیا۔ اسی طرح باخدا کو رات میں جاگنا اور تہجد پڑھنا آسان کر دیا۔ بخیل کو پیٹ پر پتھر باندھ کر مال و زر جمع کرنا آسان کیا تو سخی کے لیے صرف کرنا، نامرد کو بھاگنا تو شجاع کو میدانِ جنگ میں کود پڑنا۔ پارسا کو پارسائی تو فاحشہ کو بے حیائی۔ یہ تمامی حیاتِ دنیا کا مختصر سا نقشہ اس مختصر جملہ میں ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے عالم کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اماته۔ پھر اس انسان کو موت دی۔ جیسا پیدا ہونا بے اختیاری تھا ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے۔ لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری و مرض وغیرہ اسباب کو آنے نہ دے یا آئے ہوؤں کو دفع کر دے ہرگز نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم و دانش مند آئے، کلیں ایجاد کیں کہربائی قوتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے علوم ایجاد کیے مگر موت دفع نہ کر سکے۔ یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور یہ موت دوسرے جہان میں پہنچانے کا دروازہ ہے تاکہ جو کچھ اس دنیا کے کھیت میں اس نے بویا تھا اس کو کاٹے اور جو کچھ ان کمالات کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی تھی۔ ان کا ثمرہ پاوے اور جو کچھ برے کام کیے تھے تن پروری و شہوت پرستی میں عمرِ گرانمایہ برباد کی تھی۔ اب دیکھیے اس کا وہ محبوب جسم اور وہ لذائذِ جسمانیہ کس طرح سے اس سے چھوٹتے ہیں اور پھر وہاں اس فعلِ بد کا کیا برا نتیجہ پاتا ہے۔ درحقیقت موت بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر مدتوں جیے تو پھر زیست کی تلخی بھی ایسی دیکھے کہ الٰہی توبہ! چہ جائیکہ کبھی نہ مرے اور نیز پہلوں کی وراثت پچھلوں کو نہ پہنچے۔ آیندہ آنے والوں کے لیے دنیا تنگ ہو جاوے اور بالخصوص اہلِ سعادت کے لیے تو موت بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ یہی دنیا کی کشاکش اور مشقتِ عمل سے ان کو رہائی دیتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ موت کے آرزومند رہا کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے لیے سخت قید خانہ ہے۔

چند برسوں رہ کر اس عالمِ جاودانی کو دیکھنے والوں یا یقین کرنے والوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ دل بھر جاتا ہے۔

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی
کنی مانند طفلاں خاکبازی

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لیے باہر آتا ہے اسی طرح اس منزلِ تنگ و تاریک سے بڑی ترقی کرنے کے لیے جاتا ہے۔ یہ موت وہاں کی ولادت ہے۔ پھر اس کو موت دے کر نیست و نابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فاقبرہ اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں۔ قبر کی کیفیت: قبر شرع میں عالمِ برزخی کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جاوے یا آگ میں جل جاوے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے۔ بہرحال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے۔ وہاں اس کو ثواب و عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے۔ تناسخ کے طور یا اور کسی طرح سے پھر کر اس جہان میں نہیں آتا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر بار دگر اس میں نہیں جاتا۔ عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔ یہ بھی بندے کے لیے نعمت ہے جس کی تعلیم قابیل کے عہد میں ہوئی۔ اس سے پہلے جانوروں کی طرح لاش پڑی سڑا کرتی تھی۔ کتے گیدڑ چیل کوے کھایا کرتے تھے۔ مرنے والے کی

کمال بے حرمتی ہوتی تھی اور نفرت ہوتی تھی اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ امراض پھیلتے تھے۔ لوگ گھن کھاتے تھے۔ پھر جب اس کو دفنا دیا تو یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پردہ ڈھک گیا۔ یہ تعلیم بھی ایک انعامِ الٰہی ہے جس کے لیے فاقبرہ کے جملے میں یاد دلایا۔

پارسی یعنی مجوسی تو اب تک اپنے مردوں کی لاش کو اسی جاہلانہ دستور کے موافق یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرتے ہیں کہ ان لاشوں کے لیے ایک مکان بنا رکھتے ہیں۔ کنوئیں کی طرح کا اور اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اور لاش کو دھر کر وہاں چلے آتے ہیں۔ گدھ اور چیل کوے اس کو کھاتے ہیں اور اس مکان کو یہ دخمہ کہتے ہیں اور اکثر ہنود آگ میں جلا دیتے ہیں۔ باقی اور تمام اقوام مسلمان عیسائی یہودی و دیگر اقوام خاک میں دباتے ہیں۔

جلانا اچھا نہیں دفنانا بہتر ہے ؛ ہنود کہتے ہیں دفنانے سے جلانا بہتر ہے۔ اول یوں کہ آگ پاک کر دیتی ہے اور زمین کو ناپاک کرنا وہاں مردے کو سڑانا بے جا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آگ پاک نہیں کرتی بلکہ فنا کرتی ہے اور جلانے میں مردے کی لاش کی بڑی بے حرمتی ہے۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دور دور بدبو پھیلتی ہے اور پھر راکھ پاؤں میں روندی جاتی ہے۔ اڑتی پھرتی ہے۔ ناپاک چیزوں پر بھی اڑ کر جاتی ہے اور پھر مردے کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ نہ دوستوں عزیزوں کو اس کی یادگار دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کا موقع رہتا ہے نہ محبوں کو قبر دیکھ کر دل ٹھنڈا کرنے کی جگہ رہتی ہے اور اسی لیے قبر میں دفنائی ہوئی میت کو اپنی لاش سے ایک روحانی تعلق باقی رہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کی قبروں سے برکات وفیوض مشاہدہ ہوتے ہیں۔ برخلاف جلا دینے کے کہ جسم سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دھوئیں اور آگ سے ارواح کو آمیزش ہو کر شیاطین وجنات سے مشابہت ہو جاتی ہے اور دفنانے میں اور بھی مصالح ہیں۔ اول یہ کہ انسان کا مادہ خاک ہو تو اس کو اس کی اصل خاک ہی طرف پھیر لانا چاہیے جیسا کہ فرمایا منها خلقنا کم وفیها نعید کم و منها نخرجکم تارة اخریٰ۔ یہ آگ سے نہیں بنا تھا کہ اس کو آگ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ دوم اس دفنانے میں انسان کے فطرتی سفر اور اس کے منازل اور ان کی مشابہت کو باقی اور برقرار رکھنا ہے۔ برخلاف جلا دینے کے کیونکہ ماں کا پیٹ اس کی ایک منزل تھی جس کے بعد وہ اس عالم میں آیا ہے۔ اب یہاں کا سفر تمام کرنے کے بعد جب قبر میں دفنایا تو گویا دوسرے جہان کی رستخیز کے لیے ایک اور نئے حمل میں آیا۔ اس جہاں کی سو پچاس برس کی عمر کے لیے حملِ مادری نو مہینے کو کافی تھا مگر اس جہان کی زندگی ابدی ہے۔ اس کے لیے حمل بھی ایسا ہی طویل و دراز مدت ہونا چاہیے۔ پس نفخِ صور ایک دروازہ ہے جس کے بعد حملِ قبری سے لوگ پیدا ہو کر ایک ابدی جہاں میں آویں گے اور اسی لیے اس حملِ قبری کے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں جو حیاتِ دنیا اور حیاتِ آخرت کے درمیان ہے اور اسی لیے کبھی اس کو خواب سے اور قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قبر کو مرقد کہتے ہیں۔ سوم جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گویا حق سبحانہ اپنی ایک امانت ودیعت رکھتا ہے۔ پھر جس طرح اس کو پالا پرورش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نکلنے کے بعد اس کو دفنانا اور زمین کے سپرد کرنا گویا امانت کو مالک کے حوالے کر دینا ہے اور امانات وخزائن کے لیے زمین ہی موزوں ہے نہ آگ۔ انہیں معانی کو خیال کر کے ایک شاعر کہتا ہے ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے یہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

چہارم اپنے دوست یا بزرگ کی لاش کو آپ دہکتی آگ میں جلانا اور لاٹھیوں سے اس کی ہڈیوں کو چورا چورا کرنا علاوہ بے ادبی کے انسانی رحم دلی ومروت ومحبت کے بھی برخلاف ہے۔ برخلاف اس کے باعزت وشان اس کو ایک شائستہ طور پر زمین میں دفن کرنا گویا اس کو ایک مکان یا تہ خانے میں پہنچانا ہے۔ پنجم دفنانے میں بسا اوقات بہت سی جانیں جو حکماء کے اشتباہ سے مردہ سمجھ کر دفن کر دی گئیں کسی وجہ سے جلد قبر کھل جانے پر زندہ نکل آئے اور پھر برسوں جئے۔ جلا دینے میں یہ احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے سوائے جو ظالموں نے کسی کو

زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر یا قتل کر کے دفن کیا تھا۔ موقع پر مطلع ہو جانے کے بعد لاش سے ملاحظۂ جرم بھی ممکن ہے مگر جلا دینے میں تو پورا پورا اخفاءِ واردات ہے جس میں ستمگاروں کو اپنی اس وحشیانہ حرکت پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔

پھر اس حملِ قبر کے بعد جو ایک اور نئی زندگانی کی ولادت ہوگی اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ثم اذا شاء انشرہ کہ پھر جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس کی قبر سے زندہ کر کے کھڑا کر دے گا تاکہ اس جہان میں اس جہان کے اعمالِ خیر وشر کا پورا بدلہ پاوے۔ گویا یہاں آ کر اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گیا اور اب یہاں سے اس کو اور کہیں نہیں جانا۔ اسی لیے اس جہان کے کارآمد افعال واعمال وعقائد تعلیم کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے کہ ان سے خبر پا کر وہاں کے لیے بڑی سرگرمی سے تیاری کریں لیکن کلا لما یقض ما امرہ کہ بے شک انسان نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو حق سبحانہ نے بمعرفت انبیاء علیہم السلام اسی کی بھلائی کے لیے حکم دیا تھا یا یوں کہو کہ انسان اس جہاں کی نعمتوں کو دیکھ کر جو اس کو بے سابقہ عمل عطا ہوئیں۔ یہ قیاس کرتا ہے کہ وہاں بھی بغیر عمل و ایمان یوں ہی نعمتیں ملیں گی۔ اس لیے اس کے جواب میں فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کس لیے کہ پہلے یہ مامور نہ تھا' اب مامور ہوا۔ نیک وبد کی تمیز دی گئی۔ تعمیلِ احکام کی طاقت دی گئی۔ اس پر جو اس نے نافرمانی کی مضر چیزوں اور برے کاموں کو عمل میں لایا' عمدہ کو چھوڑا جن کا اثر اس کی روح پر پہنچا۔ ضرور سزاء وجزا پاوے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں ہرگز نہیں اللہ نے کبھی وہ قضاء و قدر میں مقرر نہیں کیا ہے جو انسان اپنی خواہش سے اپنے لیے آپ تجویز کرتا ہے اور امر کرتا ہے کہ مجھے یوں ملے گا اور یہ پاؤں گا جیسا کہ ہنود ویہود عیسائی من گھڑت باتیں بتایا کرتے ہیں۔ انسان کی ابتداء وانتہا کن مختصر الفاظ میں بیان فرما دی۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ
شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ
غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

پھر آدمی اپنی خورش ہی کو دیکھے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھن کے باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب ؛ انا قرء الجمہور بالکسر علی الاستیناف والکوفیوں بالفتح علی انہ بدل من طعامہ الاشتمال لان نزول المطر سبب لحصول الطعام فھو کالمشتمل علیہ او بتقدیر اللام ای لانہ والمعنی فلینظر الانسان الی انا صببنا الماء صبا وعنبا معطوف علی حبا وابنات العنب باعتبار شجرتہ وکذا قضبا فیہ قولان الاول انہ الرطبۃ وھی التی اذا یبست سمیت بالقت واھل مکۃ یسمونھا بالقضب واصلہ من القطع وذلک لانہ یقضب مرۃ بعد اخری وھذا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ والثانی ھو قول المبرد انہ العلف بعینہ وبہ قال الحسن البصری رحمہ اللہ قضیب اقتضاب بریدن واقتضاب الکلام ارتجالہ وقضبہ ای قطعہ قضب وقضبہ سیست مقبضہ سپست زار۔ قضیب شاخ درخت قضبان جمع ونزہ خرو غیر آں۔ تقضیب شاخ بریدن از درخت در بہار۔ قضابہ بالضم شاخ ریزہائے بریدہ افتادہ صراح ونخلا معطوف علیہ جمع نخلۃ وکذا حدائق جمع حدیقۃ وھی البستان غلبا جمع اغلب وغلباء کما یجمع احمر وحمراء علی حمر یقال حدیقۃ غلباء ای غلیظۃ الشجر ملتفۃ ویقال رجل اغلب اذا کان عظیم الرقبۃ ویقال اسد اغلب لانہ مصمت العنق وابا۔ الاب ھو المرعیٰ قال صاحب الکشاف لانہ یوب ای یوم وقیل الاب الفاکھۃ الیابستہ لانھا تؤب للشتاء ای تعد متاعا منصوب لانہ مفعول لہ لاعتنا وقال الزجاج ھو منصوب لانہ مصدر موکد لقولہ فانبتنا لان انبات ھذہ الاشیاء امتاع للانسان والحیوان۔

تفسیر ¦ قرآن مجید کی عادت ہے کہ کسی مقصد پر دلائلِ انفس کے بعد دلائلِ آفاق بیان فرمایا کرتا ہے تا کہ دل میں زیادہ اثر پیدا کرے۔ یہاں غرورِ انسان کا ابطال کیا تھا اور مقصود تر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار تھا کہ جس میں کسی کو بھی شرکت نہیں جس سے ردِ شرک واثباتِ توحید ہو یدا تھا اور اس مقصود کے اثبات سے یہ مطلوب تھا کہ وہی خدائے قادر واحد لاشریک انسان کو مرنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے اور اس کے اعمالِ نیک و بد کی جزاء وسزا بھی دے سکتا ہے۔ اس مقصود کے اثبات کے لیے پہلے پہلے وہ دلائل بیان فرمائے تھے کہ جن کا خود انسان کی پیدائش اور اس کے حالات سے تعلق تھا۔ اب بیرونی دلائل بیان فرماتا ہے فقال فلینظر الانسان الی طعامہ کو آدمی اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا ہے؟ انا صببنا الماء صبا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ بادل اٹھا اور بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ پانی برسایا۔ بادلوں کا پیدا کرنا اور پھر ان میں سے پانی برسوانا کیا اے بنی آدم! تمہارے کسی علم وحکمت کا اثر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ثم شققنا الارض شقا۔ پھر ہم نے حکمتِ بالغہ سے زمین کو پھاڑا کہ اس میں سے سہولت سے گھانس اور جڑی بوٹیاں برآمد ہوتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا وجود آسمانی پانی سے ہے۔ وہ بمنزلۂ نطفہ انسانی کے ہے اور زمین بمنزلۂ رحم کے ہے اور یہ نباتات بمنزلہ مولود کے ہیں۔ پھر زمین کو پھاڑ کر فانبتنا فیھا حبا ہم نے اس زمین میں سے اناج نکالا یعنی جن سے دانہ پیدا ہوتا ہے جیسا گیہوں چنا جوار باجرہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ وعنبا انگور بھی اگائے یعنی اس کی بیل بھی اگائی۔ انگور میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اسی کو کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے اور میوہ پن بھی ہے اور پھر انگور سے سینکڑوں کارآمد چیزیں بنتی ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ وقضبا یعنی جن کو بغیر پکانے کے یوں بھی توڑ توڑ کر کھا جاتے ہیں جیسا مولی، گاجر، شلغم، پیاز، کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وزیتونا یعنی زیتون بھی پیدا کیا کہ جس کا تیل بہت سے کام آتا ہے اور اس کی لکڑی سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ایسے بھی میوے پیدا کئے جو مہینوں رہ سکیں اور دور دراز ملکوں تک جا سکیں اور جن کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے یعنی ونخلا کھجور یہ بھی بہت کام آتی ہے۔ اس کا بھی کھانے کے سوا عمدہ سرکہ اور شراب بنتی ہے اور سال بھر تک اس کو رکھ کر کھا سکتے ہیں۔ اس کی مٹھائی عمدہ عمدہ کھانوں میں پڑتی ہے اور پھر بس نہیں بلکہ وحدائق باغ پیدا کئے جن میں طرح طرح کے پھل اور پھول اور کارآمد میوے ہوتے ہیں اور باغ بھی کیسے؟ غلباء گھن کے کہ جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور پیدا ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے موٹے درخت پیدا کئے کہ میوے دینے کے علاوہ ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے۔ گاڑیاں بنتی ہیں۔ صندوق بنتے ہیں اور پلنگ اور کرسیاں اور کیا کیا آرائش وراحت کے سامان تیار ہوتے ہیں اور باغ کے سوا وفاکھۃ اور بھی صحرائی میوے پیدا کئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے خودرو درخت میوے دار ہیں اور کیسے کیسے عمدہ پیڑ اور جھاڑ ہیں۔ صحرائی شریفہ اور کیلا اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اور ان کے سوا عداباخود روگھانس اور چارہ بھی پیدا کیا۔

یہ سب چیزیں کس لیے پیدا کیں متاعالکم تمہارے فائدے اٹھانے کو ولانعامکم اور تمہارے چارپایوں گائے بیل بھیڑ بکری، بھینس گھوڑے اونٹ کے لیے کہ وہ جانوران چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ کسی کا دودھ پیو، بچے لو، کسی کے بالوں کو کام میں لاؤ۔ عمدہ عمدہ شالیں اور دوشالے بناؤ اور کسی کو فربہ کر کے اس کا گوشت کھاؤ اور کسی پر سواری کرو اور کسی پر بوجھ لادو۔

اب ہر ایک بات کو غور کرو تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں بن گیا ہے جیسا کہ دہریہ اور طبیعیہ کہتے ہیں۔ ضرور تمہارا نورِ عقل تم کو رہنمائی کرے گا کہ ضرور بالضرور ان سب چیزوں کا خالق جس نے ہر ایک میں ایک کیا ہزاروں مصلحتیں اور قدرتِ کاملہ کے نمونہ رکھے ہیں۔ ان سب سے نرالا بڑا قادر وحکیم ہے اور اس کے سوا وہ اے بنی آدم! تم پر رحیم بھی ہے کہ اس نے صرف تمہارے پیٹ

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک درکارند — تاتو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ ازبہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار — شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

پھر جس قادر مطلق نے آسمانی بوند سے یہ چیزیں بنائیں اور ایک بوند سے تم کو بنایا اور عرصۂ وجود میں کیسی کیسی پلٹنیں دیں۔ ہر دن ہر ایک نیا روپ اس کا بدلا اس کی ابتداء میں کچھ اور ہی قدرت کا جلوہ دکھایا اور اس کے شباب میں اور ہی شان نمایاں کی اور اس کے اخیر میں جبروت کی اور ہی تجلی دکھائی۔ اس شے کو قدرت کا گھوڑا بنا کر اس کو میدانِ وجود میں کیسا دوڑایا۔ ہر شے پر قدرت کو سوار کیا کیا وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے اسی میدان میں ٹکرا کر نیست ونابود کر دے گا یا اس کو کسی اور جہان میں نہ لے جائے گا؟ ضرور لے جائے گا انسان کی اندرونی اور بیرونی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ تیز رو کہیں اور جانے والا ہے اور یہ دانہ قبر میں سے ضرور پھرا گے گا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا
قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

پھر جبکہ وہ شور برپا ہو جس دن کہ انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور ماں باپ سے اور بیوی اور اولاد سے (دور بھاگے گا) ہر شخص کی (اس روز) ایسی حالت ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی (ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی) کتنے ایک چہرے تو اس روز دمکتے ہنستے شادمان ہوں گے اور کتنے ایک مونہوں پر اس دن خاک پڑی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ یہ وہی منکر بدکار ہوں گے۔

ترکیب ¦ فاذا حرف الشرط جاءت فعل الصاخة فاعلہ والجملۃ شرطیۃ والجواب محذوف یدل علیہ الکلام الآتی وھو لکل امری منھم الخ الصاخۃ الصیحۃ وسمیت بھا لشدۃ صوتھا کانھا تصمع الاذان ای تصمھا فلا تسمع واصل الکلمۃ من الصخ وھو الطعن والصک بقال صخ راسہ بحجر ای شدخہ والغراب یصخ بمنقارہ فی وبر البعیر ای یطعن وھی النفخۃ الاخیرۃ والفاء للدلالۃ علی ترتیب مابعدھا علی ماقبلھا یوم منصوب بمقدر ای اعنی ویکون تفسیر الصاخۃ او بدل من اذا جاءت لکل امری منھم خبر شان یغنیہ مبتدء یومئذ ظرف لہ والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان سبب الفرار۔ وجوہ مبتداء والنکرۃ لوقوعھا فی مقام التفصیل والتوزیع صلحت للابتداء یومئذ متعلق بہ مسفرۃ خبر اول ضاحکۃ خبر ثانی مستبشرۃ خبر ثالث ووجوہ یومئذ مبتداء علیھا غبرۃ خبر ترھقھا قترۃ خبر ثان رھق بالتحریک برنشستن گرد بچیزے وفرو پوشیدن (عع ک اف ۲) قولہ تعالیٰ ولا یرھق وجوھھم قتر ولاذلہ وفی الحدیث اذا صلی احدکم ای الشی فلیرھقہ ای فلیفشہ ولایعبد منہ وہ خود را بر حرام وتباہی داشتن یقال فیہ رھق وستم کردن قولہ تعالیٰ فلا یخاف بخسا ولا رھقا ای ظلما۔ وسفاھت وطغیاں قولہ تعالیٰ فزادوھم رھقا ای سفھا وطغیانا ونزدیک آمدن ودریافتن چیزے را صراح

قتر۔ قترۃ بفتحتین گرد قتر جمع۔ تقتیر۔ اقتار کذلک وبوے بریاں برانگیختن وبخور کردن زن ودرویش شدن مرد۔
غبر غبار بالضم غبرۃ بفتحتین گرد۔ غبرہ بالضم تیرگی صراح قال زید بن اسلم القترۃ ما ارتفعت الی السماء والغبرۃ ما انحطت الی الارض۔ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما الستر ہ سواد الوجہ اولئک مبتداء ھم الکفرۃ الخ خبر کفرۃ جمع کافر والفجرۃ جمع فاجر والفاجر المائل عن الحق

تفسیر ¦ اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الصاخۃ جس دن کہ صاخہ آوے یعنی قیامت جس کے نفخ صور سے شور برپا ہوگا۔ فائدہ: قیامت کو

اس کے اوصافِ ہیبت ناک کی وجہ سے ہر ایک وصف سے یاد کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو طامۃ کبریٰ کبھی واقعہ کبھی الحاقۃ کبھی القارعۃ کبھی الصاخۃ۔ وہ کیسا دن ہوگا اور کب اس کا ظہور ہوگا۔ یوم یفر المرء من اخیہ جس دن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی اس کی مصیبت میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا۔ اپنی ہی خلاصی کی پڑی ہوگی۔ وامہ اور اپنی مادر مہربان سے بھی آنکھیں چرالے گا۔ نااہل تو دنیا میں بھی ماں سے منہ پھیر لیتے ہیں' بیوی اور اولاد پر فدا ہوتے ہیں۔ وابیہ اور اس کے بعد باپ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ سو اس روز باپ سے بھی الگ ہو جائے گا۔ اس کی شفقت پرورش کا کچھ خیال بھی نہ آوے گا۔ وصاحبتہ اور بیوی کی بھی کچھ پروانہ کرے گا۔ آج جس کو مال وعزت اور گھر کی تمام برکات کا خزانچی جانتا ہے' حرام وحلال جو ملتا ہے۔ اسی کے آگے لاکر دھرتا ہے اور اس کی غیرت کے لیے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور جو اس کی بڑی مونس' درد وغم کی شریک اور بڑی دلربا اور معشوق ہوتی ہے اس روز اس سے بھی منہ پھیر لے گا۔ وبنیہ اور پیاری اولاد اور محبوب لڑکوں سے بھی آنکھیں پھیر لے گا جن کے لیے آج دنیا میں خدا کو بھولا ہوا ہے اور رات دن انہیں کے لیے مال وزر جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

ان آیات میں غالباً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ کس لیے کہ سب سے اول انسان کو اولاد اور ان میں سے نرینہ اولاد پیاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد بیوی پھر اس کے بعد باپ کہ جوانی میں بوڑھے باپ کا ترکہ ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اس کے بعد ماں اس کے بعد بھائی سوادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جو کچھ اس کے لختِ جگر اور محبوبِ دلی ہیں اور جن کی محبت وہمدردی ایک فطری بات ہے۔ خاص لوگوں کے سوائے جس کو دیکھو انہیں کی محبت میں سرگرداں ہے اور انہیں کے خیال کی بھاری بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس روز ایسی آپا دھاپی ہوگی کہ ان سے بھی کنارہ کرے گا اور کسی کے بدلے آپ سزا پانا ہرگز قبول نہ کرے گا بلکہ اپنے حسنات میں سے حصہ دینا بھی گوارا نہ کرے گا۔ جب ان سے یہ حال ہوگا تو اور رشتہ داروں دوستوں ہم وطنوں کی تو کیا پروا ہوگی۔

یہی مضمون اور کئی ایک جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ ولایسئل حمیم حمیما یبصرونھم۔ ولا یغنی مولیٰ عن مولی شیئا وغیرہا من الآیات اور کیوں ایک دوسرے کی پروانہ کرے گا۔ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ کہ ہر ایک شخص ان مذکورہ لوگوں میں سے اپنی ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ حالت اس کو دوسروں سے بے پروا کرے گی۔ اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی خبر نہ ہوگی اور مصیبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

فائدہ۔ یہ حالت کب ہوگی؟ قیامت میں اس وقت کہ قہر وجبروتِ الٰہی کا ظہور ہوگا اور دروازہ شفاعت کا نہ کھلا ہوگا۔ ہر ایک نبی نفسی نفسی کرے گا۔ سب اولین وآخرین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آکر عرض کریں گے کہ آج آپ جو سب کے باپ ہیں شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ۔ اسی طرح وہ کہیں گے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاؤ۔ آج اس کے قابل وہی ہیں۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں گے۔ آپ شفاعت کریں گے۔ آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ پھر اور انبیاء واولیاء وصلحاء شفاعت کریں گے اور حساب شروع ہوگا۔ تب وجوہ یومئذ مسفرۃ اس دن بہت سے منہ روشن ہوں گے۔ خصوصاً جبکہ ان کو نعیمِ جنت اور عطا کا ملنا معلوم ہوگا۔ یہ نیک لوگ ہوں گے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے وہ ہوں گے جو رات کو اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے یا جن کے چہروں پر اللہ کی راہ میں غبار پڑی تھی یا جن کے چہروں پر سعادت کے حاصل کرنے اور اعمال کی مشقت' بھوک پیاس کی شدت اور خوفِ الٰہی سے تیرگی پیدا ہوئی تھی۔ یہ آثار وضو سے ضاحکۃ مستبشرۃ ہنستے ہوں گے بشاش ہوں گے۔ حساب سے فارغ ہو کر جنت میں جاتے وقت جو دنیا میں خوفِ الٰہی سے روتے اور غفلت واعمالِ بد پر غمگین ہوں گے۔ وہ اس روز ہنستے اور بشاش ہوں گے۔ یہ اہلِ سعادت کا حال ہوگا اس کے بعد اہلِ شقاوت کا حال بیان فرماتا ہے۔ وجوہ یومئذ

علیھا غبرۃ کہ بہت مونہوں پر اس روز غبار پڑی ہوگی جو نعیمِ دنیا میں چپڑے چکنے چہرے رکھتے تھے اور خدا سے غافل تھے۔ ترھقھا قترۃ اور جہنم اور اعمالِ بد کی سزائیں سامنے دیکھ کر چہروں پر سیاہی چڑھ جاوے گی یا پھٹکار کی سیاہی۔ یہ کون ہیں اولئک ھم الکفرۃ الفجرۃ یہ کافر بدکار ہیں۔ کفر اور اس کے ساتھ بدکاری اور بھی غضب ہے۔ سبحان اللہ انسان کی ابتداء اور حالتِ حیات وممات ودورِ آخرت کی کیفیت کن مختصر الفاظ میں کس دل کش انداز سے بیان فرمائی ہے۔ یہ کمال اعجاز ہے۔

(سورہ تکویر مکیہ ہے اس میں انتیس آیات ایک رکوع ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَاِذَا
الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَاِذَا النُّفُوْسُ
زُوِّجَتْ ۝٧ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝٨ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝٩ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝١٠
وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝١٣ عَلِمَتْ نَفْسٌ
مَّآ اَحْضَرَتْ ۝١٤

جبکہ سورج دھندلا ہو جاوے اور جبکہ ستارے دھندلے[1] ہو جاویں اور جبکہ پہاڑ اڑتے پھریں اور جبکہ گابھن[2] اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جبکہ جنگلی جانوروں میں رول پڑے اور جبکہ دریاؤں میں جوش ہو اور جبکہ جانوروں کے جوڑے لگائے جاویں اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے کہ کس گناہ پر ماری گئی تھی اور جبکہ نامۂ اعمال کھولے جاویں اور جبکہ آسمان کی (نیلی[3]) چادر اتار لی جاوے اور جبکہ دوزخ دہکائی جاوے اور جبکہ بہشت پاس لائی جاوے (تب) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

ترکیب | اذا شرطیۃ وکذا ما بعدھا وجواب الکل علمت' نفس الخ الشمس مرفوع بفعل محذوف یفسرہ ما بعدہ لأن اذا تطلب الفعل وھذا عند البصریین وصاحب الکشاف وعند الاخفش والکوفیین یجوز رفعہ بالابتداء وقس علیہ البواقی والتکویر الجمع۔ ماخوذ من کار العمامۃ علی راسہ یکورھا والمراد ذھاب نورھا ولذا قیل فی التفسیر ای طمست وقال الآخرون انکشفت۔ وقیل معنی التکویر الطرح والسقوط قال الاصمعی یقال طعنہ فکورہ اذا صرعہ فقولہ اذا الشمس کورت ای القیت ورمیت عن الفلک وقیل انھا ماخوذۃ من الفارسیۃ یقال للاعمیٰ کور۔ کورت ای جعلت اعمی انکدرت ای تساقطت وانقضت یقال انکدر الطائر من الھوی اذا انقض واصل الانکدار الانصباب۔ العشار جمع عشراء کنفساء جمع نفساء وھی التی اتی علی حملھا عشرۃ اشھر وھی النفس الاموال عند العرب عطلت ای ترکت ھملا ہلا راع وبلا حلب حشرت جمعت من کل ناحیۃ وکل شیء من دواب البر لا یستانس فھو وحش والجمع وحوش سجرت قرئ بالتخفیف والتشدید قال القشیری ھو من سجرت التنور اسجرہ سجراً اذا

[1] جھڑ پڑیں۔
[2] العشار دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں۔ ۱۲ منہ
[3] یعنی اب جو نیلی چادر اوڑھے ہوئے ہے نیلا دکھائی دیتا ہے یہ اتار لی جائے اور آثارِ قہر سے سرخ ہو جائے۔ ۱۲ منہ

احمیۃ نشرت ای فتحت وبسطت للحساب لانھا تطوی عند الموت وتنشر عند الحساب کشطت والکشیط القلع عند شدۃ کشط برہنہ کردن وجل از پشت ستور برگرفتن قشط لغۃ فیہ صراح سعرت سعر افروختن آتش وحرب اذلفت زلف پیش شدن صراح۔

تفسیر! یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ابن عباس وابن عمر وابن زبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں۔اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ منظور ہو کہ قیامت کو آنکھ سے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اذا الشمس کورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت پڑھے۔(اخرجہ احمد والترمذی وحسنہ وابن المنذر والطبرانی والحاکم) یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا گیا ہے۔

ربط اس سورہ کا سورہ عبس سے یہ ہے کہ اس میں قیامت کا ہولناک واقعہ اخیر میں بیان ہوا تھا کہ اس روز بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے اور ماں سے اور خاوند جورو سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔اب اس سورہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاخہ کہ جس روز یہ ہوگا کب ہوگا اور اس مصیبت کے اسباب کیا ہوں گے؟ **اوّل حادثہ:** فقال اذا الشمس کورت جبکہ آفتاب لپیٹا جاوے یعنی اس کی روشنی جو پھیلی ہوئی اور تھان کی طرح دنیا میں سفید چادر بچھی ہوئی ہے تہ کر دی جاوے اور آفتاب بے نور پنیر کی چکتی سی رہ جاوے استعارہ ہے۔اس کے بے نور ہونے سے یا یہ معنی کہ پھینک دیا جاوے اور توڑ دیا جاوے کس لیے کہ تکویر لپیٹنے اور پھینکنے کو بھی کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ تخریبِ عالم کے لیے بارہ نشان بتائے گئے ہیں کہ جب یہ بارہ چیزیں ہوں گی تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ان بارہ میں سے چھ تو وہ ہیں جو صورِ اول کے بعد ہوں گے اور چھ صورِ دوم کے بعد ہوں گے اور ان بارہ حوادث کے بعد اس دنیا کا کچھ بھی نام ونشان باقی نہ رہے گا اور نفوسِ انسانیہ کا اس منزل سے یک لخت تعلق منقطع ہو جاوے گا اور یہی تعلقات اس کے جہل وبے خبری کے اسباب ہیں۔پھر جب یہ نہ رہیں گے تو انکشافِ تام اور ظہورِ کلی ہو جانے کے سبب ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اس دنیا کی اندھیری رات میں کیا کیا تھا۔کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔یہ ہے ان حوادثِ دوازدہ سے علمت نفس ما احضرت کا تعلق اور شرط سے جزا کا ارتباط ان چھ میں سے جو نفخِ صورِ اول کے بعد واقع ہوں گے۔سب سے بڑا حادثہ آفتاب کا بے نور ہو کر گر پڑنا اور نیست ونابود ہو جانا ہے۔کس لیے کہ اس دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر (قائم) ہے۔روشنی میں انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے اور محسوسات میں امتیاز کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ دن میں اس کے حواس منتشر زیادہ ہوتے ہیں اور اسی سبب سے رات میں اہلِ مراقبہ واہلِ ریاضت اپنی نسبتِ باطنی کی ترقی کیا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رات میں عشاق اور بیماروں کو اور ہر ایک مبتلائے مصیبت کو اپنا درد زیادہ معلوم ہوتا ہے اور یہی باعث ہے کہ ساحر اور تاثیراتِ نفسانیہ کے عامل اپنا عمل رات میں زیادہ مؤثر پاتے ہیں۔ اس کے سوا آفتاب کی حرارت اور تاثیر سے سینکڑوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔انقلاباتِ عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔تغیرات ظہور کرتے ہیں۔ اشیاء کی عمر اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا آفتاب ہی کے سبب سے ہے۔یہ دنیا کا چراغ ہے یہ نہ ہو تو اندھیرا ہے اور انہیں باتوں کو مستقل تاثیر سمجھ کر بہت سی قوموں نے پرستش شروع کر دی اور سورج دیوتا کہنے لگے اور ہزاروں منتر اس کی مدح میں بن گئے۔ہنود کا گائتری منت اس کی بے حد مدح میں ہے جو عمدہ عبادت خیال کی جاتی ہے۔ہنود کے علماء کو اقرار ہے کہ آفتاب کیا بلکہ عناصر کی مدح اور احکامِ پرستش سے وید بھرے پڑے ہیں۔آریہ فرقہ وید کو چھپا کر جو تاویلاتِ رکیکہ کرتا ہے اس پر وہ پنڈت ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شرمناک دھبہ کو یہ تاویلات مٹا نہیں سکتیں۔

اس میں آفتاب پرستوں اور نیز ان طبیعتوں اور دہریوں کا بھی کامل رد ہے جو آفتاب کو پوجتے اور دہر میں اسی کو علتِ فاعلیہ سمجھتے ہیں اور اس کو قدیم اور ابدی خیال کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک روز یوں لپیٹ کر دھر دیا جائے گا۔آفتاب زمین سے لاکھوں بڑا حصہ ہے۔ جب یہ خراب ہوا تو پھر زمین کی خیر نہیں۔ **دوسرا حادثہ:** آفتاب کے بعد اور ستارے ہیں۔ان کے اجرام کی عظمت بھی زمین سے

سینکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ زیادہ ہے لیکن وہ آفتاب سے کم ہیں۔اگر آفتاب نظر نہ آوے تو یہ ستارے بھی آسمان کی زینت اور روشنی کے قنادیل اور تاثیر مختلفہ پیدا کرنے کے اسباب ہیں۔اس لیے کہ ان کی حالت بھی بیان فرماتا ہے واذا النجوم انکدرت اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں گر جاویں یہ دوسرا حادثہ ہے نجم کے لفظ سے روشنی اور ظہور سمجھا جاتا ہے۔اس لیے ان کے لیے لفظ انکدرت استعمال ہوا جس میں تیرگی کے معنی ہیں یعنی بے نور اور دھندلے ہو جاویں اور کوکب بھی تارے کو کہتے ہیں مگر اس لفظ میں جڑے رہنے اور جمے رہنے کے معنی ہیں۔اس لیے کوکب کے ساتھ انتثرت کا لفظ استعمال کیا جس کے ظاہر معنی ہیں جھڑ پڑیں واذا الکواکب انتثرت۔ **تیسرا حادثہ:** جب آفتاب اور ستارے نہ رہیں گے تو کرۂ زمین بھی رخصت ہوگا۔اس لیے یہ تیسرا حادثہ بیان فرماتا ہے۔فقال اذا الجبال سیرت اور جب پہاڑ چلائے جائیں یعنی وہ اکھڑ کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں۔ **چوتھا حادثہ:** جب آفتاب کی یہ حالت اور ستاروں کی یہ نوبت ہوگی تو گویا دنیا کی چھت برباد ہو چکے گی اور زمین کا فرش جس کے لنگر یا میخِ فرش پہاڑ ہیں وہ یوں اڑتے پھریں گے تو پھر اہلِ زمین کو کس جائیداد اور کس تجارت اور کس مال کی آرزو باقی رہ جاوے گی اور کس کی حفاظت اور روک تھام کریں گے؟ کسی کی بھی نہیں بلکہ اپنی ہی پڑی ہوگی۔اس مضمون کو اس جملہ میں ادا کرتا ہے واذا العشار عطلت اور جبکہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یوں ہی بیکار و بے مہار ماری ماری پھریں گی۔کوئی پرسانِ حال بھی نہ ہوگا۔اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مال ہے اور خصوصاً گابھن اونٹنی جو بچہ دینے کو ہو اور بھی نفیس اور مرغوب مال ہے۔اس کی حفاظت ونگہداشت بہت کچھ کیا کرتے ہیں۔اس لیے گابھن اونٹنیوں کے بے کار رہنے کا ذکر کیا۔یہ چوتھا حادثہ ہے۔اس میں ایما ہے کہ جس مال کے جمع کرنے میں یوں عقبیٰ برباد کر رہے ہو اس کی ایک روز یہ حالت ہوگی اور یہ طبعی بات ہے۔دنیا میں جب کوئی سخت بیمار یا مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے ایسا کہ بے کل ہو جاوے اور چین نہ پڑے۔اس وقت نہ روپیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ عورت کی طرف رغبت رہتی ہے نہ گھوڑے بیل اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ مکان وجائیداد کا دھیان رہتا ہے۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عشار سے مراد پانی بھرے بادل ہیں کہ اس روز وہ معطل ہوں گے۔

پانچواں حادثہ! اور جب یہ حالت ہو جاوے گی تو انسان کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش وحواس بجا نہ رہیں گے۔واذا الوحوش حشرت اور جبکہ جنگلی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے غیر جنس سے گریز کرتا ہے۔ہرن شیر سے، بکری بھیڑیئے سے۔ان سب پر بوقتِ نفخِ صور یہ ہول ودہشت طاری ہوگی کہ سب جنگل اور پہاڑ چھوڑ کر آبادی میں پناہ لینے کے لیے آ جمع ہوں گے اور اب بھی جب روآتی ہے یا جنگل میں آگ لگتی ہے ایسے جانور جو انسان سے بھاگتے ہیں امن کی جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جا دیکھا گیا ہے۔مصیبت میں نفرت اور باہمی عداوت کافور ہو جاتی ہے۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حشر کے روز وحوش بھی ان کے باہمی قصاص وفیصلہ کے لیے جمع ہوں گے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وحوش کے حشر سے مراد ان کا مرنا ہے۔عرب کہتے ہیں حشرتھم السنۃ جبکہ لوگوں کے مال اور جان قحط سے تلف ہوں۔

چھٹا حادثہ! یہ پانچواں حادثہ ہے۔اس کے بعد چھٹے حادثہ کو بیان فرمایا ہے۔واذا البحار سجرت اور جبکہ دریا گرم کئے جاویں۔دریا کا گرم ہونا اور جوش میں آنا اس کی طغیانی سے عبارت ہے۔پھر جبکہ صور پھنکے گا اور زمین ہلے گی اور پہاڑ اڑیں گے تو جس طرح ارض پر سمندر ہے وہ کب ساکت ہوگا۔اس کا تموج اور جوش بھی بے حد ہوگا کہ خشکی پر پھیل پڑے گا اور زمین کے حیوانات وانسان بلکہ بڑی بڑی بلند چیزوں کو ڈبو دے گا۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بے حد تموج سے اس میں ایسی مفرط حرارت پیدا ہوگی کہ پانی مستحیل ہو کر ہوا ہو جاوے گا اور ہوا مستحیل ہو کر آگ بن جائے گی۔پانی نے تو آفت برپا کی ہی ہوگی۔پھر ہوا ہو کر اور بھی دنیا کو درہم برہم کر دے گا اور پھر آگ ہو کر اور بھی ستیاناس کر دے گا۔الغرض یہ تینوں عنصر جو آج دنیا کی آبادی کا باعث ہیں یہی خرابی کا باعث ہو جاویں گے۔نہ آسمان رہا نہ ستارے نہ سورج

نہ پہاڑ، نہ انسان وحیوان نہ سمندر۔ گویا ان چھ حادثوں سے جو نفخِ صورِ اول سے ہوں گے۔ دنیا کا اور اہلِ دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اعتراض ! مگر ان چھ حوادث کی ترتیبِ ذکر میں بعض نکتہ چینوں کو اعتراض ہے کہ جب یہ معاملہ نفخِ صورِ اول کا ہے اور ستارے بے نور ہو جاویں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے تو اس وقت عشار یعنی گابھن اونٹنیاں اور وحوش موجود ہی کب ہوں گے جو ان کو معطل ومحشور ہونا کہا جاوے۔ **جواب:** اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ ان حوادث میں خدائے پاک نے ترتیبِ وقوع کا اظہار نہیں فرمایا کہ اول یہ ہوگا، پھر یہ ہوگا اور محض ایک کے بعد دوسرے کے ذکر کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسری شے اول کے بعد ہی واقع ہو۔ چونکہ سورج کا بے نور ہونا ایک بڑی عظیم الشان بات تھی اس لیے اول اس کو ذکر کیا گو وقوعہ اس کا آیندہ مذکور چیزوں کے بعد ہو۔ اسی طرح اس کے بعد ستاروں کا جھڑنا، بے نور ہونا بڑی بات تھی۔ اس کو ذکر کیا کہ جب علویات کے ذکرِ فساد سے فراغت ہوئی تو اس کے بعد سفلیات کا بطلان وفساد ذکر فرمایا اور سفلیات میں پہاڑ بلند اور بڑے مستحکم اور ثابت القدم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بے ثباتی اور اڑا پھرنا ذکر کیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ پہاڑ پہلے اڑ چکیں اور زمین کے وحوش وطیور مر چکیں تب آفتاب اور ستارے بے نور ہوں اور اس کے بعد انسان کا بدحواس ہونا اور اپنے مرغوب مال سے بے خبر ہو جانا اور وحوش میں کھل بلی پڑ جانا اور سب کا مجتمع ہونا بہ نسبت پہاڑوں کے اڑتے پھرنے کے ایک کم مرتبہ چیز ہے۔ اس لیے اس کا ذکر پیچھے کیا حالانکہ یہ انسان کی بدحواسی اور وحوش کی بدحواسی پہلے ہوگی۔ کس لیے جب صور کی آواز قدرے بھی بلند ہوگی انسان تو جب ہی بدحواس ہو کر اونٹ اونٹنیوں سے بے خبر ہو جائے گا اور حیوانات اور جنگلی جانوروں میں رول پڑ جائے گی۔ پھر ذرا اور آواز بلند ہوگی تو یہ سب مر جائیں گے۔ پھر آواز بلند ہوگی تو دریاؤں میں تموج ہوگا اور ابل پڑیں گے۔ چونکہ دریا کا گرم ہونا کسی قدر اب بھی بعض مواقع پر ہوتا ہے۔ گویا ایک معمولی سی بات ہے۔ حالانکہ اس روز اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے اس کو انسان کی بدحواسی اور وحوش کی کھل بلی کے بعد ذکر کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تموجِ بحری کے بعد انسان وحیوانات کی موت اور بدحواسی ہو۔ پھر جب اور بھی زیادہ بدحواسی ہوگی تو زمین لرزے گی اور پہاڑ ٹوٹ جاویں گے اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا کے تموج سے ہو جاویں گے۔ پھر زمین کا خاتمہ ہو چکے گا تو علویات کی بربادی ہوگی۔ آفتاب بے نور ہو کر گر پڑے گا، پھر ستارے گر پڑیں گے۔ پھر جب سب فنا ہو جائیں گے اور ایک معلوم المقدار عرصہ فنا کا گزر چکے گا تو حق سبحانہ پھر اسرافیل کو صور پھونکنے پر مامور کرے گا اور پھر بارِ دیگر ہر چیز ایک نئے وجود سے زندہ ہوگی اور یہ وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لیے اس وقت کے ان چھ حوادث کو ذکر کرتا ہے جن کا ذکر نفوسِ انسانیہ کو اکتسابِ حسنات وتحصیلِ سعادت کی طرف ابھارتا ہے۔

اول: واذا النفوس زوجت اور جبکہ نفوسِ انسانیہ کے جوڑے لگیں۔ **اول حادثہ:** اول تو نفوس یعنی ارواح کا ان کے اجسام سے پھر جوڑا لگے۔ پھر جسموں میں روح پھونکی جاوے اور گویا روح کی جسم سے پھر ایسی شادی اور بیاہ ہو کہ باہم پھر جدائی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ہر ایک جنس اور نوع کا باہم جوڑا لگے۔ نیک جدے کھڑے ہوں تو بدجدے۔ پھر نیکوں میں نمازیوں کی قطار، مجاہدوں کی قطار، جدا جدا ہو علی ہذا القیاس اور سب سے اول تین جماعتیں قائم ہوں۔ کما قال وکنتم ازواجا ثلثۃ ایک اصحاب الیمین کی دوسری اصحاب الشمال کی تیسری سابقین کی۔ اس کے بعد نفوسِ انسانیہ کا نفوسِ سماویہ وارضیہ سے جوڑا لگے تا کہ قوتِ ادراک خیر وشر کا پورا بدلہ پاوے اور ہر نفس اپنے اعمالِ خیر وشر کی صورتِ مثالیہ سے بیاہا جاوے اور ہر نیک کا حور العین سے جوڑا لگے۔ تمام جزاء وسزائے آخرت کو یہ ایک لفظ وسیع المعنی حاوی ہے مگر اس کے بعد چند مہتم بالشان امور کو بیان فرماتا ہے۔ دوسرا حادثہ: واذا الموؤدۃ سئلت اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے بای ذنب قتلت کہ کس گناہ میں ماری گئی تھی! خواہ سوال مظلوم لڑکی سے ہو، خواہ قاتل۔ ظالم سے بہر حال اس کی باز پرس ہوگی۔ عرب کے جاہل اور مغرور لوگ تنگِ دامادی یا خوفِ افلاس سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈال کر مٹی دے دیا کرتے تھے۔ ان کو سنایا جاتا ہے کہ ایک روز تم سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم پر اس معصوم کو قتل کیا یا اس مظلوم دادخواہ سے دریافت ہوگا۔ یہ ایسا پر اثر بیان ہے کہ اس کے بعد عرب سے یہ

رسم یک لخت موقوف ہوگئی۔ یہ دوسرا حادثہ ہے۔ **تیسرا حادثہ:** واذا الصحف نشرت اور جبکہ نامہ اعمال کھولے جاویں اور حساب شروع ہو اور کہا جاوے کہ پڑھ یہ صحائف ان معمولی کاغذوں پر معمولی رسم الخط سے نہ ہوں گے بلکہ ایک انجلاء وانکشاف صورِ اعمالیہ کا ہوگا جس کا مجموعہ ایک صحیفہ ہے یا جو کچھ اس کی حقیقت عنداللہ ہو برحق ہے۔ یہ تیسرا حادثہ ہے۔ **چوتھا حادثہ:** واذا السماء کشطت اور جبکہ وہ آسمان جو بارِ دیگر نفخِ صورِ ثانی کے بعد قائم ہوگا اس کو کھولا جاوے یعنی جس طرح جانور مذبوح کی کھال کھینچ لینے سے اس کا گوشت واندرونی اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا حجاب مرتفع ہو جاوے اور مکنونات خیالات فلک کہ اشیاء کی صورتِ مثالیہ ہیں متجلی ومنکشف ہو جاویں اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں جو عدالتِ حشر کے کارندے ہوں گے۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ امام رازی کشطت کے معنی اسی کے قریب قریب بیان فرماتے ہیں۔ حیث قال ای کشفت وازیلت عما فوقھا وھوالجنۃ وعرش اللہ کما یکشط الاھاب عن الذبیحۃ والغطاء عن الشیء یعنی کھولا جاوے اور اس کے اوپر کی چیز جو جنت اور عرشِ الٰہی ہے، ظاہر کیا جاوے۔ جیسا کہ کھال ذبیحہ سے اتاری جاتی ہے اور پردہ کسی چیز سے دور کیا جاتا ہے۔

فائدہ: لفظ کشطت کو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے قشطت قاف سے بھی پڑھا ہے اور کاف کی جگہ قاف کا استعمال زبانِ عرب میں بہت جگہ ہوتا ہے جیسا کہ کافور۔ قافور اور لبکت الثرید ولبقتہ۔

پانچواں حادثہ: جب آسمان کھل جاوے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے (جو خزانہ غیب ہے) ظاہر ہوگا اور انسان کے اعمالِ نیک وبد کی صورِ مثالیہ بھی ظاہر ہوں گی تو اول بدوں کے لیے واذا الجحیم سعرت دوزخ دہکائی جاوے۔ بنی آدم کے گناہوں کا ایندھن جو اس میں پڑا سلگ رہا تھا، اب جزا کا وقت آ گیا۔ غضبِ الٰہی کا شعلہ اس کو بھڑکا دے گا اور عدل وانتقام کی آگ اس ایندھن کو دہکا دے گی پھر تو وہ جوش مارے گی کہ الٰہی توبہ اس کے جوش وخروش اور شعلوں کی لپٹ کی آواز دور دور سے سنائی دے گی۔ کما قال وھی تفور تکاد تمیز من الغیظ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آ پڑیں گے۔ کما قال انھا ترمی بشرر کالقصر کانھا جمالات صفر اس کے دیکھنے سے لوگوں کی جان پر بن جاوے گی اور بالخصوص مجرم تو اس حالت کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جاویں گے اور دنیا کے چند روزہ لذات وشہوات پر ہزاروں نفرینیاں کریں گے۔ کما قال واسروا الندامۃ لما راوا العذاب یہ جانکاہ پانچواں حادثہ ہوگا۔ **چھٹا حادثہ:** اور اسی طرح اہلِ حشر کے لیے جنت سامنے لائی جائے گی۔ کما قال واذا الجنۃ ازلفت اور جنت قریب لائی جاوے گی۔ اب جو عالمِ غیب میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور اسی لیے کور باطن اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس روز وہ حاضر ہو جاوے گی اور تختِ عدالت کے قریب لا کر رکھی جاوے گی۔ یہاں تک کہ اس کے نعیم اور دہانے کے بے حد اسبابِ آسائش وتجمل نظر آویں گے۔ بدوں کو اور بھی مصیبت ہوگی کہ حسرتیں کریں گے اور اس سلطنتِ جاودانی کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا الم دلوں کو عذابِ جہنم سے کم نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ان غریبوں مفلسوں کو کہ جن کی عبادت وتقویٰ پر تمسخر کیا کرتے اور ان کو بہت ہی ذلیل وخوار سمجھتے تھے۔ یہ دیکھیں گے کہ کس اکرام واعزاز سے جنت کے لیے منتخب کیے جا رہے ہیں اور ان دنیا کے عزت داروں، سرداروں ناز ونعم میں پرورش پانے والوں پر جوتیاں پڑ رہی ہیں۔ ملائکہ گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف مارتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب نہ کوئی دنیاوی یار ہے جو حمایت کرے نہ مال وزر ہے جو کام آوے۔

یہ چھٹا حادثہ اور بھی جانکاہ ہوگا۔ تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لایا؟ کیا اعمال نیک وبد کیے یہ حجاب اٹھ جاوے گا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے ان بارہ حوادث کو انسانی حالات پر محمول کیا ہے جو بوقتِ مرگ ظاہر ہوں گے اور مرگ قیامتِ صغریٰ ہے۔ اس وقت اس کو نیک وبد معلوم ہو جاوے گا۔ آفتاب کا بے نور ہونا، روح کا تعلقاتِ جسمانیہ سے دست بردار ہونا ہے اور ستاروں کا بے

نور ہونا اس کے حواس اور قوی کا بیکار ہونا ہے اور پہاڑوں کا اڑنا اس کے بنیاد جسم کا ہل جانا اور اس کے بڑے بڑے ارادوں کا باطل ہونا ہے اور گابھن اونٹنیوں کے بیکار ہونے سے مراد انسان کی قریب الحصول تمناؤں کا بیکار ہونا ہے اور وحوش کا جمع ہونا اس کے نفرت انگیز کاموں کا تصور اور ان کی صورتیں سامنے آنا ہے اور دریاؤں کا گرم ہونا اور جوش مارنا اس کے حسرات و آرزوؤں کا بطلان اور خیالات کا انتشار ہے کہ ہر ایک بے کنار دریا ہے اور نفوس کا جوڑا لگنے سے مراد ملکاتِ مکسوبہ کا ان کے مناسب چیزوں سے ارتباط ہے۔ ظلمانی ملکات کا ظلمانی چیزوں سے اور نورانی ملکات اور علوم و معارف کا نورانی چیزوں سے جوڑا لگایا جاتا ہے اور موؤدہ سے مراد وہ انسانی قوی و مدارک ہیں جو اس کے اندر ودیعت ہیں جن کو زندہ گاڑ دینا کہنا استعارہ ہے۔ ان سے سوال ہوگا کہ ان کو برمحل صرف کیا تھا یا بے محل جس نے بے محل اور بے موقع خداداد قوت کو صرف کیا گویا زندہ معصوم بچہ کو قبر میں ڈال دیا۔ مثلاً قوتِ شہوانیہ ایک اس کی عطا کردہ امانت ہے۔ اگر اس کو اپنی بیوی پر اور حلال چیزوں کے کھانوں میں صرف کیا تو مضائقہ نہیں ورنہ عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح قوتِ غضبیہ ایک ودیعت ہے۔ اگر اس کو غیرتِ دینیہ و ملتیہ کے لیے اور ظالموں کے مقابلے میں اپنے ناموس اور ملت کے محفوظ رکھنے میں صرف کیا تو بہت خوب۔ اگر زیردستوں کے ستانے اور لوگوں پر ظلم و جفا کرنے میں صرف کیا تو عتاب اور عذاب ہے۔ اسی طرح نطق یعنی گویائی ایک امانت ہے۔ اگر اچھی باتیں کیں خدا کی حمد و ثناء اور امر بالمعروف و نہی المنکر و اصلاح بین الناس میں صرف کی تو اجر ہے ورنہ وزر۔ پس جس نے اس کو بے ہودہ گوئی فحش گوئی اور جھوٹے قصوں کے سنانے اور لوگوں میں فساد کرانے اور نقصان دینے میں صرف کیا تو عذاب ہے اور صحائف کے کھولے جانے سے مراد قوی اور نفوس کے وہ صحائف ہیں کہ جن میں اعمال کی ہیئت ہے اور آسمان کے کھولنے سے مراد احکامِ روحی کا ظہور ہے جو بوقتِ مرگ ہوتا ہے اور دوزخ کے دہکائے جانے سے مراد وہ شدائد و احوال ہیں جو موت کے بعد ظاہر ہوں گے اور بہشت کے نزدیک لائے جانے سے مراد وہ روح و ریحان ہیں جو عالمِ برزخ میں ایمانداروں کے سامنے آتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ان بارہ چیزوں سے یہ چیزیں مراد ہیں تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے۔ ہاں اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی الفاظِ قرآنیہ میں اشارہ ہے۔ ٹھیک بات ہے کس لیے کہ قرآن مجید کے لیے ظہر و بطن ہے۔ اس کے اندرونی پردوں میں جو کچھ معانی مخفی ہیں وہ ایک دریائے بے کنار ہے جس کو وہاں تک رسائی ہو وہ سمجھے۔

اسی طرح بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں اذا الشمس کورت میں اشارہ ہے تجلیِ ذات و صفات کے ظہور کی طرف جو قلوبِ عارفین پر ہوتی ہے۔ پس اس وقت ان کی ارواح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے عقول کے ستارے دھندلے ہو جاتے ہیں۔ بسبب غلبۂ نورِ ذات و صفات کے اور اس وقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی وارداتِ محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفوس کی باردار اونٹنیاں اس کے سطوتِ جلال کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحوشِ تفرید مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذاتِ پاکِ ذوالجلال والاکرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف کے ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روحِ ناطقہ کا نفسِ مطمئنہ سے جوڑا لگا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں مقاماتِ مراقبات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کئے جاتے ہیں۔

واللہ اعلم باسرارِ کلامہ

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾
إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ

أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى
الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا
ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ
اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

سو ہم کو قسم ہے ان ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے ہٹنے لگتے' غائب ہو جاتے ہیں اور قسم ہے ڈھلتی رات کی اور صبح کی جبکہ روشن ہو کہ یہ قرآن ایک معزز رسول (جبرئیل) کی زبانی ہے جو بڑی قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے۔ وہاں کا سردار امانت دار ہے اور تمہارا پیغمبر دیوانہ نہیں ہے اور البتہ انہوں نے اس (جبرئیل) کو مطلع صاف میں دیکھ بھی لیا ہے اور وہ غیب کی بات پر بخل کرنے والا بھی نہیں اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کہاں (بہکے) چلے جا رہے ہو۔ یہ تو جہان بھر کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے راست ہونا یعنی قائم ہونا چاہے اور تم تو جب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا جو تمام جہان کا رب ہے۔

ترکیب: فلما الفاء للتفریع او التعقیب ولا زائدۃ کما مر تحقیقھا فی سورۃ القیامۃ بالخنس المقسم بہ وھی جمع خانس وخانستہ من خنس اذا تاخر وفی الصحاح الخنس الکواکب کلھا انھا تخنس فی المغیب اولانھا تخفی نھارا وقیل ھی الکواکب الخمس زحل والمشتری والمریخ والزھرۃ وعطارد وفی الکبیر الخنس[1] جمع خانس والخنوس الانقباض والاستخفاء تقول خنس من بین القوم وتخنس وفی الحدیث الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس ولذا سمی الخناس۔ الجوار جمع جاریۃ وھی السیارات لانھا تجری۔ وھی صفۃ الخنس۔ الکنس جمع کانس وکانستہ یقال کنس اذا دخل الکناس وھو مقر الوحش کنس کناس بالکسر خواب جائے آہو و پنہان شدن اودر آنجا (عع ف اک ۲) کنس خانہ رفتن مکنسہ جاروب کناسہ بالضم جاروبہ وخانہ روبہ (صراح) والمراد بھا الکواکب لانھا تکنس ای تختفی بالنھار۔ وھی ایضا صفۃ لھا واللیل الواو للقسم اذا ظرف العامل فیھا معنی القسم عسعس من الاضداد یقال عسعس اللیل اذا اقبل وعسعس اذا ادبر والمراد ھنا اقبال اللیل وقیل الادبار والصحیح ھذہ الواو ایضا للقسم۔ تنفس ای اسفر وامتد وفلق شبہ اللیل المظلم بالمکروب المحزون الذی جلس بحیث لا یتحرک واجتمع الحزن فی قلبہ فاذا تنفس وجد راحۃ فھنا لما طلع الصبح فکانہ تخلص من ذلک الحزن فعبر عنہ بالتنفس وھو استعارۃ لطیفۃ۔ وجواب القسم الاول والثانی والثالث قولہ انہ لقول رسول کریم ثم وصف الرسول المذکور باوصاف محمودۃ (۱) ذی قوۃ (۲) عند ذی العرش مکین (۳) مطاع ثم۔ قراء الجمہور بفتح ثم علی انھا ظرف مکان والعامل فیہ مطاع وامین والمعنی انہ مطاع فی الملاء الاعلی وامین ھھنا وقرئ بالضم علی انھا عاطفۃ وکان العطف بھا للتراخی فی الرتبۃ لان مابعدھا اعظم مما قبلھا وما صاحبکم ھذہ الجملۃ داخلۃ فی جواب القسم ولقد راہ اللام جواب قسم محذوف ای وتاللہ لقد رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل بالافق المبین بمطلع الشمس من قبل المشرق لان ھذا الافق لطلوع الشمس منہ مبین فالمبین صفۃ الافق وقیل صفۃ لمن راہ قالہ مجاھد وتاللہ لمن شاء بدل من العالمین باعادۃ الجار ومفعول شاء ان یستقیم بتاویل المصدر ای لمن شاء الاستقامۃ۔

تفسیر: چونکہ یہ واقعاتِ ہولناک کہ جن کی اذا اذا کر کے خبر دی گئی ہے امورِ بدیہہ نہیں تھے نہ ایسے تھے کہ عقولِ متوسطہ ان کو کسی برہان یا دلیل سے بے کھٹکے مان لیتے اور اگر ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا اور اسی لیے شرع میں ان چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ ان کا ثبوت محض نبی کے بیان پر موقوف ہے جس نے نبی کو سچا مان لیا ہے اس کے نزدیک ان امور کے سچے ہونے

[1] واما جمع خنساء واخنس خنس بالسکون والتخفیف ۱۲ منہ

میں سر موتفاوت[1] نہیں۔اس لیے ان کے بعد ضرور ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وصداقت اور نبی کے ذریعہ سے جو کتابِ آسمانی ظاہر ہوئی ہے اور جس میں یہ باتیں مذکور ہیں اس کی سچائی بھی ثابت کی جاوے اور عرب کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا ہلاکت کا باعث تھا۔اس لیے اس آیندہ کلام کو قسم سے صادر کیا اور قسم ہی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ بعد میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کا کتابِ الٰہی اور آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فقال فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس کہ پس میں قسم کھاتا ہوں خنس کی ایسے خنس جو جوار اور کنس ہیں۔ان تینوں لفظوں کا مصداق ایک ہی چیز ہے۔تین چیزیں جدا جدا نہیں۔جوار کنس اسی خنس کے صفات ہیں ان الفاظ کے معانی یہ ہیں۔(۱) خنس خانس اور خانسہ کی جمع ہے اور خنوس ان کا مصدر ہے جس کے معنی مخفی ہونا اور ہٹنا ہیں۔خنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔

(۲) جوار جاری ہونے والی چیزیں یعنی سیدھا چلنے والیاں (۳) کنس۔کانس اور کانسہ کی جمع کنس چھپ جانا۔کنس تشدید کے ساتھ چھپ جانے والی چیزیں۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ خنس اور جوار اور کنس سے پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہلِ ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اور انگریزی میں سیسٹرین، جوپیٹر، مارز، وینس، مرکیوری کہتے ہیں۔فارسی میں کیوان، برجیس، ترک فلک، ناہید، دبیر فلک، ہندی میں سنیچر، برہسپت، منگل، سکر، بدھ کہتے ہیں۔ان پانچوں ستاروں کی عجیب حیرت ناک چال ہے۔یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں۔اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں۔جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آجاتے ہیں۔اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔انہیں ستاروں کے یہ تین حال ہیں۔ان کی ہمیشہ ایک رویہ پر چال نہیں۔جیسا کہ کوئی حیرت زدہ سیدھا جاتا ہے، پھر لوٹ آتا ہے۔ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔اسی لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں یا تو مغرب سے مشرق کی طرف بترتیب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ثور اور ثور سے جوزا برج کو طے کر رہے تھے یا یکا یک حرکت بند ہوگئی اور پھر الٹے مشرق سے مغرب کی طرف چلنے لگے۔پہلی حالت کو استقامت دوسری کو وقوف واقامت تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔

ان ستاروں کا اس میدان میں اسی طرح سے ہیر پھیر کر کے دوڑنا صریح دلیل ہے کہ ان کی ڈوری کسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے جو بڑا قادر اور بڑا حکیم ہے۔یہ ستارے اس لحاظ سے اس کی قدرت وعظمتِ جبروت وکبریائی کی روشن ضمیر کے نزدیک بڑے روشن دلائل ہیں۔اس لیے ان کی قسم کھائی اور ان کے پرستش کرنے والوں کے خیالاتِ فاسدہ کا بطلان بھی کر دیا۔

فائدہ: حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا۔پھر بمرورِ دہر اس کے متعدد فرقے ہو گئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جدا رنگ پیدا کیا۔چنانچہ روم ویونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت وفلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جوپیٹر کو پوجا کرتے تھے اور اس کے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔یہی حال ہنود کا ہے۔بعض مفسرین فلا اقسم میں لا زائدہ نہیں کہتے بلکہ نافیہ مانتے ہیں۔تب یہ معنی ہوں گے کہ میں ان ستاروں کی قسم نہیں کھاتا کس لیے کہ غور کرنے والوں کے نزدیک خود بخود قرآن مجید کی صداقت ظاہر ہے۔

---

[1] یا یوں کہو کہ مسئلۂ معاد کے بعد مسئلۂ نبوت کا ثابت کرنا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مسئلۂ نبوت کے ثبوت پر مسئلۂ معاد کا ثبوت منحصر ہے اور نبوت کا اثبات بھی اس لطف سے کیا کہ قرآنِ مجید کی صداقت ثابت کی جس میں یہ امور مذکور ہیں اور قرآن جس کے نزدیک کتابِ الٰہی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت بھی اس کے نزدیک قطعی ہے۔۱۲ منہ

فائدہ: ان خمسہ متحیرہ کی اس حرکت کے حکماء نے اسباب تلاش کیے تو حکماءِ قدیم نے جو ہیئت میں بطلیموس کے پیرو ہیں، یہ کہا کہ آسمان کے ثخن (دل مٹائی) میں ایک اور دوسرا آسمان ہے۔اس کو حامل کہتے ہیں اور حامل میں ایک گول پہیہ سا لگا ہوا ہے جس کو تدویر کہتے ہیں۔اس تدویر میں ستارہ جڑا ہوا ہے۔پھر وہ تدویر اس میں ستارہ کو لے کر گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی تدویر کو لے کر حامل گھومتا ہے اور اس گھومنے میں تدویر اور حامل کی حرکت موافق ہے تو ستارہ سیدھا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف ہے تو بطی حرکت محسوس ہوتی ہے۔پھر وہ مخالفت اگر اس درجہ تک ہے کہ جس قدر ستارہ ایک کی حرکت سے آگے بڑھتا ہے تو اسی قدر مخالف حرکت سے ہٹتا ہے۔اس لیے اس وقت یہ ستارہ ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف حرکت غالب آکر اس کو الٹا ادھر ہی واپس کر لانے لگے کہ جدھر سے وہ چلا تھا تو اس وقت وہ ستارہ الٹا حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حامل اور آسمان اور تدویر اور ستارہ کا نقشہ ! اس لیے ہر ایک ستارہ کے لحاظ سے سات آسمان تسلیم کرنے پڑے۔پانچ تو یہی ستارے اور دو چاند اور سورج ان کو بھی سیارہ کہتے ہیں۔سبع سیارات یہی ہیں۔پھر ہر ایک سیارہ کا مقام ایک ایک آسمان قرار دیا ہے اور دیگر ستاروں کا مقام جو حرکت کرتے نظر نہیں آتے اور ایک ہی جگہ ثابت رہتے ہیں) اور اسی لیے ان کو ثوابت کہتے ہیں) آٹھواں آسمان قرار دیا۔اس کے اوپر نواں آسمان اور تجویز کیا ہے جس کو فلکِ اطلس کہتے ہیں اور علمائے اسلام نے آٹھویں آسمان کو عرش اور نویں کو کرسی سے تعبیر کیا ہے اور حکماءِ حال (جو آسمانوں کی سیر کے قائل ہی نہیں وہ) ان ستاروں کی اس حرکت کا سبب ان کا میلانِ ذاتی بیان کرتے ہیں جو کچھ ہو بہر حال اس میں قدرتِ کاملہ کا پورا پورا ثبوت ہے۔

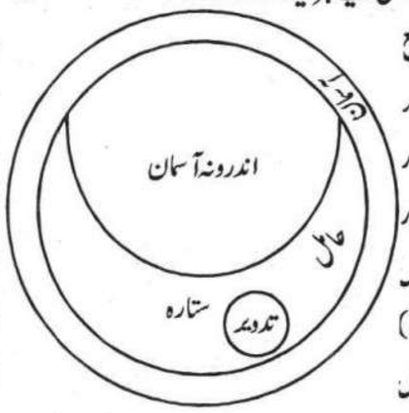

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خنس۔جوار۔کنس کل ستاروں پر صادق آتا ہے۔رات میں مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں۔دن میں غائب ہو جاتے ہیں اور الٹے مشرق کی طرف چلتے ہیں جہاں سے اگلے روز نمودار ہو کر چلے تھے۔آج پھر وہیں سے چلنے لگے۔الغرض علویات کا انقلاب اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد عالم میں ایک اور تصرف روزانہ سے اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دیتا ہے اور اس کو بھی وثوق دلانے کے لیے اسی قسم کے عنوان سے صادر فرماتا ہے۔فقال واللیل اذا عسعس اور قسم ہے۔رات کی جبکہ وہ ڈھلنے پر آنے لگے۔عسعس کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں۔(عسعس اللیل اذا ادبر کشاف) اور آنے کے بھی ہیں۔رات ڈھلنا بھی اس کی قدرت کا نمونہ ہے یا تو دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا یا اب سمٹنے لگا اور یہ وقت بسبب ظہورِ نور کے برکت کا بھی وقت ہے اور صبح سے مناسبت رکھتا ہے۔اس لیے اس کی بھی قسم کھائی۔اسی طرح رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیرِ عظیم ہے یا تو روشنی تھی یا اندھیرا ہونے لگا۔والصبح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی جبکہ روشن ہونے لگے۔یہ تیسری قسم ہے تنفس سانس لینا گویا رات ایک غمگین شخص دم گھونٹے بیٹھا تھا۔پھر سانس لیا تو راحت پائی اور یہ وقتِ راحت ہے۔یہ ایک لطیف استعارہ ہے۔پہلے ان پانچ ستاروں کی قسم کھائی کہ جن کی حرکت ورفتار اس کی کبریائی کی روشن دلیل ہے۔جس میں اس طرف ایما تھا کہ دنیا میں یہ پانچ اولوالعزم نبی ان پانچ ستاروں کی طرح روشنی پھیلانے والے تھے مگر ان کی روشنی یعنی شریعت اقوام کے تغیرات کے لحاظ سے سدا کے لیے ایک چال پر نہ تھی اور وہ پانچ ستارے یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ان پانچ ستاروں نے ہر چند دنیا کو

مذاہب باطلہ سے پاک کیا۔ان کے جھگڑے نبیڑے مگر جہل وکفر وبت پرستی کی تاریکی نے جہان کو گھیر لیا تھا۔یہاں تک کہ رات اٹھتی چلی آتی تھی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ہوا پھر تو رات پھیل گئی۔ یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بعد سے لے کر آنحضرت ﷺ کی بعثت تک کا ہے مگر اس رات کے بعد اس رحیم وکریم نے جو اپنی حکمتِ بالغہ سے دنیا میں رات دن بدلتا ہے۔ستاروں کو چلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا مگر آپ کی بعثت سے کچھ آگے وہ کفر وبدکاری کی اندھیری رات ڈھل چل تھی اس لیے لوگوں کو کچھ کچھ غیبی آثار نمودار ہونے لگے تھے کہیں کسی کو بتوں میں سے آواز سنائی دی گئی کہ ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہوا جاتا ہے جہاں کا ہادی آتا ہے۔آخر وہ آفتابِ ہدایت مکہ کے پہاڑوں میں طلوع ہوا اور دنیا کو روشن کر دیا۔ ان ہدایت کے ستاروں اور ڈھلتی رات اور ہدایت کی صبح کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ انہ لقول رسول کریم کہ یہ قرآن جو صبحِ صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے از خود محمد ﷺ نے دل سے نہیں بنالیا ہے جیسا کہ اور شعراء یا مصنفین بنالیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول کی زبانی پہنچا ہے یعنی جبرئیل آپ کے پاس وحی لاتے ہیں اور پڑھ کر سناتے ہیں تب آپ اس کو تم لوگوں کو سناتے ہیں۔اس مطلب کی طرف اور بہت سی آیات میں ایماء وتصریح ہوئی ہے۔ علمه شدید القویٰ ذومرة بس یہ ہیں لقول رسول کریم کے معنی اب اس پر یہ شبہ پیش کرنا (کہ جب یہ رسول کریم کا قول ہوا تو اللہ کا کلام کیونکر ہوا حالانکہ بالاتفاق قرآن مجید کلام اللہ ہے اس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں) محض لغو ہے کس لیے کہ قول سے یہ مراد نہیں کہ جبرئیل کی تصنیف بلکہ یہ کہ جبرئیل نے کہا خدا کی طرف سے جیسا کہ اور آیات میں ان معنی کی تصریح ہے۔

اسی جگہ سے بعض علماء اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ قرآنِ مجید کی عبارت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہے اور معنی خدا کی طرف سے جبرئیل کو القاء ہوتے اور جبرئیل وہ عبارت مع الفاظ آنحضرت ﷺ کو سناتے تھے مگر یہ بھی ایک لغو بات ہے کس لیے کہ جس جبرئیل علیہ السلام کو خدا کی طرف سے معنی القاء ہوتے تھے اسی کو الفاظ کی بندش بھی القاء ہوتی تھی۔کیا خدائے پاک کو الفاظ کی بندش نہیں آتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کی کونسی بات اپنی طرف کی ہے۔ ہر حرکت وسکون خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ تو اسی طرح تابع ہیں کہ جس طرح انسان کی زبان تابع ہے۔زبان از خود کیا بولتی ہے وہی جو انسان بولنا چاہتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے وحی کی مضبوطی اور استحکام متعلق ہے۔ اول کریم کہ وہ معزز فرشتہ ہے ایسا ویسا نہیں بلکہ ناموسِ اکبر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ جامۂ بشریت میں ہیں' ان کا تجرد ایسا نہیں کہ ہر وقت حق سبحانہ سے بغیر اس واسطے کے کلام کر سکیں۔اس لیے وحی لاتے ہیں۔یہ نورانی شخص کہ جس کا تجرد اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ بلا واسطہ حق سبحانہ سے کلام کر سکتا ہے' واسطہ قرار دیا گیا۔ (۲) ذی قوۃ قوت والا۔تار برقی میں اگر قوت نہ رہے تو کبھی پیغام بسرعت ادا نہ کر سکے اور یہی قوتِ جبرئیلیہ ہے کہ جب یہ کسی نبی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے جمیع تخیلات وتوہمات کو جو غلطی میں پڑنے کے اسباب ہیں یک لخت باطل کر دیتی ہے اور اس وقت ان میں کوئی اثر قوائے بہیمیہ کا باقی نہیں رہتا۔پھر جو کچھ وہ بولتے ہیں وہی بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہی کہتے ہیں جو کوئی ان کے سر چڑھ کر بلواتا یا کہلواتا ہے جس طرح بانسری آپ نہیں بولتی اس میں کوئی اور بولنے والا ہوتا ہے۔یہی حال حضرات انبیاء بلکہ اولیاء کا ہے۔ (۳) عند ذی العرش مکین عرش والے کے پاس جانے والا یعنی یہ نہیں کہ اس کو تخت تک رسائی نہیں وہ اوروں سے سن کر لاتے ہیں بلکہ ان کو بارگاہِ قدس میں صرف رسائی ہی نہیں بلکہ (۴) مطاع ثم وہاں وہ سردار بھی ہیں بیشمار ملائکہ ان کے زیرِ فرمان ہیں اور کسی نیک بندے کو کوئی نیک بات الہام والقاء کرنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ان ملائکہ میں سے کسی ایک کو معین کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرات اولیاء کرام کے الہام میں ہوا کرتا ہے اور یہ فرق ہے الہامِ انبیاء والہامِ اولیاء میں۔حدیث صحیح میں آیا ہے ان للشیطان لمة بابن آدم وللملک لمة فاما لمة الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمة

الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق الحدیث راوہ الترمذی کہ شیطان بنی آدم کے دل میں القاء کرتا ہے اور فرشتہ بھی سو شیطان تو برائی ڈالتا ہے اور حق بات سے انکار کراتا ہے اور فرشتہ کا القاء نیکی پر ابھارنا اور حق کا تسلیم کرنا ہے (۵) امین کہ جبرئیل امین بھی ہیں۔یعنی اس وحی میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرتے۔کوئی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

چونکہ کلامِ الٰہی کے بندوں تک پہنچنے میں دو واسطہ ہیں۔ایک جبرئیل علیہ السلام یہاں تک تو ان کے محامد بیان فرمائے تا کہ عدالت وحفظ جو شرطِ راوی ہے بدرجۂ کمال ان میں متحقق ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان کا اعتبار ملاءِ اعلیٰ میں بھی از حد ہے اور راوی گوثقہ اور صحیح الحافظہ ہو مگر پھر بھی فرق ہے۔ایک تو بادشاہ کا چوبدار یا خواص گوثقہ اور صحیح الحافظہ ہو بادشاہ کا پیغام لائے اور ایک امیر کبیر بڑا راز دار بڑا معتبر ثقہ صحیح الحافظہ خبر لاوے دونوں میں فرق ہے۔اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بارگاہِ قدس میں سردار' مطاع ہونا بھی بیان فرما دیا۔ دوسرا واسطہ پیغمبر ہے۔اب ان کی نسبت اس قدر کہنا کافی ہے کہ ان کی عدالت اور تقویٰ اور راستبازی پر تو کفارِ مکہ بھی ایمان لائے ہوئے تھے۔پھر ایسا سچا اور نیک آدمی کہ جس نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔کبھی کوئی طمعِ نفسانی اس سے سرزد نہیں ہوئی جس کے بزرگانہ اخلاق اور صداقت ضرب المثل ہوں وہ خدا پر بلا منفعتِ دنیا کوئی ایسا جھوٹ باندھے کہ جس سے ہزاروں مصائب سر پر آپڑیں' مار دھاڑ ہونے لگے۔قوم اور کنبہ چھٹے' دنیاوی فوائد یک قلم موقوف ہو جاویں۔عقلا کی شان سے بعید ہے۔اس لیے قسم کھانے کے بعد اس جملہ کو بھی ارشاد فرماتا ہے۔وما صاحبکم بمجنون کہ تمہارا صاحب یعنی دوست اور بہی خواہ محمد (ﷺ) دیوانہ نہیں جو ایسی جھوٹی بات کہہ کر مفت اپنے سر پر مصیبت لیتا۔یہ بھی تم خود جانتے ہو کہ بڑے بڑے عاقل ہیں۔دنیا کے بڑے بڑے عاقل ان سے عقل سیکھتے ہیں۔پھر جب یہ بھی نہیں تو اس واسطے کے سچے ہونے میں بھی کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد ان کو یہ شبہ باقی تھا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں مگر ممکن ہے کہ جبرئیل سے آپ نے یہ کلام نہ سنا ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو۔کوئی اور شیطان ان سے آکر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل سمجھتے ہوں۔اس کا جواب دیتا ہے ولقد راٰہ بالافق المبین کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آنکھ سے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے۔وہ ان کو پہچانتے ہیں۔سورہ نجم میں فرمایا تھا کہ جبرئیل کو آنحضرت ﷺ نے افقِ اعلیٰ پر دیکھا اور یہاں افقِ مبین پر دیکھنا فرمایا۔

قولِ محققین ؛ علماء فرماتے ہیں کہ وہی افقِ اعلیٰ اور وہی افقِ مبین ہے۔مشرقی کنارہ مجاہد کہتے ہیں کہ جبرئیل کو اجیاد کی طرف دیکھا تھا اور وہ مکہ سے مشرق رخ ایک میدان ہے اور یہ دیکھنا ابتداءِ زمانۂ نبوت میں ہوا تھا۔بعض کہتے ہیں جب وحی آکر بند ہو گئی تھی تب کا یہ واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں جبکہ آپ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے اور سورہ اقراء نازل ہوئی تب کا واقعہ ہے کہ اول تو شرقی کنارہ پر آنحضرت ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام ایک زرین کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔اپنی اصلی صورت میں نہایت عظمت وجلال کی صورت تھی اور کنارہ بھرا ہوا تھا۔اس لیے جب اوپر کے کنارہ پر تھے تو اس کو افقِ اعلیٰ سے تعبیر کیا اور ثم دنی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نیچے اترے اور آنحضرت ﷺ کے قریب ہوتے گئے (اس وقت کے لحاظ سے افقِ مبین کہا گیا) اور دونوں مل گئے۔بعض کہتے ہیں دوبارہ دیکھا تھا۔بعض محققین فرماتے ہیں کہ عالمِ مثال کے دو افق ہیں۔ایک افقِ اعلیٰ جو عالمِ تجرد وتقدس سے ملی ہوئی ہے اور دوسری ادنیٰ جو عالمِ شہود سے ملی ہوئی اور اسی سبب سے اس کو افقِ مبین کہتے ہیں کہ عالمِ شہود کے قریب ہونے کے سبب ظہور وابانت اس میں ہویدا ہے پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے کمالات کے مناسب شکل میں آنحضرت کو دکھائی دیں تو اول افقِ اعلیٰ پر جسم وشکلِ مثالی کا لباس پہنے ہوئے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہاں تک کہ افقِ ادنیٰ کے قریب پہنچ گئے اور عالمِ شہود کے کنارہ پر آرہے اور آنحضرت ﷺ سے بالکل مل گئے۔پس افقِ اعلیٰ اور افقِ مبین سے یہ افق مراد ہیں استعارہ کے طور پر۔یہ اس لیے کہ عوام غیبیہ غالبًا اہلِ کشف وشہود کی نظروں میں دوائر کی

صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ الحاصل جب آپ پر حقیقتِ جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالمِ شہود میں بھی آپ ان کو دیکھ چکے ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی شب معراج میں دیکھ چکے تو اب اشتباہِ شیاطین و جنات کا شبہ پیدا کرنا محض حمق ہے۔ ہم اپنے وجدانیات میں کبھی اشتباہ نہیں پاتے اور نہ محسوسات میں تو پھر ادراکِ تام حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا ہے جن کے سامنے حقائق الاشیاء منکشف ہیں۔

اب ایک شبہ یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کاہن ہوں۔ کاہن بھی غیب کی باتیں جنوں سے سن کر بیان کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وما ھو علی الغیب بضنین کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے۔ برخلاف کلامِ کاہن کے کہ وہ نہ آخرت بیان کرسکتا ہے۔ نہ انسان کی سعادت وشقاوت کا رستہ بتا سکتا ہے۔ نہ مرضیاتِ الٰہی اور اس کے نزدیک ناپسند باتوں کی خبر دے سکتا ہے۔ نہ پہلی امتوں اور اگلے انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ حالات بیان کرسکتا ہے جن میں عبرت ونصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ نہ آیندہ آنے والے واقعاتِ ہولناک کی خبر دے سکتا ہے جن پر مطلع ہونا انسان کو ایک آنے والی زندگیِ دائمی کے لیے ضرور پر ضرور ہے۔ صرف دنیاوی معاملات پیش آنے والوں کا کچھ بے تکا حال بیان کیا کرتا ہے۔ وہ بھی پورا نہیں ایک بات سچ تو سو غلط محض مجمل طور پر کہ جس کے حواشی اور متعلقات محض قیاسی ہوا کرتے ہیں اور یہی بات نجوم ورمل وجفر وغیرہ علوم میں ہوتی ہے اور اسی طرح خواب کے انکشاف ہوتے ہیں اور ذرا اس سے بڑھ کر مکاشفاتِ غیر انبیاء علیہم السلام کا حال ہے۔ برخلاف الہامِ انبیاء اور خصوص اس وحی کے جو بذریعہ جبرئیل امین آتی ہے یعنی قرآن مجید اس میں علومِ خمسہ پورے پورے ہیں اور چھٹا عالم بیکار ہے۔ اس میں سے بھی بقدرِ ضرورت بہت ہے۔ باقی زید بکر کے مریض ہونے' شفا پانے' دولتمند ہونے' فقیر ہونے کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے یا ناکامی ہونے' بارش ہونے یا ہوا چلنے سے جو منصبِ نبوت سے دور تھا درگزر کیا۔ اس لیے قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا، برخلاف کاہن اور اس کے کلام کے کہ وہ ان باتوں میں کمی کرتا ہے پورا بخیل ہے۔ ابن کثیر وابوعمرو اور کسائی نے لفظ بضنین کو بظنین ظاء سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن یا محمد (ﷺ) غیب کی باتیں بتانے میں متہم نہیں قیاسی باتیں نہیں کہتے۔ گویا یہ جملہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے یعنی جب دونوں واسطہ ثقہ اور معتبر ہیں تو متہم نہیں بلکہ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے روایت کرتے ہیں اس میں ثقہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قرأت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم بھی ظ ہی سے پڑھا کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے افراد میں اور حاکم نے باقی قراء نے ضاد سے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ بخیل نہیں۔ وحی کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی معنی لیتے ہیں۔[1]

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کر کے اس بحث کا خاتمہ کرتا ہے۔ فقال وما ھو بقول شیطان الرجیم کہ یہ قرآن شیطانِ رجیم کا کلام نہیں یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ قوتِ بشریہ سے تو یہ کلام بڑھ کر ہے پھر یا تو کاہن کا کلام کہتے ہو۔ سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کاہن غیب کے بیان میں متہم ہے۔ کچھ سچ ہے تو زیادہ جھوٹ اور یا اس کو شیطان یا جن خبیث کا کلام کہتے ہو ان کے اعجوبہ افعال پر نظر کر کے تو یہ بھی نہیں تم خود اس کلام میں غور کرلو۔ کس لیے کہ پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے نہ درخت سے پھل۔ اس قرآن مجید میں بیشتر یہ مطالب ہیں۔ توحیدِ باری تعالیٰ ذات وصفات بلکہ افعال میں بھی بت پرستی اور توہمات پرستی کی مذمت' اچھے کاموں کی ترغیب' خیرات وصدقات' صلہ رحمی' عبادت' عفت' صداقت' رحمدلی' راستبازی' صبر وعلم کی تعلیم مکارمِ اخلاق کی خوبی' برے کاموں سے نفرت' خصوصاً افعالِ شہوت وغضب وکبر وغرور اور

[1] صاحب کشاف کہتے ہیں واتقان بین الظاء والضاد واجب الخ کہ ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ض اور ظ میں اکثر عجم فرق نہیں کرتے حالانکہ ان کے مخرج جدا جدا ہیں ظ کنارے زبان اور اگلے دانتوں کی جڑ سے نکلتی ہے اور ض دائیں یا بائیں ڈاڑھ اور زبان کی جڑ سے۔ ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا دال کی جگہ جیم اور ت کی جگہ شین۔ ۱۲ منہ

سخت دلی' ظلم' ایذا رسانی' مکر وزور کی مذمت اور ان کے خراب نتائج بیان فرمائے۔ دنیا اور اس کے تجملات سے نفرت دلائی۔ حیات جاودانی اور دارِ آخرت کا شوق دلایا۔ خدا کے اسماء وصفات ذکر فرمائے۔ پہلی قوموں کے عبرت انگیز حالات بیان کئے۔ صادقوں کی خوبی' بدکاروں نافرمانوں کی مذمت میں ان کے قصص ارشاد ہوئے۔ باہمی عدل وانصاف کے قانون بتائے۔ معاملات میں ظلم وتعدی روکنے کے لیے مسائل ارشاد ہوئے۔ زمین وآسمان دیگر مخلوقات کے حالات سے اپنی قدرت ورحمت کے نشان بتلائے وغیرہ بھلا ان مضامین سے شیطان کو کیا واسطہ یہ تو اس کی آنکھوں میں خار ہیں۔ خصوصاً جبکہ شیطان کی تمام سرگزشت ہی بیان کردی کہ اس نے تکبر کیا اور یوں وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ ان حالات کو تو وہ سن بھی نہیں سکتا۔ آپ بیان کرنا تو کجا فاین تذھبون پھر اے نادانو! تم کدھر جا رہے ہو۔ کیوں راستی کی طرف نہیں آتے۔ ان ھو الا ذکر للعالمین یہ قرآن تو بلحاظِ مضامین مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں اور روحانی تاثیروں کے جہان والوں کے لیے نصیحت وہدایت ہے۔ لازم کہ اس کو یاد کریں اس پر چلیں مگر جہان والوں میں سے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسی کے لیے یہ ذکر ہے لمن شاء منکم ان یستقیم کہ جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور اپنے امراضِ نفسانیہ کا علاج کرنا چاہے اور جس کا یہ قصد نہیں بلکہ حجت آرائی اور کج بحثی تو اس کو اس سے نفع نہیں بلکہ مضرت ہے اور یہ ارادہ کسی کے بس کا نہیں وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین جس کے لیے اللہ سدھرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کرسکتا ہے۔ یہ توفیق اس کی طرف سے ہے۔ انسان قضاء وقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قضاء وقدر اس سے کراتی ہے وہ اسی کے ارادہ واختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ واختیار کے سبب بندہ ثواب وعقاب' مدح وذم کا مستحق ہوتا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں جبر وقدر دونوں کا ابطال ہے۔ جبر کا لمن شاء منکم ان یستقیم سے اور قدر یعنی تقدیر کے انکار اور بندہ کے فاعلِ مختار ہونے کا ابطال جیسا کہ وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس آیت سے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ بندہ کی ہدایت کے اسباب پیدا کرنا اور اس کی سعادت کی راہیں بتانا برے کاموں سے روکنا یہ بھی اس کی شانِ ربوبیت ہے ورنہ اس کو کیا پڑی کوئی بدراہی اختیار کرے جہنم میں جائے اپنا سر کھپائے۔

اس سورہ کے ابتداء اور وسط اور مقطع کو غور کیا جائے تو صدہا اسرارِ بلاغت پائے گا جو اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ ولہ الحمد اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

(سورہ انفطار مکیہ ہے اس میں انیس آیات ایک رکوع ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵

جبکہ آسمان پھٹ جاوے اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں اور جبکہ دریا پھیل پڑیں اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا۔

ترکیب: اذا شرطیۃ السماء فاعل فعل محذوف یدل علیہ انفطرت والجملۃ معطوفۃ علیھا واذا الکواکب الخ عطف علیھا وکذا ما بعدھا من الجملتین علمت الجملۃ جواب الشرط نفس فاعل علمت' ما قدمت و اخرت مفعول یقال بعثر[1] بعثر بعثرۃ اذا قلب التراب وقال الفراء

[1] وبحثر وبعثر بمعنی واحد وھما مرکبان من البعث والبحث مع راء مضمومۃ الھما والمعنی اثیرت وقلب اسفلھا اعلاہا وباطنھا ظاھرھا کبیر۔ ۱۲

اخرجت مافیھا من الدفائن وذلک من اشراط القیامۃ ان تخرج الارض ذھبا وفضتھا۔

تفسیر ¦ یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ نسائی نے روایت کی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے جب عشاء کی نماز میں بڑی سورۃ پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں پڑھ لیا کرتا۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مگر وہاں اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں صرف نسائی نے روایت کی ہے۔

ربط ¦ اس سورۃ کے اول سے ظاہر ہے کہ جس طرح اس میں اسباب تخریب عالم کو اذا اذا کر کے بیان فرمایا تھا اور ان کے بعد جزا میں نفوسِ انسانیہ کا اپنے کئے پر مطلع ہونا بیان فرمایا تھا۔ اسی طرح اس سورہ میں اس مضمون کو دوسرے عنوان سے شروع کیا اور بعد میں انسانی سعادت و شقاوت کی ایک دلکش انداز سے تصویر کھینچی ہے۔

فرماتا ہے اذا السماء انفطرت جبکہ آسمان پھٹ جائے تب کیا ہوگا اس کا اور اس کے بعد اذا الکواکب وغیرہا سب جملوں کا جو اس مضمون کے ہیں۔ آپ ہی جواب دیتا ہے کہ علمت نفس ما قدمت و اخرت ہر شخص جان لے گا کہ کیا لے کر آیا اور کیا چھوڑ کر آیا۔

آسمان کے پھٹنے کا مضمون متعدد آیات میں واقع ہے۔ کہیں یہ ہے السماء منفطر بہ اور کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان اور کہیں یہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام اور کہیں اذا السماء انشقت اور کہیں وفتحت السماء فکانت ابوابا ہے۔ غرض بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور ایک دوسرا عالمِ ابدی قائم ہوگا جس کے لیے انسان اس دارِ فانی میں چند روزہ مہمان ہے کہ وہاں کے لیے حسنات حاصل کر کے لے جائے کہ پھر اس کی تمامی عمر عافیت و آرام سے بسر ہو اور اس عالم کی خرابی کا شروع اس کی چھت سے ہوگا یعنی آسمان سے کس لیے کہ جب مکان بناتے ہیں تو شروع بنیاد سے کرتے ہیں۔ اس لیے زمین کا اول بنانا بیان فرما کر یہ فرمایا تھا ثم استوی الی السماء اور جب گراتے ہیں تو شروع چھت سے کرتے ہیں۔ پس جب آسمان لپٹ جائے گا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو ستارے بھی جھڑ پڑیں گے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے واذا الکواکب انتثرت اور جبکہ ستارے جھڑ پڑیں۔ ٹوٹ پھوٹ جاویں یہاں تک علویات کی بربادی مذکور ہو چکی۔ اب اس کے بعد عالمِ سفلی کی بربادی بیان فرماتا ہے۔ فقال واذا البحار فجرت اور جبکہ دریا بہہ پڑیں۔ بحر عربی زبان میں دریائے شور کو کہتے ہیں (سمندر) اور دریائے رواں کو خواہ وہ کیسا ہی عریض وعمیق ہو جیسا کہ دجلہ، فرات، نیل، گنگا، جمنا سب کو نہر کہتے ہیں۔ اب سمندر تین حصہ زمین کو حاوی ہے اور ایک چوتھائی کے قریب کھلا ہوا ہے جس پر یہ تمام اقلیمیں اور جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔ قیامت کے قریب جبکہ یہ دنیا برباد ہونے کو ہوگی اب خواہ پہلے چھت یعنی آسمان اور ستارے برباد ہوں یا زمین برباد ہو کر پھر علویات برباد ہوں کس لیے کہ یہ بات آیات سے صاف معلوم نہیں ہوتی کہ پہلے کون برباد ہوگا۔ ہاں ترتیبِ ذکر وغیرہ قراین سے جو چاہو قرار دے لو تب زلزلۂ عظیم ہوگا جس سے پہاڑ اور بڑی بڑی عمارات بھی زیروزبر ہو جاویں گی اور دریائے شور جو اب ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے آبادی پر پھیل پڑے گا اور دنیا کو اور بھی تہ و بالا کر دے گا اور سورۃ تکویر میں جو واذا البحار سجرت آیا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی۔ دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں واذا النجوم انکدرت اور واذا الکواکب انتثرت۔

جب ایسا زلزلۂ عظیم ہوگا تو زمین بھی جا بجا سے شق ہو جاوے گی اور زمین کی مدفون چیزیں نکل پڑیں گی۔ اس بات کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے۔ واذا القبور بعثرت اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نفخِ صورِ دوم کا واقعہ ہے یعنی اس وقت کہ مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جاویں اور جو زمین میں مدفون ہے باہر آ پڑے زلزلہ میں ایسا ہوتا ہے۔

یہ واقعات ہولناک تھے اس لیے ہر ایک کو اذا کے لفظ سے یاد کیا تا کہ ان کی عظمت شان معلوم ہو۔ ان واقعات کے بعد کیا ہوگا۔ آپ ہی فرماتا ہے۔ علمت نفس ما قدمت و اخرت تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا تھا اور کیا نہیں کیا تھا۔ ماقدمت سے

مراد تقدیم فی العمل ہے۔ وما اخرت سے مراد پیچھے ہٹنا۔ کام نہ کرنا۔ پس جس نے اعمالِ صالحہ کی تقدیم کی یعنی عمل میں لایا اور کبائر سے کوتاہی کی تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جو اس نے اول عمر میں کئے۔ وما اخرت سے مراد وہ جو اخیر عمر میں کئے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے۔ بعض علماء اس کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوئے اور ما اخرت سے وہ رسوم مراد ہیں کہ جن کی اس نے بنیاد ڈالی تھی جن کاموں کی یہ بنیاد ڈال کر دنیا سے گیا ہے۔ اگر وہ نیک کام ہیں تو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اور اگر بری رسم قائم کر کے گیا تھا تو اس کے لیے بھی اسی قدر گناہ ہے جس قدر کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد اعمال ہیں نیک و بد۔ وما اخرت سے مراد وہ مال وزر ہے جو اس نے وہاں چھوڑا تھا۔

سوال: یہ واقعات تو نفخِ صورِ اول کے ہیں۔ پھر اس وقت تو انسان یا مردے ہوں گے یا قریب مردنی مصیبت میں مبتلا ان کو اعمالِ خیر و شر کیونکر معلوم ہوں گے؟

جواب: یہ ہے کہ اذا سے وہی متصل زمانہ مراد نہیں بلکہ وسیع زمانہ جس کی ابتداء یہ حوادث اور انتہا نفخِ صورِ ثانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝٦ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝٧
فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝٨ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝٩ وَاِنَّ
عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١٠ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝١١ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝١٢

اے انسان! بھلا تم کو کس چیز نے اپنے رب کریم سے غافل کر دیا جس نے تجھے بنایا پھر تجھے برابر کیا پھر تجھے اعتدال پر کیا جس صورت میں چاہا تیرے اعضاء کو جوڑ دیا۔ نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو ہی نہیں مانتے۔ حالانکہ تم پر بزرگ لکھنے والے محافظ ہیں (فرشتہ) کراماً کاتبین جو کچھ تم کیا کرتے ہو ان کو معلوم رہتا ہے۔

ترکیب ¦ الکریم صفۃ اولی للرب الذی الخ صفۃ ثانیۃ مقررۃ للربوبیۃ مبنیۃ للکرم فسواک فعدلک عطف صلۃ الذی ای خلقک فی ای صورۃ الجار متعلق برکبک وما مزیدۃ وشاء صفۃ لصورۃ ای رکبک فی ای صورۃ شاءھا وقیل یتعلق بمحذوف علی انہ حال ای رکبک حاصلا فی ای صورۃ شاءھا وانما لم یعطف الجملۃ ماقبلھا لانھا بیان لعدلک وان علیکم خبر ان لحافظین اسمھا کراما صفۃ للحافظین وکذا کاتبین وکذا یعلمون وقیل ھذا حال من الکاتبین فان مع اسمھا وخبرھا وصفات الاسم جملۃ اسمیۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل تکذبون ای تکذبون والحال ان علیکم من یردتکذیبکم وقیل مستانفۃ مسوقۃ لبیان مایبطل تکذیبھم۔

تفسیر ¦ جب یہ حالت ہے کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے انسان اس روز اپنے نیک و بد اعمال کا ملاحظہ کر کے افسوس کرے گا۔ ہاتھ ملے گا تو آج اے بنی آدم! تم کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہو اور خدا تعالیٰ کی کریمی کے سبب (کہ جلد دنیا میں افعالِ بد کی سزا نہیں دیتا اور نیک و بد کو اپنی نعمتوں سے بھرپور کر رکھا ہے) نیکی میں کوشش کرنا تو درکنار بلکہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو، اس جانگداز مضمون کو ان آیات میں دلکش اور پراثر الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم کہ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس نے مغرور کر دیا؟

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یہ انکارِ قیامت اور اس پر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ

سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروانہیں کرتا شتر بے مہار بنا ہوا ہے۔ کسی کی نہیں سنتا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلدہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی گستاخی کی مگر اس پر خدا نے دنیا میں اس کو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اترا گیا تب یہ آیت نازل فرمائی۔ اقسامِ غرور: اور علماء فرماتے ہیں کہ کافر اور گنہگار مومنوں سب کو شامل ہے مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزاء و جزاء کا برپا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل میں نہیں اور یہ اندیشہ نہ ہونا غرور اور عدالتِ آسمانی کا انکار ہے۔ احیاناً گناہ ہو جانا اور اس پر تائب و نادم ہونا منافیِ شانِ ایمان نہیں۔ ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو دل کھول کر حرام کاری، مے نوشی، مکر و فریب کرو، جھوٹ بولو۔ لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروا نہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے۔ اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ یہود میں بھی تھے۔ وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے۔ ولن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ وسیغفر لنا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سید یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہم سب کو گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ چھڑا لیں گے اور بنی فاطمہ لہٰ پر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا جبکہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہراؓ سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال و اسباب جو میرے پاس ہے لے اور قیامت کے بارے میں یہ غرور نہ کرنا کہ میں محمد ﷺ کی بیٹی ہوں۔ میں خدا کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ یہ مضمون احادیث میں موجود ہے اور نیز آیندہ آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔ اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کر کے بتایا کہ جس میں کوئی شائبۂ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قائم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایانِ شانِ دینِ حق ہے۔

ہنود میں برہمنوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہما جی کی اولاد ہیں۔ برہمن دوزخ میں نہ جائے گا۔ وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ گناہ نہیں۔ الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کو اسلام نے رد کیا اور اسی طرح انکارِ قیامت اور باز پرس تو ان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیشتر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

فائدہ۲: غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنے والے سے غرور (جس کی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم و فضل کرتا ہو) انسانیت کا مقتضیٰ نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے۔ سرِ نیاز اس کے آگے نہ رکھے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روا نہ کریں تو سارا غرور خاک میں مل جاوے۔

لہٰ اگر یہی وجہ ہے تو حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما و دیگر اہل بیت اس بات کا زیادہ گھمنڈ کرتے جن کے فاطمی ہونے میں کسی کو کلام نہیں تھا۔ برخلاف اس کے وہ تو راتوں تہجد میں رویا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے۔ پھر اس زمانہ کے سید زادے، پیر زادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ اگر یہ اپنے ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں۔ کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسنِ اعتقاد اور محبت و عظمتِ سیادت اسی کی مقتضی ہے۔ غرور ہے۔ ۱۲ منہ

لطفِ حق با تو مواساها کند
چونکہ از حد بگزرد رسوا کند

بدکار بدی کر رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے۔ بت پرستی بت پرست کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں۔ گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہ راست سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے اور سینکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں کہ جن پر فلاح و سعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے۔ یہ غرور اس کے جہل اور شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے۔ جہل کا اس لیے کہ اس کے قہر اور صفتِ انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اس کی رضامندی کا سبب ہے۔ کسبن کہہ دیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہم کو یہ دولت و ثروت کیوں دیتا۔ چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ بت پرست اور توہماتِ باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ الٹے اور قیامت میں جزائے خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بد باتوں پر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور بہ۔

غرور، تمنیٰ رجا کا فرق ! واضح ہو کہ غرور اور تمنی اور رجاء یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں۔ غرور کی بابت یہ ہے ولا یغیر نکم باللہ الغرور اور تمنی کی مذمت یہ ہے تلك اما نیھم ولیس با مانیکم ولا امانی اھل الکتاب۔ اور امید کی مدح آئی ہے اولئك یرجون رحمة الله سو امید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جاوے۔ اس کے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب بو جوت کر کاشتکار غلہ کی انتظاری کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجا لا کر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کر کے ایمان و اعمالِ صالحہ میں کوشش کر کے نجاتِ آخرت کی توقع رکھے۔ سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اس پر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقتِ اخیر لہٰ اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت (واعبد ربك حتی یاتیك الیقین کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آ جاوے) میں یہی یقین مراد ہے۔ رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اس کے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے۔ مثلاً آقا کی بغاوت کر کے بخشش کی امید رکھے یا مال برباد کر کے نفع کی امید رکھے۔ کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے۔ برے کام کر کے نجات کی امید کرے۔

ہر آنکہ تخمِ بدی کشت و چشمِ نیکی داشت
دماغِ بیہدہ پخت و خیالِ باطل بست

اور تمنی وہ ہے کہ کسی قدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے۔ حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شکی حالت میں تمنی ہے اور اسباب بالکل نہ پہنچائے ہوں یا برخلافِ اسباب جمع کئے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دھوکا ہے۔ دنیا کے لوگ اس اندھیری رات میں کہ جس کو حیات کہتے ہیں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ کہ جن کو روشنی عطا ہوئی ہے۔

اس کے بعد ربِ کریم کی تفصیل سناتا ہے تاکہ اس مغرور کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں۔ فقال الذی خلقك وہ کہ جس نے تجھ کو پیدا کیا عدم سے ہستی میں اپنے کرم سے لایا نہ تیرا سوال تھا نہ تیری دعا تھی۔ پھر یوں ہی بیڈول اور اینڈ نہیں پیدا کر دیا بلکہ اس طور سے کہ فسواك تجھے برابر کیا۔ اعضاءِ جسم میں تناسب رکھا۔ کان کی جگہ کان، ناک کی جگہ ناک، آنکھ کی جگہ آنکھ رکھی اور فعدلك قویٰ و مزاج میں بھی تعدیل ملحوظ رکھی جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی جس کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا

لہٰ اور اسی اطمینان کے لحاظ سے بوقتِ مرگ اہل اللہ سے فرشتے کہتے ہیں۔ یاایھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك۔ الخ ۱۲ منہ

فرمائی۔ تسویہ اور تعدیل کا فرق: یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویۂ اعضاءِ جسم ہولیتا ہے۔ تب ہر ایک میں اس کی قوت ودیعت رکھی جاتی ہے اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اس کی باطنی استحکام سے متعلق ہے۔ مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کی جمیع قویٰ کی تعدیل تک شامل ہے۔ اس لیے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا۔ فسواك فرمایا پھر تعدیل کو فعدلك فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معاً ایک صورتِ خاصہ عطا ہوتی ہے جس کو صورتِ شخصیہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوبصورت بدصورت جیسا واہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کو بغیر عطف کے یوں فرمایا فی ای صورة ماشاء ركبك کہ جس صورتِ خاص میں چاہا اے انسان تجھے مرکب کر دیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال پر عطا ہوئی ہے۔ یہ اسی کا کرم ہے جو آج تو اپنی صورت اور حسن و جمال پر اتنا غرور کرتا ہے۔ کیا خوب ہے کہا ہے کسی نے ؎

تناسب یہ اعضاء کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کے

اکثر انسان کے غرور کے اسباب تین ہیں۔ ایک حسب ونسب' دوسرا حسن' تیسرا مال وزر۔ حکومت وشوکت ان تینوں کی حقیقت اسی ایک جملہ میں بیان فرمادی۔ اب اس انسان کے کرتوت بیان فرماتا ہے کہ جس کو اس رب کریم نے یہ کچھ دیا یہ اس کے مقابلہ میں کیا شکر گزاری کرتا ہے؟ فقال كلا ہرگز نہیں بل تكذبون بالدين بلکہ اے بنی آدم تم جزا کا انکار کر رہے ہو۔ شتر بے مہار بن کر حصولِ لذات و شہوات میں غرق ہو اور جانتے ہو کہ اس میں مزا اڑانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں نہ مر کر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے۔ نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ وان عليكم لحافظين حالانکہ اس نے اپنے کرم سے تم پر نگہبان مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کی محافظت نہ ہو تو تلف ہو جاؤ۔ وہی تمہارے دل میں حفاظت کے علوم القاء کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اس کی محتاج نہ تھی بلکہ پیدا ہونے کے بعد بھی بقاء اور وجود میں بھی احتیاج باقی ہے۔ سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے بچاتے ہیں۔ یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین کرم کرتے ہیں۔ مباشرت کے وقت اور شرمناک کاموں کے وقت تمہارے روبرو نہیں ہوتے۔ کسی پر افشائے راز نہیں کرتے لیکن جو کچھ نیک و بد تم کرتے ہو اس کو دفترِ غیب میں لکھ لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے ہیں صبح تک رہتے ہیں۔ پھر صبح کو اور دو آتے ہیں شام تک رہتے ہیں[1]۔ پہرہ بدلتا رہتا ہے اور یہ لکھنا ان کا بے خبری سے نہیں بلکہ یعلمون ما تفعلون جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔ ان سے تم کچھ چھپا نہیں سکتے۔ پھر جب یہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ تم کو اس ربِ کریم نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے کے لیے اس لیے ہر ایک کام کی جزاء وسزا ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾
وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾ ع

یقیناً نیک بندے تو نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہوں گے۔ انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس دوزخ سے کہیں جانے نہ پاویں گے۔ اور تجھے کیا معلوم کیا ہے انصاف کا دن۔ پھر (کہتے ہیں) تجھے کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کسی کا کسی کے لیے کچھ بھی بس نہ چلے گا اور اس دن اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔

[1] اور یہی سر ہے صبح وشام کی عبادت کی طرف اہل اللہ زیادہ متوجہ ہوا کرتے ہیں ان قرآن الفجر کان مشہودا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب: ان الابرار الجملة وما هو معطوف عليها اعنى الجملة الثانية مستانفة لبيان نتيجة الحفظ والكتاب من الثواب والعذاب يصلونها الجملة اما صفة لجحيم او مستانفة جواب لسوال مقدر كانه قيل ما حالهم فقال يصلونها الخ وقيل حال من الضمير فى متعلق الجار والمجر ورويوم منصوب بيصلون قراءالجمهور بتخفيفا مبنيا للفاعل وقرئ مشدد مبنيا للمفعول وماهم الخ وهذه الجملة ايضا صفة لجحيم وما ادراك لتفخيم لشان يوم الدين ولذا كرره يوم لا تملك قرئ يوم بالرفع قرءها ابن كثير وابو عمرو على انه بدل من يوم الدين او خبر مبتداء محذوف وقراء ابو عمرو فى رواية عنه بالتنوين والقطع عن الاضافة وقراء الباقون بفتحه وفيه وجوه الاول باضمار يدانون لان الدين يدل عليه والثانى باضمار اذكروا والثالث قول الزجاج وهو ان يكون فى موضع رفع الا انه مبنى على الفتح لاضافة الى قوله لا تملك والمضاف الى غير المتمكن يبنى على الفتح وان كان فى موضع رفع وجر قال الواحدى قول الزجاج انما يجوز عند الخليل وسيبويه اذا كانت الاضافة اى الفعل الماضى نحو قولك على حين عاتبت واما اذا كانت الاضافة الى المستقبل فلا يجوز عند الكوفيين الرابع قول ابو على وهو ان اليوم لما جرى فى اكثر الامر ظرفا ترك على حالة الاكثرية والدليل عليه قول العرب۔ والامر مبتداء يومئذ لله خبره رفع ابن كثير يوم على البدل من يوم الدين او خبر لمحذوف۔

تفسیر: اب یہاں سے اس جزا کی تفصیل وتشریح فرماتا ہے کس لیے کہ پہلے اس کو ثابت کر لیا فقال ان الابرار لفى نعيم کہ بے شک نیک بندے نعمت میں ہوں گے یعنی بہشت میں کس لیے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے۔ جہاں کھانے اور پینے اور مکان ولباس وہم جلیس کے متعلق سب دلخواہ سامان ہیں اور اس پر حیاتِ ابدی بھی ہے اور کوئی مرض' رنج' موت' بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدارِ الٰہی بھی ہے۔ یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔ برکی تفصیل: بر یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادی ہے۔ لیس البر الخ کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لاوے اور پھر نیک کام کرے۔ ایمان و عملِ صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔ یہ تو نیکوں کا انجام کار تھا۔ اب بدوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وان الفجار لفى جحيم اور بد یعنی جو ایمان اور عملِ صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے۔ اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے اور ایمان ہے مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے۔ چوری' زنا' شراب خواری' ترکِ صوم وصلوٰۃ' حج وزکوٰۃ' ظلم ودغا' ناچ ورنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اولیٰ سے کم کس لیے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے۔ فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو' بادشاہ ہو' عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو۔ کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لیے حکم عام ہے۔

فائدہ ۱: علماءِ بدیع کہتے ہیں کہ اس آیت میں کئی صفتیں موجود ہیں۔ اول جمع وتقسیم وہ یہ کہ اول چند اشیاء کو جمع کر لیا جاوے اور پھر تقسیم کیا جاوے سو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے جمع وان عليكم لحافظين الخ میں تھا کہ سب کو ایک حکم میں جمع کر لیا کہ سب پر محافظ کراماً کاتبین مقرر ہیں۔ پھر یہاں تفریق کر دی کہ ان میں سے نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے۔ دوم صنعتِ ترصیع ہے اور کلامِ مرصع وہ ہے کہ دونوں فقروں میں ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ جن کا وزن برابر ہو بجع یعنی اخیر کا حرف ایک ہو۔ یہاں یہ بات بھی ہے۔ ابرار کے مقابلہ میں فجار نعیم کے مقابلہ میں جحیم میں ہم وزن ہے۔ سوم صنعتِ تضاد بھی ہے جس کو اطباق وتطبیق کہتے ہیں کس لیے کہ ابرار کی ضد فجار اور نعیم کی ضد جحیم ایک کلام میں جمع ہے۔ اس کے بعد کسی قدر جحیم کے ہولناک احوال بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو سن کر لوگ فجور سے باز آویں (اول) يصلونها يوم الدين کہ اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر خوشامد ومنت کر کے بچ جاتے ہیں۔ ایسا وہاں نہ ہوگا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے۔ معاذ اللہ دوم۔ وما هم عنها بغائبين۔ کہ اس جحیم سے وہ غائب بھی نہ ہو سکیں گے۔ قید خانہ سے خلاصی کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جاوے اور دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی تدبیر سے داخل ہو کر نکل جائے' دیوار پھاند کر بھاگ

جائے یا نگہبانوں سے چھپ کر نکل جائے یا زبردستی سے نکل جاوے یا رشوت دے کر نکل جاوے۔ سو یہ بھی وہاں نہ ہوگا ان سب باتوں کی نفی اس ایک جملہ وما هم عنها بغائبين میں کر دی کہ وہاں یہ باتیں نہ ہونے پاویں گی۔ معتزلہ کا مذہب اور اس کا رد: اس جگہ سے معتزلہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ کس لیے کہ وہ بھی فاجر ہیں اور فاجروں کی نسبت آ گیا ہے۔ وما هم عنها بغائبين کہ وہ وہاں سے غائب نہ ہوں گے یعنی کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ وما هم بخارجين منها اس کا جواب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں دیا ہے کہ یہ تمہارا عقیدہ قطعی ہے اور الفاظ کی عموم پر دلالت ظنیہ ہے۔ پھر اس سے ثبوت کرنا بیکار ہے اور ظن اس لیے کہ استعمال جمع معرف باللام کا معہود سابق میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ پس محتمل ہے کہ یہاں الفجار سے مراد کافر ہوں جن کا ذکر چلا آتا ہے جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر عموم کو قطعی بھی مان لیا جاوے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اہلِ کبیرہ فاجر ہیں۔ کس لیے کہ پہلے آ چکا ہے اولئك هم الكفرة الفجرة کہ کفار ہی کافر و فاجر ہیں اس لیے یہ بات کہ اصحاب الکبائر ہی علی الاطلاق فاجر ہیں غیر مسلم ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے تو وما هم عنها بغائبين کے صدق کے لیے ان فاجروں میں سے کفار کا خلود کافی ہے مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا اس آیت سے استدلال ہی صحیح نہیں کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ از خود کسی مکر و تدبیر سے وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔ نہ یہ کہ خود خدا تعالیٰ انہیں نہ نکالے گا سو یہ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے اہل الکبائر کو رہائی دے دے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد اپنے فضل و کرم سے یا شفاعت سے انہیں رہائی دے۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد اس روز کی شدت کے اظہار کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراك ما يوم الدين کہ اے انسان! تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ ثم ما ادراك ما يوم الدين پھر تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ یہ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر مصائب ہیں اس روز کے مصائب کے آگے کچھ بھی نہیں پھر انسان اس کی حقیقت سے کیونکر واقف ہو سکے۔ اس کے سوا جزا کا معاملہ بھی عقل میں اچھی طرح سے نہیں آ سکتا کہ انسان کے اعمال کیونکر اپنی مناسب اشکال میں متشکل ہو کر راحت و رنج کا باعث ہوں گے؟ خیر حقیقتِ جزا تو کیا جانیں گے اس لیے وہاں کی ایک ہی بات پر سخن تمام کرتے ہیں يوم لا تملك نفس لنفس شيئا کہ اس روز کوئی کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا نہ بھائی نہ باپ نہ یار نہ کوئی اور اہلِ قرابت کچھ کام آئے گا جیسا کہ دنیا میں شریک ہو جاتے ہیں اور دفعِ مصیبت میں کوشش کرتے ہیں وہاں یہ نہ ہوگا۔

فائدہ ۲: نفس نکرہ لنفس نکرہ شيئا نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتا دی کہ اس روز کسی کا بھی اختیار نہ ہوگا والامر يومئذ لله اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ برخلاف دنیا کے کہ بیوی پر میاں کی حکومت ہوتی ہے۔ آقا کی نوکر اور غلام پر بادشاہ کی رعیت پر مگر اس روز بجز اس کے اور کسی کی حکومت نہ ہوگی۔ فائدہ ۳: اس آیت سے شفاعت کا رد کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے کس لیے کہ شفاعت اپنا اختیار نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے سو وہ بھی اسی کا امر ہے۔

(سورہ تطفیف مکیہ ہے اس میں چھتیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑤

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑥

خرابی ہے کم تولنے والوں کی ان کی جو لوگوں سے لیں تو پورا پورا ماپ کر لیں اور جب لوگوں کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو ایک بڑے دن (قیامت میں) اٹھایا جاوے گا جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ترکیب: ویل مبتداء وجازا الابتداء به لکونه دعاء قال مکی ویل وشبهه اذا کان غیر مضاف فالمختار الرفع یجوز النصب واذا کان مضافا او معرفا فالمختار فیه النصب والویل کلمة تذکر عند وقوع البلاء یقال ویل لک وویل علیک۔ وقیل واد فی جهنم للمطففین خبره المطفف ماخوذ من الطفف وهو الجانب او الشیء الیسیر یقال طف الوادی والاناء اذا قارب الامتلاء ولم یمتلی بعد۔ قال الزجاج انما قیل للذی ینقص المکیال والمیزان مطفف لانه یسرق الشیء الیسیر۔ والتطفیف النحس فی الکیل والوزن الذین الخ صفت کاشفته للمطففین اذا اکتالوا الاکتیال الاخذ بالکیل علی الناس قال الفراء علی ومن فی هذا الموضع یتعقبان یقال اکتلت منک ای استوفیت منک وتقول اکتلت علیک ای اخذ ما علیک یعنی الاکتیال یستعمل بمن وعلی وفی الکشاف لما کان اکتیالهم اکتیالا یضرهم ابدل علی مکان من للدلالة علی ذلک۔ واذا کالوهم ای کالوا لهم اووزنوا لهم حذفت اللام فتعدی الفعل الی المفعول فهو من باب الحذف والایصال۔ قال الکسائی والفراء هذا من کلام اهل الحجاز ومن جادرهم یقولون زنی کذا لکنی کذا وکسبتک وکسبت لک۔ قال الزجاج لا یجوز الوقف علی کالوا حتی یوصل بالضمیر ویروی عن عیسیٰ بن عمر وحمزة انهما کانا یجعلان الضمیرین توکیدا لما فی کالوا ویقفان عند الواو ین ای علی کالوا اووزنوا ثم یقولان هم یخسرون وزعم الفراء والزجاج انه غیر جائز۔ الایظن الخ جملة مستانفة۔ یوم منصوب باغنی وقیل بمبعوثون او مرفوع المحل خبر المبتداء محذوف او مجرور بدلا من یوم عظیم مبنی علی الفتح لاضافته الی الفعل وان کان مضارعا علی مذهب الکوفیین۔

تفسیر: یہ سورہ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ وضحاک ومقاتل رحمہما اللہ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ آخر جو مکہ میں نازل ہوا وہ یہ سورہ ہے۔ مگر حسن وعکرمہ رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور سب سے اول جو مدینہ میں آ کر آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا وہ یہی سورہ ہے۔ قول اول قوی ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں کو لینے دینے میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرتے پایا۔ سو سب سے اول جو ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو ان کے حسب حال یہی سورۃ سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرنے کی سخت برائی ہے۔ اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اس روز کے بعد سے اب تک اہلِ مدینہ سے بڑھ کر کوئی شہر اور بستی پورا تولنے اور پیمانہ بھرنے میں نہ ہوگی۔ ایک لخت سب نے وہ کام چھوڑ دیا۔

ربط: اس سورہ کا سورہ اذا السماء انفطرت سے یہ ہے کہ اس سورہ کے اخیر میں حشر کا معاملہ مذکور تھا کہ نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آوے گا۔ اس لیے اس سورہ میں اس بدی کی شرح کر دینا مناسب ہوا جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔ کس لیے کہ حقوق العباد سے زیادہ تر باز پرس ہوگی اور وہ بدی کیا ہے؟ حقوق العباد میں دیدہ و دانستہ کمی زیادتی کرنا جس کو عربی میں تطفیف اور اس کے مرتکب کو مطفف کہتے ہیں۔ خصوصاً لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے۔

اس لیے فرماتا ہے ویل للمطففین خرابی ہے حقوق العباد تلف کرنے والوں کی پیمائش اور وزن میں۔ ہر چند لفظ تطفیف کے معنی لغوی پیمائش اور وزن میں خیانت کرنے کے ہیں مگر شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے۔ پیمائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے سوا ہر قسم کی خیانت اور خست کو بھی جیسا کہ اپنے عیوب کو چھپانا اور لوگوں کے وہی

عیوب ظاہر کرنا لوگوں سے انصاف طلب کرنا اور آپ انصاف نہ کرنا۔ لوگوں کی عیب جوئی کرنا اپنے عیوب کی پروانہ کرنا' لوگوں سے تعظیم طلب کرنا اور خود کسی کی تعظیم وتکریم نہ کرنا۔ نوکروں' غلاموں' تابعداروں سے خدمت تو ٹھوک بجا کر لینا اور تنخواہ اور اجرت دینے میں کمی کرنا' اپنے لیے جو پسند کرنا وہ دوسروں کے لیے نہ کرنا۔ رزق وعزت وعافیت تو خدا تعالیٰ سے بہت کچھ مانگنا اور اس کی حکم برداری سے دل چرانا۔ لوگوں سے اللہ کے لیے سوال کرنا آپ اللہ کے لیے کچھ نہ دینا۔ اوروں کو نصیحت کرنا خود مبتلا ہونا۔ حال خراب رکھنا قال ٹھیک رکھنا۔ بزرگوں کی صورت بنانا۔ باطن میں شیطانی کام کرنا' ریاکاری کرنا وغیرہ۔ یہ سب لوگ مطففف ہیں ان سب کے لیے ویل یعنی خرابی ہے۔

پھر اس خرابی کی جو دنیا اور آخرت میں مطففف کو پیش آتی ہے سینکڑوں صورتیں ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل وخوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا' مرض ووباء ودیگر دنیا کے اشد مصائب میں مبتلا ہونا اور آخرت میں جہنم اور اس کی پیپ اور بدبودار وادی ہے۔ جہاں عمر بھر رہنا اور رونا اور سر پیٹنا ہوگا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت نبی ﷺ نے یوں تفسیر کی ہے کہ خمس بخمس یعنی سن لو پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں مقرر ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس کے دشمن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اور جو قوم احکام الٰہی کو خواہشِ نفسانی اور رشوت ستانی سے ترک کرتی ہے تو فقر وافلاس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں زنا واغلام کی کثرت ہوگی وباء وغیرہ حوادث سے ہلاک ہوگی۔ جو قوم ناپ اور تول میں خیانت کرے گی قحط میں مبتلا ہوگی۔ باغ اور کھیتوں کی پیداوار سے بہرہ ور نہ ہوگی جو قوم زکوٰۃ اور حقوقِ مساکین سے دست کشی کرے گی ان سے بارش روک لی جاوے گی۔

مگر خدا تعالیٰ جب کسی قوم اور ملک کو بالکل برباد کرنا چاہتا ہے تو ان سے ان سزاؤں کو چند روز کے لیے روک لیتا ہے تاکہ دلیر ہو کر ان افعال کو کریں اور پھر دفعۃً برباد ہو جاویں۔ واملی لھم ان کیدی متین کہ میں ڈھیل دیتا ہوں اور میرا داؤ مضبوط ہے معاذ اللہ۔ اس کے بعد ان کے مکر وخیانت کی تشریح فرماتا ہے۔ فقال الذین اکتالوا علی الناس یستوفون کہ جب اوروں سے ماپ کر لیں تو بھر کر لیں۔ عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کارآمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیمانہ سے لیتے دیتے تھے مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں۔ آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا ہو تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں۔ اس میں آسانی بہت ہے اور پیمانہ کو کیل اور مکیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں پیمانہ سے لی جاتی ہیں۔ ان کو مکیل کہتے ہیں اور جو چیزیں تول کر بکتی ہیں ان کو موزون کہتے ہیں سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے واذا کالوھم اور جب اوروں کو ماپ کر دیتے تھے اووزنوھم یا تول کر دیتے تھے یخسرون کمی کرتے تھے۔

فائدہ: پیمانہ اور وزن سے لینا ایک حالت ہوئی اور انہیں سے ناپ یا تول کر دینا دوسری حالت ہے۔ لینے میں دھوکا دے کر زیادہ لے لینا پیمانہ میں اکثر ہوتا ہے۔ دوسرے نے ان کو پیمانہ بھر کر دیا۔ اس نے زیادہ دبا دیا یا اوپر سے چوٹی باندھ دی اس لیے لینے کی صورت میں پیمانہ کا ذکر کیا برخلاف دینے کے کہ وہاں پیمانہ میں بھی خیانت ہوا کرتی ہے اور تولنے میں بھی جس کو ڈنڈی مارنا کہتے ہیں اور عرب میں ایسا دستور بھی تھا اس لیے اس صورت میں پیمانہ اور وزن دونوں کا ذکر کیا۔

فائدہ ۱: اہلِ زبان اس مقام پر کہتے ہیں کہ اکتیال کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے مگر علیٰ کے ساتھ اس لیے کیا کہ علیٰ مضرت کے لیے آتا ہے اور خیانت میں دوسرے کی مضرت ہے۔ اسی طرح کالولھم اور وزنولھم لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بغیر لام کے اس لیے استعمال ہوا کہ اس کاروبار کی کثرت بیان کرنی مقصود تھی اور کثرتِ استعمال میں ایسے حروف محذوف ہو جایا کرتے ہیں۔ عرب کا خاص محاورہ ہے۔

فائدہ ۲: بقول علماءِ محققین یہاں بھی تول اور پیمانہ کی خاص خیانت مراد نہیں بلکہ عام خیانت مراد ہے۔ آپس کے معاملات میں اور

خدا کے معاملات میں بھی جیسا کہ علامہ قشیری قدس سرہ کے قول میں تشریح کی گئی۔

فرماتا ہے الایظن اولئك انھم مبعوثون لیوم عظیم کہ یہ جو ایسی گندم نمائی جو فروشی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کو ایک بڑے سخت اور مصیبت کے روز کھڑا ہونا اور عدالتِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے؟ گویا ان کا بیبا کانہ ایسی حق تلفی اور خیانت کا عمل میں لانا قیامت کے دن میں کھڑے ہونے کا انکار کرنا ہے۔ گو زبان سے انکار نہ ہو ورنہ جو اس کھڑے ہونے کا دل میں یقین رکھتا ہوگا اس سے یہ بیبا کی سرزد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو اپنے اعمال کے وزن اور تول کا خیال نہیں کہ حشر میں ہونا ہے۔

وہ دن کیسا ہوگا یوم یقوم الناس لرب العالمین ایسا ہوگا کہ جس میں تمام لوگ رب العالمین کے آگے کھڑے ہوں گے اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا انصاف کرنا بھی اس کی ربوبیتِ عامہ کا مقتضیٰ ہے اور یہی صفت اس روز مظلوموں کے بدلے لینے پر محرک ہوگی۔

حقیقت میں نفوسِ سرکش کی باگ تھامنے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی خیال ہے ورنہ حکامِ وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب و ترہیب باز نہیں رکھ سکتی جیسا کہ آج کل ہم لوگوں میں بدکاری اور خیانت کا زیادہ رواج اس لیے دیکھتے ہیں کہ قیامت کا اعتقاد کم ہوتا جاتا ہے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ إِلَّا كُلُّ
مُعْتَدٍ أَثِيْمٍ ۝١٢ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ۝١٣

نہیں نہیں بدکاروں کا روزنامچہ سجین میں ہے اور (اے مخاطب!) تو کیا جانے کیا ہے سجین۔ لکھا ہوا دفتر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ان کی جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی جھٹلاتا بھی ہے جو حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے جبکہ اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے (یہ تو) پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

ترکیب: کلا الاکثرون علی انھا کلمۃ روع وتنبیہ ای لیس الامر مازعمتم من انہ لاحساب ولا جزاء وقال ابوحاتم کلا ابتداء یتصل بما بعدہ علی معنی حقا وھو قول الحسن کتاب الفجار اسم ان لفی سجین خبرھا۔ وفی السجین قولان الاول وھو قول الجمہور انہ اسم علم لشیء معین فعلی ھذا فیہ اقوال عند الاکثر ھو الارض السابعۃ السفلی وھو قول ابن عباس وقیل جب[1] فی جہنم۔ والقول الثانی انہ مشتق فھو فعیل من السجن بمعنی الحبس والتضیق کالفسیق من الفسق وھذا قول المبرد والزجاج وابی عبیدۃ وردہ الواحدی وقال صاحب الکشاف ان السجین فعیل من السجن ثم انہ ھھنا اسم علم منقول من وصف کحاتم وھو منصرف لانہ لیس فیہ الا سبب واحد وھو التعریف کتاب مرقوم[2] ای ھو مجمل کتاب۔ فلا یرد ما قیل ان اللہ سبحانہ اخبر عن کتاب الفجار بانہ فی سجین ثم فسر السجین بانہ کتاب مرقوم فکانہ قال ان کتابھم فی کتاب مرقوم واجاب القفال بان قولہ کتاب مرقوم لیس تفسیر السجین بل التقدیر ان کتاب الفجار لفی سجین وان کتاب الفجار کتاب مرقوم فیکون ھذا وصفا لکتاب الفجار بوصفین احدھما انہ فی سجین والثانی انہ مرقوم وقولہ وما ادراك ما سجین جملۃ معترضۃ واجاب الرازی بانہ لا استبعاد فی کون احد الکتابین فی الآخر بان یوضع کتاب الفجار فی کتاب الذی ھو الاصل المرجوع الیہ فی تفصیل احوال الاشقیاء او بان ینقل ما فی کتاب الفجار الی ذلک الکتاب المسمی بالسجین وفی وجہ آخر ھو ان یکون المراد من الکتاب الکتابۃ فالمعنی کتابۃ الفجار فی سجین ثم وصف السجین بانہ کتاب مرقوم فیہ جمیع اعمال الفجار من الکبیر۔

[1] کنواں

[2] قال قتادۃ مرقوم لھم بشر کانہ اعلم بعلامۃ یعرف بھا انہ کافر وابہ قاتل مقاتل۔ ۱۲ منہ

قال ابن عطیۃ من قال ان سجینا موضع فکتاب مرفوع علی انہ خبر والظرف وھو قولہ لفی سجین ظنی ومن جعلہ کتابا فکتاب خبر مبتداء محذوف والتقدیر ھو کتاب الذین یکذبون بدل من المکذبین او صفۃ ۔اساطیر جمع اسطورۃ او اسطارۃ۔

تفسیر ؛ جب قیامت کے دن دربارِ الٰہی میں کھڑے ہونے اور نیکی بدی کے حساب دینے جزاء وسزا پانے کا ذکر آیا تو مناسب ہوا کہ نیکوں اور بدوں کے ان حالات کو بھی بیان کیا جاوے جو مرنے کے بعد حسبِ اعمال پیش آویں گے۔ ہر چند جزاء وسزا کا مسئلہ بہت جگہ بیان ہوا لیکن اس مسئلہ کے سخت منکروں کے مقابلہ میں بار بار مختلف عنوانوں سے بیان کرنا ان کے دل پر نقش کر دینا مقصود ہے جو نبوت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کلا نہیں نہیں یعنی تم جو یہ سمجھے ہوئے ہو کہ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ سزا ہے نہ جزا ہے جو چاہو دل کھول کر کرو، مزے اڑاؤ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں یہ خیال غلط ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ پھر اس کے بعد جزاء وسزاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ بعض مفسرین کلا کو بمعنی حقا لیتے ہیں تب یہ آیندہ کلام سے متعلق ہوگا کہ بے شک ان کتاب الفجار لفی سجین کہ روزنامچہ بدکاروں کا جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں سجین میں ہے۔ سجین سے وہ واقف نہ تھے اس لیے آپ ہی فرماتا ہے وما ادراک ما سجین کہ اے مخاطب! تو کیا جانے کیا ہے سجین؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کتاب مرقوم وہ کہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے یعنی وہاں ایک دفتر ہے جس میں مجرموں کے نام ونشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔

سجین وعلیین کا بیان! سجین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قید خانہ۔ اس قید خانہ کی کہ جہاں مرنے کے بعد ارواح جاتی ہیں۔ احادیث واقوالِ صحابہ وتابعین میں یوں تشریح آئی ہے کہ وہ جہنم کا طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے تلے ہے یعنی عالمِ بالا یا علوی کے برخلاف عالمِ سفلی میں جو تنگ وتاریک اور پرحزن جگہ ہے جہاں درد وغم کے سوا اور کچھ نہیں جہاں طرح طرح کی تکالیف اور آگ کی لپٹیں اور سانپ اور بچھو ہیں۔ امام احمد نے براء بن عازب سے اور امام احمد ونسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسنادِ مختلف اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کی سند میں الفاظ ومطالب میں کمی بیشی ہے مگر سب کا قدرِ مشترک یہ مضمون ہے کہ جب ایماندار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آبیٹھتے ہیں اور اس کے قریب ہو کر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت ومغفرت اور باغ وبہار اور عیشِ دلپسند کی طرف۔ تب اس کی روح فرحت ونشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کی طرف جاتے ہیں۔ رستے میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تب وہ ملائکہ جو لیے جا رہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت وصفائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو دوسرے تک کسی کو ساتویں تک پھر وہیں اس کو اپنے رب سے پیشی ہوتی ہے اور تجلی ہو کر شرفِ ہمکلامی حاصل ہوتا ہے۔ تب حکم ہوتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو یعنی علیین جو عالمِ بالا میں ایک فرحت بخش جگہ ہے اور جہاں اور ایمانداروں کی روحیں رہتی ہیں اور وہاں عیش اور بہار ایسی ہے کہ جس کا بیان ممکن نہیں۔ وہاں یہی رہے اور وہاں جو ایک دفتر ہے جس میں وہاں کے رہنے والوں کے نام ہیں اس کا نام بھی وہیں درج کرو۔ تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں اس سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے واپس آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے بھی زیادہ ان کو خوشی ہوتی ہے۔ تب وہاں کے لوگ اپنے دنیاوی اقارب کا حال دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے وہ تو مر گیا' کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتے ہیں افسوس وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔ اور اگر کافر ومنافق ہے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے سامنے ہیبت ناک اشکال کے فرشتے آتے ہیں جن کے چہروں سے غضب کے آثار دیکھنے والے کے زہرہ کو پانی پانی کیے دیتے ہیں جہاں تک اس کی نظر آتی ہے وہی بیٹھے نظر آتے ہیں۔ تب وہ کہتے ہیں اے

روحِ خبیث! اس ناپاک بدن سے نکل اور اپنی سزا اور عذاب کی جگہ چل۔ تب وہ اس کو کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس سے بدبو آتی ہے جس جگہ سے لے کر گزرتے ہیں وہاں کے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون روح خبیث ہے؟ تب وہ کہتے ہیں فلاں بن فلاں برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے آسمان تک لے کر آتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر اوپر چڑھنے کے لیے دروازہ نہیں کھلتا۔ اس مقام پر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی لاتفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گزر جاوے تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام سجین میں لکھو۔ سب سے نیچے زمین میں تب اس کی روح اوپر سے نیچے پھینک دی جاتی ہے اور اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء الآیہ کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ یہ تب سجین میں اس کو طرح طرح سے عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد روح کو خبر رہتی ہے اور اسی کو عذاب وثواب ہوتا ہے جسم یہاں پڑا رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجین مجرموں کا قید خانہ عالمِ پستی میں ہے اور وہاں نام لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہاں دفتر رہتا ہے جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لیے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا نام اس میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس سجین کو دفتر کی جگہ بھی کہنا نامناسب نہیں اور ہے دراصل قید خانہ اور علیین جس کا ذکر اگلی آیتوں میں آتا ہے۔ عالمِ بالا میں ایک پُر فزا اور فرحت کی جگہ ہے۔ قیامت تک بدسجین میں پھر جہنم میں اور نیک علیین میں اور پھر جنت میں رہیں گے اور سجین جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے جیسا کہ علیین جنت کا ابتدائی مقام ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سجین اور علیین کا کچھ حال بیان فرمایا ہے چنانچہ انجیل لوقا کے سولہویں باب میں حضرت کا یہ قول منقول ہے۔ ۱۹ ایک دولتمند تھا جو لال اور مہین کپڑے پہنتا تھا اور روز روز شان وشوکت سے عیش کرتا تھا (۲۰) اور لعزر نام ایک غریب آدمی جو ناسور سے بھرا تھا جس کو اس کی ڈیوڑھی پر ڈال جاتے تھے۔ ۲۱ اور وہ آرزو رکھتا تھا کہ ان ٹکڑوں سے جو دولتمند کی میز سے گرتے تھے اپنا پیٹ بھرے بلکہ کتے آ کے اس کے گھاؤ چاٹتے تھے۔ ۲۲۔ اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مر گیا اور فرشتوں نے اسے لے جا کر ابراہیم کی گود میں رکھا (کس لیے کہ عالمِ روحانی میں ارواح ان کے ظلِ عاطفت میں رہتی ہیں۔ یہ کام ان کے سپرد ہے) اور دولتمند بھی مر گیا اور گاڑا گیا۔ ۲۳ اس نے دوزخ۔ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزر کو اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی میں بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں ۲۵ تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور لعزر بری چیزیں سو وہ تسلی پاتا ہے اور تو تڑپتا ہے۔ ۲۶ اور ان سب کے سوا ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے کہ ایسا کہ وے جو یہاں سے تمہارے پاس جایا چاہیں نہ جا سکیں اور نہ وے لوگ جو وہاں ہیں اس پار ہمارے پاس آسکیں۔ ۲۷ تب اس نے کہا اے باپ تیری منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج۔ ۲۸ کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تا کہ ان پر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کے جگہ میں آویں۔ ۲۹ ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰ اور انبیاء ہیں چاہیے کہ وہ ان کی سنیں۔ ۳۰ اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیم پر اگر کوئی مردوں میں سے ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ۳۱ اس نے اسے کہا کہ جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنتے ہیں تو مردوں میں سے اگر کوئی اٹھ کر جاوے تو اس کی کب سنیں گے۔

یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ مرنے کے بعد عذاب وثواب ہوتا ہے اور بدطرح طرح کا عذاب پاتے ہیں اور نیک راحت اور اسی کو شرعِ محمدی میں قبر کا عذاب وثواب کہتے ہیں (۲) یہ کہ نیکوں کا مقام بالاتر ہے جہاں دور سے ابراہیم کو دیکھا اور ان کے پاس لعزر کو بھی اور اسی کو شرعِ محمدی میں علیین کہتے ہیں اور بدوں کا مقام پستی میں ہے جہاں گڑھا حائل ہے۔ اس کو سجین کہتے ہیں جس قید

خانہ سے نکلنا مشکل ہو (۳) مرنے کے بعد دنیا کی باتیں اور اپنے اقارب کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور سب کو جانتا ہے (۴) مرنے کے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں ان کی حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی خبر دی ہے جو مردے کے زندہ ہو کر دنیا میں جا کر خبر دینے سے زیادہ معتبر ہے۔ (۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام روحانی باپ ہیں اس لیے اسلامی ان پر بھی نماز میں درود بھیجتے ہیں۔ فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اس روز (یعنی جس روز کہ بدکار اور منکر سجین میں داخل ہوں گے اور وہ دن بہت دور نہیں صرف مرنے کی دیر ہے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو الہامی باتوں کو آج دنیا میں جھٹلاتے ہیں۔ بعض تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں آپ ہی چیزیں پیدا ہوتی ہیں' آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا صرف ایک وہمی بات ہے جو مدتوں سے کانوں میں پڑی چلی آئی ہے۔ یہ ملحد آج کل فرنگستان میں بہت ہیں۔ محسوسات کے چند علوم نے جن کی غلطیاں روز بروز نکلتی جاتی ہیں ان کو تاریک گڑھے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر ان میں کچھ طبعی ہیں جن کو نیچری کہنا چاہیے اور کچھ دہری اور مادی ہیں اور کچھ خیالی ہیں کہ سب باتوں کو توہمات وخیالات ہی کہتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کو تو نہیں جھٹلاتے اس کے قائل ہیں مگر پھر اس کی صفاتِ توحید وتنزیہ وقدرت کے منکر ہیں۔ پھر کسی نے مخلوقات میں سے اس کے وسائل قرار دے کر شریک بنا رکھے ہیں جیسا کہ مشرکینِ عرب ومشرکین ہند' فرقہ مجوس پھر کسی نے خدا تعالیٰ کو ممکنات پر قیاس کر کے اس کی ذاتِ مقدسہ کے حصے کر ڈالے ہیں جن کو اقانیم کہتے ہیں باپ' بیٹا' روح القدس۔ پھر اس کے توجیہ میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں۔ کہیں ریاضات سے اور مثلث اور شکل سے ثابت کرتے ہیں۔ بعض کرسٹان جو کچھ مسلمانوں کے علوم سے واقف ہیں۔ سمجھے بوجھے اس کو تعینات اور تنزلات کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور صوفیہ کرام کے اقوال واشعار سے عامہ کو دھوکا دینے کے لیے سندیں لایا کرتے ہیں حالانکہ نہ تعینات کو سمجھے نہ تنزلات سے واقف نہ مصطلحاتِ صوفیہ کرام سے آگاہی مگر یوروپین پادری ان کی اس موشگافی سے جو محققینِ اہلِ اسلام کے نزدیک قابلِ تمسخر ہے ان کی خوب قدر دانی کرتے ہیں اور بعض نے جملہ اصول[1] عالم حسی کو قدیم مانا ہے اور ان کے پیدا اور فنا کرنے سے اس کو عاجز سمجھتے ہیں جیسا کہ آج کل فرقہ آریہ بعض نے حضرات انبیاء کو جھٹلایا وہ کسی نبی کو بھی نہیں مانتے نہ نبوت کی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں جیسا کہ فرقہ آریہ اور برہمو اور بعض انبیاء کو تو مانتے ہیں لیکن خاص خاص کو نہیں مانتے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ سب مکذبین ہیں اور ان کے سوا آیاتِ قدرت کے منکر بھی مکذبین ہیں جو ہر روز دنیا میں اس کی قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں پر نہیں مانتے اور قیامت اور جزاء وسزا کے منکر تو مکذبین میں سے بہت ہی بڑے مکذبین ہیں۔ کس لیے کہ دل کھول کر بدکاری کرنے کا یہ عمدہ ذریعہ ہے اس لیے بالخصوص مکذبین میں سے اسی گروہ کا ذکر کرتا ہے فقال الذین یکذبون بیوم الدین وہ مکذبین جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں اس کو نہیں مانتے اس لیے دل کھول کر بدکاری کرتے ہیں۔ اس مضمون کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وما یکذب به الا کل معتد اثیم کہ روزِ جزا کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا اور بدکار ہے۔ اس کی یہ سرکشی اور بدکاری روزِ جزا کے خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتی۔ جیسا کہ عرب کے بت پرست تھے اور اب یورپ کے عیش پسند حرام کار بدکار لوگ ہیں۔ اذا تتلی علیه آیاتنا قال اساطیر الاولین جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں بالخصوص وہ کہ جن میں جزا کا حال ہے تو سن کر ٹھٹھوں میں اڑاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ پہلی کہانیاں ہیں یوں ہی کہتے چلے آئے ہیں کس نے دیکھا ہے۔ آج کل تعلیمِ انگریزی کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ ابتداء ہی سے جوان ملحدوں کے خیالات ان کے دل پر نقش کئے جاتے ہیں اور کسی قدر علومِ جدیدہ کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں تو وہ الہامی باتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جزاء وسزا کے قائل نہیں رہتے۔ پھر تو خوب مے نوشی اور زناکاری کرتے ہیں۔ پاک' ناپاک حلال وحرام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ خرابی کی شرح نہیں کی کس لیے کئی جگہ ہو چکی ہے۔ آگ'

[1] عالمِ حسی کے اصول یا علویات ہیں کواکب وسماوات یا سفلی ہیں عناصر۔ ۱۲ منہ

سانپ' بچھو' درد وغم' لو' پیاس وغیرہ۔

كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾

نہیں نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ ضرور وہ اس دن اپنے رب کے سامنے آنے نہیں پائیں گے۔ پھر وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

ترکیب : کلا روع وزجر للمعتدی الاثیم وقال الحسن بمعنی حقا ما کانوا یکسبون والعائد محذوف ای یکسبونه والجملة فاعل' ران رین ریم و زنگ گرفتن ومنه قوله تعالیٰ بل ران الخ ای غلب وقیل هو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب (صراح) لمحجوبون خبر ان' عن ربهم متعلق بیومئذ ظرف له ثم انهم ثم لتراخی الرتبة هذا الذی الخ الجملة مفعول مالم یسم فاعله لیقال۔

تفسیر : ان حد سے بڑھنے والے گنہگاروں کے خیال کو باطل کرتا ہے۔ بقولہ کلا کہ جو تم سمجھے ہوئے ہو وہ ہرگز نہیں پھر ان کے اس انکار اور آیات کو پہلوں کی کہانیاں کہنے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال بل ران علیٰ قلوبهم ما کانو یکسبون کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بدکا زنگ چڑھ گیا ہے جس لیے وہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔ **فائدہ**: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ استغفار کر لیا تو صاف ہو گیا اور اگر اور گناہ کیا تو وہ نقطہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہی وہ رین ہے کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) پھر گناہ کرتے کرتے جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کوئی حق بات اس میں نہیں آتی پھر اگر اس سے بھی بڑھ گیا تو دل پر ایک حجاب ہو جاتا ہے جس کو مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر قفل کا مرتبہ ہے۔ اس دل میں صلاحیت ہی نہیں رہی کہ کوئی اس کو صاف کر دے گویا مر گیا پہلے تو بیمار ہی تھا اس سے یہ مراد نہیں کہ مضغۂ گوشت پر کوئی سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے سب کو سیاہ کر ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ چیرنے کے بعد وہ سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ کس لیے کہ قلب سے مراد شرع میں وہ انسان کی روحانی قوت ہے جو ادراک کرتی ہے۔ گناہ کرنے سے اس پر تاریکی آجاتی ہے اور آخر اس تاریکی کا ایک حجاب بن جاتا ہے جو اس کو انوارِ الٰہیہ کی تجلی سے مرنے کے بعد دیدار سے محروم کرتا ہے۔ کما قال کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون کہ بے شک یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روکے جاویں گے حجاب یعنی پردہ حائل ہو جاوے گا دیدار کے شرف سے محروم ہوں گے[1]۔

پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ثم انهم لصالوا الجحیم ان کو جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اسی کے لائق تھے۔ ثم یقال هذا الذی کنتم به تکذبون پھر ان کو شرمندہ کرنے کے لیے کہا جاوے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب تو یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔

جس طرح پہلی آیات میں اشقیاء کا وہ حال بیان ہوا تھا جو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک ہوگا یعنی عالم برزخ کا۔ اسی طرح ان آیات میں عالمِ حشر اور اس کے بعد کا حال بیان فرما دیا اور اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان کرتا ہے اور بدوں کا حال پہلے اس لیے

[1] محجوبون کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ شرمندہ ہوں گے شرمسار کو محاورہ عرب میں محجوب کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بیان فرمایا کہ اس سے پہلے کم تولنے وغیرہ جرائم کا ذکر تھا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾
يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ
وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا
الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

بے شک نیکوں کا روز نامچہ علیین میں ہے اور تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے ایک کتاب ہے (نشانی کی ہوئی) کہ جس کو (ملائکہ) مقرب دیکھا کرتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے نظارہ کیا کریں گے اے مخاطب تجھے ان کے چہروں پر عیش کی تازگی دکھلائی دے گی اور ان کو شراب خالص پلائی جاوے گی جس پر مشک سے مہر لگی ہوگی اور للچانے والوں کو للچانا تو اسی پر چاہیے اور اس شراب میں تسنیم کی بھی آمیزش ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جسے مقرب پیا کرتے ہیں۔

ترکیب ؛ کلا الخ جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار۔ علیین قال ابوالفتح الموصلی جمع علی ھو فعیل من العلو وقال الفراء والزجاج جمع واعرابہ کاعراب الجمع رفعا ونصبا وجرا ولکن لا واحد لہ من لفظہ نحو ثلاثین وقنسرین والمراد بہ المقام الاعلیٰ فقیل علی السماء السابعۃ وھناک یجتمع ارواح الابرار یشھد صفۃ اخریٰ الکتاب ای یحضرون ذلک الکتاب ویحفظونہ وقیل یرون ما فیہ فعلی الاول من الشھود وعلی الثانی من الشہادۃ ینظرون حال ویجوز ان یکون مستانفا وعلی یتعلق بہ والارائک جمع اریکۃ وھی السریر فی حجلۃ والحجلۃ بیت مربع من الثیاب الفاخرۃ ترخی علی السریر ویقال فی الھندیۃ (چھپر کھٹ ومسہری) تعرف الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار ورکذا یسقون قال المبرد والزجاج الرحیق من الخمر مالا غش فیہ وفی الصحاح الرحیق صفوۃ الخمر مختوم صفۃ لرحیق ختامہ مسک صفۃ اخری التنافس شدۃ الحرص ومزاجہ معطوف علی ختامہ مسک صفۃ اخری من تسنیم ھو شراب ینصب من علو وتسنیم فی اللغۃ الارتفاع ومنہ سنام البعیر لعلوہ من بدنہ ومنہ تسنیم القبور فھی عین تجری من علو الی اسفل وقال ابن مسعود عین فی الجنۃ تمزج للابرار ویشرب بھا المقربون کما فسرہ اللہ تعالیٰ بقولہ عینا الخ وفی نصب عینا وجوہ الاول انہ علی المدح والثانی انہ علی الحال وانما جاز کونھا حالا مع انھا جامدۃ غیر مشتقۃ لاتصافھا بقولہ یشرب بھا وقال الاخفش منصوبۃ بیسقون وقال الفراء بتسنیم والباء فی بھا زائدۃ او بمعنی من۔

تفسیر ؛ فقال کلا کہ جیسا تم سمجھے ہوئے ہو کہ نیکوں کی نیکی بیکار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں یا یوں کہو کہ بے شک وشبہ ان کتاب الابرار لفی علیین ابرار کا روز نامچہ کہ جہاں ان کے کام اور نام لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہے پھر جس کا اس دفتر میں نام ہے وہ محو نہیں ہوسکتا نہ وہ مرنے کے بعد اکرام واعزاز سے محروم رہتا ہے۔

ع ثبت ست برجریدہ عالم دوامِ ما

وہ جریدہ بقا ہے ان کے لیے حیاتِ جاودانی اور ابدی عیش وکامرانی میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ علیین پر آگاہی ان کے افہامِ ناقصہ کو نصیب نہیں اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما علیون کہ اے انسان! تو کیا جانے کیا ہے علیین؟ کس لیے کہ انسان محسوسات کا ادراک کرتا ہے اور جس سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک یا ترتیبِ معقولات سے بطور

نظر وفکر کے کرتا ہے سو اس میں سینکڑوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اسی لیے عقلاء کا ایسے امور میں اختلاف ہوا ہے پھر اگر ادراک صحیح ہے تو کشف وشہود سے ہے اور اس میں کامل حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے۔ پھر جو کوئی ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو وحی کا اتباع لازم ہے۔ اس لیے بذریعہ وحی آپ ہی بتاتا ہے کتاب مرقوم کہ وہ ایک بالاتر اور عالمِ قدس کی عمدہ جگہ ہے جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام ہیں اور وہ مقام چونکہ بہت بلند ہے وہاں نیکوں میں سے بھی ہر ایک نہیں پہنچتا بلکہ یشھدہ المقربون وہاں مقربین حضرت انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام ہی پہنچتے ہیں۔ عام مومنین وصلحاءِ امت اس کے نیچے اپنے درجات کے موافق عالمِ قدس کے اور مقامات میں ہوتے ہیں مگر نام ان کے اس بلند دفتر میں درج ہوتے ہیں کہ ترقی کر کے وہاں تک پہنچنے کی ان کے لیے امیدواری ہے۔ یہ تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ جملہ یشھدہ المقربون کو علیین کی صفت قرار دیا جاوے اور بسبب مقام ہونے کے ضمیر مفرد اس کی طرف پھرائی جائے اور اگر کتاب مرقوم کی صفت مانا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ اس دفتر تک ہر ایک کی رسائی نہیں بلکہ ملائکہ مقربین کی کروہی اس دفتر کے محافظ اور کارپرداز ہیں۔ یہاں تک عالمِ برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے۔ نفخِ صور سے پہلے تک اور اس کے بعد کا حال آیندہ آیات میں بیان فرماتا ہے۔

فائدہ: اکثر سورتوں میں نیک بندوں کو دو جماعت میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اصحاب الیمین اور ان سے بڑھ کر السابقون اور پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سابقین اور مقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ پہلی جماعت میں صلحاء وشہداءِ امت داخل ہیں اور دوسری میں حضرات انبیاء واولیاء جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اچھے لوگوں کو انہیں چار قسموں میں داخل کیا ہے من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین الآیہ۔ اب بتلا دیا گیا کہ مرنے کے بعد ابرار کا نام علیین میں ہے وہ خاص علیین میں یا اس کے متعلق کسی بلند جگہ میں رہیں گے اور مقربین علیین میں۔

فائدہ: علیین اور سجین کی تصویر عرفاء نے یوں کھینچی ہے کہ نوعِ انسانی کا بحسب وسعتِ معرفت اور اس کی تنگی کے اور باعتبارِ تہذیبِ لطائف وتحصیلِ انوارِ ملکیہ اور ان کے تکدر اور ظلماتِ بہیمیہ وسبعیہ کے بڑا وسیع میدان ہے جس کو ایک وسیع دائرہ خیال کرنا چاہیے کہ جس کا مرکز ادنیٰ مرتبہ انسانیت کا ہے جو بہت ہی فروتر مرتبہ ہے اور محیط اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور جب عالمِ غیب میں اس شکلِ متخیل نے ایک صورت پیدا کی ہے تو اس کے مرکز کا نام سجین اور محیط کا علیین نام ہو گیا اور یہ ثابت ہے کہ جس قدر دائرے مرکز کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی چھوٹے ہوں گے درجہ بدرجہ اور جو دوائر محیط کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی بڑے ہوں گے درجہ بدرجہ۔ اس لیے انسانیتِ فجار کے مراتب درجہ بدرجہ قریب مرکز کے ہیں یہاں تک کہ بعض تو محض مرکز ہی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانیتِ ابرار کے مراتب ترقی کرتے ہوئے درجہ بدرجہ قریب محیط کے ہوتے ہیں اور وسعت وفراخی میں ایک دوسرے سے زائد یہاں تک کہ نوبت اعلیٰ علیین تک پہنچ جاتی ہے۔ اعلیٰ علیین جس کو رفیقِ اعلیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے خاص مقربین کا مقام ہے اور ابرار ان کے طفیل سے اس مقام پر عبور کرتے ہیں لیکن ان کا مشہد یعنی ٹھہرنے کی جگہ وہ نہیں اور یہ عبورِ روحانی بعد مفارقتِ جسم کے روح کو حاصل ہوتا ہے کہ مقربین کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں لے جاتے ہیں اور ابرار ان کے قریب جگہ پاتے ہیں اور فجار سجین میں لائے جاتے ہیں اور اسی لیے سجین کو بطور استعارہ کے زمین کے طبقہ سفلی اور علیین کو ساتویں آسمان پر بیان کیا گیا۔ محیط اور مرکز کے لحاظ سے۔

اس کے بعد وہ حالات بیان فرماتا ہے جو حشر میں ابرار کو پیش آویں گے فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بے شک ابرار یعنی نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے جتنی نعمتیں کہ ان کو انسان کا دل چاہے عمدہ مکان، باغ وانہار، نفیس کپڑے، حور، غلمان، سواری اور خادمانِ پری

رواور کھانے کی دل پسند چیزیں اور فرحت وسرورِ جاودانی کے وہ سب سامان وہاں موجود ہوں گے جن کو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کے کان نے سنا' نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ لفظ نعیم سب کو شامل ہے مگر اس کے سوا ان کو بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھایا جاوے گا جیسا کہ فرمایا ہے علی الارائك ینظرون کہ تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے اور وہ تخت ایسے معمولی تخت نہ ہوں گے بلکہ سایہ دار جو بیش بہا جواہرات اور بیش بہا کپڑوں اطلس ودیبا وغیرہ سے مزین ہوں گے کہ ان کو کوئی نہ دیکھے اور اس میں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے اسی لیے ینظرون کا مفعول حذف کر دیا کہ تعمیم سمجھی جاوے۔ جنت کے سب تماشے اور عیش ونشاط کے سامان بھی دیکھیں گے اور دوزخیوں کی حالتِ زبوں کا بھی ملاحظہ کریں گے مگر تعرف فی وجوھھم نضرة النعیم ان کو ان کی یہ حالتِ زار دیکھنے سے کچھ ملال اور پریشانی نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی دوست اور قرابت دار کافر ومشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جاوے گا اور ان کے عیش ونشاط میں ان کے برے حال کے دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمت کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگاویں گے۔ ' فائدہ: عرفاء فرماتے ہیں کہ ارائك جس کا ذکر قرآن مجید میں جابجا آیا ہے وہ اہل اللہ کے مخفی حالات ومقامات ہیں اور ان کی رات میں لوگوں سے چھپ کر تہجد ودعا واستغفار وتسبیح وتہلیل ہے اور ان کے دلوں کا وہ سوز وگداز ہے جو لوگوں سے مخفی تھا اور ان کی وہ محبتِ الٰہی ہے جو کسی کو نظر نہ آتی تھی۔ آج وہ ارائك کی شکل میں جلوہ گر ہوگی اور ان کے چہروں کی وہ پژمردگی جو دنیا میں محبتِ الٰہی اور فاقہ کشی اور غربت وفقر سے تھی آج تازگی بن جاوے گی اور اس نظارہ کا لطف زیادہ کرنے کے لیے یسقون من رحیق ان کو شرابِ خالص بھی پلائی جاوے گی کہ نہ جس میں تلخی ہوگی' نہ بدبو' نہ بعد میں خمار ودردسر' نہ بے ہوشی' نہ بدحواسی جو تمام لطف کو درہم برہم کر دے بلکہ وہ ایک شراب ہوگی جو ان باتوں سے خالص ہوگی اور اس سے ایک سرور پیدا ہوگا اور وہ ایسی متبذل شراب نہ ہوگی کہ جس تک ہر ایک کا ہاتھ پہنچتا ہو بلکہ اس پر مہر لگی ہوگی نہ دنیا کی شرابوں کی طرح کہ جن پر مٹی یا لاکھ کی مہر ہوتی ہے بلکہ ختامہ مسک اس کی مہر مشک سے ہوگی جس کی خوشبو اس میں سرایت کر جاوے گی اور فرحت وسرور بڑھاوے گی اور نیز مشک ایک مناسب گرمی بھی پیدا کرے گا جو ہضم بڑھاتا ہے۔

بعض مفسرین ختام سے مراد تمامی لیتے ہیں کہ پینے کے بعد مشک سے ان کے منہ خوشبودار کیے جاویں گے۔ جیسا کہ کھانا کھانے اور شراب پینے کے بعد پان یا الائچی کھاتے ہیں اور یہ اس کا ختام ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں بعد میں ایسی خوشبودار فرحت خیز چیز دی جاوے گی جس کو مشک سے تشبیہ ہے۔ واضح ہو کہ یہاں تک ابرار اصحاب الیمین کے نعماء بیان ہوئے ہیں کہ جو تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ شراب رحیق پئیں گے۔ یہ شرابِ رحیق وہ محبتِ خالص ہے جو دنیا میں شرک وبدی کا ملاؤ نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے جنت میں وہ شراب خالص بن کر ان کے رگ وریشہ میں سرایت کرے گی۔ مگر یہ شرابِ رحیق تسنیم سے جو خاص مقربین کا حصہ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے کم مرتبہ ہے۔ اس لیے اس رحیق میں کبھی کبھی اس تسنیم سے کچھ ملا دیا جاوے گا جیسا کہ دنیا میں شراب میں گلاب وغیرہ چیزیں ملا کر پیتے ہیں اور کم اس لیے کہ رحیق وہ فرحت وشادمانی ہے جو موجوداتِ عالمِ علوی کے ملاحظہ سے ہوگی جیسا کہ دنیا میں یہ جماعتِ ابرار مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کو پہچانتے تھے اور ہر ایک آیتِ قدرت کو اس کے جمال کا آئینہ سمجھ کر شادمانی کرتے تھے۔ اسی طرح اس جہان میں ان کو ایک شراب خالص پلائی جائے گی کہ جو وہاں کے عجائبِ موجودات کو ملاحظہ کر کے ان میں اس کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ کریں گے اور نہایت شادمانی ہوگی۔ بخلاف تسنیم کے کہ وہ خاص ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لیے ہے بغیر اس کے کہ موجودات کے آئینوں میں جھلکی دکھائی جاوے گی۔ اس لیے اس شراب میں سے بھی کبھی ان کو حصہ ملے گا کہ یہ بھی ذاتِ پاک کا مشاہدہ کریں گے اس کے بعد فرماتا ہے وفی ذلك فلیتنا فس المتنافسون اور چاہیے کہ للچانے والے اس پر للچائیں اور اسی کی آرزو اور خواہش کریں نہ کہ دنیا کی نعمتوں کی جو کدورت سے خالی نہیں اور

اس پر بھی ان کو دوام وبقا نہیں جوانی بادِ صبا کی طرح ایک دم کے لیے آئی اور چلی گئی پھر جب جوانی نہیں تو اور نعمتوں کا کیا مزہ باقی رہا۔ پھر دنیا کی شراب کی کیا رغبت کرنی چاہیے جو بدمزہ اور بدبودار اور مزیلِ عقل وحواس اور موروثِ دردسر وخمار ہے اور کم تولنے یا حقوق العباد تلف کرنے میں بے حقیقت چیزوں پر کیا ریجھنا اور عاقبت برباد کرنا چاہیے یہاں کا مال وزر کیسا اور یہاں کے اسبابِ عیش ونشاط ہی کیا ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں پر ریجھ کر عقبیٰ برباد کرتے ہو رغبت رکھنے کی چیز تو آخرت کی یہ نعمتیں ہیں۔

اس کے بعد کچھ حال مقربین کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ انہیں ابرار کے ضمن میں تا کہ معلوم ہو جاوے کہ جب مقربین کے روز کے پینے کی چیز کبھی کبھی ان ابرار کی شرکت میں مزید لطف واکرام واعزاز کے لیے لائی جاتی ہے اور یہ ابرار ان نعمتوں میں ہیں تو پھر مقربین کا تو ان سے مرتبہ بڑھ کر ہے۔ ان کے نعیم کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے ومزاجه من تسنیم کہ اس رحیق کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی تسنیم اس میں ملائی جاوے گی۔ تسنیم کے لغوی معنی بلندی کے ہیں اور اونٹ کے کوہان کو اسی لیے سنام کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے۔ اس لغوی معنی کے لحاظ سے تسنیم کے باب میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) یہ کہ وہ اونچے سے نیچے کو گرتا ہوا چشمہ ہے۔ ایسا چشمہ بہ نسبت اس کے کہ ہموار زمین میں بہتا ہو۔ نہایت صاف اور پرلطف ہوتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ہوا میں بہتا ہے۔ اس بلندی وارتفاع سے اس کی لطافت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی ہوگی۔ (۳) یہ کہ وہ بلند قدر عالی مرتبہ چیز ہے اس لیے اس کو تسنیم کہتے ہیں اور اسی لیے عکرمہ کہتے ہیں تسنیم کے معنی تشریف کے ہیں یعنی عالی قدر بلند مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وحسن بصری فرماتے ہیں۔ اس کی حقیقت سے بجز پروردگار کے کوئی واقف نہیں وہ ایک نہایت عمدہ اور بے بہا چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ کا اسی قدر بیان کافی ہے۔ عینا یشرب بها المقربون کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقربین پیا کرتے ہیں اور ابرار کو اس میں سے ملا کر دیا کرتے ہیں۔ اس سے ابرار کی شان بھی معلوم ہوئی کہ پلائی تو ان کو رحیق جاتی ہے مگر اس میں اور لطف بڑھانے کے لیے تسنیم ملا دیتے ہیں اور مقربون کا بھی حال معلوم ہوا کہ وہ خاص اسی تسنیم کو پیا کرتے ہیں جو ایسی قدر وقیمت کی چیز ہے کہ جس میں سے کچھ ابرار کی شراب میں ملائی جاتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾
وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾
وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى
الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

یقیناً نافرمان (دنیا میں) ایمانداروں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے نکلتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھر لوٹ کر جاتے تو ہنستے ہوئے جاتے تھے اور جب ایمانداروں کو دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے بے تک یہی گمراہ ہیں حالانکہ یہ ان پر نگہبان بھی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ پھر آج تو ایماندار کافروں سے ہنسی کر رہے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں اب تو کافروں نے اپنے کیے کا بدلہ پایا۔

ترکیب | الذین مع صلة اسم ان۔ کانوا اسم کان ضمیر متصل یضحکون خبرھا من الذین امنوا متعلق بیضحکون ای یستھزؤن منھم فالجملة کانوا الخ خبر ان واذا مروا ای المسلمون بھم بالکفار وھم فی مجالسھم یتغامزون الکفار من الغمز وھو الاشارة بالجفون والحواجب واذا انقلبوا ای الکفار شرط انقلبوا جواب اذا فکھین حال منه قرء عاصم فی روایة حفص عنه فکھ ین بغیر الف فی ھذا الموضع وحده وقراء الباقو

فاکھین بالالف فقیل معنا ھما واحد وقیل ان الفکہ الاشر البطر والفاکھ الناعم المتنعم واذا شرطیہ واای الکفار ھم المسلمین قالوا جواب الشرط وما ارسلوا الجملۃ حال من فاعل قالوا فالیوم منصوب بیضحکون و فاعلہ الذین آمنوا وتقدیم الفاعل للتخصیص اولرعایۃ لفواصل علی الارائك ینظرون الجملۃ حال من یضحکون ای یضحکون منھم ناظرین الیھم والی احوالھم ھل ثوب الجملۃ مستانفۃ وقیل فی محل نصب بینظرون وقیل ھی علی اضمار القول ای یقول بعض المؤمنین لبعض قرء حمزۃ والکسائی وابوعمرو بادغام لام ھل فی ثاء ثوب والباقون بترک الادغام۔

تفسیر: فرمایا تھا کہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت کرنی چاہیے اور یہی رغبت کرنے کے قابل چیز بھی ہے۔اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا پر رغبت کرتا ہے اور یہاں تک فریفتہ ہوتا ہے کہ دارِ آخرت پر رغبت کرنا تو کجا سرے سے اس کا انکار ہی کر بیٹھتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ جو دارِ آخرت پر یقین کر کے وہاں کے لیے تیاری کرتا ہے تو اپنے مشرب کے خلاف سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے اور ایذا دینے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اس کو برا بھلا بھی کہتا ہے۔ پھر ان برے افعال کا بدلہ پاتا ہے۔خدائے عادل (جو میزانِ عدل ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور دنیا میں بھی ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کمی کرنے والوں کی خرابی بیان فرماتا ہے) قیامت کے دن ان دنیا کے فریفتہ لوگوں کو اسی ترازو سے تول کر اور اس پیمانہ سے ماپ کر دے گا جس سے انہوں نے خدا پرستوں کو تول کر اور ماپ کر دیا تھا یعنی ایماندار آخرت پر رغبت کرنے والے اس روز اس اپنی کامیابی پر خوش ہوں گے ان احمقوں پر ہنسیں گے۔

ان مطالب کی ان آیات میں تصویر کھینچی جاتی ہے تا کہ دنیا سے نفرت اور دارِ آخرت سے رغبت ہو۔فقال ان الذین الخ کہ وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا ہے (دارِ آخرت سے بے خبری اور نفرتِ دنیا کی رغبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) اسی لیے حدیث میں آیا ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور اس جرم میں یہاں تک دلیر ہوئے ہیں کہ جو خدا کے مجرم نہیں بلکہ مطیع ہیں ان پر ٹھٹھے کیا کرتے ہیں۔یہ ان کا ایک فعلِ بد ہے یا تھا۔اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے۔اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروتِ انسانی سے بعید ہے۔اس کے سوا یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے۔یہ بھی سخت عیب ہے۔سوم جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ مجھ سے بھی کوئی بالا دست ہے۔ممکن ہے کہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا دے۔ایسا کور باطن حوادثِ دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ باطن کی کوری ہے اور خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے۔اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہو گا اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا ہنسا جائے گا۔

دوسرا فعلِ بد: ان کا یہ تھا کہ اذا مروا بھم یتغامزون کہ جب وہ دینداران کے پاس سے گزرتے تو تحقیر کے لیے آنکھوں کے اشارے کرتے۔یہ بھی ایک بڑی کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن وطنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں بھنویں مارا کرتے ہیں۔منہ بنا کے اشارے کیا کرتے ہیں۔سو وہ دنیا پرست ان خدا پرستوں کے ساتھ یہ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض ان دونوں فعلوں سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کے ظاہر حالِ شکستہ پر اپنی ثروت و دولت و اقبال کے زور میں ہنستے' آنکھیں مارتے تھے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث' حوروں کے شوہر۔جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا نہ ہو گی اور ہم پر فضل ہے ایسے عزت والے ہیں ہم کو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا اور اگر وہاں کچھ ہے ورنہ خالی ڈرکے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ اس عالم کا معاملہ یہاں تک برعکس ہے۔

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الا اخبرکم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف لواقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ مستکبر متفق علیہ کہ میں تمہیں اہلِ جنت بتلا دوں۔ہر ایک ضعیف بے کس اگر خدا پر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کو پورا ہی کر دے اور دوزخی بتلاؤں ہر ایک سخت کڑ متکبر آخرت کے مستحق وہی ہیں جو دنیا میں مسکین کمزور عاجز متواضع خدا پرست ہیں

کہ ساکنان در دوست خاکسار انند

تیسرا فعلِ بد: ان کا یہ تھا واذا انقلبوا الی اھلھم انقلبوا فکھین کہ باہر تو یہ کچھ کرتے ہی تھے مگر جب اپنے گھروں میں جایا کرتے تھے وہاں بھی ہنستے ایمانداروں پر دل لگیاں کیا کرتے یا یہ معنی کہ ان کو آخرت کا اندیشہ اور آنے والے مصائب کا کچھ خیال نہیں آتا تھا۔گھروں میں رات دن اٹھکیلیاں ہی کرتے تھے۔یہ بھی دنیا پرست کی شان ہے جس کو کبھی مرنے کا خیال نہیں آتا۔باخدا لوگ ہمیشہ مغموم رہا کرتے ہیں۔ان کے دلوں پر ایک اندیشہ رہتا ہے۔بات بات پر ہنسی کیسی اہاہا ہوا ہو کیسی رنگ رلیاں کہاں کی۔یہ مجلسیں کرنا رات دن ناچ رنگ' عیش ونشاط کے سامان بہم پہنچانا' اس جہاں سے غافلوں کا ہی کام ہے اور اس کا نتیجہ حزنِ دائمی اور مصائب کا نازل ہونا ہے۔جن گھروں پر یہ سامان تھے ہم نے وہاں خاک اڑتی دیکھی ہے۔دردمندانِ محبتِ الٰہی کو اس کی فرصت کہاں

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
نہ چھیڑ ہمیں اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

چوتھا فعل بد: ان کا یہ تھا کہ اذا راوھم قالوا ان ھؤلاء لضالون کہ جب ان دینداروں کو دیکھتے تو کہتے یہی گمراہ ہیں دنیا کے مزے چھوڑ کر کس مصیبت میں پڑے ہیں۔یہ سب حشر کی گفتگو ہے کہ حق سبحانہ وہاں یوں فرمائے گا کہ دنیا میں یہ ایسا ایسا کرتے تھے۔پھر ان کی بیہودہ بات کا آپ ہی جواب دیتا ہے وما ارسلوا علیھم حافظین کہ یہ کفار ان دینداروں کے داروغہ یا فوجدار بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ان کو ان کی کیا پڑی جو ایسا کرتے ہیں اب جو قیامت میں ان کو ان افعال کی جزا ملے گی اس کو بیان فرماتا ہے فالیوم الخ کہ آج کے دن ایماندار ان کفار پر تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے ہنسیں گے۔یا یوں کہو کفار سے ہنسیں گے کہ وہ تمہارے جاہ وجلال کیا ہوئے۔اب یہ تم سے کیا ہو رہا ہے اور تختوں پر بیٹھے بادشاہ بنے نظارہ کریں گے اور فرشتے پکار دیں گے کہ اب تو کفار نے اپنے کئے کا بدلہ پایا اوروں پر ہنستے تھے آج ان پر ہنسا جا رہا ہے کس لطف کے ساتھ دارِ آخرت کی جزاء وسزا کا نقشہ کھینچا ہے اور کس انداز سے انسان کو بری باتوں سے روکا ہے۔وللہ الحمد۔

(سورہ انشقاق مکیہ ہے اس میں پچیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵

جبکہ آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے اور جبکہ زمین پھیلا دی جاوے اور جو کچھ اس میں ہے اگل دے اور خالی ہو جاوے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے۔

ترکیب ؛ اذا قیل شرطیہ فیقدر بعدھا فعل والتقدیر اذا انشقت السماء انشقت فالسماء فاعل بفعل محذوف۔ وقیل لیست بشرطیۃ بل ھی منصوبۃ باذکر المحذوف وھی مبتداء وخبرھا اذا الثانیۃ والواو مزیدۃ والتقدیر یوم وقت انشقاق السماء وقت مد الارض واذنت معطوف علی انشقت ومعنی اذنت اطاعت فی الانشقاق ولم تاب ولم تمنع بمشتق من الاذن وھو الاستماع للشیء والاصغاء الیہ واستعمال الاذن فی الاستماع کثیر فی کلام العرب وحقت الجملۃ حال من فاعل اذنت قال الضحاک ومعنی حقت حق لھا ان تطیع ربھا ای لاتمنع ما ارادہ اللہ بھا واذ الارض مثل اذا السماء الخ ومعنی مدت بسطت وصارت قاعا وقیل زید فی سعتھا من المد وھو الزیادۃ والقت ما فیھا من الکنوز والدفائن والاموات وطرحت الی ظھورھا فعلی تقدیر کون اذا شرطیہ جوابہا اما محذوف تقدیرہ بعثتم وقیل مذکور فقیل ھو قولہ یا ایھا الانسان الخ وقیل قولہ فاما من الخ قالہ المبرد والکسائی وقیل فملاقیہ قالہ الخفش۔

تفسیر ؛ یہ سورہ بھی بلا خلاف مکی ہے۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ بخاری ومسلم وغیرہما نے ابی رافع سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں یہ سورۃ پڑھی اور بعد میں سجدۂ تلاوت کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور میں سدا ایسا کروں گا اور بھی روایاتِ صحیحہ میں اس سورہ کے اختتام پر سورہ کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جن کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ وہاں اس کا حکم یا ذکر ہے۔ اس قسم کے سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں اور چودہ سورتیں ہیں جن میں سجدۂ تلاوت ہے۔ آخر اعراف' رعد' نحل' بنی اسرائیل' مریم' اول سجدہ حج میں' فرقان' نمل' الم تنزیل' ص' حم سجدہ' النجم' اذا السماء انشقت' اقراء ہدایہ۔ مضامینِ سجدہ کے لحاظ سے علماء کا سجدۂ تلاوت میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہی قول ہے جس کو اوپر بیان کیا۔ امام شافعی اور امام احمد سورۂ حج میں اخیر سجدہ بھی مانتے ہیں اور سورہ ص میں نہیں مانتے۔

ربط ؛ اس کا پہلی سورہ سے ظاہر ہے دونوں میں قیامت کے واقعات اور مرنے کے بعد کے حالات مذکور ہیں۔ ذرا تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔ سب سے اول یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جس میں اس جہان کا درہم برہم ہونا علمِ الٰہی میں ٹھہر چکا ہے تاکہ پھر ایک دوسرا جہاں قائم کیا جائے اور جو کچھ دنیا میں نیک وبد کیا تھا اس کی جزا اور سزا دی جاوے گی اور اس نئے جہان کی ابتداء کب سے ہے۔ آپ ہی فرماتا ہے اذا السماء انشقت جبکہ آسمان پھٹ جائے اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لیے کہ واذنت لربھا وہ اپنے رب کے حکم پر کان رکھے گا یعنی جو کچھ امرِ تکوینی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا۔ فوراً آسمان پر وہی حالت طاری ہو جاوے گی جو خدائے قادر ذوالجلال چاہے گا۔ وحقت اور آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کرے۔ کس لیے کہ وہ ممکن ہے ہر وقت اپنے وجود اور بقاء میں اسی کا محتاج ہے اور جب ممکن اور محتاج ہے تو اس کا وجود اور عدم دونوں اس کے آگے یکساں ہیں جب چاہے نیست و نابود کر دے۔ ان آیات میں بہت سے اوہامِ باطلہ کا جن کو لوگوں نے مذہب بنا رکھا ہے ابطال کر دیا گیا۔ بہت سے لوگ آسمان ہی کو انسانی سعادت و نحوست کا مالک ومختار جانتے تھے۔ اسی لیے شعراء ناکامی کے وقت آسمان کو برا بھلا کہا کرتے ہیں اور بہت سی اقوام اجرامِ سماویہ کو معبود جانتے تھے۔ کوئی زہرہ کو' کوئی آفتاب کو' کوئی کسی اور ستارے کو اسی خیال سے پوجتا تھا۔ ان سے مدد مانگتا تھا۔ فرقہ صابیہ اور اس کی شاخیں مجوس و ہنود اب تک ایسا کرتے ہیں اور عرب میں بھی یہی خیال تھا ان سب کے خیال کو باطل کر دیا کہ ایک روز آسمان پھٹ جاوے گا اور اس کے بعد ستارے بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے۔ یہ سب ہماری مخلوق اور حکم کے تابعدار ہیں یعنی یہ مخلوق ہیں' حادث ہیں' فانی ہیں' حکم بردار ہیں۔ یہ اس عالم کی چیزیں ہیں۔ ایک وقتِ معہود تک باقی ہیں' پھر ہم ایک اس عالم سے وسیع عالم پیدا کریں گے تو ان کو نیست و نابود کر دیں گے۔

یہاں تک تو عالمِ علوی کی کیفیت بیان ہوئی اس کے بعد عالمِ سفلی کی حالت بیان فرماتا ہے۔ واذا الارض مدت اور جبکہ زمین پھیلائی جاوے یا بڑھائی جاوے زمین بالفعل گول کروی الشکل ہے جب حق سبحانہ اس کو بھی نیست کرنا چاہے گا تو یہ چپٹی ہو جائے گی اس کی صورت

جو محافظ تھی اس سے چھین لی جاوے گی اور عادتاً بھی یوں ہی ہے کہ کروی چیز ٹوٹتے وقت پھیل جاتی ہے۔ یہ نفخِ صورِ اولیٰ کے وقت کا حادثہ ہے۔ جیسا کہ آسمان کا پھٹنا بھی اسی وقت کا حادثہ ہوگا اور بعد میں تو نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی کما قال یوم تبدل الارض غیر الارض والسماوات۔

اور جب زمین کی یہ حالت ہو جاوے گی تو والقت مافیھا وتخلت تو جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جاوے گی اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ جب یہ درہم برہم ہوگی اور اس کی صورت وشکل بگڑ جاوے گی جس طرح کہ مرتے وقت ہر جاندار کی اور ڈھیتے وقت مکانات کی بگڑتی ہے اور اس وقت اس کے اندر جو کچھ مخفی ہے جس سے مراد خزائن ودفائنِ زر وجواہر اور مردے ہیں جو اس میں دفن ہوئے تھے یا جو کچھ اس کے رب نے اس میں ودیعت رکھا ہے وہ سب اوپر آپڑے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آج جن چیزوں کو عزیز از جان سمجھ کر زمین کی تہ میں چھپاتے اور زمین کو اپنا خزانچی جانتے ہو ایک روز یہ سب کچھ باہر آجاوے گا اور یہ بات کچھ محال نہیں۔ کس لیے کہ واذنت لربھا کہ زمین بھی اپنے رب کے حکم کی طرف کان لگائے گی یعنی مانے گی اور کوئی وجہ سرتابی کی اس کو حاصل نہ ہوگی وحقت اور ماننا بھی چاہیے۔ اس کو لائق بھی یہی ہے کہ حکمِ الٰہی مانے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے اس کا وجود اور عدم دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے بلند کرے جس کو چاہے پست۔

ان حوادث کی نسبت اذا اذا کر کے یہ تو بیان فرمایا کہ جب ایسا ہوگا اور جب ایسا ہوگا مگر یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ ہوگا تو کیا ہوگا یعنی اذا شرطیہ کی جزا یا شرط کا جواب بیان نہیں فرمایا اس کو اہلِ زبان کے مذاق پر چھوڑ دیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے کہ اس وقت ضرور انسان کا یہ خیال غلط ثابت ہو جاوے گا کہ اس کو مر کر کسی دارِ جزاء وسزا کی طرف جانا نہیں ہے اور اسی لیے بعد میں اسی مقصود کی تصریح بھی کر دی جس کو بعض نے جوابِ شرط سمجھ لیا۔ فقال

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝٦ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝٧ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝٨ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝٩ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝١٠ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝١١ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝١٢ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝١٣ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝١٤ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝١٥

اے آدمی! تو تو کھٹا کھٹ اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے پھر تو اس سے جا ملے گا پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جاوے گا اور وہ اپنے اہل وعیال میں خوش واپس آئے گا اور جس کو نامۂ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں بسے گا کیونکہ وہ تو اپنے گھر میں خوشیاں منایا کرتا تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ پھر کر تو جانا ہی نہیں۔ کیوں نہیں اس کا رب تو اسے دیکھتا ہی رہتا ہے۔

ترکیب ؛ انک الخ الجملۃ نداء الکدح السعی فی الشیء بجھدہ کدح ورزیدن وکار کردن وکوشش نمودن۔ زردی خراشیدن یقال بہ کدح وکدوح ای خدوش وفی الحدیث فی وجھہ کدوح وھو یکدح بعیالہ ای یکسب لھم اِزصراح فاما من فیہ معنی الشرط فسوف جوابہ وینقلب معطوف

علی یحاسب مسرورا حال وراء ظہرہ ظرف لاوتی لن یحور قال الراغب الاصفہانی الحور الترد فی الامر ومحاورۃ الکلام مراجعۃ والمحار المرجع۔ الحور الرجوع یقال حار یحورا اذا رجع ومنہ قولہ علیہ السلام اللھم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور یعنی من الرجوع الی النقصان بعد الزیادۃ بلی ایجاب للمنفی بلن ای بلی یحور۔ ان ربہ جواب قسم مقدر فالجملۃ تعلیل لما افادتہ بلی۔

تفسیر ¦ فقال یاایھا الانسان انک کادح الیٰ ربک کدحا فملاقیہ۔ کدح کے معنی لغت میں حرکت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ اس لحاظ سے مفسرین نے اس کے کئی معنی بیان فرمائے اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے انسان سے بھی کبھی کافر مراد لیا ہے۔ فردِ ناقص سمجھ کر اور کبھی نبی کریم ﷺ فردِ کامل جان کر اور کبھی مطلقاً۔ پس بعض نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ اے انسان! یعنی نبی کریم تو ابلاغِ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوشش بلیغ اور سرگرمی کر رہا ہے ضرور تو اس کا بدلہ نیک پاوے گا تیری کوشش رائیگاں نہ جاوے گی۔ بعض نے کہا یہ معنی ہیں کہ اے کافر! ابوجہل وابی بن خلف تو جو طلبِ دنیا اور ابطالِ رسالت اور اصرارِ کفر پر کوشش کر رہا ہے اس کا بدلہ پاوے گا یہ تیرا کام تجھے ملے گا ایک دن ہیبت ناک شکل میں تیرے سامنے آئے گا۔ تیسرے یہ معنی کہ اے انسان! (سب کی طرف خطاب ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد) تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے نیک حسنات میں بدفسق و فجور و طلبِ دنیا اور اس کے لذات و شہوات میں تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے۔ یوں ہی عبث نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ جو کچھ کرو آنکھ بند کر کے نہ کرو، تقلیدِ آبائی و پابندیِ رسم و رواج میں اندھے بن کر نہ گرو، سوچ بچار لو کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ جو تم کر رہے ہو ایک روز تمہارے سامنے آئے گا۔ چوتھے معنی یہ ہیں اور وہ زیادہ ترچسپاں ہیں کہ اے انسان! سب کی طرف خطاب ہے۔ تو یہ نہ سمجھ کہ میں سدا دنیا ہی میں رہوں گا۔ مجھے اپنے خدا پاس نہیں جانا ہے مر کر خاک ہو جاؤں گا یا اس میدان ناسوت میں تناسخ کے ذریعہ سے قوالب بدلتا رہوں گا، اس جہان میں ٹھوکریں کھاتا رہوں گا۔ یہ ہرگز نہیں بلکہ تو کھٹا کھٹ ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ یہ رات اور دن تیری سواری کے دو پہیے ہیں یا تیرے سفر کرنے کے لیے دو پاؤں ہیں۔ تو بے اختیار اس میدانِ وجود کو طے کر رہا ہے۔ ایک دن حمل میں تھا پھر باہر آیا لڑکا بنا رہا، جوان ہوا بڈھا ہوا مر گیا۔ یہ حمل اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا تیرے اس تیز سفر کے منازل ہیں۔ آخر ایک روز ہمارے پاس آئے گا، مرنے کے بعد ہمارے سامنے کھڑا کیا جائے گا، پھر تیرے نیک و بد اعمال تول تول کر تیرے پلے میں ڈالے جائیں گے۔ فامامن اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا و ینقلب الیٰ اھلہ مسرورا پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اور یہ نیک لوگ ہوں گے۔ یمین و یمن خیر و برکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جانا اس کے لیے بشارت ہے کہ یہ اہلِ خیر میں سے ہے تو اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے حساب آسان لیا جاوے گا اور حساب آسان یہ ہے کہ اس کے زلات اور ان جرائم سے جس کے بعد اس نے توبہ و استغفار کیا اور نادم ہوا، درگزر کیا جاوے گا اور دراصل یہ حساب نہیں بلکہ ایک ملاحظہ کرانا ہے کہ بندہ اپنے اعمال اور اس پر اس کے بے حد افضال کا اندازہ کر لے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے فسوف یحاسب الخ یعنی آیت پڑھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ حساب نہیں جو مومن سے آسانی سے لیا جاوے گا۔ یہ تو ایک ملاحظہ کرانا ہے اور جس سے حساب لیا جاوے گا وہ تو ہلاک ہو جاوے گا (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما) اور اس لیے آنحضرت ﷺ بعض اوقات یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ امت کو تعلیم کرنے کے لیے اللھم حاسبنی حسابا یسیراً کہ اے اللہ مجھ سے حسابِ یسیر لینا (اخرجہ احمد) اور اس حسابِ یسیر سے فرصت پا کر وہ شخص اپنے گھر کی طرف جو پہلے سے جنت میں تیار کیا گیا ہے جہاں اس کے دنیاوی اقارب زن و فرزند اس سے پہلے گئے ہیں اور حورِ عین بھی ہے خوشی خوشی سے جاوے گا اور وہ گھر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہیں رہا کرتا تھا اور اب لوٹ کر وہیں جاتا ہے۔ لفظ ینقلب اسی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ سچ ہے کس لیے کہ یہ دارِ آخرت کا گھر اس کے ان اعمالِ حسنہ اور محبتِ الٰہی کا تو مظہر ہے جو ہمیشہ اس

کے پاس رہا کرتے تھے گویا ان میں رہا کرتا تھا۔

اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے وامامن اوتی کتابہ وراء ظہرہ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا گیا تھا کہ پہلے سے معلوم ہو کہ بد ہے اور آیات میں وراء ظہرہ کی جگہ بشمالہ کا لفظ آیا ہے مگر یہ ملزم زنجیروں میں کسا ہوگا مشکیں بندھی ہوں گی۔ ہاتھ پیٹھ کی طرف پیچھے بندھے ہوں گے۔ اس لیے پیٹھ کے پیچھے سے دینا یہاں ذکر فرمایا تا کہ اس کی مشکیں بندھی ہونے کو بھی ثابت کرے (اس لیے دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں) تو وہ ہلاکی اور موت کو پکارے گا، ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آ جاوے تو میں مر کر اس مصیبت سے بچ جاؤں پھر وہاں موت کہاں ویصلیٰ سعیراً وہ تو دہکتی آگ میں ڈالا جاوے گا وہیں پڑا جلا کرے گا۔

اب اس کا سبب بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کیوں دہکتی آگ میں ڈالا جاوے گا انہ کان فی اھلہ مسرورا کہ وہ اپنے گھر میں مگن تھا شہوات و لذات کے گھوڑوں پر سوار تھا۔ آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا۔ رات دن طلبِ مال و زر میں مصروف تھا۔ حرام و حلال کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ شراب، زنا، ناچ، تماشا، راگ رنگ میں مسرور تھا اور اس کے سوا انہ ظن ان لن یحور وہ یہ بھی سمجھے ہوئے تھے کہ اللہ کے پاس جانا نہیں، حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو چاہو کرو۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس خیال میں تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی متغیر نہ ہوگی ہمیشہ یوں ہی رہے گا یہ دو باتیں سبب ہیں اس کے آگ میں پڑنے کا۔ اس کی وہ خوشی اور وہ اعتقاد کہ جس میں یہ پڑا ہوا تھا آج آتشِ جہنم بن گئی گویا یہ خود ہی جہنم میں پڑا ہوا تھا۔ بلیٰ ہاں ہاں اس کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ ان ربہ کان بہ بصیرا اس کا رب تو اس کو دیکھا کرتا تھا کوئی حرکت و سکون اس کی نظر سے غائب نہ تھا۔

فائدہ: بلیٰ کا کلمہ نفی کا اثبات کرتا ہے یعنی وہ جو سمجھتا تھا کہ خدا کے پاس نہ جاؤں گا اس کے جواب میں ہے بلیٰ ہاں جاوے گا اور یہ کلمہ اول کلام سے بھی متصل ہے اور بعد سے بھی اس لیے اس پر وقف بھی درست ہے اور ملا کر بھی پڑھا جاتا ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا
عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ ع
بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات اور اس کے چھا جانے کی بھی اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم کو تو ایک منزل سے دوسری منزل پر چڑھنا ہوگا۔ پھر انہیں ہوا کیا جو ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ منکر تو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (دل میں) بھرا رکھتے ہیں سو آپ ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دیں مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ہیں ان کو تو بے انتہا اجر ملے گا۔

ترکیب ¦ فلا لا زائدۃ کما مر۔ الشفق الحمرۃ التی تبدو بعد غروب الشمس وسمی شفقا لرقتہ ومنہ الشفقۃ علی الانسان وھی رقۃ القلب علیہ والیل عطف علی الشفق وکذا ما وسق الوسق فی اللغۃ ضم الشیء بعضہ الی بعض یقال استوسقت الابل اذا اجتمعت وانضمت والراعی یستوقھا ای یجمعھا ای جمع وضم ما کان منتشرا فی النھار لان اللیل اذا اقبل اوی کل شیء الیٰ منزلہ قال قتادۃ والضحاک ومقاتل بن سلیمان ای ما حمل من الظلمۃ ومن الکواکب وقال سعید بن جبیر ای ما عمل فیہ من التعھد والاستغفار۔ والقمر معطوف علی اللیل اتسق ھو افتعل من الوسق وھو الجمع ای تکامل فی

النور۔لترکبن جواب القسم مرلین بفتح التاء وضم الباء صیغۃ جمع المذکر الحاضر من الرکوب وقرئ بفتح الباء خطاب للواحد وھوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اوکل فرد من افراد الانسان وقرئ لیرکبن بالتحتیۃ وضم الموحدۃ علی الاخبار طبقاً منصوب علی انہ مفعول ترکبن عن طبق صفۃ بطبقاً ای طبقا حاصلا عن طبق امی حال عن حال واذا قرئ الجملۃ فی محل النصب علی الحال الا الذین استثناء منقطع او متصل۔

تفسیر: یعنی اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جزاء وسزا ہے اور تمہارے عقولِ متکدرہ کو وہاں تک رسائی نہیں تو ہمارے کہنے سے مان لو اور اگر اس طرح سے کہنے پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہو تو لو۔فلا اقسم بالشفق میں ان تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو ہماری قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ اور تمہارے متبدل حالات کا کامل آئینہ ہے۔اول شفق کی۔شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد کی سرخی کو کہتے ہیں۔ذرات پر جو آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایک سرخ رنگ آسمان کے کناروں پر نمودار ہوتا ہے۔طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی اور چونکہ یہ رقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو شفق کہتے ہیں اور اسی لیے مہربان کو شفیق کہتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی طرف سے رقت ہوتی ہے یعنی نرمی۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر اس سرخی کے غائب ہونے تک رہتا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ اس سرخی کے بعد سفیدی بھی شفق ہے۔اس تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور جب یہ سفیدی جاتی رہے اور سیاہی اٹھ آوے تو عشاء کا وقت آجاتا ہے۔جمہور کے نزدیک اس سفیدی کے وقتِ عشاء کا وقت آجاتا ہے۔مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔اس شفق کے وقت ایک درمیانی حالت رہتی ہے نہ تو پورا پورا دن ہی رہتا ہے نہ پوری رات ہی آجاتی ہے۔اس شفق کی قسم کھانے میں انسان کو اس کے مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک کے زمانہ کو یاد دلاتا ہے۔ایک پوری تشبیہ میں تصویر کھینچ دیتا ہے۔کس لیے کہ جب انسان کا آفتاب روح غروب ہو جاتا ہے یعنی اس جسمِ عنصری کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت روح پر شفق کے وقت جیسی حالت طاری ہوتی ہے۔کسی قدر دن سا ہوتا ہے تو ایسا ہی روح پر کسی قدر ہنوز آثارِ زندگی باقی رہتے ہیں۔اپنے اقارب سے محبت' دنیاوی مالوفات کے ترک کا رنج۔اسی لیے تھوڑے دنوں تک مردہ خواب میں بکثرت آتا اور پتے پتے کی باتیں جو دنیا میں اس کے متعلق تھیں بتا جاتا ہے۔ایک بوڑھیا ماما کا انتقال ہو گیا بظاہر اس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ایک رات ایک عورت کی خواب میں آکر کہا کہ میرے اتنے روپے اتنے پیسے میرے اس بوسیدہ تکیہ میں سیے ہوئے ہیں کہ جس کو تم نے گندہ جان کر کوڑے کی جگہ پھینک رکھا ہے۔صبح کو کھولا تو اسی قدر روپے اور پیسے برآمد ہوئے۔یہ معاملہ اور اس قسم کے اور صدہا واقعات کاتب الحروف کے سامنے کے ہیں اور اسی لیے مردہ اس وقت اپنے تئیں زندہ سمجھتا اور کوئی کہتا ہے دعوٰی[1] اصلی کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ نماز پڑھ لوں اور اپنے اس حال کی اپنے لوگوں کو خبر کر آؤں۔ارجع الیٰ اھلی فاخبرھم[2] اور اسی لیے احیاء کی طرف سے صدقات ودعا کا زیادہ منتظر رہا کرتا ہے۔اس وقت رات کے آثار بھی نمودار ہوتے ہیں تو ایسا ہی میت پر بھی دوسری حالت طاری ہوتی ہے کہ اس کے نیک وبد اعمال کے آثار اس پر وہاں منکشف ہوتے ہیں اور جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے۔اتنا ہی دنیا سے تعلقات کا انقطاع ہوتا جاتا ہے۔یہاں تک کہ استغراقِ عظیم وہاں کی ان کیفیات کے مشاہدہ میں اس پر طاری ہوتا ہے جو اس کے نیک یا بد اعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کے قوائے مدرکہ ومتصرفہ اس جہان سے بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کے اور دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات جیسا حائل ہوتا جاتا ہے۔اس لیے اس کے بعد رات کی قسم کھاتا ہے۔والیل وما وسق اور قسم ہے رات اور اس چیز کی کہ جس کو رات سمیٹے یعنی جمع کرے۔دن کو لوگ اور حیوانات پھرا کرتے ہیں۔رات میں اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں۔گویا رات دن کے بچھڑے ہوؤں کو جمع کر لیتی ہے۔اس لیے اس کا نام

[1] رواہ ابن ماجہ۔۱۲ منہ

[2] رواہ ترمذی۔۱۲ منہ

عشاق کے نزدیک جامع المتفرقین ہے اور ما کو مصدریہ بھی کہہ سکتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ رات کے سمیٹنے کی قسم کہ بے اختیار سب سمٹے چلے آتے ہیں۔اشیاء بھی' آفتاب کا نور بھی سمٹ جاتا ہے۔یہ دوسری قسم تھی جس میں رات کی اور رات میں سمٹنے والوں کی قسم تھی۔ان کا سمیٹنا بھی ایک شان ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے کو اور موت کو یاد دلاتی ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ جب رات کو سوتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جو سونے کا قصد کیا کرتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر یہ کہا کرتے تھے اللھم باسمک اموت واحی کہ الٰہی تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور کہ سب تعریف اس اللہ کو ہے کہ جس نے ہم کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس کے پاس جا کر جمع ہونا ہے اور صحیحین میں اس دعا کا پڑھنا بوقتِ خواب ثابت ہوا ہے۔اللھم اسلمت نفسی الیک ووجہت وجہی الیک والجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لا ملجاء ولا منجا منک الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت وبنبیک الذی ارسلت۔بہرحال خواب وبیداری میں خصوصاً رات کے وقت منازل پر جمع ہونے اور سونے میں جس کو رات کے سمیٹنے سے تعبیر کیا اس کی قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تو دنیا آباد تھی اب ہے کہ سناٹا ہے' موت کا نمونہ طاری ہے۔اسی لیے ایسے انقلابات پر اہل اللہ اس کی تسبیح وتہلیل اور یاد کرتے ہیں جو روح کے منور کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔اس کے بعد یعنی اس رات کے بعد پھر چاند روشن ہوگا وہ کیا قیامت برپا ہو کر ابدان کو ایک نئی زندگانی عطا ہوگی۔اس لیے اس تیسری قسم میں یہ تیسری حالت مذکور ہوتی ہے فقال والقمر اذا اتسق کہ قسم ہے چاند کی جبکہ اس کی روشنی پوری ہو جاوے تیرہویں چودھویں پندرہویں رات کا چاند۔اس وقت حجاب دور ہو جائیں گے۔ہر ایک پر حقائق منکشف ہو جاویں گے نیکی بدی کا راز کھل جاوے گا۔ان تینوں حالات کی قسم کھا کر فرماتا ہے لترکبن طبقا عن طبق کہ ضرور اے بنی آدم! تم کو ایک سیڑھی پر دوسری سیڑھی کے بعد چڑھنا ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی۔پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اس پر چڑھ چکے تو دوسری منزل پر چڑھے کہ پیدا ہوئے باہر آئے۔اب لڑکپن کی منزل پر چڑھے اس کو طے کر کے جوانی کی منزل پر چڑھے اس کے بعد بڑھاپے کی سیڑھی طے کی۔اس کے بعد موت کی اور عالمِ برزخ میں رہنے کی اس کے بعد حشر کی پھر حشر سے جنت کی یا دوزخ کی۔تغیراتِ عالم خصوصاً انسان کا تغیر وتبدل بآواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ انسان کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار یہ مسافر کہیں جا رہا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا اور چونکہ ان حالات کا طے کرنا قطعِ مراحل وطے منازل سے مشابہ تھا اس لیے لفظ رکوب کو جس کے معنی سوار ہونا ہے استعمال کیا۔اور چونکہ یہ حرکت صعودی ہے کہ اس خاکدانِ پست سے عالمِ بالا کی بلندی پر جانا ہے اس لیے ان حالات ومقامات کو طبقا عن طبق سے تعبیر فرمایا کس لیے کہ طبقا عن طبق تہ پر تہ کو کہتے ہیں جیسا کہ آسمان کے سات طبق اور بلند مکانات کے طبقات یعنی درجات عرف میں مستعمل ہیں اور یہ آیات گویا پہلی آیت یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ کی تفصیل وتشریح ہے۔

فائدہ۔طبق اس کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مطابق ہو کہتے ہیں ماھذا یطبق کذا ای لا یطابقہ ومنہ قیل الغطاء الطبق ثم قیل للحال المطابقۃ بغیر ھا طبق ومنہ قولہ تعالیٰ طبقا عن طبق ای حالاً بعد حال کل واحدۃ مطابقۃ لاختھا فی الشدۃ والھول ویجوز ان یکون جمع طبقۃ وھی المرتبۃ من قولھم ھو علی طبقات (کبیر)

لترکبن کی مختلف قراُتوں کی وجہ سے معنی بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں صیغہ جمع مذکر حاضر کی صورت میں ایک تو یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو! تم قیامت کا انکار کیا کرتے ہو۔ہم ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کہ جو علویات میں تغیر وتبدل پیدا کرنے کے سبب ہماری قدرت وجبروت پر دلیلِ بین ہے۔یہ کہتے ہیں کہ وہ دن ہو کر ہی رہے گا اور اس روز شدائد و

احوال پیش آویں گے اور ایک مصیبت کے بعد دوسری کا سامنا ہوگا۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے لوگوں کا اس روز حال متبدل ہو جاوے گا بہت سے امیر فقیر ہو جاویں گے اور ذلیل عزیز ہو جاویں گے ۔

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

خافضة رافعة چوتھے یہ کہ تم پہلوں کے طریقہ کو اختیار کرو گے شبر! بشبر یہ معنی یہاں مناسبت نہیں رکھتے اور جس نے لترکبن کو واحد مذکر حاضر کا صیغہ پڑھا ہے۔ تب آیت کے معنی بلحاظ مخاطب کے بھی متعدد ہوں گے۔ اگر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کے لیے ایک بشارت ہے اعدا پر فتح وظفر پانے کی کہ اے محمد (ﷺ) تو ایک حال پر مسلط ہو کر دوسرے حال پر مسلط ہوگا۔ ایک فتح وظفر کے بعد دوسری پر متمکن ہوگا۔ یہ کفار جو آج تیری تکذیب کرتے ہیں نادم ہوں گے (۲) یہ کہ تجھ کو رفعتِ مرتبت نصیب ہوگی۔ رفعتِ ظاہری معراج میں اور باطنی ترقی مراتب قرب ووصال میں ہر روز اور ہر آن آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ قرب کے بعد دوسرے کو طے کرتے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے وللآخرة خير لك من الاولى کہ پچھلی ساعت تیرے لیے ترقیِ قرب کے لحاظ سے اول ساعت سے بہتر ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

چونکہ بہت تغیراتِ عالم اور خاص انسان کے تبدلات برہان ہیں اس بات پر کہ ضرور انسان کو کسی اور جگہ جانا اور اپنے کئے کا بدلہ پانا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ذرا غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے فما لهم لايؤمنون کہ انہیں کیا ہو گیا جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے لیے کوئی سامان نہیں کرتے۔ مصیبت سر پر آنے والی ہے۔ اس سے کس قدر غافل ہو کر دنیاوی مشاغل میں غرق ہیں۔

عاقل کو ذرا ذرا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر سے غافل نہیں رہتا اور اس دارِ آخرت کے لیے ہادی ہے تو صرف قرآن ہے اور ان کا قرآن سے یہ حال ہے واذا قرئ عليهم القرآن لايسجدون کہ جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے آپ پڑھنا اور غور وتدبر کرنا تو کجا اس کے آگے نہیں جھکتے یعنی اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ قہقہے اڑاتے ہیں یا یوں کہو کہ اسے سن کر نازل کرنے والے کے آگے اس شکریہ میں کہ اس نے ہمارے لیے ایسی کتاب نازل کی جو ہماری مشکلاتِ دنیاء وآخرت کی رہبر ہے سجدہ نہیں کرتے اور حق سبحانہ کی عبادت جو آخرت کا سرمایہ اور قرآن کی تعلیم کا اعلیٰ تر مقصود ہے ادا نہیں کرتے۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کس لیے کہ یہاں سجدہ نہ کرنے والوں کی برائی مذکور ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے سجدہ کرنے کا ثبوت ہم شروع میں کر چکے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ سجدہ کرنا تو کجا بل الذين كفروا يكذبون بلکہ منکر تو جھٹلاتے ہیں اور گو بعض زبان سے نہیں جھٹلاتے لیکن دل میں قائل نہیں والله اعلم بما يوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ہے۔ اس کی حبِّ شہوات ولذات اور انکارِ آخرت کے متعلق ان کے دلوں میں جو گندگی بھری پڑی ہے اور زبان سے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کو خدا خوب جانتا ہے۔

فائدہ: اس میں ان ریاکاروں کی طرف تعریض ہے کہ زبان سے دعوائے اسلام ومحبتِ خدا ورسول اور دل میں حبِّ شہوات ولذات جب ان بدنصیبوں کی یہ حالت ہے تو اے نبی کریم فبشرهم بعذاب اليم ان کو مژدہ سنا دے سخت عذاب کا۔ بشارت کا لفظ علی سبیل تہکم واستہزاء استعمال کرنا عین بلاغت ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بت پرستی اور بے ہودگی پر نتائجِ نیک کے امیدوار تھے۔ کوئی شخص اس جہان میں فلاح نہیں پا سکتا۔ الا الذين آمنوا وعملوا الصلحت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے لهم اجران کے لیے اجر ہے۔ ان کے ایمان اور نیک کاموں کا نیک بدلہ ہے اور بدلہ بھی کیسا غير ممنون بے انتہا اگرچہ ایمان وعمل محدود تھا

کیونکہ عمر کا زمانہ بھی محدود ہے۔ وہ کریم ورحیم اپنے فضل وکرم سے ابدالآباد تک کا بدلہ دیتا رہے گا جو غیر محدود ہے۔

(الٰہی ہمارا خاتمہ بالخیر کر۔ آمین)

(سورہ بروج مکیہ ہے اس میں بائیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝١ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝٢ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝٣ قُتِلَ
اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝٤ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝٥ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝٦ وَّهُمْ عَلٰى
مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝٧ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ ۝٨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ۝٩

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور جس پاس حاضر ہوں اس کی غارت ہوں آگ کے ایندھن بھرے ہوئے خندقوں والے جبکہ وہ ان کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ایمانداروں سے جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے۔ اس پر کہ جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے۔

ترکیب: والسماء الواو للقسم۔ ذات البروج صفة السماء والیوم موصوف الموعود وصفة المجموع معطوف علی السماء وکذا شاهد ومشهود وجواب القسم محذوف ای لتبعثن ونحوه وقیل جوابه ﴿ان﴾ اصحاب الاخدود الخ وقیل جوابه ان بطش ربك لشديد الاخدود جمع خد وهو الشق العظيم المستطيل فی الارض کالخندق ومنه الخد لمجاری الدموع النار قرء الجمهور بالجر علی انها بدل اشتمال من الاخدود لان الاخدود مشتمل علیها وقیل التقدیر ذی النار وقرء بالرفع علی انها خبر مبتدء محذوف ای هی النار ذات الوقود صفة النار بانها نار عظيمة والوقود عند الجمهور بفتح الواو وقرئ بضمها وهو الحطب اذهم ظرف لقتل ای لعنوا حين احرقوا بالنار قاعدين علی جوانبها الذی الخ لغت لله۔

تفسیر: یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بائیس آیات ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں والسماء ذات البروج والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ اخرجہ احمد۔ رات میں ستاروں کی کیفیت اس سورۃ کے معانی کو اور بھی ذہن نشین کر دیتی ہے۔

مناسبت اس کی پہلی سورہ سے الفاظ ومعانی میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں آسمانوں کا پھٹنا مذکور ابتداء میں تھا تو یہاں اس کے بروج کی صفت مذکور ہوئی تا کہ محلِ تجزیہ وتقسیم وانشقاق کا اظہار ہو اور مضامین میں بھی اور مقطع میں بھی مناسبتِ تامہ ہے۔

سببِ نزول اس سورہ کا یہ ہے کہ مکہ میں جبکہ آفتابِ نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے شروع ہوئے تو قریشِ مکہ کو ناگوار گزرا کیونکہ ان کے مالوف ومرغوب دستور کے خلاف تھا۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو تو ستانا شروع ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غرباء مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کر دی تھی۔ مار پیٹ، گالی گلوچ سے گزر کر دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر کوڑے برسانا اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا، عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا، اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی۔ غرباءِ مسلمین آنحضرت ﷺ سے آ کر شکوہ کرتے آپ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ ان کا یہ زور ڈھے جاوے گا۔ یہ تمہارے آگے ذلیل و

مقہور ہوں گے۔ یہ سن کر کفارِ قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے اور متکبروں کو متنبہ کرنے کے لیے یہ سورہ نازل ہوئی۔

خدا کی پکڑ کا بیان! اور اس کے ابتداء ہی میں وہ کلمات ارشاد فرمائے جو خدا کے جبروت اور دنیا کا اس کے آگے مسخر ہونا اور دنیا میں انقلاب برپا ہونے کو بتا رہے ہیں۔ فقال والسماء ذات البروج کہ ہم کو قسم ہے آسمان برجوں والے کی والیوم الموعود اور اس دن کی کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وشاھد و مشھود اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ اس کی بھی قسم ہے۔ ان تین چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ان بطش ربك لشدید کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ جس قوم اور جس شخص کو پکڑتے ہیں تو پہلے اس کی عقل مار دیتے ہیں۔ اقبال لے لیتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں ہیبت وعزت باقی نہیں رہتی۔ شہوت پرستی اور جفا کاری پیشہ ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور اس پر بدمزاجی اور غرور ونخوت اور جملہ بداخلاقی گھر کر لیتی ہے۔ خداترسی اور راستبازی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دشمنوں کا غلبہ اور افلاس کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ بے وقت موت واعداء سے شکست مقاصد میں ناکامی پیش آنے لگتی ہے۔ آخر کوئی ایسا زبردست ان پر مسلط ہوتا ہے کہ کام ہی تمام کر دیتا ہے اور کبھی دفعۃً کوئی آسمانی بلا بھیج کر غارت کر دیتے ہیں۔ زلزلہ اور ژالہ باری اور ہوا اور پانی کا طوفان بجلی اور وباء بھی اس کے آلات تیار رہتے ہیں یہاں تک تو دنیا کی پکڑ تھی پھر آخرت میں تو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک اور حشر سے ابدالآباد تک جہنم اور دہکتی آگ اور طوفان اور طوق وزنجیر تیار ہے۔ معاذ اللہ من بطشہ۔ اس اجمالِ بیان میں جس طرح کفار کو تنبیہ ہے اسی طرح مسلمان کو تسلی بھی ہے کہ وہ ہماری قدرت وقبضہ سے باہر نہیں مگر ان تینوں چیزوں میں کہ جن کی قسم کھائی ایک کو دوسرے سے نہایت ارتباط ہے۔ اس لیے ہم ان تینوں چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اوّل: اول برجوں والے آسمان سے کیا مراد ہے؟ اور پھر اس صفت کے ذکر کرنے سے کیا متصد ہے۔ جو آسمان کے وجود بلکہ جسم کے قائل ہیں اور یہ قدیم خیال ہے اور صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمان پر آفتاب کی گردش سے ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے جس کو دائرۃ البروج کہتے ہیں جس کو آفتاب حرکتِ ذاتی سے برس بھر میں تمام کرتا ہے اور جب اس دائرہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو ہر ایک حصہ برج ہے جیسا کہ خربزے کی پھانکیں اور ہر ایک پھانک کو برج کہا جاوے۔

یا یوں کہو کہ آفتاب کی حرکت سے اکثر آباد اور معتدل بلاد میں چار فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ربیع وصیف، خریف وشتا یعنی بہار، گرمی، خزاں، جاڑا۔ اصل دو فصلیں ہیں۔ جاڑا اور گرمی مگر جاڑے کے بعد جب گرمی آتی ہے تو دفعۃً نہیں آتی بلکہ ایک زمانہ بیچ میں حائل ہوتا ہے اور اس کو ربیع کہتے ہیں اور اسی طرح گرمی کے بعد سردی بھی دفعۃً نہیں آتی بلکہ درمیان میں ایک زمانہ دونوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس کو خریف کہتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان میں برسات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ چار فصلیں ہوئیں اور ہر ایک فصل کی تین حالت ہیں۔ ابتداء انتہا، اوسط۔ آفتاب کی حرکت جس سے یہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں جمہور کے نزدیک آسمان پر ہے اس لیے آسمان کے باعتبار ہر ایک فصل کے چار حصے کئے اور ہر ایک حصہ کے تین تین ہر حصہ کا نام برج اور جن کے نزدیک آسمان کا وجود نہیں وہ اس بُعد اور فضائے نیلگوں ہی کو آسمان کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس آسمان کے بارہ حصے اسی لحاظ سے ہوں گے۔ **بارہ برجوں کی کیفیت:** یا یوں [1] کہو کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں۔ آسمان کے ہر ایک حصہ کو ان اشکال کے لحاظ سے نامزد کیا۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ۔ ان چھ برجوں میں جب آفتاب آتا ہے تو گرمی ہوتی ہے۔ حمل سے لے کر سرطان تک بڑھاؤ ہوتا

[1] یعنی دراصل آسمان پر برج وگنبد کچھ نہیں بلکہ اہلِ ہیئت ونجوم نے ستاروں کی رفتار ومقام سمجھنے کے لیے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لیے ہیں اور پھر ستاروں کے اجتماع سے جیسی شکل پیدا ہوگئی ہے۔ اس کو اسی کے نام سے نامزد کر دیا ہے کہیں بیل کی شکل نمودار ہے تو اس حصہ کو برج ثور کہتے ہیں (علیٰ ہذا القیاس)۔ ۱۲ منہ

ہے اور دن بھی بڑھا کرتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ جس طرح حمل میں رات دن برابر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میزان میں بھی۔ اس کے بعد سردی شروع ہوتی ہے اور اس کے برج یہ ہیں۔ میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت

(حمل [1] مینڈھے کا بچہ) چونکہ تیس ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہوگئی ہے جس کا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دم ہے۔ ثور، بیل، بتیس ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہوگئی ہے جس کا سر بجانب مشرق اور دم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں جن کو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کی طرح ہے۔ جوزا دو آدمی ملے ہوئے اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ گویا دو آدمی جڑے ہوئے ہیں۔ سرطان کیکڑہ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔ اسد شیر ستائیس ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سنبلہ خوشہ یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے جس کا سر اسد کی دم کی طرف اور پاؤں میزان کی طرف اور اس کے اس ہاتھ کے پاس کہ جس میں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جس کو سماک اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس ستاروں سے بنی ہے۔ میزان، ترازو یہ آٹھ ستاروں سے بنی ہے۔ عقرب بچھو یہ شکل اکیس ستاروں سے بنی ہے۔ قوس کمان یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جس میں تیر لگا ہوا ہے۔ یہ اکتیس ستاروں سے مرکب ہے۔ جدی بزغالہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ اٹھائیس ستاروں سے مرکب ہے۔ سعد ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ دلو ڈول ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے۔ بیالیس ستاروں سے مرکب ہے حوت مچھلی یہ مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دم کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

فائدہ۔ نزولِ قرآن مجید سے پہلے عرب بھی آسمان میں اسی قسم کے برجوں کے قائل تھے۔ اشعارِ جاہلیت سے اس کا پتا ملتا ہے۔ قرآن مجید میں آسمان کو اس صفت سے ذکر کر کے قسم کھانا اس طرف اشارہ ہے۔ انقلابِ عالم ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم موسموں کو بدلتے ہیں۔ کفارِ قریش اس چند روزہ جاہ وحشم پر نازاں نہ ہوں مقلب الاحوال ہم ہیں اور اس میں ایمانداروں کو تسلی بھی ہے کہ چند روزہ مصیبت پر صبر کریں سدا ایک سے دن نہیں رہا کرتے۔

بروج کے معنی! بروج کے معنی اور بھی علماء نے بیان کئے ہیں: (۱) یہ کہ بروج سے مراد منازلِ قمر ہیں۔ (۲) یہ کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں کیونکہ بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں اور جو ستارے ظاہر اور روشن ہوں اس لیے ان کو بروج کہتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وضحاک وحسن وقتادہ وسدی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی اور یہ معنی مذاقِ عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہیں۔ منہال بن عمرو کہتے ہیں اس کے معنی ہیں عمدہ پیدائش۔

دوسری بات! دوسری بات والیوم الموعود کہ قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ الیوم الموعود سے مراد قیامت کا دن ہے جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزاء وجزا کے لیے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا میں فتح وظفر آخرت میں بہشت، وہاں کے نعیم کے وعدے کئے ہیں اور ان کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے۔ اس کی قسم کھاتا ہے جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنی کا افادہ کرتا ہے۔

حضرات اہلِ دل یوم موعود وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جاویں گے اور صاف صاف اپنے معبود ومحبوب حقیقی کا دیدار دیکھیں گے۔ اس دیدار کا ان سے وعدہ ہے اسی یوم موعود کے سہارے تو ان کی زندگی ہے۔

[1] حمل بفتحتین برہ حملان بالضم جمعہ۔ ۱۲ منہ ص

وعدے یہ ترے وصل کے اور ہجر کے صدمے
مرنے نہیں دیتے مجھے جینے نہیں دیتے

ہر شخص کے لیے ہر قوم کے لیے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اس کی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے۔ پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے۔ اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح دنیا کے تکالیف اور رنج وغم بھی سدا نہیں رہتے۔ ان کے لیے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے۔ اس لفظ میں جس طرح غمگین ایمانداروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعیم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار کس بات پر ناز ہے اس کے زوال کا دن بھی موعود ہے۔

تیسری چیز ! تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاھد ومشھود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا۔ لغت میں شاہد کے معنی سامنے ہونے والے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں اس لیے ان کے معنی میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد واطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دراصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے۔ اس لیے ان کو نکرہ لایا گیا برخلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لیے اس کو معرفہ باللام لایا گیا والیوم الموعود فرمایا اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کو ترمذی وعبد بن حمید وابن جریر وبیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا اور شاہد جمعہ کا جو سب دنوں سے افضل ہے اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے اور بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکر الٰہی اور دین کے لیے ہو مشہود اور جماعت کو شاہد بتایا ہے جس میں عیدین و جمعہ وعرفہ بھی شامل ہے اور بعض نے شاہد ومشہود میں صرف گواہی کے معنی کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاہد سے مراد حق سبحانہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے وکفی باللہ شہیدا اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آنحضرت ﷺ بھی شاہد ہیں کیونکہ قیامت کو وہ گواہی دیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور ان کے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وجاء ت کل نفس معھا سائق وشھید اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم اور رات دن بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی انسان کے نیک و بد کاموں کی گواہی دیں گے اور نیز آسمان وزمین بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی گواہی دیں گے اور نیز جمیع ممکنات بھی شاہد ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔ ففی کل شیء لہ شاہد۔ تدل علی انہ واحد۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق اور مقام استجلاء میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔

ایک اور توجیہ بھی اس مقام پر چسپاں ہے اور وہ یہ کہ شاہد بمعنی حاضر ہونے والے اور آنے والے کے لیے جاویں تو شاہد سے مراد فرشتے بھی ہوسکتے ہیں جو شام وصبح نامۂ اعمال لکھ کر لے جاتے ہیں اور نامۂ اعمال لکھنے آتے ہیں خصوصاً صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت جیسا کہ خود قرآن میں وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا اور ممکن ہے کہ آنے والے دن کو جو مسلمانوں کی دنیاوی فتح ونصرت اور اعدائے دین پر غلبہ پانے کا دن ہے' شاہد سے تعبیر کیا ہو اور اس کے ساتھ وہ برکات وفتوحات بھی مراد ہوں جو آنے والے تھے اور مشہود صحابہ اور ان کے پیروکار جن کے پاس یہ برکات وفتوحات آئے۔ اس تقدیر پر الیوم الموعود سے وہ دن مراد ہوسکتا ہے کہ جس کا وعدہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے

آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے جبکہ صحابہ مکہ میں کفار کی ناقابلِ برداشت ایذاؤں کی شکایت کرتے تھے۔ گویا الیوم الموعود وہ فتح ونصرت کا دن ہے اور شاہد اس دن کے برکات وفتوحات اور مشہود سچے دیندار یہ توجیہ سورت کے شانِ نزول سے زیادہ ترچسپاں ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

الغرض ان تینوں چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جس کو جوابِ قسم کہتے ہیں محذوف ہے۔ اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوقِ سلیم وطرزِ کلام سے خوب سمجھے تھے۔ پھر کسی نے کہا وہ ایمانداروں کا دنیاء وآخرت میں کامیاب ہونا اور منکروں کا برباد ہونا کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا بہرطور مدعا ایک ہی ہے اور یہ ٹھیک ہے کس لیے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس کو مخاطب و متکلم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفاء میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورہ میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربك لشديد الخ ہے اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحاب الاخدود النار ہے۔ چونکہ کلامِ الٰہی سب معانی پر حاوی ہے ہر احتمال درست ہے فقال قتل اصحاب الاخدود النار غابت ہوئے (یا غارت ہوجاویں) دہکتی آگ سے خندقوں کے بھرنے والے۔ ذات الوقود اور آگ بھی کیسی تھی ایندھن والی یعنی بہت تیز لمبے چوڑے گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر دی تھیں اور آگ لگا دی تھی۔ جب شعلہ مارنے لگی تو ایمانداروں کو اگر وہ ایمان سے باز نہیں آتے تھے تو اس دہکتی آگ میں پکڑ پکڑ کر ڈالتے تھے۔ اذھم علیھا قعود اور خود ان خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وھم علی ما یفعلون بالمؤمنین شھود جو کچھ ایمانداروں سے کر رہے تھے' اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کے تڑپنے اور جلنے پر خوب ٹھٹھے لگاتے تھے (اس تقدیر پر شہود بمعنی شاہد یہ ظالم اور مشہود وہ مظلوم ہیں) اور ایمانداروں کو یہ سزا کسی چوری' ڈکیتی' خون وغیرہ جرائم کے سبب سے نہ تھی بلکہ وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید صرف اسی لیے اور اسی جرم میں یہ سزا دی جاتی تھی اور ان سے بدلہ لیا جا رہا تھا کہ وہ اللہ' زبردست' ستودہ صفات پر ایمان لائے تھے یعنی ایمان لانا جرم قرار دیا گیا تھا۔

بلوحِ تربت من یافتم از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

اور ایمان بھی کس پر اللہ پر جو تمام مخلوق کا خالق ومالک ہے اور اس پر زبردست بھی ہے۔ متکبروں اور گردن کشوں کو چاہے تو دم بھر میں خاک میں ملا دے۔ اس بات کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور وہ حمید بھی ہے تمام خوبیاں اس میں ہیں۔ از انجملہ عدل وانصاف رحم بھی ہے سو اس بات کا بھی خیال نہ کیا اور وہ ایسے ظلم وستم پسند نہیں کرتا اور یہ بھی نہیں کہ اس کے بندوں پر یہ ظلم ہو۔ اس کو خبر نہ ہو بلکہ واللہ علی کل شیء شھید کہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

اصحاب الاخدود کی تحقیق ! اب دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ وہ اصحاب الاخدود کہ جنہوں نے آگ کی کھائیاں کھودی تھیں ایمانداروں کو بجرمِ ایمان آگ میں ڈالا تھا' کون لوگ تھے کس ملک میں اور کس زمانہ میں تھے اور ان کا کیا مذہب تھا؟

مقاتل نے کہا کہ یہ واقعہ تین جگہ ہوا ہے۔ ایک نجران میں جو ملکِ یمن میں واقع ہے اور ایک بار شام میں اور ایک بار فارس میں۔ یمن میں ذونواس نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھر دی تھیں۔ ان میں ایمانداروں کو ایمان کے جرم میں ڈالتا تھا۔ شام میں ابطاموس رومی نے ایسا ہی کیا تھا۔ فارس میں بخت نصر نے جس کے عہد میں دانیال علیہ السلام تھے۔ ابن المنذر وابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ میں بھی ایک بار یہ واقعہ گزرا ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں گزرا ہے جبکہ ان

میں بت پرستی کا رواج ہوا اور انہوں نے خدا پرستوں کو ایمان سے روکنا چاہا تو خندقیں کھدوا دیں اور ان میں آگ جلا دی اور بت کو کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو اس کو سجدہ نہ کرے اس کو آگ میں ڈال دیا جاوے۔ مگر ان آیات میں ان میں سے کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ بامعانِ نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذونواس نے جو یمن میں کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اس واقعہ کو عرب جانتے تھے اور اس کے دیکھنے والے بعض اشخاص آنحضرت ﷺ کے عہد تک باقی تھے اور قریش کو اس واقعہ سے عبرت دلائی گئی کہ وہ بھی اصحاب الاخدود کی طرح غریب ایمانداروں پر ظلم وستم ڈھاتے تھے۔

مسلم نے اپنی صحیح کے اخیر میں اور اسی طرح نسائی نے اور امام احمد نے اور ترمذی نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان نقول میں باہم کسی قدر الفاظ ومطالب میں کمی زیادتی ہے مگر ترمذی نے جو نقل کیا ہے ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن [1] تھا۔ اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میری عمر اخیر ہوئی۔ آپ کسی ذہین وفطین لڑکے کو میرے حوالے فرمائیے کہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا جاؤں تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور رستہ میں ایک راہب [2] اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا معمر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے) لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا۔ راہب نے اس کو دینِ حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا۔ کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اس کے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے۔ میرے پاس کم آتا ہے۔ گھر والوں نے ادھر کاہن نے اس بات پر اس کو مار پیٹ شروع کی۔ ایک روز رستہ رکا ہوا تھا۔ کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا' بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ رکے کھڑے تھے۔ تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الٰہی اگر راہب [3] کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مر جائے۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مر گیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی۔ یہ شہرہ سن کر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کر دے تو میں تجھے یہ کچھ دوں۔ وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا۔ لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اس پر ایمان لا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ لڑکے نے دعا کی تو اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی جو بت پرست تھا اس نے ان سب کو بلایا اور اس اندھے اور راہب کو آرے سے چروا دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو۔ جب شاہی لوگ اس کو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مر گئے اور لڑکا بچ رہا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جا کر غرق کر دو' وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا۔ تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا' آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے' مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھا دو اور یہ کہہ کر کہ باسم رب ھذا الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ لڑکا مر گیا۔ اس کی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اس نے ان پر ہاتھ دھر لیا۔ بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہو گئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھودو اور ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اس کو آگ میں ڈالتے جاؤ۔ تب شاہی کارندوں نے ایمانداروں کو آگ

---

[1] کاہن جادوگر [2] راہب خدا پرست [3] راہب سے مراد قمبون ہے اور بادشاہ سے مراد ذونواس ہوسکتا ہے یا نجران کا حاکم۔ مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فروگذاشت ہوگئی کس لیے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا۔ اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے جو ذونواس ہے۔ ۱۲ منہ

میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ قتل اصحاب الاخدود النار یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے العزیز الحمید تک آیت پڑھی۔ مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مؤرخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسی قدر مخالفت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا اور کھائیاں آگ کر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھیں اور اسی نے آگ جبکہ یہ دیکھا کہ اکثر اہل نجران عیسائی ہو گئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبداللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا۔

اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس ظالم نے قتل کیا تھا۔

ذونواس کا تذکرہ! اب ہم کسی قدر اس ذونواس کا حال بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ ملکِ یمن میں قوم حمیر کا اخیر بادشاہ اسعد تھا۔ اس کو تبع اخیر بھی کہتے ہیں۔ یہ بادشاہ نوشیرواں عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ اس نے تسخیر بلاد کا اپنے بزرگوں کے طور پر قصد کیا۔ حجاز اور بالخصوص مکہ سے سفر کرتا ہوا مدینہ پہنچا۔ مدینہ کے آس پاس قوم یہود کی چند بستیاں آباد تھیں۔ یہ لوگ بخت نصر کے حادثہ سے یا اس کے بعد دیگر حوادث سے اس ملک میں آ رہے تھے۔ فدک' خیبر' قریظہ' نضیر' وادی القریٰ' ینبوع وغیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں صرف یہی لوگ توریت اور دینِ موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے ورنہ سب عرب بت پرست تھے۔ مدینہ کا گرد ونواح اس بادشاہ کو بہت پسند آیا۔ مدینہ کا سردار ان دنوں عمرو بن طیاں بنی خزرج میں سے تھا۔ یہ بادشاہ جس کے پاس بے شمار لشکر تھا۔ مدینہ پر غالب آیا اور عمرو کی جگہ اپنے بیٹے کو سردار کر کے شام کی طرف کوچ کر گیا۔ جب دور چلا گیا تو بعد میں اہل مدینہ نے اس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ اس نے اس خبر کو سن کر ارادہ کیا کہ واپسی میں اس شہر کے مرد وزن کو تہ تیغ کروں گا۔ چنانچہ جب یہ لوٹتا ہوا آیا تو مدینہ کا محاصرہ کیا۔ بہت دنوں محاصرہ رہا مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ اس عرصہ میں بنی قریظہ کے دو تین عالم یہودی اس کے پاس آئے جن میں سے ایک کا نام کعب اور ایک کا اسید تھا۔ انہوں نے کہا' اے بادشاہ! آپ اس شہر کو برباد نہ کر سکیں گے لوٹ جائیے۔ اس نے پوچھا کس لیے عرض کیا کہ اس شہر کو خدا نے اپنے ایک اخیر نبی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو قریشِ مکہ میں پیدا ہوگا اور جب مکہ کے لوگ اس پر ظلم کریں گے تو اس شہر میں آ کر رہے گا۔ یہیں اس کی قبر ہوگی۔ یہ خبر ہماری توریت میں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟ انہوں نے آگاہ کیا اور دینِ موسوی کے فضائل بیان کئے۔ تب یہ بت پرست بادشاہ مذہبِ یہودی میں داخل ہو گیا اور ان دونوں عالموں کو یمن میں ہمراہ لے گیا اور وہاں اس مذہب کو رواج دیا۔ پھر یہ بادشاہ مر گیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے۔ حسان' عمرو' زرعہ۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ اس لیے بنی لخم میں سے ایک شخص ربیعہ بن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت کا مالک ہو گیا، اسی ربیعہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کے لیے سطیح اور دشق دو کاہنوں کو بلایا۔ انہوں نے از خود بادشاہ کا خواب بیان کر دیا کہ آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ایک سیاہی جہاں میں پھیل گئی اور اس سیاہی میں سے ایک کوئلہ نکل کر زمین پر گرا اور آگ ہو گیا اور لوگوں کو جلا دیا۔ بادشاہ نے کہا تو نے درست کہا' اب اس کی تعبیر کیا ہے؟ اس نے کہا ملکِ حبش سے ایک بادشاہ اٹھے گا اور تیرا ملک لے لے گا اور دین یہودی سے لوگوں کو برگشتہ کرے گا اور حبشیوں کا زور یمن پر ہو جاوے گا۔ بادشاہ نے پوچھا اے سطیح اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا ایک شخص اٹھے گا جس کا نام سیف بن ذی یزن ہوگا اور حبشیوں سے ملک چھین لے گا۔ پھر سیف مارا جائے گا اور عرب سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کا دین لوگ قبول کریں گے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس خواب کے اندیشہ سے ربیعہ نے اپنے لوگوں کو حیرہ میں بھیج دیا تھا جن میں سے منذر بن نعمان بھی تھا جو نوشیرواں کا تابع تھا اور اس کی سلطنت بصرہ کوفہ اور عراق اور کچھ شام اور نواحِ عرب میں تھی۔

ربیعہ چند سال سلطنت کر کے مر گیا۔ لوگوں نے پھر تبع کے بیٹے حسان کو بادشاہ بنایا۔ اس نے حجاز اور شام پر چڑھائی کی اور یمن میں اپنے بھائی عمرو کو چھوڑ گیا تھا۔ جب وہ موصل میں پہنچا تو لوگوں نے عمرو کو بادشاہ بنالیا اور اس نے اپنے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا جس کے بعد وہ دیوانہ ہو کر مر گیا۔ اس عرصہ میں ایک شخص جو خاندانِ سلطنت سے نہ تھا۔ کھڑا ہوا اور یمن کا بادشاہ بن بیٹھا اس کا نام خیف بن عالم تھا وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا۔ لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتا تھا جونہی دلہن ہوتی تھی پہلے ایک رات وہ رکھا کرتا تھا۔ زرعہ جو تبع کا چھوٹا بیٹا باقی رہ گیا تھا وہ نہایت حسین تھا اس کو بھی اس نے اس ارادہ سے بلایا۔ اس نے تنہا پا کر اس ناپاک کو مار ڈالا اور لوگوں نے مستحق تاج وتخت سمجھ کر زرعہ ہی کو یمن کا بادشاہ بنالیا۔

ادھر نجران میں شام سے ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ذریت میں آیا جس کا نام قیمون تھا اور نجران میں عرب کا قبیلہ بنی ثعلبہ تھا اور وہاں ایک کھجور کا پیڑ تھا جس کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی کرتے تھے۔ قیمون مرد باخدا تھا رات بھر عبادت کیا کرتا تھا اور دن کو مزدوری اور آج اس گاؤں میں ہے تو کل دوسرے میں اسی طرح قیام کیا کرتا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی کرامات دیکھیں تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور کہا اگر تو ہمارے بتوں پر غالب آ گیا تو ہم تیرا دین اختیار کر لیں گے۔ قیمون کی دعا سے ان کے بت گر پڑے۔ لوگوں نے دینِ عیسوی اختیار کر لیا اور قیمون وہاں انجیل کی تعلیم کرنے لگے۔ وہاں کے سردار تامر کا بیٹا عبداللہ بھی قیمون کا شاگردِ رشید اور بڑا بزرگ اٹھا۔ اب نجران کے لوگوں نے بجز عیسوی دین کے اور کسی مذہب کو باقی نہ چھوڑا جو ان کا دین قبول نہ کرتا تھا قتل کیا جاتا تھا۔ ایک یہودی نجران میں گیا اور جا کر اس نے یہ سب کیفیت ملاحظہ کی اور زرعہ کو خبر کی اور یہ زرعہ ذونواس بھی کہلاتا تھا۔ یہ سن کر ذونواس پچاس ہزار لشکر لے کر نجران پر چڑھ گیا اور عیسائیوں کا عبادت خانہ جلا دیا اور کھائیاں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی سے برگشتہ نہ ہو اس کو اس میں ڈال دو۔ اس لیے لوگوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا اور عبداللہ بن تامر کو بھی قتل کیا۔ یہ ہیں اصحاب الاخدود جن پر خدا تعالیٰ قرآن مجید میں لعنت کرتا ہے۔ لقولہ قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذھم علیھا قعود اور یہ ظلم وستم کر کے ذونواس یمن میں واپس آیا (بعض کہتے ہیں ذونواس زرعہ نہ تھا بلکہ اس کا سپہ سالار تھا) اس حادثہ کے بعد نجران کے لوگوں میں سے ایک شخص جلی ہوئی انجیل لے کر قیصر روم کے پاس جو وہ بھی عیسائی تھا فریاد ی گیا۔ قیصر یہ ماجرا سن کر سخت ناراض ہوا اور رویا اور کہا میرے لشکر کا پہنچنا مشکل ہے۔ میں حبش کے بادشاہ نجاشی کو لکھتا ہوں کہ وہ بھی عیسائی ہے اور یمن سے قریب ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ قیصر کے نامہ کے ساتھ یہ شخص حبش میں آیا وہاں کا بادشاہ یہ حال سن کر بہت رویا۔ تب شاہِ حبش نے ستر ہزار بہادر سپاہ تیار کی اور اس کا سپہ سالار رباطہ کو کیا۔ حبش اور یمن کے درمیان چھوٹا سا ٹکڑا سمندر کا ہے۔ یہ لشکر بحری جہازوں پر سوار ہو کر یمن میں حضرموت کے مقام پر اتر پڑا۔ ذونواس نے ایک حیلہ کیا کہ رباطہ کو نامہ لکھا کہ شاہِ نجاشی کو مجھ سے عداوت نہیں اس لیے میں بھی لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ کو میں خزانوں کی کنجیاں دیے دیتا ہوں۔ پھر آپ مجھے یا اپنے پاس رکھئے یا نجاشی کے پاس بھیج دیجئے۔ رباطہ نے کہا میں نجاشی کو مطلع کرتا ہوں جو وہ حکم دے گا آپ کو مطلع کروں گا۔ اس لیے نجاشی کو سب حال لکھا۔ نجاشی نے خوش ہو کر حکم دیا کہ خزانے اس سے لے لو اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس بات کی ذونواس کو خبر دی۔ ذونواس نے اونٹوں پر کنجیاں لاد کر رباطہ کے پاس بھیج دیں اور پھر شہر صنعا میں رباطہ کو لے آیا اور جو کچھ تھا اس کے حوالے کیا اور یہ بھی کہا کہ اور صوبجات میں بھی میرے خزانچی اور خزانے ہیں اور آپ جہاں جہاں ہیں کچھ ضبطِ اموال کے لیے لشکر روانہ کیجئے۔ رباطہ نے ایسا ہی کیا اور تمام لشکر ملک یمن میں منتشر کر دیا اور در پردہ لوگوں کو لکھ بھیجا کہ ہر جگہ ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشی لشکر جا بجا مارا گیا۔ رباطہ کو جب یہ خبر ملی تو صنعاء سے بھاگ کر حضرموت میں آیا اور کشتی میں آ بیٹھا اور نجاشی کو اس حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے ایک لاکھ پیادہ اور سوار کا دوسرا لشکر مرتب کیا اور ان کا افسر ابرہہ بن صباح کو کیا جو شاہی خاندان سے تھا اور اس کو عرب ابرہہ الاشرم بھی کہتے تھے اور اشرم نکٹے کو کہتے ہیں۔

جب ذونواس نے دیکھا کہ اب کے بار بڑا لشکر آیا اور کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی تو گھوڑے پر چڑھ کر سمندر میں گھس گیا۔ یہ گھوڑا تیرا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا اور سوار دونوں ڈوب گئے۔ ابرہہ نے آ کر تمام ملک اور صنعاء کی بیش بہا چیزوں پر قبضہ کر لیا اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی اختیار نہ کرے گا قتل کیا جاوے گا۔ چنانچہ جس نے ذرا بھی انکار کیا گردن ماردی گئی۔ نجاشی کو ابرہہ کے تحائف ونذرانہ فتوحات نہ بھیجنے سے گمان ہوا کہ خودسر ہو گیا۔ اس لیے چار ہزار لشکر دے کر رباطہ کو بھیجا کہ ابرہہ کو معزول کر کے میرے پاس بھیج اور تو میری طرف سے وہاں کا حاکم ہو کر رہ۔ جب رباطہ آیا اور ابرہہ سے کہا تو ابرہہ نے کہا اگر میں سب چیزیں تیرے سپرد نہ کروں تو تو کیا کرے گا۔ رباطہ نے کہا جنگ کروں گا۔ ابرہہ نے کہا آؤ تو لو میں اور تو ہی کیوں نہ لڑیں فوج کو کیوں تلف کریں۔ فوج سے نکل کر دونوں میدان میں آئے۔ ادھر ابرہہ نے اپنا ایک غلام چھپا رکھا تھا۔ رباطہ نے ابرہہ کے سر پر تلوار ماری چونکہ یہ لوہے کا خول پہنے ہوئے تھا سر تو نہ کٹا مگر ناک اڑ گئی۔ اس لیے اس کو اشرم کہنے لگے۔ ادھر غلام نے رباطہ پر یکایک حربہ کیا اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ باقی رباطہ کے لوگ کچھ مارے گئے کچھ بھاگتے دریا میں ڈوبے۔ کچھ کشتیوں میں سوار ہو کر نجاشی کے پاس آئے اور سب حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے قسم کھائی کہ میں جب تک ابرہہ کو قتل نہ کر لوں گا خاموش نہ رہوں گا۔ ابرہہ کو بھی خبر لگی اس نے ایک عرضی میں عذر لکھا اور کہا کہ رباطہ نے مجھ پر زیادتی تھی۔ میرے غلام نے اس کو مار ڈالا۔ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور عرضی کے ساتھ بہت کچھ تحائف بھی بھیجے۔ نجاشی نے عذر قبول کر کے ابرہہ کو ہی یمن کا حاکم رہنے دیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جو بہت سے ہاتھی لے کر کعبہ ڈھانے آیا اور اس کا لشکر اور یہ قہرِ الٰہی میں مبتلا ہوا جس کا ذکر سورہ الم تر کیف کی تفسیر میں آوے گا (ملخص از تاریخ طبری) اس تاریخ کے مطابق عبداللہ بن تامر کو ذونواس نے قتل کیا تھا اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت تک دینِ عیسوی کی پابندی فرض تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دین میں عیسائیوں نے صدہا بدعات ملا کر اس کی اصلی صورت بگاڑ دی تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾

بے شک جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستایا پھر اس سے باز نہ آئے تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ بے شک تیرے رب کی پکڑ بھی سخت ہے۔ وہ تو اول بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا' پیار کرنے والا' تخت والا' بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

ترکیب: فلھم الخ الجملۃ خبران ولھم الجملۃ الثانیۃ معطوفۃ علیھا الذین آمنوا الخ اسم ان لھم جنات الجملۃ خبرھا تجری الخ صفۃ جنات' المجید قرء الجمہور بالرفع علی انہ لغت لذو وقرئ بالکسر علی انہ لغت للعرش ومجدہ علوہ وعظمہ وقیل ھو نعت لربک وقال مکی ھو خبر بعد خبر۔ فعال مرفوع علی انہ خبر مبتدء محذوف وقال الفراء مرفوع علی التکریر والاستیناف وقیل مرفوع علی الاتباع۔

تفسیر ! کفارِ قریش کو اصحاب الاخدود کا حال کا رسنا کر کہ ان پر لعنت پڑی دنیا میں بھی برباد ہوئے۔ تخت بخت سب جاتا رہا۔ ذلت سے مرے آخرت میں بھی رسوا ہوئے اپنا دائمی قانون سناتا ہے۔ فقال ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات کہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا عام ہے کہ مار پیٹ کی یا قتل کیا یا قید میں رکھا یا اور کسی قسم کی تکلیف دی یا ان کے لیے گمراہی میں اور لہو ولعب میں پڑنے کے سامان پیدا کئے۔ ناچ تماشا اور رقص وسرود کی محفل کر کے مسلمان مرد اور عورتوں کو شریک کرنا بھی ان کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ ثم لم یتوبوا اور پھر اس سے وہ باز نہ آئے کیونکہ اگر باز آجاتے اور توبہ کرتے تو گو حقوق العباد کا مطالبہ باقی رہتا مگر خدائی مقابلہ کے جرم میں عذاب عظیم نہ پاتے۔ فلھم عذاب جھنم توان کے لیے آخرت میں عذابِ جہنم ہے ولھم عذاب الحریق اور دنیا میں جلانے والا عذاب ہے یعنی وہ مصیبت کہ جس سے ان کے دلوں پر صدمہ ہو اور جلا کریں' اقبال جاتا رہے۔ دشمن غلبہ پاویں۔ افلاس و نا اتفاقی اور بیماریاں اور قحط پیش آویں' قتل کئے جاویں۔ گھر بار چھنیں' بال بچے قید ہوں یا غلام بنائے جاویں۔ عورتیں ان کے روبرو بے عزت کی جائیں۔ ان کے ملک اور دولت پر دشمن قابض ہوں اور یہ دیکھا کریں۔ خدا کی پناہ ہے۔ عذابِ حریق سے اور سب عذابوں سے اور ف جو فلھم میں آئی تو اس سے یہ بات بتلا دی کہ یہ بلا انہیں کے افعال سے آتی ہے وہ افعال سبب اور یہ مسبب ہے۔ ہماری عدالت اور رحم کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ ہم بغیر کسی ارتکابِ جرم کے عذاب میں مبتلا کریں۔ یہ ان کی سوزش کا بدلہ ہے جو ان کے ہاتھ سے ایمانداروں کو پہنچتی تھی۔ اب دوسری بات اس کے مقابلے میں نیکی کرنے والوں ایمانداروں کی بابت بھی سن لو ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کہ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے۔ عبادت' خیرات وصلہ رحمی وغیرہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھار ان کے لیے باغ ہیں یعنی بہشت میں اور باغ بھی کیسے کہ جن میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ نہریں ان خونوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں ان کے بدنوں سے اللہ کی راہ میں نکلا تھا یا وہ حسناتِ جاریہ ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ذلک الفوز الکبیر یہ ہے بڑی کامیابی کس لیے کہ اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور اچھے جواہرات اور تمامی عیش وسامان بہم بھی پہنچا لیے اول تو سب چیزوں کا بہم پہنچنا مشکل ہے ایک نہ ایک حسرت باقی ہی رہ جاتی ہے کیا خوب کہا کسی نے ؎

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تو پھر ان چیزوں کو دوام و بقاء نہیں۔ دشمن کا کھٹکا ان چیزوں کی بے ثباتی کا بھی دغدغہ ساتھ ہی لگا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو اخیر عمر میں اپنے ملازموں اور اوباش اور بیویوں کے ہاتھ سے تلخی چکھ کر بڑی حسرتوں سے مال اور ملک رخصت کرنا پڑا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو خود اس کی عمرِ رواں کا کیا اعتبار اور پھر جوانی اور تندرستی تو تھامے نہیں تھمتی بے اختیار چلی جاتی ہے۔ برخلاف دارِ آخرت اور وہاں کے نعیم کے وہاں ان باتوں میں سے کسی کا بھی دغدغہ نہیں وہیں کے پھول بے کانٹے کے ہیں اسی لیے عالی دماغوں نے اس چند روزہ عیش پر لات ماردی تھی اور قبل اس کے کہ یہ عیش ونشاط ان کو چھوڑے خود انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، اس لیے بڑی کامیابی جنت اور وہاں کے نعیم ہیں۔

دو باتیں بیان فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ ایمانداروں کو ستانے والوں کو جہنم ہے۔ دوسری یہ کہ ایمانداروں نیک بختوں کے لیے جنت ہے۔ اس لیے ان دونوں کے مناسب دو قسم کے صفات بیان فرمانا کلام کو مؤکد کرتا ہے۔ پہلی بات کے لیے اپنی صفتِ جبروت وقہر و قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال ان بطش ربک لشدید کہ تیرے رب کی گرفت سخت ہے۔ جس کو پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی خوار وذلیل کر دیتا ہے۔ آخرت میں مبتلاءِ عذاب کرتا ہے۔ نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ بندہ کو کسی بات

پر نازنہ کرنا چاہیے۔ وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ دولت مندوں کو مفلس کر دیتا ہے۔ آبائی اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

دوسری بات کے لیے صفاتِ رحم وعطا وبذل وجود کو ذکر کرتا ہے۔ فقال انہ ھو یبدی ویعید کہ وہ مبداءِ فیاض ہے۔ پہلا وجود بھی اسی نے عطا کیا تھا اور مرنے کے بعد بھی جو نئی زندگانی ہوگی اس وجود کو بھی وہی عطا کرے گا۔ یہاں دارِ آخرت کا ضمناً ثبوت بھی تھا اور یہی زندگی فوزِ کبیر کا مقدمہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد فوزِ کبیر کے متعلق صفات بیان فرماتا ہے۔ وھو الغفور کہ وہ بخش دینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ واستغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں اس کے لیے الودود پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہی محبت کرنے کے قابل ہے۔ وہی محبوبِ اصلی ہے۔ ذو العرش تخت والا بھی تخت پر بیٹھ کر اپنے ملک میں جو چاہتا ہے کرتا ہے کون ہے اس کے آگے صاحب تخت؟ المجید بڑی شان والا ہے۔ فعال لما یرید اور قادرِ مطلق بھی ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ کوئی اس کو روک نہیں سکتا' نہ کسی کام میں اس کو کسی مددگار کی طرف حاجت پڑتی ہے نہ وہ کسی سامان کا محتاج ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾
وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع

آپ کو لشکروں کا حال تو معلوم ہوا ہی ہوگا فرعون اور ثمود کا بلکہ منکر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ہے کہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان کا لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)

ترکیب ! ھل اتاک الجملۃ مستانفۃ مقررۃ لما تقدم من شدۃ بطشہ وکونہ فعال لما یرید فرعون وثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون ھو وقومہ و ثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحدیثھم ما وقع منھم من الکفر والعناد وما وقع علیھم من العذاب واللہ الخ الجملۃ حال من فاعل کفروا محفوظ بالجر نعت للوح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءۃ الجمہور۔

تفسیر ! پہلے فرمایا تھا کہ تیرے رب کی پکڑ سخت ہے اور اس کے ثبوت کے لیے اول اصحاب الاخدود کا قصہ نقل کیا تھا۔ اجمالاً جو آنحضرت ﷺ سے تھوڑے ہی برسوں پہلے گزرا تھا اور عرب میں زبان زد تھا۔ اس کے بعد پھر اسی بات کے ثبوت کے لیے اجمالی طور پر وہ واقعات کو یاد دلاتا ہے جن میں سے ایک کو تو عرب اور اہل کتاب جانتے تھے۔ اس لیے اس کو مقدم کیا اور وہ فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا قصہ ہے اور دوسرے کو عرب جانتے تھے یعنی قومِ ثمود کا حال کہ جو کچھ ان پر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے گزرا۔ اس لیے فرماتا ہے ھل اتاک حدیث الجنود کہ اے محمدؐ یا اے مخاطب! کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی ہوگی۔ بعض علماء کہتے ہیں ھل بمعنی قد ہے یعنی تحقیق پہنچی سب جانتے ہیں جنود جند کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفارِ قریش کیا چیز ہیں۔ ان کا تو ایک لشکر بھی نہیں۔ اس سے پہلے بہت سے لشکروں کو ہم غارت کر چکے ہیں۔ پھر فرماتا ہے فرعون و ثمود وہ لشکر کون تھے؟ فرعون کے اور قوم ثمود کے لشکر جو بڑے طاقتور اور کثرت سے تھے۔ کچھ ایسے ویسے لشکر بھی نہ تھے۔ پھر دیکھو ان پر کیا گزری کس طرح سے خدائے جلیل وجبار نے ان کی سرکشی اور بدکاری سے ان کو ہلاک کیا۔ ان دونوں قصوں کی تفصیل کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے۔

منکرینِ قریش ایسے واقعات سن کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کیا خدا کے قائل نہیں اور کیا اس کی قدرت کو نہیں مانتے۔ یہ اس لیے کہ وہ مشرک تھے۔ بتوں کو وسیلہ جانتے تھے اور خدا پاک کو بھی مانتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بل الذین کفروا فی تکذیب ہرگز نہیں

بلکہ منکر جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ گو زبان سے کہتے ہیں مگر ان کا حال جھٹلا رہے ہیں اور اگر دل میں ان کے اسباب کا نقشہ جما ہوتا کہ وہ سخت پکڑ کرنے والا ہے تو ایمانداروں اور ہمارے پیغمبر پر ظلم وستم نہ کرتے اور سرکشی سے باز آتے اور ہماری مرضی کے تابع ہوتے بلکہ ان کو اپنے جہل سے اپنی طاقت اور قومیت کا غرور ہے اور دراصل یہ غرور باطل ہے کس لیے کہ واللہ من ورائھم محیط کہ وہ ہر طرف سے اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے اور تمام ممکنات کا یہی حال ہے کہ اس کی قدرت کے احاطہ میں ہے وہ سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ احاطہ جسمانی نہیں جیسا کہ برتن کا پانی کے لیے اور گھر کا گھر میں رہنے والوں کے لیے ہوتا ہے بلکہ احاطۂ قدرت اور احاطہ ذاتی ہے چونکہ یہ سب واقعات اور پھر ہدایت مضامینِ قرآن میں ہیں۔ وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے گو ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ بل ہو قرآن مجید بلکہ قرآن وہ بلند شان والا ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوسکتا۔ کس لیے کہ فی لوح محفوظ لوحِ محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ لوحِ محفوظ کی کیفیت مقدمۂ تفسیر سے معلوم کرو۔

(سورہ طارق مکیہ ہے اس میں سترہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳ اِنْ كُلُّ
نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ
دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی اور آپ کیا جانیں کیا ہے رات میں آنے والا (وہ) چمکتا ہوا تارا ہے۔ ایسی کوئی بھی جان نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔ پھر آدمی آپ ہی دیکھے کہ وہ کاہے سے بنایا گیا۔ ایک اچھلتے قطرہ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

ترکیب | والسماء مجرور معطوف علیہ والطارق عطف علیہ۔ والطارق مایاتی لیلا سواکان کوکبا وغیرہ بالطروق بشب آمدن (عف اض ۲) طارق بشب آیندہ وستارہ وکستی کردن فحل۔ ازصراح) وما ادراك الجملة الاستفهامية تفخيم الطارق النجم الثاقب مستانفہ جواب سوال کانہ قیل ماھوفقال النجم الثاقب۔ ثقوب افروختہ شدن آتش۔ ص۔ ان کل نفس لما علیھا حافظ قرا ابن کثیر وابی عمرو نافع وکسائی لما بالتخفیف وقرء عاصم وحمزۃ والخفی بالتشدید فمن خفف کانت ان عندہ المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لما تدخل مع ان المخففۃ للفرق بین النافیۃ والمخففۃ وماصلۃ کما فی قولہ فبما رحمۃ ومن ثقل فان عندہ النافیۃ ولما بمعنی الا حافظ مبتداء علیھا خبر والجملۃ جواب القسم علی التقدیرین ای ان الشان کل نفس لعلیھا حافظ او ماکل نفس الاعلیھا حافظ خلق الخ الجملۃ مستانفۃ جواب۔ سوال مقدر والماء المنی والدفق الصب دافق ای مدفوق مصبوب فی الرحم یخرج الجملۃ صفۃ ماء والترائب جمع تریبۃ وھی موضع القلادۃ من الصدر والصلب والصدر لھما دخل عظیم فی توالد المنی لان للدماغ دخل تام ولہ خلیفۃ وھی النخاع وھی فی الصلب رلہ شعب کثیرۃ نازلۃ الی مقدم البدن وھو التریبۃ فلھذا السبب خصصھما اللہ بالذکر والمادۃ المنی فی الانثیین تتولد من فضلۃ الھضم الرابع وتنفصل عن جمیع اجزاء البدن حتی یاخذ من کل عضو طیبۃ وخاصیۃ فیصیر مستعدا لان یتولد منہ مثل تلک الاعضاء انہ الضمیر یرجع الی اللہ سبحانہ والضمیر فی رجعہ الی الانسان فالمصدر مضاف الی المفعول۔

تفسیر | یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ لفظ طارق اس میں ہے اس لیے اس کا نام سورہ طارق قرار پایا۔ اس کی سترہ آیات

ہیں۔ مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے آسمان کے ذکر اور مسئلہ مبداء ومعاد کے ذکر سے اور نیز خاتمہ سے ظاہر ہے۔

سورہ بروج میں فرمایا تھا کہ اللہ کے احاطہ میں لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہ قرآن لوحِ محفوظ میں بحفاظت ہے۔ اب ان دونوں باتوں کے متعلق دو چیزوں کا ذکر قسم کھا کر کرتا ہے۔ فقال والسماء قسم ہے آسمان کی اس میں پہلی بات کی تائید ہے کہ آسمان ہمارا بنایا ہوا ہے مگر اس نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ صورۃً ومعنیً۔ جہاں جاؤ اور کسی ملک یا دریا میں چلے جاؤ آسمان سر پر موجود اور ہر طرف سے محیط ہے۔ ع

بہر زمین کہ روی آسماں بروپیداست

اور نیز آسمانی احکام سے کوئی سرتابی نہیں کرسکتا۔ موت، حیات، تندرستی، بیماری، فتح وشکست، دولتمندی، افلاس، عزت، ذلت سب آسمانی احکام ہیں بھلا کوئی ان کو ٹال تو دے۔ انہیں احکام کے ٹالنے میں اوہامِ باطلہ کہیں فال اور شگون سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں گنڈے اور ٹونکے کرتے ہیں۔ کہیں بتوں سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں قبورِ صلحاء وانبیاء سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں ان کی ارواحِ طیبات کو پکارتے ہیں مگر آسمانی حکم ہو کر رہتا ہے۔ نہ کوئی تدبیر پیش چلتی ہے نہ کوئی حیلہ کارگر ہوتا ہے اب بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے احاطہ میں ہر چیز ہے؟ کس لیے کہ آسمان اس کے احاطہ میں ہے اور اس نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔ دوسری بات کے لیے یہ اشارہ ہوا والطارق اور قسم ہے ہمیں طارق کی۔ طارق کے لغوی معنی ہیں رات میں آنے والے کے خواہ کوئی آوے۔ اور اسی لیے احادیث میں آیا ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل کہ اللہ کی پناہ ان حوادث سے جو رات میں یکا یک آویں۔ اس لیے کہ رات میں ان کا تدارک استغاثۂ تدبر علاج استعانت وغیرہ اسباب سے مشکل ہوتا ہے مگر اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ آپ ہی تعظیمِ شان کے لیے سامعین سے دریافت کرکے وما ادراك ما الطارق کہ تو کیا سمجھا کہ طارق کیا ہے یعنی کوئی ویسی چھوٹی موٹی بات رات کی نہیں ہے۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے النجم الثاقب کہ وہ روشن ستارہ ہے۔ طارق کے معنی میں اقوال: پھر علماء کے اس میں کئی قول ہیں: (۱) بعض کہتے ہیں جنس مراد ہے ہر ایک ستارے کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں۔ کس لیے کہ ہر ایک طارق ہے یعنی رات میں آنے والا اپنے آپ نمودار ہونے والا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ستارہ معین مراد ہے پھر اس تعین میں بھی کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں زحل مراد ہے کس لیے کہ ثقب چھید کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی روشنی ساتوں آسمانوں کو چیر کے نیچے تک آتی ہے بعض کہتے ہیں۔ ثقوب روشنی کے معنی میں ہے اور ثریا کا گچھا بسبب اجتماع کے زیادہ روشن ہے۔ اس لیے وہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شہابِ ثاقب مراد ہے اور یہی اخیر قول زیادہ ترچسپاں ہے۔ کس لیے کہ حفاظت کا نمونہ دکھانا منظور ہے اور یہ بات شہابِ ثاقب سے زیادہ حاصل ہے کس لیے کہ جب شیاطین عالمِ بالا میں اسرارِ غیبی لینے کو جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر افشاء کرکے ان کے اعتقادات خراب کریں اور قرآن میں خلل اندازی کریں تو شہابِ ثاقب ان پر دوڑ کر جاتا ہے اور ہانک دیتا ہے۔ گرچہ اور ستاروں سے بھی حفاظت ہے۔ عالمِ ارضی کی حفاظت اس لیے کہ نباتات کی روئیدگی اور ان کا پکنا پھولنا وغیرہ امور ستاروں کی شعاعوں سے متعلق ہیں اور نیز وہ اجسامِ نورانیہ ہیں اور نور سے بالطبع شیاطین کو نفرت ہے۔ کس لیے کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ اس لیے وہ ان شمعوں اور آسمانی چراغوں کی چکاچوند سے خیرہ ہو کر ہٹ آتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اندھیرے مکانوں میں اور رات کو جہاں کہ چراغ دار روشنی نہ ہو شیاطین وخبائث کا زیادہ گزر اور اثر ہوتا ہے۔[1]

اس محافظت کے مضمون کو جو مقصودِ اصلی اس مقام پر تھا اگرچہ ضمناً ثابت کیا گیا تھا مگر اس کو بصراحت ثابت کرتا ہے اور اس کے مؤکد کرنے کو اسی کو جوابِ قسم قرار دیتا ہے۔ فقال ان کل نفس لما علیھا حافظ کہ ہر نفس پر محافظ ہے یا یوں کہو ایسی کوئی جان یا چیز نہیں کہ جس پر وہ محافظ نہ ہو۔ پھر قرآن کی حفاظت کون سی بڑی بات ہے۔ نفس سے بعض علماء کے نزدیک مطلق ذات الشیء مراد ہے اس تقدیر پر

[1] دن کو تو آفتاب کے چراغ اور رات کو ستاروں کی روشنی عالم بالا تک شیاطین کو نہیں جانے دیتی۔

حافظ اللہ ہے کس لیے کہ سوائے حق سبحانہ کے جو چیز ہے ممکن ہے اور ہر ممکن وجود وعدم میں مساوی الطرفین ہے۔ جانب وجود کی مرجح کی ترجیح سے قائم ہوتی ہے اور وہ واجب تعالیٰ ہے۔ پس وہی حق سبحانہ ہر چیز کا قیوم ہے وہی موجودات کو باقی رکھتا ہے وہی حفاظت کرتا ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظاہر فرماتا ہے۔ ان اللہ یمسك السماوات والارض ان تزولا اور اگر نفس انسانیہ یا حیوانیہ مراد ہوں تو بالخصوص ان کی قومیت کی طرف اشارہ ہوگا اور اس طرف بھی کہ وہی ہر وقت ان کی خبر گیری کرتا ہے۔ ان کے منافع و اسبابِ زندگی بہم پہنچاتا ہے' مضرات سے بچاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حافظ سے مراد ملائکہ ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ویرسل علیکم حفظة ویحفظونه من امر الله۔ ہر بلا سے وہی حفاظت بحکم ربی کرتے ہیں۔ اگر اس کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو انسان کے حشرات الارض سے لے کر درندوں تک اور جن وشیاطین بلکہ ارضی وسماوی سینکڑوں جان لینے والے ہیں دریا میں اور خشکی پر وہی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کے اندرونہ اعضاء کے افعال وقویٰ کی وہی محافظت کرتا ہے۔

جبکہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہی محافظت کرتا ہے۔ اسی نے امن دے رکھا ہے تو اس حالت میں اور اس فرصت میں اصلی مقصد کی تحصیل میں کوشش کرنا چاہیے۔ خصوصاً جبکہ انسان کے اعمال بھی حفاظت سے دفتر میں لکھے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد میں سے تمام اہل ادیان واہل عقول کے نزدیک مبدء ومعاد کی معرفت ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ معاد کی معرفت سے مبداء کی معرفت مقدم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے معرفتِ مبداء کے لیے پہلے یہ کلام ذکر فرمایا فقال فلینظر الانسان مم خلق کہ آدمی خود نظر کرے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا؟ وہ دیکھے کہ اس کی اصل کیا ہے اور کس نے اس کو کیونکر بنایا ہے؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے خلق من ماء دافق کہ ایک پانی کی بوند سے بنایا گیا جو اچھلی ہے یعنی منی کے قطرہ سے جو کود کر نکلتا ہے۔ یخرج من بین الصلب والترائب وہ قطرہ پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

منی کا سینہ اور پیٹھ کے درمیان سے نکلنا: گرچہ محققین کے نزدیک منی کا خزانہ انثیین ہے اور رحم میں پڑنے کے وقت وہیں سے نکلتی ہے لیکن اس مادہ کی تولید کا اصلی سبب قیام ودرستیِ بدن ہے اور خصوصاً دماغ اور اسی لیے جب ضعفِ دماغ ہوتا ہے تو یہ قوت کم ہو جاتی اور کثرتِ مجامعت سے دماغ کو ضعف عارض ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں بھی نحافت محسوس ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھے پشت کی طرف آئے ہیں جن کو نخاع کہتے ہیں اور اسی طرح اس کی شاخیں مقدم بدن کی طرف بھی آئی ہیں جو سینہ ہے اور عربی میں اس کو ترییہ کہتے ہیں اس لیے یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ منی پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور یہ مراد نہیں کہ پیٹھ اور سینہ میں منی موجود رہا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مرد کی منی دماغ سے نکل کر پیٹھ کی طرف سے انثیین کی رگوں میں آتی ہے اور عورت کی سینہ میں سے۔

آیت میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان مرد وعورت دونوں سے بنتا ہے نہ اس بات کہ صرف مرد کی منی سے اور جس کسی نے کچھ ثابت کیا ہے تو قرائن واستنباط سے۔

اگرچہ انسان حقیقی روح ہے اور وہ نہ کسی قطرۂ منی سے بنی ہے نہ اور کسی مادہ عنصری سے لیکن اس روح کا مرکب عالمِ حسی میں بدنِ انسانی ہے اور عالمِ ناسوتی میں غالباً اسی پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ منی کے قطرہ سے بنتا ہے۔ پھر اس کا بنانے والا کون ہے؟ وہی قادرِ مطلق اس قطرہ کو رحم میں اس سانچے میں ڈھالتا اور کیا کیا کاریگریاں کرتا ہے۔ اس کے بعد معرفتِ معاد پر جو دلالت کرے اس کو ذکر فرماتا ہے فقال انه علی رجعه لقادر کہ وہ کہ جس نے اس کو ایک قطرہ سے بنایا' مرنے کے بعد بارِ دگر اس کو بنانے اور اس کی اس صورت کی طرف لوٹا دینے پر قادر ہے۔ وہ بارِ دیگر پھر اس کو ویسا ہی بنا سکتا ہے جن اجزاء سے منی بنائی تھی۔ پھر کیا وہ ان اجزاء سے اس کی دوبارہ جسمیت کا مادہ مجتمع نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔ اس کلام کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ پھر اس کو انہیں اجزا کی طرف پلٹا سکتا ہے۔ پھر وہی منی کا ایک قطرہ کر سکتا ہے۔ انسان وحیوان ونباتات میں اس کی گردش ظاہر ہے جس قطرہ سے یہ بنا تھا۔ اس کے تمام جسم کا عطر پھر وہی

قطرہ ہے جس سے پھر ویسا ہی انسان بنتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾
وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ اِنَّهُمْ
يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾ ع

جس دن کہ بھید کھل جائیں پھر تو نہ اس کا کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان بارش والے کی اور زمین کی جس سے بوٹیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں بے شک قرآن قطعی بات ہے اور یہ کچھ ہنسی نہیں۔ وہ تو ایک داؤ کر رہے ہیں اور میں بھی ایک داؤ کر رہا ہوں پھر تو منکروں کو تھوڑی سی مہلت دو۔

ترکیب: یوم منصوب برجعه وقیل بقادر وقیل العامل مقدر ای یرجعه اواذکر فیکون مفعولا به والسرائر جمع سریرة والسر جمعه اسرار وهوالذی یکتم والابتلاء الاختبار والامتحان قال ابومسلم بلوت یقع علی اظهار الشی وعلی امتحانه والسماء الواله للقسم ذات الرجع صفته للسماء قال الزجاج الرجع المطر لانه یجی ویرجع ،یتکرر وقال الخلیل الرجع المطر نفسه والرجع نبات الربیع وقال الواحدی الرجع المطر فی قول المفسرین وقال ابن زید الراجع الشمس والقمر والنجوم یرجعن فی السماء تطلع من ناحیة وتغیب فی ناحیة وقال القتبی معناه ذات ( ) وقال ابن عباس الرجع المطر والارض معطوف علی السماء ذات الصدع صفته للارض الصدع هوالشق قال ابن عباس تشق عن النبات والاشجار ووقال مجاهد هوالجبلان ینبعها شق وطریق نافذ کما فی قوله وجعلنا فیها سبلا فجاجا وقال اللیث الصدع نبات الارض لانه یصدع الارض فتصدع به انه لقول الخ جواب القسم والضمیر فی انه یرجع الی ما اخبرتکم به من قدرتی علی احیاءکم یوم تبلی السرائر وقیل یرجع الی القرآن امهلهم بدل من مهل ومهل بمعنی واحد مثل نزل وانزل رویدا منصوب علی انه مصدر موکد للفعل المذکور اونعت لمصدر محذوف ای امهلهم امهالاً۔ ویدا ای قلیلا اوقریبا ویجوز ان یکون حالا رویدی فی کلام العرب علی ثلاثة اوجه (۱) اسم للامر کقولک رویدزیدا ای دعه ولا تصرف لانها غیر متمکنة (۲) هومصدر کسائر المصادر فیضاف ومابعده تقول رویدزید کما تقول ضرب زید (۳) هونعت منصوب کقولک سارواسیرارویدا اور بما یحذفون المنعوت ویقیمون رویدا مقامه من الکبیر۔

تفسیر: اور وہ اعادہ کس روز ہوگا؟ اس کو بتاتا ہے یوم تبلی السرائر جس روز کہ مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں یعنی قیامت کے روز۔ اس جملہ میں قیامت کی بھی ایک صفت بیان ہوگئی کہ وہ ایسا روز ہے کہ جس میں آج جو کچھ مخفی کہا جاتا ہے ظاہر ہو جاوے گا۔ اس عالمِ ناسوتی میں احکامِ روح مخفی ومستور اور احکامِ اجسام ظاہر ہیں۔ گناہ در پردہ ہوں یا ظاہر ان کی کیفیت جسم پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اخلاقِ ذمیمہ' بخل' حسد وکینہ حبِ جاہ ومال سب مخفی ہیں اور اسی طرح ایمان وحبِ الٰہی وصداقت وذکرِ الٰہی وغیرہ افعال واخلاقِ محمودہ کا بھی کوئی اثر ظاہر بدن پر نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز معاملہ برعکس ہوگا۔ روحانی آثار ظاہر ہو جاویں گے۔ سرائر عام ہے پوشیدہ گناہوں اور مکر وحیلہ کو بھی شامل ہے کہ جن کے اخفا کی دنیا میں کوشش کیا کرتے تھے اور عقائدِ باطلہ ونیاتِ فاسدہ کو بھی اسی طرح نیک کاموں کو بھی جن کو مخفی کرتے تھے۔ روزہ اور نمازِ تہجد اور مخفی خیرات اور دل کے ملکاتِ کاملہ' مواجِ جید واشواق کو بھی اور ہر ایک معاملہ کو بھی جو اس میں اور خدا میں تھا۔ پھر اس روز کیا ہوگا۔ فماله من قوة پھر نہ اس کو خود قدرت ہوگی کہ اخفا کر سکے اور اظہار ہونے کے بعد اس کی سزا کو دور کر سکے ولا ناصر اور نہ اور کوئی دوسرا اس اخفاء میں اور اظہار کے بعد سزا دور کرنے میں مدد کر سکے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو بارِ دیگر خدا تعالیٰ ایسی ہی زندگانی عطا کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ جس روز

یہ زندگانی عطا ہوگی مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں گی۔ اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے دو مثالیں پیش کرتا ہے جن کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور لطف یہ کہ ان دونوں مثالوں یا نمونوں کو قسم کھا کر بیان فرماتا ہے۔ اول نمونہ والسماء ذات الرجع کہ قسم ہے آسمان بارش والے کی رجع کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک بارش کے ہیں اور نفع کے بھی عرف عام میں بارش کا آسمان سے برسنا مشہور ہے۔ گو بادلوں سے برستی ہے اور اس لیے بادلوں کو بھی آسمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آسمان کو بارش والا کہا گیا۔ اس میں بارِ دیگر زندگانی کا نمونہ ہے۔ برسات میں سبزہ اگتا ہے۔ ایک عمرِ طبعی کو پہنچ کر چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اگلے سال پھر جو بارش ہوتی ہے تو وہ تمام نباتات بارِ دگر سرسبز ہو جاتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔ انہ علی رجعہ لقادر اس جملہ میں اسی مضمون کی تصریح ہے۔ بعض علماء نے رجع کے معنی حرکت کرنے اور چکر لگانے کے بھی لیے ہیں۔ اس تقدیر پر (آسمان چکر لگانے والے) معنی ہوں گے۔ اس میں بھی یہ مضمون ثابت ہے جیسا کہ آسمان چکر لگاتا ہوا لوٹ آتا ہے۔ رات سے پھر دن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا بھی بارِ دیگر اپنی حالت پر لوٹ آنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ دوسری بات کے لیے یہ دوسرا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ والارض ذات الصدع کہ قسم ہے زمین پھٹنے والی کی۔ صدع کے معنی پھٹنے کے بھی ہیں اور نباتات کے بھی۔ دیکھو زمین میں جو قویٰ ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ایک وقت پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ زمین پھٹ کر اس میں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں موسم بہار میں نکل آتی ہیں اور چشمے اور معادن بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ منی والد کے ہے اور زمین بمنزلہ رحمِ مادر کے نباتات واشجار و دیگر اشیاء اس کے بچے ہیں جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں اور پھر مٹ جاتے ہیں۔ یہی حال اس دنیا اور دارِ آخرت کا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ زندگی عطا ہوگی۔ قسم کھا کر وہ جامع بات یہ بیان فرماتا ہے۔ انھا لقول فصل مر کر جینے اور مخفیات کے ظاہر ہو جانے کی بات قطعی اور دوٹوک بات ہے۔ وما ھو بالھزل اور یہ ہنسی اور لغو بات نہیں۔ جیسا کہ انھم یکیدون کیدا وہ کفار کہتے ہیں کہ اجی وہاں کا حال کس نے دیکھا ہے۔ لوگوں کی ترغیب وترہیب کے لیے حضرات انبیاء ایسے خیالی مضامین جنت دوزخ، سزاء وجزا کو تراش کر بیان کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ بچوں کو خیالی باتوں سے پھسلایا اور ڈرایا کرتے ہیں۔ یہ تھا کفار کا کید۔ واکید کیدا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں بھی کید کر رہا ہوں۔ ان باتوں کو دلائلِ انفس وآفاق سے ثابت کر رہا ہوں۔ یہ اس کا کید ہے یا یوں کہو ان کا دارِ آخرت سے غافل ہو کر حصولِ دنیا کے لیے اور دینِ الٰہی کے برباد کرنے کے لیے تدابیر نکالنا یہ ان کا کید تھا اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ اور ہدایت کے سامان پیدا کرنا اور ان کی بربادی کا سامان قریب لانا۔ یہ کیدِ الٰہی ہے علی وجہ المشاکلت کید کا اس فعلِ الٰہی پر اطلاق ہوا۔ چونکہ وقت قریب آگا ہے فمھل الکافرین۔ ان کو مہلت دے۔ امھلھم رویدا ان کو اور تھوڑے دنوں مزہ کر لینے دیجئے، بددعا نہ کرو۔ پھر تو ہمیشہ کا عذاب ان کے لیے ہے یہ مہلت بھی کیدِ الٰہی ہے۔

(سورہ اعلیٰ مکیہ ہے اس میں انیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْٓ
اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦ اِلَّا
مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧

اپنے رب کے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے تسبیح کیا کر۔ اس کی کہ جس نے انسان کو پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور اس کی کہ جس نے انسان کا اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور اس کی کہ جس نے چارہ نکالا پھر اس کو کالا کوڑا کر دیا (اے انسان!) تجھے ہم ابھی پڑھاتے ہیں پھر تو نہیں بھولے گا مگر جتنا کہ اللہ چاہے وہ تو کھلی اور چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

ترکیب : الاعلیٰ صفۃ ربک الذین الجملۃ صفۃ اخریٰ للرب والذی صفۃ اخریٰ او معطوف علی الموصول الذی قبلہ قدر قریٰ مخففۃ ومثقلا والذی اخرج صفۃ اخریٰ فجعلہ غثاء فی القاموس الغثاء والقماش والزبد والھالک الھالی من ورق الشجر قال قتادہ الغثاء الیابس احویٰ اسود ماخوذ من الحوۃ وھی سواد یضرب الی الخضرۃ فی القاموس الحوۃ سواد الی خضرۃ او حمرۃ الی السواد حوی کرضی وفی الصحاح الحوۃ بالضم حمرۃ الشفۃ قال ابن عباس غثاء ہ شیما احوی متغیر ہ الا اتنسی قیل نفی وقیل نھی والالف للا شباع الا استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای لاتنسی مما علمک اللہ شیئا من الاشیاء الا ماشاء اللہ ان تنساہ قال الفراء ولم یشاء اللہ ان ینسی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فھو کقولہ خالدین فیھا مادامت السماوات والارض الا ماشاء ربک انہ یعلم الخ تعلیل لما قبلہ۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں۔ ابن عباس وابن الزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے تھے۔ امام احمد و بزار وابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ اس سورہ کو بہت محبوب رکھتے تھے (کیونکہ اس میں بہت سے علوم اور خیرات ہیں) امام مسلم وامام احمد واہل سنن نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور مسلم وغیرہ نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ ابوداؤد نسائی وابن ماجہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورہ طارق سے بہت سے مضامین میں ہے۔ از انجملہ یہ کہ سورہ طارق میں انسان اور اس کے بعد دیگر مخلوق کی آفرینش بیان کی تھی کہ انسان قطرۂ منی سے اور نباتات آسمانی پانی سے اس کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سورہ میں انتہاءِ بیان ہے کہ آخر کار مرجھا جاتے اور چورا چورا ہو کر ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ پاؤں میں آتے خاک میں مل جاتے ہیں وجودِ ناسوتی میں ایک جلوہ دکھا کر چلے گئے۔ **شانِ نزول**: شانِ نزول اس سورہ کا مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جانبِ غیب سے بے شمار علوم ومعارف کا فیضان ہونا شروع ہوا تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود لکھا پڑھا نہیں۔ مبادا ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں اس لیے اس سورہ میں حق سبحانہ آپ کی تسلی کرتا ہے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورہ بمنزلہ ایک کتاب کے ہے۔ ہر ایک میں علوم ومعارفِ انسانی سعادت کی رہنمائی کرنے میں کافی وشافی ہیں۔ تکمیلِ انسان کے لیے ان چند علوم کی اشد ضرورت ہے۔ (۱) مبدء ومعاد کی کہ ہر عاقل کو یہ غور کرنا چاہیے کہ یہ مخلوق کس نے بنائی اور اس میں کیا کیا کاریگری کی۔ اگر کسی درخت یا جڑی بوٹی کو بغور ملاحظہ کیجئے گا تو اس کو معرفتِ الٰہی کا ایک دفتر پائے گا۔ جب یہ خیال ہوگا کہ اس کی ابتداء کیا تھی؟ ایک تخم خشک پھر زمین میں جا کر آسمانی پانی نے اس کی ان قوتوں کو جو مبدءِ فیاض نے اس میں ودیعت رکھی تھیں کس طرح سے ابھارا اور پھر اس میں ایک تنا نکلا اور نکل کر میدانِ وجود کو طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہنچا۔ پتے ہیں تو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پھول ہیں تو اپنے رنگوں اور صورت میں کس کاریگری کے ساتھ اور پھر ہر شاخ کا نشوونما ہے تو کس انداز کے ساتھ اور پھر اس تدریجی ترقی میں اس کے لیے کیا کیا سامان مہیا کیے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک چیز میں ایک جدی خاصیت رکھی گئی ہے اور اس کی غذا حاصل کرنے اور توالد وتناسل کے جو قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان میں غور کرنے سے اور بھی حیرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان اپنے حالات

ں کر کرے کہ میں کس طرح سے پیدا ہوا اور میری بناوٹ میں کیا کیا خوبصورتی کی شانیں نمایاں کی ہیں اور مجھ میں کیا کیا قوتیں ودیعت رکھی ہیں اور میں بے اختیار کیونکر جسمانی ترقی کرتا جاتا ہوں تو حیران رہ جائے اور بے اختیار کہہ بیٹھے سبحان ربی الاعلیٰ اور جب اس کتاب وجود کے ان اوراق کا مطالعہ کر کے اس کے اخیر باب پر پہنچے کہ اخیر اس کا کیا ہوتا ہے اور کیونکر تدریجاً فنا کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو روح انسانی کو ضرور اپنے خالق ومربی کے ساتھ دلبستگی کرنے کا ولولہ اٹھتا[1] ہے اور یہ تمام دنیاوی زرق برق جس کی ہستی حباب کی بقاء سے مشابہ ہے بیقدر ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس دوم (۲) علم کی طرف مشتاق ہوتا ہے کہ میں اپنے ایسے خالق و مالک ومربی سے کہ جس کو نہ میری دنیاوی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ ہاتھ ٹٹول سکتے ہیں نہ کان سن سکتے ہیں، نہ زبان چکھ سکتی ہے، نہ ناک سونگھ سکتی ہے کیونکر پہچانوں اور کس طرح سے تقرب حاصل کروں تا کہ میں اس جسم کے لباس چھوڑنے کے بعد اس کے جلالِ کبریائی میں جگہ پاؤں اور اس کی تجلی سے متجلی ہو کر عالم بالا کے لوگوں میں مل جاؤں اور یہی انسان کی تکمیل اور یہی اس کی سعادت اور یہی اس کے اس سفر کا نتیجہ ہے۔

حق سبحانہ اس سورہ میں ان دونوں علوم کو منکشف کرتا ہے مگر چونکہ دوسرا علم مقصودِ اصلی ہے اس لیے اول اسی کی رہنمائی کرتا ہے اور بعد میں دوسرے علم کی طرف مشتاق کرتا ہے فقال سبح اسم ربك الاعلی کہ اپنے رب بالاتر کے نام کی تسبیح کیا کر یعنی اس تک تیرے تقرب کا یہی ذریعہ ہے اور وہ کون ہے تیرا رب۔ اور رب بھی اعلیٰ یعنی اس ظلمت کدہ اور خاکدانِ پست میں جو تو نے آنکھ کھول کر ہماری مخلوق ہی کو دیکھا ہے اور اسی کے حالات کا تجھے مشاہدہ ہوا ہے اور ان سے تو نے ہم کو سمجھا ہے کہ آخر ان کو کوئی بنانے والا ہے۔ اس سے تو ہم کو مخلوق پر قیاس نہ کر لینا ہمارے لیے جسم اور توالد وتناسل اور تغذیہ اور خواب اور تدریجاً ترقی اور پھر تنزل اور بیچ میں بیماری وضعف اور اپنی سی شکل وصورت اور اپنے سے اسباب معیشت میں محتاجگی، مکان لباس کھانے پینے وغیرہ امور میں نہ سمجھ ہم ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ یہ ہے تسبیح مگر اس سمجھنے پر آمادہ کرنے والا لفظ سبحان اللہ وبحمدہ۔ یا سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ کہنا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تو سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو کہہ سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ عبد بن حمید) اور ابوداؤد وابن ماجہ واحمد نے روایت کی ہے کہ جب سبح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو رکوع میں کہا کرو اور جب سبح باسم ربك الاعلی نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجدہ میں کہا کرو یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرو۔

تسبیح کے معنی! علماء نے فرمایا ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو جمیع عیوب اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ سمجھنا، اس کی ذات اور صفات اور افعال کو سب نقصانوں سے بری اور پاک جاننا اور منہ سے کہنا تسبیح ہے اور لفظ اسم کے لانے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی ذات تک رسائی نہیں صرف اسم تک ہے یعنی آثار وصفات سے اس کو جانتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں لفظ اسم محض عظمتِ شان کے لیے ہے ورنہ مراد تسبیح اس کی ذات کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کے اسم کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا نام بے حرمتی سے نہ لے۔ نہ جنابت اور ناپاک جگہ میں پڑھے نہ برے کام پر اور لفظ ربک میں اس بات کا اظہار ہے کہ وہی تسبیح کا مستحق ہے کیونکہ وہ تیری وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے۔ نطفہ سے لے کر اخیر تک وہی تو تیرا مربی ومحسن ہے اور لفظ اعلیٰ میں یہ بات بتلا دی کہ دنیا کے مربی درحقیقت مربی نہیں بلکہ وسائل ہیں جیسا کہ ماں باپ، آقا، بادشاہ ولی النعمۃ کیونکہ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو دیتے ہیں گو اس لیے وہ بھی قابلِ شکرگزاری ہیں مگر رب اعلیٰ وہی ہے اور نیز لفظ اعلیٰ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ سب خیالات وتوہمات کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے تسبیح کا مستحق ہے اور یہ بھی کہ وہ سب سے بالادست ہے سب کا حاکم ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر وہی تسبیح وتقدیس کا سزاوار ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تسبیح کرنے سے انسان پر بھی اس تنزیہ وتقدیس کا اثر پڑا کر یہ آلائشِ جسمانی سے پاک وصاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالمِ بالا میں شامل ہو۔

---

[1] یعنی جو معشوق اس پردہ میں یہ کاری گریاں کر کے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اس کا شوق اور اس سے ملنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: خدا پاک کی ستائش میں صفاتِ حمدیہ کا اثبات ہوتا ہے اور تسبیح میں صفاتِ رذیلہ سے جو اس کی شان کے منافی ہیں تنزیہ اور تبری ہوتی ہے یعنی دور کرنا چونکہ ثابت کرنا جس کو تحمید کہتے ہیں۔ بعد کا مرتبہ ہے اس لیے اول تسبیح کا حکم دیا بعد میں اس کے صفاتِ حمیدہ ذکر کرنے کا اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے دونوں کو ملانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ سبحان اللہ بحمدہ کہنا موجبِ ثواب واجرِ عظیم قرار دیا۔ تسبیح کے انوار منعکس ہو کر تسبیح کرنے والے کی روح پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی روح میں نورانیت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس اول علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو علمِ مبدء کہتے ہیں کیونکہ جب اس کی ذات وصفات وتقدیس کا علم اور اس کے انوار اس پر توفگن ہو جاویں گے تو مخلوق کے پیدا کرنے کے اسرار خوب سمجھ سکے گا۔

فقال (۱) الذی خلق فسوی۔ اس کی تسبیح وتقدیس کر کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یوں ہی اینڈ اور بیکار اور بیڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا جس کے لیے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی۔ ہر ایک مخلوق میں اگر نظر کیجئے گا انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات وجمادات بلکہ علویات تک جس میں چاند اور سورج اور ستارے بھی شامل ہیں تو جلد اقرار کر لیجئے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے تھی اور اگر اس میں ذرا بھی فرق ہوتا تو خوبصورتی بگڑ جاتی اور اس کے افعال میں فرق آ جاتا۔ پرندوں کو پر دیئے، درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں، درختوں کو پوست کا لباس پہنایا۔ پھر ہر ایک کے جسم کی بناوٹ میں ہر ہڈی اور ہر پٹھا کس موقع سے رکھا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ (۲) والذی قدر فھدیٰ۔ اس کی کہ جس نے پیدا اور ٹھیک کر کے اندازہ کیا یعنی اس کے قویٰ اور اس کے افعال اور عمر سب چیزوں کا علمِ الٰہی نے اندازہ کر لیا تا کہ اس کی حد تک اس کی کسی بات اور بناوٹ میں فرق نہ آوے مثلاً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حیوان تمام عمر میں اس قدر کھائے گا اور اتنے دنوں جیئے گا تو اس کے معدہ میں اتنے ہی ایام تک اتنی غذا ہضم کرنے کی قوت عطا کی اور معلوم کر لیا تھا کہ اتنی حرکت کرے گا تو اسکے پاؤں میں اسی قدر قوت عطا کی اور اگر یہ اندازہ نہ ہوتا تو بڑی خرابی واقع ہوتی۔ مثلاً چراغ جلانا صبح تک مقصود ہو اور تیل تھوڑا ڈال دیا جاوے تو قبل الوقت گل ہو جائے اور زیادہ ڈال دیا جاوے تو بیکار جاوے اور جس اندازہ کی روشنی درکار تھی اس سے بڑھ جاوے اور نیز اس اندازہ کرنے میں اس کی شانِ ربوبیت بھی نمایاں ہے۔ بعض قراء نے قدر کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کو قادر کیا یعنی اس کے مناسب افعال وحرکات کی اس میں قدرت بھی رکھی اور قدرت ہی پر بس نہ کیا بلکہ فھدیٰ اس کو رہنمائی بھی کی۔ انسان کو اس کے معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا ہوئے۔ پرندوں کو گرمی سردی میں گھر بنانے کی ہدایت کی۔ حشرات الارض کو زمین کے اندر سوراخوں میں رہنے کی ہدایت کی۔ چیونٹی ایک چھوٹا سا جانور ہے۔ اگر آپ اس کی ہدایت الٰہی کو دیکھیں تو حیرت میں رہ جائیں۔ کس ترکیب سے خورش کی چیزیں لاتی ہے اور باہم کس موقع سے قطار باندھ کر چلتی ہیں۔ انسان کو تو وہ وہ چیزیں بتائیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس سے ریل گاڑی، تار برقی اور طرح طرح کی کلیں اور کہربائی قوتیں ایجاد کیں اور علومِ آخرت بھی ہدایت کئے۔ اس کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اس ہدایتِ الٰہی کی شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ آئے۔ اب یہاں تک تو اس کے وجود اور مناسبہ کا بیان تھا۔ اب فنا کی بھی سن لیجئے (۳) والذی اخرج المرعیٰ فجعله غثاءً احوی اس کی تسبیح کر کہ جس نے زمین سے چارہ نکالا یعنی گھانس پھر دیکھئے وہ کیسی لہلہاتی اور دل لبھاتی ہے۔ پھر چند روز کے بعد وہ زرد پڑ جاتی ہے اور کٹ کٹوٹ جاتی ہے اور کوڑا ہو جاتی ہے اور کوڑے کے بعد سیاہی نمامٹی ہو جاتی ہے یا کہو کوڑے پنے ہی میں اس پر تیرگی آ جاتی ہے۔ اس میں مخلوق خصوص حضرتِ انسان کی انتہا کی طرف کس عمدہ پیرایہ میں اشارہ ہے کہ جس سے غور کرنے والے کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اب یہاں سے موت اور موت کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

فقال سنقرئك ا فلا تنسیٰ کہ مرنے کے بعد تیرے نامۂ اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے۔ گو تو اے انسان اب اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اقرا کتابك کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اس وقت تو اپنے اعمالِ نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا۔ سب تیرے یاد آجاویں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر وہ کہ جن کو اللہ چاہے گا یاد نہ آئیں گے اور وہ نیکوں کے بعض برے کام اور ان کی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار' گریہ وزاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے ان کو خدائے پاک وہاں بھی یاد نہ دلائے گا تا کہ ان کی شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔ خصوصاً حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یا وہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوص قیامت میں ایک حضورِ علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے۔ کس لیے کہ سہو و نسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے انه یعلم الجهر و ما یخفیٰ اس لیے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اب جو کچھ کرو ہوشیاری سے کرو اور جان لو کہ اس کو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلائے گا اور ہمارے دفترِ اعمال کو ہم سے پڑھوائے گا۔ ان آیات سنقرئك الخ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبرئیل وحی لاتے تو آپ اس خوف سے کہ کہیں کچھ بھول نہ جاؤں جبرئیل کے ساتھ ساتھ جلد جلد پڑھتے جاتے اور یہ آپ کے لیے بڑی مشقت تھی۔ اس مشقت کے دور کرنے کو یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ بھول جانے کے اندیشہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس کا یاد کرانا ہمارا کام ہے۔ آپ نہیں بھولیں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر جس قدر خدا چاہے کہ بشریت سے آپ کو نسیان و سہو ہو جائے نہ یہ کہ بالکل ذہول ہو جاوے۔[۲] اور ایسا ہوتا تھا۔ چنانچہ نماز میں ایک بار آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھنی بھول گئے۔ نماز کے بعد آپ نے پوچھا کیا میں کوئی آیت چھوڑ گیا؟ ابی بن کعب نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ! آپ فلاں آیت چھوڑ گئے۔ بعض فرماتے ہیں الا ما شاء اللہ تبرکاً فرما دیا گیا تا کہ معلوم رہے کہ بھلا دینا حق سبحانہ کے اختیار میں ہے ورنہ بھولا یا آپ کو کچھ بھی نہیں۔ یہ فرا کا قول ہے۔ انه یعلم الجهر کیونکہ وہ تیرے موجودہ کمالات کو جانتا ہے۔ وما یخفیٰ اور جو تیرے اندر استعدادِ کامل رکھی ہے اس کو بھی جانتا ہے تو اس قابل ہے کہ حق سبحانہ تیرے ذہن کو عالمِ غیب کا آئینہ یا خزانہ کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی کر دیا پھر قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی آپ نہ بھولے تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور امتوں کی طرح کتابِ آسمانی کا کتابت پر انحصار نہ تھا بلکہ تمام قرآن ان پاک بازوں کے سینوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ کھدا ہوا تھا اور ان کی یہ برکت اب تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مستمر چلی آتی ہے۔ خصوصاً اس گروہ میں جو ان کے قدم بقدم ہے۔ ہر گاؤں اور ہر شہر میں حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور عورتیں بھی تمام قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا باقی نہ رہے تو ایک گاؤں میں ایک لڑکا سب قرآن کو لکھوا دے اور ایک لفظ اور حرف بلکہ زیر و زبر کا بھی فرق نہ آنے پاوے فلا تنسیٰ کی بشارت کیسی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھا دے نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا نہ توریت کا نہ زبور کا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾

۱ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو خدا پاک کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح پر انوارِ قدس فائض ہونے لگتے ہیں تو ملہمِ غیب اس کے دل کو علوم و معارف کا چشمہ کر دیتا ہے۔ اس کو اس حال میں وہی پڑھاتا ہے۔ اس صفت میں اول درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر اولیاءِ کرام۔ ۱۲ منہ

۲ اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلوا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جس کی بنا اخبار احاد و غیر صحیحہ اور غلط فہمی پر ہے۔ ۱۲ منہ

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾

اور ہم تیرے لیے آسان بات کو سہل کر دیں گے۔ پس سمجھاتے رہو اگر فائدہ سمجھنا بخشے نا جو خدا ترس ہو گا وہ تو جلد سمجھ جاوے گا اور اس نصیحت سے بدبخت ہی تو (الگ ہی) ہٹا رہے گا۔ وہ جو بڑی آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا جس نے پاکیزگی حاصل کر لی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (اور) نماز پڑھتا رہا اس نے فلاح پائی۔

ترکیب | ونیسرك معطوف علی سنقرئك وقوله انه یعلم الجهر وما یخفیٰ اعتراض ای سنقرءك فلا تنسیٰ ونوفقك للطریقة التی هی اسهل والیسران شرطیة نفعت الذکریٰ شرط وقوله فذکر یدل علی الجزاء الذی یصلی الخ صفة الاشقیٰ ثم لایموت عطف علی یصلی وذکر عطف علی تزکی وفصلی عطف علی ذکر۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا سبح اسم ربك الاعلیٰ کہ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کر اور اب اس تسبیح کے ثمرات بیان فرماتا ہے۔ فقال ونیسرك للیسریٰ کہ ہم تیرے لیے نجات کے رستے کو آسان کر دیں گے۔ نجات کو یسریٰ یوں کہا کہ وہ کوئی درحقیقت مشکل اور محال بات نہیں جیسا کہ مذاہبِ باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب جانتا ہے۔ کوئی آگ میں جل مرنے کو' کوئی دریا میں ڈوب مرنے کو' کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا مرنے کو' کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بننے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ اس لفظ یسریٰ میں اشارہ کر دیا کہ یہ سب خیالِ باطل ہیں' نجات کچھ مشکل نہیں صرف خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے ہے مگر یہ بھی ہر ایک کے لیے آسان نہیں گو فی نفسہا آسان ہے یہی پنجگانہ نماز ہے کہ جس میں کچھ بھی دقت نہیں۔ وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لے' کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے' مگر بعض طبائع پر یہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔ زنا سے بچنا کچھ مشکل کام نہیں' ایک عورت دل پسند سے نکاح کر کے قضائے حاجت کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی بس نہیں تو دو کر لے اور اس پر بھی بس نہیں تو تین اور بہت ہی ضرورت پڑے تو چار سہی پھر جس کی تقدیر کھوٹی ہے وہ سو پر بھی بس نہیں کرتا اور اس کو حلال میں لذت نہیں آتی۔ ایک بدکار عورت یا مرد سے اگر کہا جاوے کہ تم اپنا یہ تعلق قائم رکھو مگر نکاح کر لو تو وہ ہرگز نہیں کریں گے' یوں عمر بھر جھک ماریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خدا کی تسبیح و تقدیس کے انوار سے جب روح منور ہوتی ہے تو قوائے بہیمیہ پست ہو جاتے ہیں۔ اس وقت روح کا تقاضا نیک کاموں پر ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے کرنے لگتا ہے اور وہ نیک کام اس کے نزدیک ایسے آسان ہو جاتے ہیں جیسا کہ ظلمانی کے نزدیک بدکام آسان ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کل میسر لما خلق له امامن کان من اهل السعادة فسیسر لعمل السعادة وامامن کان من اهل الشقاوة فسیسر لعمل الشقاوة الحدیث (متفق علیہ) کہ جو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کو وہی آسان کر دیا جاتا ہے۔ پھر جو اہلِ سعادت ہے اس کے لیے سعادت کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوۃ ہے اس کے لیے بدبختی کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں۔

اب اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے کہ معرفتِ عبادت' سیاست' حسنِ اخلاق' صبر وغیرہ کے لیے آپ کے دل کو منبع کر دیا جاوے گا۔ اس سے ایک فوارہ جوش کرے گا جس سے یہ سب کام آپ کے نزدیک بہت آسان ہو جاویں گے۔ اس لیے آپ کو کسی معلم اور استاد اور لکھنے پڑھنے کی طرف حاجت نہ پڑے گی اور نہ کوئی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب آپ خود کامل ہو گئے اور نیک کاموں کا ملکہ راسخہ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا تو فذکر لوگوں کو سمجھا اور ان کو سدھار۔ درحقیقت اسی کے وعظ و پند کا اثر بھی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں خود ان باتوں کا ملکہ راسخہ ہوتا ہے اور اس کے قلب سے ایک سچا جوش اٹھ کر موج زن ہوتا ہے ورنہ خالی بک بک اور اسپیچ

کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے

گرز عشقت خبرے ہست بگو اے واعظ
ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

مگر یہ تذکیر ایک دُرِّ بے بہا ہے۔ خنزیر اور کتا اس لائق نہیں کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے بلکہ جو اس کا اہل ہو اور جس کو سمجھتے ہو کہ وہ اس سے فائدہ مند ہوگا اس لیے اس کے بعد فرمادیا کہ ان نفعت الذکریٰ کہ اگر آپ یہ سمجھیں کہ ذکر نفع دے گا۔

شبہ ؛ آنحضرت ﷺ پر فرض تھا کہ سب کو نصیحت کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس کو نفع ہو یا نہ ہو کس لیے کہ آپ تمام خلق کے لیے ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ پھر یہ قید کیوں لگائی کہ اگر ذکر نفع دے تو تذکیر کرو؟

جواب ؛ تبلیغ اور تذکیر میں فرق ہے، تبلیغ عام ہے وہ ایک حکم کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جاوے گی اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا یا سمجھانا۔ وہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے جانتا تھا اس کی فطرت میں یہ باتیں تھیں علائق وموانع سے بھول گیا تھا۔ اب اس کو مذکر یاد دلاتا ہے گرچہ حق سبحانہ کو علمِ ازلی سے معلوم ہے کہ فلاں کو تذکیر فائدہ دے گی۔ یہ ازلی سعادت مند ہے۔ عارضی گمراہی اس پر طاری ہوگئی ہے۔ فلاں کو فائدہ نہ دے گی کس لیے کہ یہ ازلی گمراہ ہے مگر رسولِ کریم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم وقرائن سے جس کے لیے تذکیر کو مفید دیکھیں تو تذکیر کریں ورنہ ابلاغ وانذار تو سب ہی کے لیے ہے۔

بعض علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اصلی عبارت یوں ہے ان نفعت الذکریٰ اولم تنفع کہ خواہ فائدہ دے یا نہ دے آپ سمجھاویں گے مگر دوسرے جزء کو حذف کر دیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ مقصودِ اصلی نفع ہی دینا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی شے کو کسی چیز پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب شے کہ جس پر معلق کیا ہے نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو ممکن ہے کہ ایک شے کے چند اسباب ہوں۔ ہر ایک کے پائے جانے سے یہ شے پائی جائے اور ان میں سے ایک کے وجود پر معلق کی جائے اور یہ نہیں کہ جب یہ نہ ہو تو یہ شے نہ ہو کس لیے کہ اس وقت دوسرا سبب پایا جاوے۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے کہ کسی کام کو کسی فائدہ سے اور مقصودِ اعلیٰ سے معلق کر دیتے ہیں جب کسی حکیم کو کہا جاوے کہ آپ علاج کیجئے اگر علاج سے شفا ہوتے دیکھیں اور صورت یہ ہے کہ علاج ہر حال میں کرانا مقصود ہے۔ اب یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ تذکیر کس کو نفع دے گی اور کون اس کے اثر سے محروم رہے گا۔ فقال سیذکر من یخشیٰ کہ اس وعظ و تذکیر سے وہ بہت جلد سدھر جاوے کہ جو ڈرتا ہوگا۔ واضح ہو کہ تین قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جو دارِ آخرت اور اعمال کی جزاء وسزا کے قائل ہیں۔ دوم وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ متردد وشکی ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ڈرجاتے ہیں۔ اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی جبکہ اُن کے سامنے عذابِ آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے تو وہ بھی ڈرجاتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کر لیا گیا۔ تیسرا فریق وہ ہے جو منکر اور سخت معاند ہے، ڈھٹائی کرتا ہے اس کی نسبت یوں فرماتا ہے۔ ویتجنبھا الاشقی کہ اس نصیحت یا نجات سے بد بخت اور بڑا شقی وہ ہے کہ جس کے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست ہو اور اشقی وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی خراب ہوں۔ پھر اگر یہ کسی رسم وعادت یا کسی کی تقلید سے ہیں تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور بہت دھرمی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکہ راسخہ پیدا کر لیا ہے تو یہ لا علاج ہے۔ اس کے حق میں آیا ہے لاینفع الایات والنذر اس جگہ اشقیٰ سے یہی مراد ہے۔ اس کا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلی النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں۔ ایک سے ایک بڑا۔ پس جو یہاں اشقیٰ یعنی بڑا شقی ہے اس کے لیے وہاں آگ بھی بڑی ہے۔ یہی شقاوت آگ بن جاوے گی العیاذ باللہ پھر دنیا کے مصائب ناقابلِ برداشت سے موت رستگاری کر دیتی ہے۔ اسی

لیے ایک سخت مصائب میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہاں موت بھی نہیں جیسا کہ خبر دیتا ہے۔ ثم لایموت فیھا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اس کو نہ آوے گی اور یہ اس لیے کہ اس عالم میں ارواح کے احکام بدن پر غالب ہوں گے۔ اس لیے جس طرح روح فنا پذیر نہ ہوگی، ابدان بھی نہ ہوں گے۔ وہاں ایک چمڑی جل جانے کے بعد دوسری چمڑی تیار ہو جاوے گی کما قال بدلنا جلودا الآیہ۔ ولا یحییٰ اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہوگی کس لیے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی چکھنی ہوگی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے۔

پہلے فرمایا تھا کہ ڈرنے والے اس نصیحت سے جلد سمجھ جاویں گے۔ اب اس سمجھنے کی تشریح اور اس کا نیک نتیجہ بیان فرماتا ہے۔ قد افلح من تزکیٰ کہ تحقیق فلاح پائی اس نے کہ جو پاک بن گیا۔ پاکی عام ہے اول جسم کی پاکی نجاساتِ ظاہرہ گوہ موت وغیرہ سے اور نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاستیں لگی ہوں یا حکماً کہ مالِ حرام یا مشتبہ سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لیے ریشم اور زری گوٹا یا نیچا دامن اور فساق و بدکاروں کی وضع وتراش ہو اور نیز جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو۔ جنابت یا حدثِ اصغر سے غسل اور وضو کے ساتھ۔ کس لیے کہ جسم کی پاکی کو روح کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد روح کی پاکیزگی ہے اور یہی مقصدِ اصلی بھی ہے اور وہ روحانی نجاستیں کیا ہیں۔ اول کفر وشرک اور دیگر عقائدِ باطلہ مثلاً حق سبحانہ کی ذات یا کسی صفات کا انکار یا انبیاء علیہم السلام اور ان کے ارشادات اور کتب سماویہ اور عالمِ آخرت اور ملائکہ کا انکار یا ان میں کوئی خیالِ باطل جیسا کہ گمراہ فرقوں کو ہوتا ہے۔ ان سب سے تزکیہ ایمان لانا اور عقائدِ حقہ کا دل پر نقش کرنا ہے اور یہ روحانی پاکی ہے۔ پھر افعالِ زشت اور اخلاقِ بد سے پاکی حاصل کرتا ہے۔ زنا، چوری، جھوٹ بولنا، دغا بازی، کینہ، حسد، طمعِ بے جا، حبِ شہواتِ فاسدہ سے پاک کرنا ہے۔ جس کے لیے توبہ واستغفار اور ندامت اور آنکھوں کے آنسو بڑا عمدہ صابن ہیں نہ کسی حوض کا پانی جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں۔ [1] اور نہ کسی دریا میں نہانا جیسا کہ ہنود خیال کرتے ہیں اور اتلافِ حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے۔ عام ہے کہ حقوق اللہ ہوں جیسا کہ اس کے فرائض وواجبات جن میں زکوٰۃِ اموال وصدقات بھی شامل ہیں یا حقوق العباد ہوں مگر ان سب باتوں سے صرف ناپاکی دور ہوتی ہے۔ ابھی تک کوئی نیا رنگ نہیں پیدا ہوتا اس لیے نئے رنگ پیدا کرنے کے لیے ان جملوں میں ارشاد فرماتا ہے وذکر اسم ربہ کہ اپنے رب کا نام لے عام ہے کہ ذکرِ قلبی ہو یا ذکرِ لسانی ہو، سر ہو یا جہر بشرطیکہ شرعی اور مسنون طریقوں سے ہو۔ ذکرِ الٰہی سے روح پر ایک ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو کسی اور کام سے نہیں ہوتی اسی لیے ایک جگہ فرمادیا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا لعلکم تفلحون۔ اب اس کے بعد ترقی ہوتی ہے۔ فقال فصلیٰ کہ پھر نماز پڑھے کس لیے کہ نماز میں روح اور جسم دونوں ذکر وفکر ومراقبہ میں ہوتے ہیں۔ بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں تمام منازلِ سلوک کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ تزکی میں توبہ اور معاصی سے تصفیہ آگیا جو اول منزل ہے وذکر اسم ربہ میں ذکرِ قلبی ولسانی وروحی وسر آگیا اور فصلیٰ میں مرتبۂ مشاہدہ تک پہنچنا آگیا اور اسی لیے نماز کو معراج المومنین کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ تزکی میں طہارت کی طرف اور ذکر اسم ربہ میں تکبیرِ تحریمہ کی طرف اور فصلیٰ میں ادائے نماز کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کی جگہ الرحمٰن اعظم یا لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ بھی کہہ دے گا تو نماز ہو جاوے گی۔ کس لیے کہ ذکر میں یہ بھی شامل ہے۔ صرف لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ نیز فصلیٰ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر یا ذکر جو افتتاحِ نماز کے وقت ہو نماز میں داخل نہیں۔ افلح کے لفظ میں تعمیم ہے۔ دنیا کی فلاح اور آخرت کی فلاح سب آگئی۔ جنت اور دیدارِ الٰہی سب کو شامل ہے۔

---

[1] عیسائی بپتسمہ یعنی حوض میں غوطہ لگانے چھڑکا دینے کو پاکی روحانی خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح عامۃ ہنود گنگا جمنا دریاؤں میں نہانا پاکی سمجھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ
الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ ع ۱۹ ۱۲

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدا رہنے والا ہے۔ بے شک یہی بات تو اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔

ترکیب : بل اضراب عن کلام مقدر یدل علیہ السیاق ای انتم لاتفعلون ذلک بل تؤثرون بلذات الفانیۃ العاجلۃ الحاصلۃ فی الدنیا علی الدار الآخرۃ ونعماھا الباقیۃ والآخرۃ مبتداء خیر وابقی خبر والجملۃ حال من فاعل تؤثرون' صحف ابراھیم الخ بدل من الصحف الاولیٰ۔

تفسیر : کفار دنیا پرست کہتے تھے کہ ہم کو تزکیہ اور ذکر اور نماز میں کوئی فلاح نہیں معلوم ہوتی کیا ہم عقل وادراک نہیں رکھتے اس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے یا یوں کہو کہ وہ بھی تزکیہ کے مدعی تھے۔ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہیں عقل وادراک کیا نہیں بل بلکہ تم تؤثرون الحیوۃ الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگانی اور اس کے لذاتِ فانیہ کو آخرت اور اس کے لذاتِ باقیہ پر فوقیت دیتے ہو حالانکہ والآخرۃ خیر ابقٰی وہ جہان دنیا سے کہیں بہتر ہے کس لیے کہ دنیا کے گھر میں کونسی لذت ہے جس کے اول بھی تلخی نہ ہو۔ اور آخر بھی تلخی نہ ہو کون سی شادمانی ہے جس میں غم کا کانٹا نہ لگا ہو۔ اگر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور دولتمندوں سے پوچھئے گا کہ تمہیں پوری مرادیں مل گئیں اب تو کوئی ارمان وہوس باقی نہیں تو فوراً کہہ دیں گے ابھی بہت کچھ ارمان دل میں ہیں جو ابھی نہیں نکلے۔ پھر یہ کیسا کانٹا ہے جو ہر وقت کھٹکتا رہتا ہے اور اگر یہ پوچھئے کہ کوئی رنج وغم تو نہیں تو جھٹ بول اٹھیں گے کہ ہزاروں۔ کوئی کہہ اٹھے گا کہ میرا بیٹا مرگیا اور میری زندگی تلخ کرگیا۔ کوئی کہے گا میری محبوبہ مرگئی مجھے اس کی جدائی نے بے چین کردیا۔ کوئی کہے گا مجھے فلاں مرض نے مجبور کر رکھا ہے اور اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر بقا نہیں چند روزہ عیش وکامرانی کے بعد فنا ہے اور فنا بھی ایسی کہ گویا کبھی آئے ہی نہیں تھے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کے عیش بے خار ہیں اور اس پر باقی ہیں فنا ہی نہیں۔

چونکہ یہ مضمون کہ آخرت کو دنیا پر فوقیت ہے (اس لیے دل کو اس فانی اور کمتر چیز پر باقی اور بہتر کے مقابلہ میں نہ لگانا چاہیے) اکثر طبائع بنی آدم کے مخالف تھا کیونکہ ان کی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت اور غفلت ہے۔ اس لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے پہلی کتابوں سے سند لائی گئی کہ جو اکثر طوائفِ عالم کے نزدیک بالخصوص عرب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں فقال ان ھذا کہ تحقیق یہ مضمون قد افلح سے لے کر اخیر تک لفی الصحف الاولیٰ پہلی کتابوں میں سے ہرگز منسوخ نہیں ہوا نہ ہوگا۔ بالخصوص صحف ابراھیم و موسیٰ سے۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی خدا پاک نے متعدد صحیفے نازل کئے تھے۔ صحیفہ چھوٹی سی کتاب۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنے تھے اور نہ ان میں سے اب کوئی صحیفہ کسی کے پاس باقی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات کے علاوہ اور صحیفے نازل ہوئے تھے' ان میں بھی یہی مضمون موجود تھا۔

(سورہ غاشیہ مکیہ ہے اس میں چھبیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ
ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾

بھلا آپ کو چھا جانے والی چیز (قیامت) کا حال بھی معلوم ہوا؟ اس دن بہت سے منہ تو ذلیل مشقت کش ہارے ہوئے ہوں گے۔ دہکتی آگ میں گرے پڑتے ہوں گے۔ ان کو کھولتے چشمے کا پانی پلایا جاوے گا۔ ان کو کھانا نہ ملے گا مگر اونٹ کٹارا جو نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے۔

ترکیب : ھل بمعنی قد وبہ قال قطرب وقیل استفہامیۃ التفخیمیۃ القیامۃ وسمیت بھا لانھا تغشی الخلائق باھوالھا وقال سعید بن جبیر ومحمد بن کعب الغاشیۃ النار تغشی وجوہ الکفار وعن ابن عباس انھا من اسماء القیامۃ وعنہ انھا الساعۃ وجوہ الخ الجملۃ مستانفۃ ووجوہ مرفوع علی الابتداء وان کان نکرۃ لوقوعہ فی مقام التفصیل خاشعۃ خبرہ۔ یومئذ ظرف للخبر۔ عاملۃ وصف لھا وکذا ناصبۃ تصلی قراء الجمہور بفتح التاء مبنیا للفاعل وقرئ بضمھا مبنیا للمفعول والضمیر راجع الی الوجوہ والمراد اصحابھا وھی خبر آخر للمبتداء وکذ الشقی لیس لھم الجملۃ مستانفۃ لبیان حال اھل النار الا من ضریع یجوز ان یکون فی موضع نصب علیٰ اصل الباب وان یکون رفعا علی البدل۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں چھبیس آیات ہیں۔ غاشیہ ڈھانکنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بیہوش کردینے والی کو بھی اور یہ قیامت کا اسی سبب سے نام ہے کہ اس کی دہشت لوگوں کو ڈھانک لے گی اور بیہوش کرڈالے گی۔ یہ لفظ اس سورہ میں ابتداء میں آیا اس لیے اس کا نام غاشیہ ہوا۔

مناسبت اس سورہ کی پہلی سورۃ سے بہت سے مضامین میں ہے۔ ازانجملہ اس مضمون میں کہ سورہ سبح اسم ربك میں اخیر مضمون یہ تھا کہ نجات سے الگ رہنے والا بڑی آگ میں ڈالا جاوے گا کہ جہاں نہ اس کو موت آوے گی نہ پوری زندگی ہوگی اور جس نے اپنے آپ کو پاک کرلیا اس نے فلاح پائی۔ اب اس سورہ میں ان دونوں باتوں کا وقت بیان فرماتا ہے اور نیز ان دونوں گروہوں کے حالات کی پوری تشریح بھی ہے تاکہ نارِ کبریٰ سے لوگ ڈریں اور آخرت جو بہتر اور باقی ہے اس کی نعمتوں کا حال سن کر مشتاق ہوں اور لذائذِ دنیا اور اس کی چندروزہ زرق برق کو حقیر جانیں اور اس پر دل نہ لگائیں۔

وہاں دو گروہ ہوں گے ایک بدلوگوں کا کہ جو اس دنیا کی محبت میں آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے۔ دوسرا نیک لوگوں کا جنہوں نے اس چندروزہ زندگی میں آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کو غنیمت جانا اور بڑی کوشش کی۔ اس لیے پہلے گروہ کا حال بیان کرتا ہے اور شروع قیامت کے حال سے کرتا ہے۔ فقال ھل اتاك حدیث الغاشیۃ کہ کیا تجھے غاشیہ یعنی قیامت کی بات معلوم ہوئی؟ ضرور ہوئی۔ بعض علماء نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ بے شک تجھ کو اے پیغمبر یا اے سامع! قیامت کا حال معلوم ہوگیا ہے۔ غاشیہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت ہے اور اس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ جو چیز ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہے اس کو غاش کہتے ہیں اور یہ بات قیامت میں پائی جاتی ہے: (۱) یوں کہ وہ لوگوں پر دفعۃً آجاوے گی اور نیز ایسے آنے والے کو یا غاش یا غاشیہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں افامنوا ان تاتیھم غاشیۃ من عذاب اللہ۔ (۲) یہ کہ سب لوگوں کو ڈھانک لے گی۔ ہوش وحواس کو بھی اور مجرموں کے بدنوں کو بھی چاروں طرف سے اس روز عذاب ڈھانک لے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے یوم یغشاء ھم العذاب من فوقھم ومن تحت ارجلھم اور نیز ایمانداروں کی لغزشوں کو بھی بسببِ مغفرتِ الٰہی کے اور کفار کے نامقبول اعمال کو بسببِ عتاب کے اور اس طرز سے سوال کرنے میں کہ ھل اتاك حدیث الغاشیۃ اس کی طرف سامع کی پوری توجہ دلانا اور آئندہ کلام کو حضورِ دل سے سنوانا مقصود ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وجوہ یومئذ خاشعۃ کہ بہت سے منہ اس روز ذلیل وخوار ہوں گے۔ ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں

جھکاتے تھے' کبر وگردن کشی کرتے تھے اور وہ بھی ہیں کہ جو تن پروری کرتے تھے اور وہ بھی ہیں جو دنیا میں عبادت اور دینی کاموں میں سستی کرتے اور عیش وآرام طلبی کی عادت بنا رکھی تھی۔ لوگ رمضان کے روزہ سے لب خشک تھے۔ بھوک پیاس کے آثار نمایاں تھے۔ یہ تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے اور روزہ داروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے یا نماز کے لیے کے مسجدوں اور عبادت گاہوں میں نہیں جاتے تھے یا جہاد میں جانے سے پہلوتہی کرتے تھے یا اور دینی کاموں سے دل چرا کر گھروں میں بے فکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے۔ ان کے منہ اس روز عاملۃ عمل کی مشقت میں پڑے ہوں گے کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جاوے گا۔ کما قال سارھقه صعودا۔ کوئی میدانِ قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے رستگاری دلائے۔ کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لے جاتے ہوں گے اور سر پر ہزاروں جوتیاں پڑتی جاتی ہوں گی۔ کسی کو وہاں جہنم میں کوئی اور سخت کام تفویض ہوگا۔ جیسا کہ دنیا میں قیدیوں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور ان اعمالِ شاقہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے۔ کما قال ناصبة کہ تکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ اگر دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجاوے گا مگر وہاں کون رحم کرے؟

اب اس کے بعد ان کے اور حالات بیان فرماتا ہے۔ فقال تصلیٰ نارا حامیة کہ وہ دہکتی آگ میں گریں گے۔ یہ ان کی وہی شہوت کی اور حمایتِ کفر کی اور حبِ جاہ ومال کی آگ ہے۔ یہ تو مکان ملے گا۔ اب پینے کی سنئے تسقیٰ من عین آنیة کہ دنیا میں ٹھنڈے پانیوں اور لذیذ شربتوں اور برف آمیز شرابوں کے بدلے ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پلایا جاوے گا۔ وہ بھی جب کہ مدتوں منت کریں گے اور وہ انتڑیوں میں سے پیتے ہی نکل پڑے گا۔ پیتے وقت منہ جھلس جاوے گا۔ اب کھانے کا حال سنئے لیس لھم طعام کہ سرے سے ان کو کھانا ہی نہ ملے گا۔ بھوکوں مریں گے۔ یہ حرام اور ناجائز نعمتیں کھانے کا بدلہ ہے جو کھا کر اکڑتے اور بدکاری کرتے تھے۔ الامن ضریع اور جو ملا بھی تو.....اونٹ کٹارا جو لایسمن ولا یغنی من جوع۔ نہ موٹے کرے نہ بھوک دور کرے۔ ضریع کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (۱) اکثر کہتے ہیں خاردار چیز ہے جس کو اونٹ کھاتے ہیں اور خشک ہو جانے پر زہر ہے (جھولمنسا) حسن بصری فرماتے ہیں زقوم کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضراعۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ذلت وخواری کے یعنی وہ ذلیل وخوار کھانا جو نہایت مکروہ اور قابلِ نفرت ہے جس سے فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ
فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ
مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦

اس دن بہت سے منہ تو تر وتازہ اور اپنی کوشش سے خوش ہوں گے۔ اونچے باغوں میں رہیں گے جہاں کوئی بیہودہ بات بھی سننے میں نہ آئے گی۔ وہاں بہتا[1] چشمہ ہوگا ان باغوں میں اونچے اونچے تخت اور آبخورہ چنے ہوئے اور گاؤ تکیے[2] قطار سے لگے ہوئے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب : وجوہ مبتداء ناعمة خبرہ یومئذ ظرف للخبر لسعیھا واللام تتعلق براضیة وھی خبر بعد خبر۔ وکذا فی جنة عالیة لاتسمع قرء الجمہور بفتح الفوقیة ونصب لاغیة وقرئ بصیغة المجھول ورفع لاغیة ولاغیة اما صفة موصوف محذوف ای کلمة لاغیة اومصدر ای لاتسمع انت یا ایھا المخاطب

[1] وما احسن قول بعض الصوفیة المعنی الجاریة لمن عینه فی نشیة الله جاریة ھل جزاء الاحسان الا حسان۔ شہاب
[2] النمرق والنمرقة وسادة صغیرة والنمرقة بالکسر لغة ور بما سموا اللطیفة التی فوق الرجل نمرقة (مختار الصحاح)

فی الجنة لغوا ای اذا وباطلا ھذہ الجملة وکذا مابعد ھا صفة جنة واکواب جمع کوب وانه قدح الذی لاعروة ولا خرطوم نمارق جمع نمرقة بضم النون وبکسرھا عند الفراء وھی وسادة صغیرة (تکیہ) ذرابی جمع زربی وزربیة فی القاموس الزرابی النمارق والبسط وکل ماببسط وتیکاء علیھا الواحد زربی بالکسر وبالضم۔

تفسیر : اب دوسرے فریق کا حال بیان فرماتا ہے یعنی نیک لوگوں کا فقال وجوہ یومئذ ناعمة کہ بہت سے منہ اس روز شاد ماں اور خوش اور تروتازہ ہوں گے۔ ان پر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں روزہ کی بھوک پیاس اور راہِ حق میں کوشش اور جہاد کے واسطے تکالیفِ شاقہ اٹھا کر اور نیز راتوں کو عبادت کر کے پژمردہ ہو گئے تھے اور اللہ کی راہ میں فقر وفاقہ نے ان کے چہروں کو بے رونق کر دیا تھا۔ اس لیے فرماتا ہے لسعیھا راضیة اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش وخرم ہوں گے کہ ہماری کوششوں کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور کفار بدمذہبوں کے کہنے کے موافق رائیگاں نہ گئیں اور وہ نیک ثمرہ یہ ہے فی جنة عالیة کہ بلند باغوں میں ہوں گے جہاں حوادثِ دہر کے ہاتھ کو رسائی نہ ہوگی اور نیز بلندی پر جو باغ ہوتا ہے تو نہایت خوش فضا ہوتا ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ باغوں میں ہوں گے یعنی وہ دنیا کے باغوں جیسے باغ نہیں جن پر خزاں کو دسترس ہو بلکہ ایسے کہ جن کے آگے دنیا کے شاہانہ باغ ہیچ ہیں۔ جہاں تک عقل دوہم انسانی نعمتیں تجویز کرے ان سے بڑھ کر ان میں ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لاتسمع فیھا لاغیة کہ اے مخاطب! تو اس میں کوئی لغو اور رنج دہ بات نہ سنے گا نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا، نہ کوئی خوف واندیشہ کی بات کہے گا نہ کسی کے مرنے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جاوے نہ اپنی جوانی اور اس باغ وبہار کے فنا کی بات سننے میں آئے گی۔ الغرض کوئی رنج دہ بات کان میں نہ پڑے گی بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور دوسری بات یہ ہے کہ فیھا عین جاریة کہ ان باغوں میں چشمے جاری ہوں گے۔ ان کے پانیوں کی خوش آئند روانگی اور ان سے باغوں کی تروتازگی دوبالا لطف کر دے گی۔ دوزخیوں کو تو گرم چشمہ کا پانی پینے کو ملتا تھا۔ یہاں نہر تسنیم بے حساب ہے۔ یہ ان کے اعمالِ جاریہ اور خدا کے خوف ومحبت سے روتی آنکھوں کا مظہر ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ فیھا سرر مرفوعة ان باغوں میں بلند مرتبہ یا بلند تختِ شاہانہ ہوں گے جن پر بیٹھ کر نظارہ کریں گے اور اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے۔ ہر جنتی اس جہان میں ملکِ باقی کا بادشاہ ہوگا۔ چوتھی بات یہ کہ اکواب موضوعة وہاں کوزے اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے اور نہایت خوش رنگ اور بیش بہا قرینہ سے چنے ہوں گے تاکہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے لے جاوے۔ پانچویں یہ کہ نمارق مصفوفة کہ برابر برابر حریری اور پرزر اور نہایت پرتکلف تکیے اور جواہر ٹکی ہوئی مسندیں بچھی ہوں گی کہ جن کے رنگوں اور تکلف کو دنیا کی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں۔ یہ تکیے اور مسندیں تو تختوں پر ہوں گی اور مکانوں میں یہ ہوگا۔ وزرابی مبثوثة کہ نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے۔ ہر کمرہ میں ایک نئی تیاری ہے۔

اور مکانات کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیونکہ وہ جواہرات کے ہوں گے اور وہ جواہرات دنیا کے جواہرات سے بدرجہا فائق ہوں گے اور جب مکانوں اور وہاں کے سامانوں کی یہ کیفیت ہے تو ان مکانوں میں ان کے دل بہلانے اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے وہ وہ حسین عورتیں ہوں گی کہ جن کے حسن اور خوبی اور ان کی نوخیز جوانی اور ان کے ناز وادا اور ان کے لباس اور زیورات کی تصویر وہم وادراک سے بھی نہیں کھینچ سکتی۔

یہ سب چیزیں روحانی ملکات کے مظاہر ہیں۔ کور باطن ان باتوں کو اک تشبیہ اور دل لبھانے والا استعارہ سمجھتا ہے اور اس کی کوتاہ عقل درحقیقت ایسی چیزوں کے وجود کو اس قادرِ مطلق کی قدرت کے احاطہ سے باہر جانتی ہے۔ یہ سب باتیں برحق ہیں۔ عالمِ ناسوتی کا حجاب ان کے دیکھنے میں حائل ہے۔ جب یہ پردہ ظلمانی موت نے اٹھا دیا تب یہ سب چیزیں نظر آنے لگیں گی اور جو اہلِ صفاء ہیں اور ان کی

روح میں کمال نورانیت پیدا ہوگئی ہے تو ان کو اس عالم میں بھی یہ چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی آنکھوں میں نہ یہاں کے حسینوں کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے نہ وہ دنیا کے عیش و نشاط کو خاطر میں لاتے ہیں اور اسی لیے وہ ہر دم اس عالم کے مشتاق رہا کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کو قید خانہ کی زندگی سے بدتر سمجھتے ہیں ہاں خسیس طبیعتیں بچوں کی طرح اس کھیل اور تماشا پر ایسے گرویدہ ہوتے ہیں کہ پھر اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ کیا خوب فرمایا ہے عارف جامی نے۔

دلا تا کے دریں کارخِ مجازی کنی مانند طفلاں خاکبازی
بیفشاں بال و پرزامیزش خاک پر تا کنگرِ ایوان افلاک

قرآن مجید دنیا کے غافلوں کو اس ملک جاودانی کی ہدایت کرتا ہے۔ نفس اور قوائے بہیمیہ ہیں کہ اس کو اٹھنے نہیں دیتے عجب کشمکش میں پڑا ہوا ہے مگر جس کو جاذبۂ الٰہی چاہتا ہے ادھر کھینچ لے جاتا ہے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾
وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کیونکر کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

ترکیب ؛ افلا ینظرون الاستفہام للتوبیخ والفاء للعطف علیٰ مقدر والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لاثبات البعث ولاظہار القدرۃ علی الاعادۃ وقیل الجملۃ فی محل جر علی انھا بدل اشتمال من الابل وعن الاصمعی انہ قال من قرء خلقت بالتخفیف عنیٰ بہ البعیر ومن قرء بالتشدید عنیٰ بہ السحاب ای بالابل وقال البسر المراد من الابل ھھنا القطیعۃ العظیمۃ من السحاب والابل اسم جمع لا واحد لہ من لفظہ وانما واحدہ البعیر والناقۃ والجمل والسطح بسط الشیء قراء الجمہور مبنیاً للمفعول مخففاً وقرء الحسن مشدد وقرء علی بن ابی طالب وغیرہ فی المواضع کلھا مبنیا للفاعل وضم التاء فیھا علی انھا صیغۃ الواحد المتکلم۔

تفسیر ؛ دوزخ کے عذاب اور جنت کے نعماء سن کر قریش مکہ تعجب کرتے تھے۔ خصوصاً جنت کی نعمتوں پر کہ اس قدر عیش و آرام کے سامان کہ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اس افراط سے کیونکر پیدا ہو جاویں گے اور دنیا میں تو ایسی چیزیں کیا بلکہ روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں اور عرب پر کیا موقوف ہے ہر طبقہ کے انسان کا (بشرطیکہ نورِ باطن سے اس کی عقل بہرہ یاب نہ ہو) اس بذل وجود اور ان چیزوں کے وجود پر تعجب کرنا بعید نہیں۔ اس لیے اس تعجب کے دور کرنے کو دنیا کی چیزوں میں جو غریب و امیر کو میسر ہیں اور کیسی عظیم الشان ہیں، نذر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال۔ افلاینظرون الی الابل کیف خلقت کہ پھر وہ کیوں اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے یا میں نے ان کو کیسا پیدا کیا؟

اونٹ کے فوائد ؛ یہ اول نمونہ اس کی قدرتِ کاملہ اور بذلِ وجود کا ہے جو عرب کے ہر وقت سامنے رہتا ہے اور جس پر ان کی معاش کا دار و مدار ہے۔ اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب و غریب ہے۔ اس قدر اونچا اور جب بٹھاؤ بیٹھ جاوے اور جانوروں پر کھڑا کر کے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی لچک اور اس کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ کسی جانور میں خوبی نہیں۔ پھر جس قدر اطاعت کا اس میں مادہ ہے کسی میں نہیں۔ سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مہار تھام کے جدھر چاہے لے جائے پھر بارکش ایسا

کہ تمام گھر بار اس پر لاد لو گویا خشکی میں رواں کشتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیا لے جانے میں چھکڑا یا ریل گاڑی ہے۔ پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے سامان کے ساتھ لے جانے میں ڈاک گاڑی ہے کہ جس کے لیے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ رستہ کا ہموار ہونا۔ سانڈنی (جو سواری کا اونٹ ہوتا ہے) دن میں سو کوس تک جا سکتی ہے۔ اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ اور گرمی ہو کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کر لیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے۔ یہ کھا لیتا ہے۔ کچھ ہری بھری گھانس اور دانہ اور مالیدہ کی حاجت نہیں اس پر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو کچھ بھی پروا نہیں۔

سواری کا یہ آرام اسی کے دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر کو کافی ہے اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لیے دوا بھی ہے۔ اس کی پشم بھی کام آتی ہے۔ کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں، خصوصاً عرب کے لباس کمل اور جبے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ اسی کی پشم سے بنتے ہیں۔ اس پر اس کا گوشت بھی حلال، گھر بھر کیا محلے کو کافی ہو سکتا ہے۔ اس پر اس کی نسل میں برکت ستا مل سکتا ہے اور عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک، گرم اور ریگستانی ملکوں کی معاش تو اسی پر موقوف ہے۔ یہ باتیں کسی جانور میں نہیں۔ ہاتھی قد و قامت میں اتنا بڑا جانور ہے۔ نہ اس میں یہ فوائد ہیں نہ وہ ہر ایک کو مل سکتا ہے۔ نہ تھوڑے سے پتوں پر گزر کر سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرتِ کاملہ کو دیکھو اور اس پر اس کے اس احسان کو عام کرو۔ پھر اگر اس عالم میں وہ بندوں کے آرام کے لیے ایسے ایسے سامان پیدا کر کے یہ احسان کرے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ وہاں کے بہت بلند تخت اونٹوں کی طرح اونچے اونچے ہو جاویں تو کیا بڑی ہے۔

دوسرا نمونہ: والی السماء کیف رفعت اور آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا بلند کیا گیا (یا ہم نے اس کو کیسا بلند کر دیا) یہ دوسرا نمونہ ہے جس سے ہر ملک اور ہر قوم سمجھ سکتی ہے کہ اول تو اس قدر بلندی کہ جہاں طائرِ وہم بھی اڑ کر نہیں جا سکتا کیسی قدرتِ کاملہ ہے پھر اس کی وسعت کہ جس کے سایہ میں ہر نیک و بد بادشاہ و امیر ہے۔ کیسی قدرت و انعامِ عام کی دلیل ہے۔ پھر اس کے ستارے بھی قدرت کا نمونہ ہیں۔ آفتاب کو دیکھو کہ کتنا بڑا جسم ہے کہ جو زمین سے لاکھوں حصے زیادہ ہے کس نے بنا دیا اور اس میں یہ نور اور نور میں یہ گرمی کس نے دی؟ جس سے تمام دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر آفتاب نہ ہو تو زندگی وبال ہو جاوے پھر یہ کیسا انعام عام ہے اس دنیا کے ظلمت کدہ کا چراغ ہے تو آفتاب ہے اگر یہ نہ ہو تو جنگلوں اور دریاؤں اور شہروں اور گاؤں کو کونسی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی پھل پھول اور پیداوار کو پکا سکتی اور اگا سکتی ہے۔ سرد موسم میں آفتاب کے سب مشتاق رہا کرتے ہیں، غریبوں کی انگیٹھی ہے تو آفتاب ہے۔ پھر چاند کے فوائد اور اس کی جسامت اور اس کی روشنی میں غور کیا جاوے تو عقلِ سلیم کبھی انکار نہ کرے کہ وہ قادرِ مطلق جوادِ کریم اس جہان میں نیک بندوں کے لیے جیسے چاہے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض ستارے لاکھوں کوس دور ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زمین سے بہت بڑے ہیں۔ پھر جب زمین میں یہ کچھ سامان ہیں باغ و بہار بھی ہے جو جنت کا نمونہ ہے اور گرمی و سوزش اور تکالیف کے سامان بھی ہیں، سانپ بچھو بھی ہیں جو جہنم کا نمونہ ہے تو ان اجسام میں کیا کچھ نہ ہوگا پھر وہ ایک نہیں لاکھوں ہیں پھر اس پر اس کی قدرت و عظمت و انعام و اکرام کو خیال کر لو جو تمہارے تنگ فہم میں بخوبی آ سکے۔

تیسرا نمونہ ؛ لو اب نیچے اتر آؤ اور اپنی زمین اور اس کے عجائبات کو ہی غور کرو۔ والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیے گئے اور کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں (یا ہم نے ان کو کیسا کھڑا کر دیا ہے) یہ تیسرا نمونہ ہے۔ پہاڑ بھی اس کی قدرت اور بذل و احسان کا کامل نمونہ ہیں۔ اول تو باوجودیکہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جز ہیں۔ پھر زمین سے کس طرح ممتاز ہیں اول تو ان کی بلندی قابلِ حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ حکماء و عقلا نے عقل کے بڑے گھوڑے دوڑائے ہیں مگر اب تک کوئی

تسکین بخش وجہ پیدا نہیں کر سکے کہ زمین کے اس ٹکڑے کو یہ بلندی اور پھر یہ سختی اور پھر یہ رنگتیں کیونکر پیدا ہوگئیں۔ اس قدر کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ بدءِ خلقت میں جب قدرت نے زمین بنائی تو اوپر سے پانی برسنے شروع ہوئے۔ ادھر ادھر کی زمین گھیر کر بہہ گئی تو ٹیڑھے ترچھے۔ یہ ٹیلے ویسے ہی بلند رہ گئے اور پھر آفتاب کی حرارت سے ان ٹیلوں میں حجریت آ گئی یعنی مٹی کا پتھر بن گیا اور جیسی زمین تھی اس رنگ کے سرخ، سپید، سیاہ پتھر بنے اور بارشوں اور چشموں کے پھوٹ پڑنے سے پہاڑوں میں گھاٹیاں ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں یوں نہیں پہلے تمام دنیا پر پانی سمندر کا محیط تھا۔ یہ ٹکڑے جو اوپر ابھر آئے پانی کی موجوں نے ان میں نشان کر دیے اور پھر پانی درجہ بدرجہ اترتا گیا اور بہت سی زمین اور ملک کھلتے گئے مگر یہ ٹکڑے سخت ہو گئے۔

بظاہر باتیں تو ٹھیک ہیں تک تو ملا دی مگر اس پر سینکڑوں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ایسا ایسا کر دیا اور چلو اسباب بھی تلاش کرو مگر پھر ان اسباب میں گفتگو ہوگی کہ وہ کیونکر پیدا ہوئے؟ پھر آخر کار تو اس قادرِ مطلق کی یدِ قدرت تک سلسلہ تمام ہوگا۔

پہاڑوں کے فوائد ¦ اب پہاڑوں کے منافع میں غور کیجئے تو عقل حیران رہ جائے۔ انہیں پہاڑوں میں سے یہ خوش گوار پانی کے دریا نکلے۔ گنگا، جمنا، نیل، فرات، جیحوں، دجلہ وغیرہ اور پھر ان سے ملک شاداب ہوئے اور کیا کیا نعمتیں پیدا ہوئیں اور بھی سینکڑوں فوائد ہیں جن کے ذکر کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

چوتھا نمونہ ¦ والی الارض کیف سطحت اور زمین کو دیکھو کہ کیسی بچھائی گئی (یا ہم نے کس نے طرح بچھا دیا) یہ قدرت کا چوتھا نمونہ ہے۔ اگر غور کیا جاوے کہ زمین ایک کروی الشکل یعنی گول ہے تو گول چیز پر کوئی رہ نہیں سکتا ہے نہ کھیتی باڑی کر سکتا ہے مگر اس قادرِ مطلق اور حکیم متقن نے باوجود اس کروی ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سینکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں۔ لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں۔ سینکڑوں کوسوں تک سڑکیں ہیں اور بیشمار باغ اور کھیت ہیں اور کیا کیا نفیس وسیع شہر آباد ہیں اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں کہ جن میں اس کی کرویت سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا اور یہاں تک وسعت دی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں پر بادشاہ حکمرانی کر رہے ہیں یہاں تک کہ عقولِ عامہ کے نزدیک زمین گول ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک ہموار فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین کے رہنے والوں کو زندگی وبال اور محال ہو جاتی۔ یہ کیسا انعام ہے جس سے ہر امیر فقیر برابر نفع اٹھا رہا ہے اور یہ اس کی کیسی قدرت اور کاری گری ہے کہ اس قدر اس کے محدب کو وسعت عطا کی کہ کرویت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر کیا وہ قادر و حکیم اور منعم اس عالم میں نیک بندوں کے لیے یہ نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا، ضرور پیدا کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ ان چاروں نمونوں میں بہشت کی شان بھی نمایاں ہے اور دوزخ کی بھی۔ اونٹ کے منافع پر غور کیجئے تو شانِ بہشت نمایاں ہے۔ جدھر چاہو لے چلو، بٹھالو، کھڑا کر کے بوجھ لاد لو اور جو خود اونٹ کی مشقت اور بارکشی کو دیکھئے تو جہنم کی تکالیف کا نمونہ ہے۔ آخر وہ بھی تو ہماری طرح خدا کا بنایا ہوا ہے۔ پھر بیچارہ کس مشقت میں ہے اور سرسبز پہاڑوں میں جنت کی شان نمایاں ہے۔ خشک اور گرم پہاڑوں میں خصوصاً ان میں کہ جہاں آتش فشانی ہوتی ہے یا آتشیں مادہ نکل کر بہتا ہے۔ جہنم کا غصہ اور اس کی چنگاریاں نظر آجاتی ہیں۔ آسمان کی فضا اور چاند و سورج کی پر بہار روشنی اور اچھی موسمیں جنت کا نمونہ ہیں۔ پھر اندھیری راتیں اور گرم لو کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کے شاداب ٹکڑے اور باغات جنت کا نمونہ ہیں اور خشک و گرم اور بدبودار اور عمیق گڑھے جہنم کا نمونہ ہیں مگر یہ چیزیں روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہر روز دیکھتے دیکھتے ایک معمولی بات ہوگئی مگر روشن دل ان میں پورے نمونوں کا ملاحظہ کیا کرتا ہے اور یہی آثارِ قدرت ہیں جو بندوں کو خدائے پاک دکھاتا ہے۔ اس لیے جنت کے بیان میں شہوت انگیز مضامین بیان نہیں ہوئے بلکہ ان کو سن کر عالمِ آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور دنیا سے نفرت اس لیے فرمایا:

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ
وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ
عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

ع ۱۲ النصف

سو (اے رسول!) آپ سمجھاتے رہیں آپ کا کام تو سمجھانے کا ہے۔ تم ان پر کوتوال تو نہیں ہو لیکن جس نے منہ موڑ لیا اور منکر ہو گیا سو اس کو اللہ ہی بڑی سزا دے گا بے شک ان کو ہمارے پاس پھر کر آنا ہے۔ پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔

ترکیب ¦ فذکر الفاء لترتیب مابعدھا علی قبلھا مصیطر بالصاد والسین قال فی الصحاح ھو المسلط علی الشیء لیشرف علیہ ویتعھدا حوالہ الا استثناء متصل من اعم المفاعیل وقیل منقطع والعذاب الاکبر العذاب الشدید الدائم وھو عذاب جھنم وانما قال الاکبر لانھم عذبوا فی الدنیا بالعذاب الاصغر وھو الجوع والقتل والاسر قرء قتادہ وابن عباس الا بالتی للتنبیہ ایابھم اسم ان الینا خبرھا وقس علیہ حسابھم وجمیع الضمیر فی ایابھم وحسابھم باعتبار معنی من کما افراد الضمیر فی یعذبہ باعتبار لفظھا۔

تفسیر ¦ جب عالمِ آخرت کی طرف رغبت کرنے کے اسباب بیان ہو چکے اور اس چند روزہ زندگی کا انجام کار لوگ سن چکے اور نیک و بد کاموں کا انجام بھی معلوم کر چکے تو آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ فذکر کہ آپ نصیحت کیجئے۔ وعظ و پند سے سمجھائیے۔ کس لیے کہ انما انت مذکر آپ کا کام ہے سمجھانا اس لیے آپ اس پر آشوب زمانہ میں مبعوث کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ پھر جو کوئی ہٹ دھرم اور شقی ازلی نہ مانے تو اپنا سر کھائے کس لیے کہ لست علیھم بمصیطر آپ ان پر کوتوال یا داروغہ نہیں کہ زبردستی ان کو ایمان پر لائیں اور جو نہ مانے تو اس کا ذمہ آپ پر ہو۔ فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات منسوخ ہیں۔ آیت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے یعنی یہ حکم جب تھا کہ کفار کا غلبہ تھا اور اسلام غالب ہونے کے بعد اگر وہ ایمان نہ لاویں تو ان کو قتل کیا جاوے مگر یہ کہنا صحیح نہیں کس لیے کہ اب بھی جو نہ مانے تو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ لوگ عرب سے نکال دیے جاویں اور دیگر ممالک میں اگر رہنا چاہیں تو شاہِ اسلام کی اطاعت میں ذمی[1] بن کر رہیں۔ کچھ جبر نہیں کہ ان کو مسلمان بنایا جاوے اور قتل کا حکم بوقتِ مقابلہ ہے۔

الا من تولیٰ و کفر بعض مفسرین نے اس کو مفعولِ عام سے مستثنیٰ کیا ہے کہ فذکر کلا واحد الا من تولیٰ وکفر کہ سب کو نصیحت کر مگر اس کے لیے کچھ ضرور نہیں جو منہ موڑ جاوے۔ اور منکر ہو جاوے کس لیے کہ اس ہٹ دھرم کو نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ پہلے فرمایا تھا ان نفعت الذکری ابن عباس وقتادہ الا کو الا تنبیہ کا کلمہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ خبردار جو منہ موڑے اور انکار کرے گا اس کو خدا سخت سزا دے گا۔ بعض نے اس کو علیھم کی ضمیر سے استثناء کیا ہے کہ آپ ان پر داروغہ نہیں لیکن جو نہ مانے گا وہ سخت سزا پاوے گا۔ ان الینا ایابھم آخر ان سب کو مر کر ہمارے پاس آنا ہے۔ ثم ان علینا حسابھم پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے، ہم ضرور باز پرس کریں گے اور منہ موڑنے اور انکار کرنے والے کو سخت سزا دیں گے۔ وہ کیا ہے؟ جہنم کا ابدی عذاب اور اس کے مقابلہ میں سب سزائیں کم ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

[1] ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہو اور شاہِ اسلام کی رعیت ہو کر رہے۔ اس کی حفاظت کا شاہِ اسلام پر اور اس کو شاہِ اسلام کی اطاعت کا ذمہ ہے۔ اس لیے ذمی کہتے ہیں۔ اس سے ایک خاص ٹیکس حفاظتی لیا جاتا ہے جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ فوجی خدمت سے معاف کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

(سورہ فجر مکیہ ہے اس میں تیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ؕ﴿۵﴾

قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جبکہ ڈھلے کیوں ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لیے بس کرتی ہے؟

ترکیب ¦ والفجر الواو للقسم والباقی معطوف علی الفجر وجواب القسم محذوف ای لتبعثن اونحوہ وقیل جوابہ ان ربک لبالمرصاد۔ والشفع والوتر بفتح الواو وکسرھا ھما لغتان ومعناھما الزوج والفرد اذا یسر اذا ظرف والعامل فیہ محذوف ای اقسم بہ یسر قرء الجمہوری بحذف الیاء وصلاً ووقفاً اتباعاً لرسم المصحف وقرء نافع وابوعمرو بحذفھا فی الوقف واثباتھا فی الوصل وقرء ابن کثیر ویعقوب وابن محیص باثباتھا فیھما قال الخلیل تسقط الیاء منھا موافقۃً لرؤس الآی وھو ماخوذ من السری وھو السیر لیلا یقال سریت اللیل وسریت بہ واسناد السری الی اللیل قیل حقیقی لان معناہ جاء او ادبر وقیل مجازی ھل فی ذلک القسم قسم لذی حجر ای عقل ولب واصل الحجر المنع یقال لمن ملک نفسہ منعھا انہ لذو حجر ومنہ سمی الحجر لامتناعہ بصلابتہ ومنہ حجر الحاکم علی فلان ای منعہ والجملۃ استفہامیۃ لتقریر تعظیم ما اقسم اللہ تعالیٰ بہ وذلک اشارۃ الی تلک الامور المذکورۃ بتاویل المذکور ای ھل فی تلک الامور المذکورۃ التی اقسمت بھا قسم حقیق بان یتیقن بہ ذو عقل سلیم وفھم مستقیم۔

تفسیر ¦ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ ابن عباس و عائشہ وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں تیس آیات ہیں۔ لفظ فجر اس کے شروع میں ہے۔ اس لیے اس کو سورۂ فجر کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ کو لمبی قرأت پر تنبیہ فرمائی تھی تو منجملہ اور سورتوں کے اس سورہ کے پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا (رواہ النسائی)

واضح ہو کہ اس سورہ میں بھی خدا تعالیٰ جزاء وسزا کا پانا اور ایک ایسے دن کا آنا کہ جس میں انسان نے جو کچھ اس ظلمت کدہ میں کیا تھا اس کا مشاہدہ کرنا بدلائل ثابت فرماتا ہے اور یہی وجہ اس سورہ کی پہلی سورہ سے مناسبت کی ہے مگر ہر سورہ میں ایک نیا دلکش اور پراثر انداز ہے جو انسان کو شقاوت کے گڑھے سے نکال کر سعادت کی بلندی کی طرف لاتا ہے اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام سے یہی مقصودِ اصلی بھی ہے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ کی ابتداء ایسی چند چیزوں کی قسم سے کی کہ ان میں سے ہر ایک میں غور کرنا اس مقصود کو ثابت کرتا ہے اور لطف یہ کہ شبہات کو بھی زائل کر دیتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے والفجر ولیال عشر والشفع والوتر والیل اذا یسر۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں کہ جن کی قسم کھائی گئی۔ اول فجر۔ اگر فجر کے معنی صبح کے لیے جاویں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو یہ بھی قیامت کے برپا ہونے کا پورا نمونہ ہے۔ رات کو ایک سناٹا ہوتا ہے۔ پرند چرند انسان حیوان پر نیند و آرام طاری ہوتا ہے جو ایک حالتِ موت سے پوری مشابہ ہے۔ نہ وہ شور وغل ہے نہ ہائے ہو۔ نہ وہ آفتاب کی مشعل کی روشنی ہے۔ پھر صبح نمودار ہوتے ہی ہر ایک بیدار ہوتا ہے۔ پرند چہکنے لگے۔ مسافروں نے چلنے کی تیاری کی۔ کاروباری اپنے کاروبار کی طرف، درباری اپنے دربار کی طرف دوڑنے لگے۔ الغرض ایک شور برپا ہوگیا۔ یہ قیامت کا پورا نمونہ ہے کہ مرنے کے بعد خصوصاً جبکہ فنا کے صور سے ہر چیز نیست ہو جاوے گی اور عدم کی رات طاری ہو جاوے گی تو پھر صبحِ قیامت نمودار ہو کر لوگوں کو بیدار کر دے گی۔ بادۂ غفلت کے مست کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ ہم کو نیند سے کس نے جگا دیا؟

اس تقدیر پر فجر سے مراد کسی دن معین کی فجر نہیں بلکہ عام ہے جیسا کہ اور جگہ بھی آیا ہے والصبح اذا تنفس، والصبح اذا اسفر

اور یہی حضرت علی و ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور جو اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد لی جاوے تو بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اور علماء فرماتے ہیں چنانچہ (۱) قتادہ کہتے ہیں کہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب کے نزدیک شروع سال محرم سے ہوتا ہے تب ان کے نزدیک اس فجر میں یہ خصوصیت ہوگی کہ گویا یہ تمام سال کا دیباچہ ہے اور برس بھر کے روزوں کا پیش خیمہ ہے جو ہر روز کے لحاظ سے پورا پورا قیامت کا نمونہ ہے اور سال بھر میں جو کچھ نیک و بد کام ہوتے ہیں ان کا دروازہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یوم النحر[۱] کی صبح مراد ہے کیونکہ یہ دن مناسک ملتِ ابراہیم کے ادا کرنے کا ہے جو تمام خداپرستوں کے لیے ملتِ ابراہیمیہ کا شعار ہے۔

اور اس دن دنیا بھر کے خداپرستوں کا ایک متبرک مقام پر مجمع ہوتا ہے جو ہر ایک اپنے خدائے پاک پر جان فدا کرنے کو تیار ہے اور جان کے بدلہ اپنی خاص رحمت سے جانوروں کی قربانی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ دن بڑا متبرک دن ہے اور اجتماع کے لحاظ سے حشر کا بھی نمونہ ہے۔ پھر اس کی صبح تو کیا ہی مبارک صبح ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے پہلے روز کی صبح مراد ہے۔ کس لیے کہ مناسکِ حج جو حشر کا نمونہ ہیں اس سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لیے اس کے بعد لیال عشر کی قسم کھائی ہے جو اسی مہینے کی دس رات ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرفہ کی فجر مراد ہے کس لیے کہ آج تو تمام حجاج کا مجمع ہوتا ہے۔ اعظم ارکانِ حج کے لیے۔

اب اگر فجر کے اور معنی لیے جاویں جیسا کہ دیگر علماء نے لیے ہیں تب بھی ہر ایک معنی کے لحاظ سے یہ حشر و نشر اور اس دن میں اس کے جلال و جمال کے اظہار کا پورا نمونہ ہے چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد لغوی معنی کے لحاظ سے پھٹنا اور بہنا ہے جس سے چشموں کا بہنا اور پھوٹنا مراد ہے اور ان پر دنیا کی معاش کا دارومدار ہے اور یہ اس کے جمال یعنی اس روز کی خاص رحمت کا جو نیکوں کے لیے رکھی گئی ہے، پھوٹ پڑنے اور چشموں کی طرح بہنے کا پورا نمونہ ہے۔

بعض صوفیہ کرام فجر سے مبدءِ طلوعِ نورِ حق مراد لیتے ہیں جس کا اول مرتبہ تو روح کا بدن پر ظہور ہے جس کو انسان کی آفرینش یا تولد سے تعبیر کرنا چاہیے اور پھر ترقی کرتے کرتے اس کے تجلیات تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے مگر اب تک آفتابِ ذاتِ حق اس پر طلوع نہیں ہوا۔ اب تیسرے مرتبہ میں جب آفتابِ ذاتِ حق جلوہ گر ہوتا ہے تو روز روشن ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہتی۔ یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے بعض مخصوص لوگوں کو حیات ہی میں حاصل ہو جاتا ہے مگر اور لوگوں کو مرنے کے بعد حشر کے دن حاصل ہوگا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت کی ابتداء کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی ہے تو اس وقت نبوت کی فجر تھی مکہ ہی میں اسلام تھا پھر آفتاب جلوہ گر ہوا اور دنیا کو منور کرتا گیا۔ اس لیے اس سہانی حالت کی قسم کھاتا ہے۔

لیال عشر کی تحقیق ¦ دوسری چیز جس کی قسم کھائی ولیال عشر ہے جس کے معنی ہیں دس رات کے یہ وہ دس رات کہ جن کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ بڑی متبرک راتیں ہیں جن میں بندہ کے لیے عالمِ بالا سے ایک خصوصیتِ خاصہ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں کہ جن میں دور دراز کے خداپرست ایک متبرک مقام پر جمع ہو کر عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ ایامِ حج کی راتیں ہیں، ان میں بھی مجمعِ حشر کا نمونہ ہے۔ دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ اخیر رمضان کی دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر بھی واقع ہوتی ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان راتوں میں نہایت شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شریک کرتے تھے اور مسجد میں معتکف ہو کر بیٹھتے تھے۔ دنیاوی کاروبار چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ بیع و شرا وغیرہ اگرچہ آپ کے دنیاوی کام بھی بغرضِ تحفظِ دین ہی ہوا کرتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ماہِ محرم کی اول دس راتیں مراد ہیں کس لیے کہ دسویں تاریخ کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں اور اسی لیے رفعِ درجات کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت اور شہادت بھی انہیں ایام میں واقع ہوئی ہے۔

---

[۱] نحر قربانی یوم النحر قربانی کا دن ذی الحجہ مہینہ کی دسویں تاریخ۔ ۱۲ منہ

چوتھا قول یہ ہے کہ تمام سال میں سے یہ دس متفرق راتیں ہیں جن میں سے پانچ رات تو اخیر رمضان کی ۲۱۔۲۳۔۲۵۔۲۷۔۲۹ جن میں لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے اور ایک عیدالفطر کی رات اور ایک عرفہ کی رات اور ایک یوم النحر کی رات اور ایک لیلۃ المعراج یعنی ستائیسویں رجب کی رات اور ایک شب برات۔ چونکہ یہ راتیں فی الجملہ مبہم ہیں جیسا کہ چار قولوں میں مختلف اقوال گزرے اور نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لیے نکرہ لائی گئیں تا کہ ہر احتمال کو گنجائش ہو سکے۔ بعض صوفیہ کرام دس راتوں سے حواسِ عشرہ پانچ باطنہ اور پانچ ظاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کو رات سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انوارِ حق و مجردات کے ادراک اور ان سے مشغول ہونے کے وقت یہ متکدر اور بیکار ہو جاتے ہیں اور شب کی طرح ان پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ جب نورِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے تو یہ جسمانی آلات معطل ہو جاتے ہیں مگر بندہ کے کسبِ کمالات کے لیے عمدہ اوزار ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی گئی اور یہ تعطل ایک جسمانی عالم کا بطلان ہے جو قیامت اور صورِ فنا کو یاد دلا رہا ہے۔

شفع و وتر کے معنی ! تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی والشفع والوتر ہے کہ قسم ہے شفع اور وتر کی۔ شفع زوج جس کو جفت کہتے ہیں وتر طاق یا فرد ان سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مگر وہ سب دو قولوں سے باہر نہیں۔ کس لیے کہ یا تو ان سے نفسِ عدد مراد ہوگا یا معدود اول قول جو حسن کا قول ہے۔ یہ ہے کہ نفسِ عدد جفت و طاق کی قسم کھاتا ہے جس کی حساب کے لیے اور گنتی کے لیے لوگوں کو بس ضرورت ہے اور دنیا کی عمر یا خود انسان و حیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے۔

دس بیس پچاس سو ہزار لاکھ یا کچھ ہو آخر کوئی نہ کوئی عدد ہوگا طاق ہو یا جفت اس میں دنیا و اہلِ دنیا کے حادث اور فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ان کی ابتداء یہی ہے پھر انتہاء بھی یہی ایک بات اگر عاقل غور کرے تو جلد قائل ہو جاوے کہ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہے اور جا کر کیے کا بدلہ پانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معدود مراد ہیں پھر اس میں بھی کئی قول ہیں: (۱) یہ کہ عام ہے سب کو شامل ہے رات دن کا جوڑا، نیکی بدی کا، شمس و قمر کا، جن و انس کا، کفر و ایمان کا، سعادت و شقاوت کا، مرد و عورت کا، ذل و عزت کا، دولت و فقر کا، آسمان و زمین کا، بحر و بر کا، تندرستی بیماری کا، موت و حیات کا، جیسا کہ فرماتا ہے ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون یہ مخلوق تو سب شفع ہے اور وتر یعنی فرد ہے وہ سبحانہ ان کا خالق ہے جس کا کوئی جوڑا نہیں۔ یہ سفیان بن عیینہ و مجاہد و محمد بن سیرین و قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ (۲) یہ کہ مخلوق میں سے شفع اور وتر مراد ہے شفع یوم النحر ہے اور وتر یوم عرفہ پہلے دن میں قربانی ہوتی ہے اور دوسرے پر بہت سے احکامِ حج کا مدار ہے۔ (۳) ربیع بن انس و ابوالعالیہ کہتے ہیں صرف نمازِ مغرب مراد ہے۔ اس کی پہلی دو رکعت شفع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے۔ (۴) ضحاک و عطا کہتے ہیں شفع دس روز ذی الحجہ کے اور وتر اس کے بعد کے تین روز ہیں۔ (۵) بعض کہتے ہیں آدم و حوا مراد ہیں کس لیے کہ آدم اکیلے تھے۔ پھر حوا کے ملنے سے جوڑا ہو گیا۔ (۶) مقاتل کہتے ہیں شفع کل ایام ہیں رات دن کے لحاظ سے اور وتر وہ اخیر دن ہے یعنی قیامت کا۔ (۷) حسین بن فضل کہتے ہیں شفع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں۔ (۸) شفع صفاتِ خلق ہیں علم ہے تو جہل بھی ہے قدرت ہے تو عجز نہیں۔ (۹) شفع انسان کے بعض اعضاء دو کان دو ہاتھ دو پاؤں اور وتر وہ جو ایک ہیں ناک، سر قلب۔ (۱۰) شفع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔

اور بھی اقوال ہیں الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے سب کو حاوی ہے مگر ان میں ٹھیک وہی ہے جن کی طرف احادیثِ صحیحہ میں اشارہ ہو۔ ترمذی و امام احمد وغیرہما نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے شفع اور وتر کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز مراد ہے۔ بعض جفت ہیں دو دو یا چار چار رکعت بعض طاق یعنی تین رکعت لیکن اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اور اسی لیے ترمذی نے کہہ دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور امام احمد و نسائی و حاکم نے روایت کی ہے کہ لیال عشر عیدالضحیٰ کی دس راتیں اور وتر عرفہ کا دن اور شفع نحر کا دن۔

ہے مگر محققین محدثین کے نزدیک ان روایات میں کلام ہے۔

لیل ! پانچویں چیز کہ جس کی قسم کھائی وہ رات ہے۔ فرماتا ہے والیل اذا یسر کہ قسم ہے رات کی جبکہ ڈھلے یسریٰ تھا فواصلِ آیات کے لحاظ سے محذوف ہو گئی اور کلام عرب میں ایسا بہت ہے۔ اس کے معنی ہیں جبکہ جاوے یعنی ڈھلے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے والیل اذا ادبر والیل اذا عسعس مگر قتادہ و ابوالعالیہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جبکہ آوے اس میں کسی رات کی تخصیص نہیں ہر رات میں جبکہ ڈھلتی ہے رحمتِ الٰہی کا ظہور اور اس کی تجلی ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے[1] اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تا کہ میں دوں اور کون ہے جو دعا کرے کہ میں قبول کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے معافی مانگے میں معاف کر دوں اور بھی پچھلی رات کے برکات و فضائل آئے ہیں اور اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام و صالحین کا ہمیشہ پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت و دعا کرنے کا دستور رہا ہے اور احادیث میں تاکید ہے۔

اور روزِ جزا پر شبہات ہوتے ہیں۔ ان کا بھی ان پانچ چیزوں کی قسم کھانے میں جواب ہے۔ **شبہ**: منکرینِ قیامت اکثر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ دنیا میں نیکی و بدی کی جزاء و سزا دینے سے کون مانع ہے اگر خدا تعالیٰ ہے اور وہ بندوں کے نیک و بد اعمال پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جزاء و سزا پر قادر ہے تو پھر اسی جہاں میں کیوں بدلہ نہیں دیتا تا کہ جلدی قصہ طے ہو جاوے۔

جواب ! اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمتِ کاملہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس بدلہ دینے میں قیامت کا انتظار کیا جاوے۔ کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں۔ ایک اس کی یہ زندگانی دوسری موت اور بعد کا زمانہ۔ پہلی حالت سزاء و جزا کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے دوسری حالت پر موقوف رکھا ہے کیونکہ اس جہاں میں انسان کی تمام عمر دارِ آخرت کے۔ لیے سامان جمع کرنے کے واسطے مقرر ہے کہ اخیر تک تحصیلِ کمالات کرے اور نیز ہر ایک کے ساتھ بہت سے لوگوں کے حقوق و آسائش بھی متعلق ہیں اور نیز بعض ایسے بھی لوگ ہیں کہ جن پر ظلم و ستم ہوئے ہیں اور ظالم زندہ ہے، مظلوم مر گئے۔ اب اگر اس کو اسی جہان میں سزا دی جائے تو اول تو اسی کو اس کہنے کی جگہ باقی رہے کہ جلدی کیوں کی میں آئندہ توبہ و استغفار و عبادت کرنے کو تیار تھا، مافات کی تلافی کا مجھے وقت باقی تھا۔ دوم اس کے سزا دینے سے اس کے متعلقین پر ایک مصیبت کا دروازہ کھلتا اس کے عیال و اطفال اور دیگر اہلِ حقوق اپنے حقوق سے محروم رہ جاتے۔ سوم جن مظلوموں پر ظلم ہوئے اگر ان کے بعد ظالموں کو سزا ہوتی تو انہیں کیا وہ دیکھتے تو دل ٹھنڈا بھی ہوتا یا وہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرتے۔ چوتھے اس عالم میں جزاء و سزا ہونے پر بندوں کی وہ آزمائش جو دنیا میں آزادانہ زندگی پر منحصر ہے باقی نہ رہتی اس لیے اس کی سزاء و جزا کے لیے یہ زندگانی کافی نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جہاں نہ یہ عذر باقی رہے گا کہ میرے لیے تلافی کا وقت باقی تھا نہ اس کی جزاء و سزا سے اس کے متعلقین کی آسائش میں کچھ فرق آئے گا نہ ان کے حقوق تلف ہوں گے اور جہاں مظلوم بھی موجود ہوگا اور ظالم بھی ہوگا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دل ٹھنڈا کرے گا۔ پس اس جہاں کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ دنیا میں بھی بہت باتیں فوراً ہی نہیں ہو جایا کرتیں، انتظار ہی کرنا پڑتا ہے۔ فجر کو دیکھو کہ اکثر لوگ اپنے کام اور ضرورتوں کے سرانجام کے لیے اس کا انتظار کیا کرتے ہیں۔ بیمار و عشاق تو رات میں تڑپ تڑپ کر صبح کی آرزو کیا کرتے ہیں۔ پرند اور چرند جب خالی پیٹ ہو جاتے ہیں تو صبح کے انتظار میں کلبلانے لگتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر لیال عشر دس راتوں کو دیکھو کہ ان کے انتظار میں برس گزر جاتا ہے، خواہ ذی الحجہ کی دس رات ہوں یا رمضان کی یا محرم کی یا سال یا سال بھر میں سے متفرق اور عدد جفت و طاق کو دیکھو جن کے انتظار سے چارہ نہیں۔ تمام دنیا کے کاروبار تنخواہ و طلب، تو الدو لین دین اسی عدد پر موقوف ہے۔ خواہ جفت ہو خواہ طاق۔ نو مہینے تک لڑکے

---

[1] آسمانِ دنیا کی طرف اترتا یا نازل ہونا کنایہ ہے اس کی ایک توجہ اور التفاتِ خاص سے جو اس کی تجلی سے عبارت ہے۔ نہ نزول و صعود جسمانی کیونکہ وہ اس سے پاک ہے۔ ۱۲ منہ

کے پیدا ہونے کا انتظار ہوتا ہے۔ مہینہ یا سال بھر نوکر ماہوار یا سالیانہ کا انتظار کرتا ہے اور رات کو دیکھو کہ اس کا بھی انتظار ہوتا ہے۔ سینکڑوں کام رات کے آنے پر موقوف ہوتے ہیں پھر کیوں جھٹ پٹ اسی وقت نہیں کر لیتے۔ جب دنیاوی کاموں میں وقت وعدد کا انتظار ہے تو پھر اگر ایسے بھاری کام کے لیے ہو تو کیا تعجب ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے هل فی ذالك قسم لذی حجر کہ کیا جو کچھ مذکور ہوا عقلمند کے لیے اس میں کافی قسم ہے! ضرور ہے بلکہ بغیر قسم ہی کے عقلمند ان پانچ چیزوں میں غور وتدبیر کر کے کہہ سکتا ہے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اور مصلحتِ الٰہی سے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور بندہ کے نیک وبد کام سے وہ غافل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ
مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِي
الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ
عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عادِ ارم ستونوں والوں سے کیا کیا جن کا مثل دنیا پر پیدا نہ کیا گیا تھا اور ثمود سے کیا کیا کہ جنہوں نے وادی میں پہاڑ تراشے تھے (مکان بنانے کے لیے) اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا۔ ان سب نے ملک میں سرکشی کر کے بڑا ہی فساد مچا دیا تھا پھر تو آپ کے رب نے بھی ان پر عذاب کا کوڑا پھٹکار دیا کیونکہ آپ کا رب تاک میں ہے۔

ترکیب | ارم ذات العماد عطف بیان لعاد او بدل منہ وارم غیر منصرف للتعریف والتانیث وارم[1] جد عاد لانہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح وقال قتادہ ھی قبیلۃ من عاد قال ابوعبیدہ ھما عادان فالاولیٰ ارم۔ ومعنی ذات العماد ذوات القوۃ والشدۃ وقیل ذات الطوال یقال رجل طویل العماد ای القامۃ وفی الصحاح العماد الابنیۃ الرفیعۃ تذکر وتؤنث۔ التی لم یخلق الخ صفۃ لعاد وقیل صفۃ ارم علی قول من قال ان ارم قریۃ وارض وثمود بالنصب عطفا علی عاد مجرورا ومحلا علی انہ اسم للقبیلۃ ففیہ التانیث والتعریف فھو غیر منصرف الذین الخ صفۃ لثمود جابوا الجوب القطع ومنہ جاب البلاد واذا قطعھا ومنہ جیب القمیص لانہ قطع بالواد متعلق بجابوا والمراد بالواد وادی القری وھو موضع بقرب المدینۃ من جہۃ الشام قراء الجمہور بالواد بحذف الیاء وصلا ووقفا اتباعا لرسم المصحف وقراء ابن کثیر باثباتھا فیھما وقری باثباتھا فی الوصل دون الوقف و فرعون معطوف علی عاد ذی الاوتاد صفۃ فرعون والمراد بہ قومہ والاوتاد جمع وتد بکسر التاء وفتحھا وعند اھل نجد بسکونھا والمراد بالاوتاد الجنود لان الملک یشد بھا الذین الخ الموصول صفۃ لعاد وفرعون ای طغت کل طائفۃ منھم فی بلادہم وتمردت فصب ای القیٰ وافرغ وھذا استعارۃ عن ایقاع العذاب بھم علیٰ ابلغ الوجوہ ان ربک تعلیل لما قبلہ ایذانا بانہ عالم باحوال القریش یوقع بھم ما اوقع بمن قبلھم وقیل ھو جواب القسم۔

تفسیر | اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ جزاء وسزا کا دن قیامت ہے اور وہیں پوری سزاء وجزا ملا کرتی ہے۔ اب یہاں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی دنیا میں بھی ہم کچھ سزا دے دیا کرتے ہیں اور نیکوں کو جزا بھی۔ اس لیے پہلی قوموں کے تین مشہور واقعات یاد دلاتا ہے کہ جن کی سرکشی پر خدا نے دنیا ہی میں ان کو سزا دی تھی۔ **اول واقعہ**: فقال الم تر کیف فعل ربك بعاد کہ کیا اے مخاطب! تو نے نہیں دل کی آنکھ سے دیکھا (گو اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا نہیں مگر وہ مشہور واقعہ ایسا ہی یقین بخش ہے جیسا کہ آنکھ کا دیکھا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے الم تر فرمایا

[1] وھذا کقولھم قریش کنانا والیاس مضر وربیعۃ نزار۔۱۲ منہ

(کہ تیرے رب نے عاد کی قوم سے کیا کیا۔ کون سے عاد سے آپ ہی فرماتا ہے ارم یعنی عادِ ارم کی قوم سے (جن کو عادِ اولیٰ بھی کہتے ہیں) ارم ان کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا۔ عرب میں جدِ اعلیٰ کی طرف منسوب کرنا عام محاورہ ہے۔ کہتے ہیں قریش کنانہ اور وہ کیسی قوم تھی؟ ذات العماد بڑی بلند قامت یعنی طاقت ور یا یہ معنی کہ مکانوں اور محلوں والی۔ کس لیے کہ عماد بلند مکانوں کو بھی کہا کرتے تھے یا خود ستونوں والی کیونکہ اس دولت مند قوم کی عادت تھی کہ اپنے بزرگوں کے مقابر پر بلند منارے بنوا دیا کرتے تھے۔ فخر اور یادگاری کے لیے جس کے آثار ملکِ مصر میں اب تک باقی ہیں۔ التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ایسی قوم یا ایسے ستون یا ایسی عمارات کہ جن کی مثل اس عہد تک ملکوں میں پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ یہ پہلا واقعہ ہے قومِ عادِ اولیٰ کا۔

واضح ہو کہ عاد دو فرقوں کا نام تھا ایک کو عادِ اولیٰ اور عادِ قدیمہ بھی کہتے تھے اور وہ اولاد عاد بن اوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور انہیں کو عادِ ارم کہتے ہیں۔ کس لیے کہ ارم ان کے دادا ہیں اور شہر ارم بھی عدن کے قریب نہایت عمدہ انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا تھا جس کا مثل اس زمانہ میں دنیا بھر میں نہ تھا یا ملک عرب میں نہ تھا دوسرا فرقہ اس کو عادِ اخریٰ کہتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اس قوم کے ہلاک ہونے سے بچ رہے تھے اور یہ لوگ ملکِ یمن کے ضلع حضرموت میں احقاف کی زمین میں رہا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی بڑے پھلے پھولے اور آخر کار جبار وسرکش ہو گئے۔ انہیں میں ہود علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم ہوا کے طوفان سے ہلاک ہوئی تھی۔ ان کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے مگر عادِ ارم کا صرف دو ہی جگہ آیا ہے۔ ایک انہیں آیات میں دوسرے سورہ نجم میں جہاں کہ فرمایا وانہ اھلک عادا الاولیٰ۔

اس قوم (یعنی عادِ ارم کا) وہ واقعہ جو صحیح طور پر ثابت ہوا اسی قدر ہے کہ یہ ایک قوم قدیم زمانہ میں طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد ملک یمن میں آباد تھی۔ اس قوم کا یہاں تک عروج ہوا کہ تمام عرب بلکہ مصر ودیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہو گئی اور انہوں نے بڑے بڑے عجائب شہر آباد کیے اور دولت وحشمت نے ان سے قول ہار دیا تھا۔ منجملہ ان کے شہرِ ارم بھی اس وقت میں ایک عجائب زمانہ تھا۔ یہ بڑی طاقتور اور بہادر قوم تھی مگر پھر دولت وثروت کے ساتھ بدکاری اور عیاشی اور ظلم بھی ان میں آیا اور یہ باتیں دولت وثروت کا خمار ہیں۔ ہر چند اس عہد کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو سمجھایا اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر ان کے گناہوں کی کشتی جو بھر چکی تھی غرق ہونے کو تھی۔ کب مانتے تھے آخر عذابِ الٰہی کا کوڑا ان پر پڑا برباد وہلاک ہو گئے۔ سلطنتیں جاتی رہیں، دولت وثروت نے منہ پھیر لیا۔ وباء اور دیگر مصائب نے ہجوم کر لیا، برباد ہو گئے۔

شہرِ ارم کا بیان | مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد یہ ملکوں پر قابض ہو گئے، شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے بڑی ترقی کی۔ بڑے بڑے بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے جنت کا ذکر سن کر کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں۔ تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہرِ ارم کی بنیاد ڈال دی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس کے چاندی سونے کے محل اور یاقوت زبرجد کے ان کے ستون تھے اور اقسام اقسام کے اس میں باغ اور نہریں تھیں جب بن کر تیار ہوا تو ارکانِ دولت کو لے کر اس بہشت میں چلا جب قریب رہ گیا تو آسمان سے ایک کڑک آئی اور سب کو ہلاک کر دیا۔ شداد نو سو برس کی عمر میں مرا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابو قلابہ اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے اور شہر ارم میں جا پہنچے اور وہاں سے بہت کچھ جواہرات اٹھا لیے۔ اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ انہوں نے بلا کر پوچھا۔ سارا احوال بیان کر دیا۔ تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے دریافت کیا تو کہا یہ وہ شہر ارم ہے جو شداد نے بنایا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو ممکن ہے کہ شہرِ ارم کے کھنڈرات میں جا پہنچے ہوں اور بیش بہا پتھر لے آئے ہوں مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شہرِ ارم اسی طرح اب بھی یمن کے جنگلوں میں موجود ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہے۔ **دوسرا واقعہ**: اس کے بعد دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے جو اس کے بعد گزرا ہے۔ فقال وثمود الذین جابوا الصخر بالواد

اور قومِ ثمود کے ساتھ کیا کیا وہ قومِ ثمود کہ جس نے جنگلوں میں پتھر تراشے تھے اور بڑے مستحکم مکان بنائے تھے کہ ہم ہمیشہ ان میں رہا کریں گے۔ یہ قوم شمالِ عرب میں رہتی تھی۔ حجر سے لے کر وادی القریٰ تک ان کی بستیاں تھیں۔ پہاڑ تراش کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکان بنایا کرتے تھے۔ تصویریں اور پھولوں اور درختوں کی صورتیں بھی تراشا کرتے تھے۔ نہایت شادمانی اور مزے سے زندگانی بسر کیا کرتے تھے مگر ساتھ ہی بدکاری اور بت پرستی بھی بے حد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے پھر کب یہ ماننے والے تھے۔ آخر ایک ہی بار ہلاک ہو گئے۔ ان کا قصہ بھی کئی بار قرآن مجید میں آچکا ہے۔ ان کے آثار اب تک شام کی طرف جانے والوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ حال کے سیاحوں نے بھی ان کے سنگین مکانات کے کچھ کچھ آثار دیکھے ہیں۔

تیسرا واقعہ ¦ اس کے بعد تیسرا واقعہ قومِ فرعون کا بیان فرماتا ہے فقال وفرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو لشکر والا تھا اوتاد وتد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں میخ کے۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: (۱) یہ کہ اوتاد لشکروں کو کہتے ہیں کیونکہ سلطنت و حکومت کی یہی میخ ہے جس بادشاہ کا لشکر مہیا اور کارآمد نہیں اس کی بادشاہت بے بنیاد ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ اس قدر گھوڑے اور خیمے تھے کہ بیشمار میخیں ساتھ چلا کرتی تھیں جس سے اس کی حشمت اور کثرتِ مال و جاہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) یہ کہ وہ موذی ایمانداروں کو چوبیخا کیا کرتا تھا۔ اس لیے میخیں رکھ چھوڑی تھیں۔ اس لیے اس کو اس بری صفت سے یاد کیا گیا۔

پھر اجمالاً ان تینوں قصوں کو بیان فرما کر سب کے افعالِ زشت اور حالاتِ بد کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے جو ان پر دنیا میں قہر ٹوٹ پڑنے کا باعث ہوا۔ فقال الذین طغوا فی البلاد یہ سب قومیں وہ تھیں کہ جنہوں نے ملک میں رہ کر سرکشی کی اپنی حد سے گزر گئے تھے تکبر کی بھی انتہا نہ رہی تھی۔ محکوموں کے ساتھ نخوت اور بے پروائی سے پیش آتے تھے۔ اخلاق کا نام تک نہ تھا۔ شہوت پرستی اور عیاشی کا بھی کچھ انتہا نہ تھا۔ بہائم کو بھی شرما دیا تھا۔ اس پر درندے بھی بن گئے تھے جس کو چاہا پیٹ ڈالا' فید کر دیا' مرواڈالا' الزام لگا کر گھر بار ضبط کر لیا۔ عدل وانصاف' صداقت' پارسائی' پرہیزگاری' رحمدلی' خوش اخلاقی تو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ اس پر اعتقادات وہ بد کہ الٰہی توبہ۔ خدا تعالیٰ کی بے ادبی اس کے رسولوں اور ان کی شریعت کی بے عزتی' بت پرستی ایک ادنیٰ بات تھی۔ دار آخرت اور اعمال کی جزا سزا کا تو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ زناکاری اور شراب خواری کے دروازہ کھول دیے تھے۔ لوگوں کو بھی اسی روش اور انہیں خیالات پر پھیر کر لاتے تھے اور اپنی عقل و تدبیر اور شوکت وشمتِ موجودہ پر بڑا غرور تھا۔ ان سب باتوں کی طرف اس ایک ہی جملہ میں اشارہ ہے فاکثروا فیها الفساد کہ زمین میں بہت ہی فساد کیا ہے۔ ہر ایک بات جو اوپر مذکور ہوئی فساد فی الارض ہے۔ اب ان کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فقال فصب علیهم ربک سوط عذاب کہ تیرے رب نے (جو رب العالمین ہے اس کو اپنے غریب بندوں کی پرورش بھی ملحوظ ہے۔ مظلوموں پر رحم کھانا بھی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے) ان پر سزا کا کوڑا مارا سب کو ہلاک و برباد کر دیا۔ اس کے تازیانہ سے ڈرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان ربک لبالمرصاد تیرا رب اپنے بندوں کے حالات وحرکات دیکھتا رہتا ہے۔ سب کچھ اس کی نظروں میں رہتا ہے۔ کچھ انہیں قوموں پر انحصار نہیں اور صدہا قوموں پر سزا کے کوڑے مارے ہیں اور آئندہ مارے گا۔ اگر یہی اخیر جملہ بندے کے دھیان میں رہے تو بڑا ہی نیک ہو جاوے۔ قرآن نے تذکیر میں کوئی مرتبہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس سے بڑھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾
وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ

لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ
التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

لیکن انسان ایسا ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے پس اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے نواز دیا اور جبکہ اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو اور مردوں کا مال بھی سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کو بھی بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

ترکیب ¦ فاما بھنا لمجرد التاکید لا للتفصیل المجمل اذا شرطیۃ ما زائدۃ فاکرمه ونعمه تفسیر للا بتلا فیقول الخ جواب الشرط وقیل اذا ظرفیۃ ودخلت الفاء فی یقول لتضمن اما معنی الشرط ای فاما الانسان فیقول ربی اکرمنی وقت ابتلائه بالنعماء۔ اکرمن اصله اکرمنی حذفت الیاء اتباعاً لرسم المصحف وبقیت الکسرۃ دلیلاً علیها وقس علیه واما اذا ما ابتلاه فقدر الخ کلا روع للانسان عن قوله ولا تحاضون والمفعول محذوف ای احدا او انفسکم قرء الجمهور تحضون من حضه علی کذا ای اغره به وقرئ تحاضون بفتح التا واصله تتحاضون ای لا یحض بعضکم بعضا وقرئ بضم التاء من الحض وهو الحث۔ طعام المسکین والطعام اما اسم مصدر ای اطعام المسکین او اسم للمطعوم فالمضاف محذوف ای بذل طعام المسکین التراث اصله الوارث فابدلت التاء من الواو المضمومۃ کما فی تجاه ووجاد لما اصل اللم الجمع یقال لممت الشیء الممه جما الجم الکثرۃ یقال جم الشیء یجم جموماً یقال فی المال وغیره فهم جم وجام۔

تفسیر ¦ پہلے فرمایا تھا ان ربک لبالمرصاد کہ وہ آخرت کے مفید و مضر کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ فاما الانسان الخ اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ رات دن حصولِ دنیا اور اس کے لذات وشہوات میں مشغول ہے۔ اگر دنیا میں دولت وراحت مل گئی تو کہنے لگا کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہے اور جب ہی تو اس نے مجھے یہ عزت دی ہے اور جو تنگ دستی یا تکلیف پیش آ گئی تو کہنے لگا کہ ناراض ہے جس لیے اس نے مجھے ذلیل کر رکھا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا عزت واکرام حصولِ دولت وراحتِ دنیا پر منحصر جانا اور اس کی ناراضگی اور توہین کو دنیاوی فقر و فاقہ اور تکالیف پر محمول کیا اور یہ اس کا خیال باطل ہے کس لیے کہ دنیا کی راحت ونعمت اور اسی طرح افلاس وفقر' بیماری وخواری اس کی آزمائش ہے کہ نعمت ہے کہ نعمت وراحت پا کر کیسی شکرگزاری وفرمانبرداری کرتے ہیں اور مصیبت میں کیونکر صبر کرتے ہیں۔ اگر مصیبت میں صبر کیا تو ترقیِ درجاتِ آخرت کا باعث ہے اور نعمت میں شکر نہ کیا تو اور بھی بازپرس کا باعث ہوگا۔ الغرض حصولِ دنیا اور اس کے عدمِ حصول پر ہماری رضامندی اور اکرام یا توہین وناراضی سمجھنا غلط بات ہے جیسا کہ کفار سمجھے ہوئے ہیں اور یہی حجت پیش کیا کرتے ہیں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے کلا کہ ہرگز ایسا نہیں۔

کلا یعنی فراغدستی' کثرتِ مال واولاد سے یہ سمجھنا کہ خدا مجھے معزز سمجھتا ہے اچھا اور محبوب جانتا ہے یا تنگدستی سے برا جانتا ہے' غلط خیال ہے جس کو لفظ کلا سے تعبیر کیا بلکہ فراغدستی بھی اس کی آزمائش ہے اور تنگدستی بھی کہ فراغدستی میں کیا شکر اور تنگدستی میں کیا صبر کرتے ہو؟ فراغدستی سے خدا کے نزدیک عزت دار نہیں ہو جاتا نہ تنگدستی سے ذلیل۔ بل بلکہ ذلت کے یہ اسباب اور یہ کام ہیں۔ گو وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو اور وہ ذلت کے کام کیا ہیں جن کے کفار مرتکب تھے۔ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ (۱) لاتکرمون الیتیم تم یتیم کی عزت نہیں کرتے حالانکہ وہ بے باپ کے ہیں۔ دنیا کے مصائب اس پر پڑے ہوئے ہیں اور خود بھی کم سن ہے کچھ کر نہیں سکتا۔ اب تم اپنے تکبر سے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے۔ شفقت اور کھانا کھلانا اس کی حاجت برآری کرنا تو کجا یہ کام ہے جس سے اللہ کے نزدیک انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ خواہ بظاہر کیسا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ جہالِ عرب میں یہ بھی عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہیں کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ میں یتیموں پر

مہربانی کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ (۲)ولا تحاضون علیٰ طعام المسکین اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو نہ اپنے آپ کو اور نہ اور کسی کو۔ حالانکہ غریب محتاج کو کھانا کھلانا تمام اہلِ عقل ونقل کے نزدیک مسلم نیکی ہے۔ برخلاف اس کے بدبخت جاہل یہ کہتے ہیں کہ جب اس کو خدا ہی نے نہ دیا اور اس نے اس کی بے قدری کی اور خدا ہی نے یتیم کے باپ کو مار دیا تو ہم اس پر کیوں رحم کریں کیوں کھانا کھلائیں۔ نہ کرنے میں تو یہ دو کام نہیں کرتے جو کرنے چاہئیں تھے اور کرنے میں یہ دو کام کرتے تھے۔ (۳)وتاکلون التراث اکلا لما کہ مردوں کا مال جو بلا مشقت ورثہ میں ملتا ہے اس کو سمیٹ لیتے ہو اور خوب دل کھول کر کھاتے ہو۔ فضول خرچی کرتے ہو۔ عیاشی اور نمود کے کاموں میں اوڑاتے ہو۔ سچ ہے مال مفت دلِ بے رحم۔ (۴)وتحبون المال حبا جماً اور مال کی دل سے محبت کرتے ہو بڑے لالچی اور طماع ہو۔ معاذ اللہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبتِ دنیا اور یہی لالچ اور طمع تو ہے یہی حق تلفی کراتی ہے۔ یہی جھوٹ بلواتی ہے۔ یہی خون کراتی ہے۔ یہی بے شرم بے حیا بنا دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ کام جو تم اے قریش! کر رہے ہو۔ بجائے عبادت' صداقت' ایمان' پرہیزگاری' خیرات' صلہ رحمی کے۔ پھر تم سمجھ لو کہ عاد وثمود وفرعون پر جو کوڑا پڑا تھا وہ تمہارے لیے بھی تیار ہے۔ پھر بتاؤ اہانت وذلتِ خدائی کا سبب حبِ دنیا ہے یا فقر وفاقہ۔

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُولُ يٰلَيْتَنِى قَدَّمْتُ لِحَيَاتِى ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوثِقُ وَثَاقَهٗٓ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِىٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِى فِى عِبٰدِى ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِى جَنَّتِى ﴿٣٠﴾

نہیں نہیں جبکہ زمین چکنا چور ہو جاوے اور آپ کے رب کا (تخت) آجائے اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں اور اس دن جہنم بھی سامنے لائی جاوے۔ اس دن انسان سمجھے گا اور اس وقت اس کو سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔ کہے گا اے کاش! میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا۔ سو اس دن اس جیسی مار کوئی بھی نہ مارے گا اور نہ اس جیسی جکڑ کوئی جکڑے گا (کہا جائے گا) اے تسلی یافتہ جان! لے آ اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (لے آ) میرے بندوں میں جا مل اور میری بہشت میں چل رہ۔

ترکیب ؛ کلا روع اذا ظرف والعامل فیہ یتذکر الانسان دکا منصوب علی انہ مصدر مؤکد للفعل دکا تاکیدللاول۔ والدک الکسر وجاء معطوف علی دکت صفا صفا حال ای مصطفین اوذوی صفوف وجِایْٓءَ فعل مجہول بجھنم مفعول مالم یسم فاعلہ قائم مقام الفاعل یومئذ منصوب بجای والجملۃ معطوف علیٰ دکت یومئذ بدل من یومئذ قبلہ یتذکر عامل اذا وانی لہ الذکریٰ الجملۃ حال من فاعل یتذکر یقول الخ تفسیر لیتذکر' قدمت لحیاتی ای قدمت فی الدنیا من الاعمال الصالحۃ لاجل حیاتی الاخرویۃ فانھا الحیاۃ بالحقیقۃ۔ وقیل ان اللام بمعنی فی والمعنی یالیتنی قدمت فی حیاتی الدنیاویۃ الاعمال الصالحۃ یومئذ عاملہ لایعذب الخ عذابہ و ثاقہ بالنصب علی نزع الخافض ای کعذابہ وثاقہ قرء الجمہور لایعذاب ولا یوثق مبنیا للفاعل فالضمیر فی عذابہ ووثاقہ یرجع الی اللہ تعالیٰ ای لایعذب احد کعذابہ ولا یوثق احد مثل وثاقہ وقرئ بصیغۃ

المجہول ایضاً فالضمیر ان رابعان الی الانسان الکافر راضیۃ مرضیۃ حال من فاعل ارجعی۔

تفسیر ؛ پھر فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ جو تمہارے نیک وبد کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ بدلہ دینے سے عاجز ہے یا بدلہ نہ دے گا۔ کلا ہرگز یہ خیال نہ کرو بلکہ وہ ضرور بدلہ دے گا کس روز؟ اذا دکت الارض دکا دکا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ ہو جاوے اور بلند وپستی ہموار کر دی جائے۔ یہ نفخِ صورِ اول کے بعد ہوگا جبکہ زلزلۂ عظیم زمین کو زیر وبالا کر دے گا اور اس کے بعد یہ تمام عالم فنا ہو جاوے گا تب ایک دوسرا جہان پیدا ہوگا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین وآخرین عدالت کے لیے خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکِ مقربین کی راہ تکیں گے کہ اس گرمی ومصیبت سے فیصلہ کر کے ہم کو نجات ملے وجاء ربك تیرا رب آوے گا یعنی صفتِ جلال و قہر میں تجلی کرے گا اور بندوں کی عدالت کی طرف متوجہ ہوگا والملك صفا صفا اور فرشتے بھی صف باندھ کر آحاضر ہوں گے۔ یہ تعمیلِ حکم کرنے کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ ہر ایک مرتبہ کے فرشتوں کی ایک صف ہوگی۔ وجائ یومئذ بجھنم اور جہنم بھی لا کر لوگوں کے سامنے موجود کی جاوے گی اور اس کی بڑی بڑی چنگاریاں اڑتی ہوں گی اور اس کے جوش وخروش کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش وحواس پریشان کرتی ہوگی۔ لانے سے مراد ظاہر کیا جانا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے وبرزت الجحیم لمن یری۔ یومئذ یتذکر الانسان اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا اور اس روز اس کا نشہ ہرن ہو جاوے گا اور اس کو نصیحت ہو جاوے گی کہ جو کچھ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی۔ سب حق ہے اور ہم اپنی بدبختی سے آنے والی مصیبت کو ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے اور اس کے لیے نیک عمل اور ایمانِ صادق کا سرمایہ جمع کرنے سے دنیاوی لذات وشہواتِ فانیہ میں مستغرق رہے۔ وانی لہ الذکریٰ مگر اس روز کے سمجھنے سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ اس روز پچھتانا' دانت پیسنا' رونا سر پیٹنا کچھ کام نہ آئے گا اور اس دن اس رونے پیٹنے میں منہ سے کیا کہے گا؟ یلیتنی قدمت لحیاتی اے کاش میں آج کی زندگی کے لیے جو ابدی ہے دنیا میں ایمان واعمالِ نیک کا سرمایہ آگے بھیجتا اس کے بعد مرتا۔ میں بدنصیب تو جو کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لیے کرتا رہا جو ایک خواب سا تھا۔

بعض نے لحیاتی کے لام کو نی کے معنی میں بھی سمجھا ہے۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنی زندگانیِ دنیا میں اس دن کے لیے کاش کچھ آگے بھیجتا۔ یہ حسرت وندامت بھی عذابِ جسمانی کے سوا ایک اور روحانی عذاب ہوگا' اس لیے فرماتا ہے فیومئذ لایعذب عذابہ احد کہ پھر اس روز اس کے عذاب جیسا اور کوئی عذاب نہ کرے گا یعنی جس قدر اللہ تعالیٰ اس روز اس بے ایمان بدکردار کو عذاب دے گا ویسا کسی نے نہ دیا ہوگا۔ کس لیے کہ اول تو اس کا عذاب روحانی اور جسمانی ہوگا۔ دوم ایسا سخت ہوگا کہ ویسا دنیا میں ہو نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس سے چھٹکارا ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جاوے۔ ولا یوثق و ثاقہ احد اور نہ اس کی قید جیسی کسی نے قید کی ہوگی وہاں کی بیڑیاں خدا کی پناہ وہاں کے جیل خانہ سے کوئی نکل نہیں سکتا لے دے کر کوئی راحت نہیں پہنچا سکتا۔ آخر ہمیشہ کی قید الامان' الامان! اس کے علاوہ عقل وادراک تمام اسی تکلیف کی طرف متوجہ غمزدہ آدمی کہیں جائے اس کے غم کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں رہا کرتی ہیں۔ یہ روحانی قید ہے جو وہاں بدرجۂ کمال ان بدبختوں کو ہوگی۔ پھر ایسی قید اور کون کر سکتا ہے۔ بعض قاریوں نے لایعذب ولا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ اس غافل بدبخت جیسا اور کسی کو عذاب نہ کیا جاوے گا نہ اس جیسی اور کوئی قید کی جاوے گی کس لیے کہ وہ کافر ومشرک اور اس پر بدکار لذات وشہوتِ دنیا کا فریفتہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی دنیا میں خدا تعالیٰ اور دارِ آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ برخلاف اور ایمانداروں گنہگاروں کے کہ اگر وہ کبھی بدی کرتے تھے تو دوسرے وقت کوئی نیکی بھی کر لیتے تھے۔ ان کو آخر کار ان کے ایمان یا اعمالِ نیک کے سبب رستگاری ہو جاوے گی۔ یہاں تک تو بدوں کا حال بیان فرمایا جو قیامت میں ان پر طاری ہوگا۔ اس کے بعد نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان سے اس روز کیا معاملہ پیش آوے گا؟ فقال یاایتھا النفس المطمئنۃ

ارجعی الیٰ ربك راضية مرضية کہ اس خوف و ہراس کے وقت فرشتے ان سے تسلی دے کر یہ کہیں گے کہ اے اطمینان یافتہ جان! اپنے رب کی طرف عدالت میں خوش خوش چل تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش، کوئی غم و ہراس نہ کر۔ اس عظمت و شان سے اس کو پیشی میں لاویں گے۔ پھر جب وہ حق سبحانہ کے سامنے ہوگا جو کچھ عنایت و مہربانی اس پر ہوگی اس کا انتہا نہیں۔ آخر کار خدا تعالیٰ اس کو فرمادے گا کہ فادخلی فی عبادی کہ آپ اس بلند مرتبہ اور بلند جگہ میں آؤ جو میرے بندگانِ خاص کے لیے ہے۔ جیسا دنیاوی عدالت میں حاکم کسی کی تعظیم و تکریم کے لیے کہا کرتا ہے کہ آپ ادھر معزز لوگوں میں آیئے۔ ہمارے پاس دائیں طرف عزت کی کرسی پر بیٹھئے جہاں اور معزز ہیں۔ وادخلی جنتی اور میری بہشت میں جو میں نے خاص تمہارے لیے پہلے سے تیار کر رکھی ہے، اس میں رہئے، سدا آرام کیجئے۔ دنیاوی بادشاہ بڑے عالیشان مکانوں اور باغوں میں ملا کرتے ہیں اور ملنے والوں کے لیے بیٹھے رہنے کی جگہ کی کیسی تیاری کرتے ہیں تو پھر کیا خدا پاک کا جہاں دیدار ہوگا وہ کوئی کوڑی اور ویرانہ ہوگا؟ ہرگز نہیں جہاں ان کا جلوہ جہاں ان کا دیدار وہ جگہ گلزار بلکہ لاکھ گلزار اس پر نثار۔ یہ بات جنتی کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے جس میں جنت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بہت سے خشک زاہدوں اور بے سمجھ شاعروں نے جنت نہیں سمجھی۔ جنت کو دنیا کا باغ اور چکلہ اور کیا کیا بتانے لگے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جو اس دیوانِ خاص میں نہ جانے پائے گا اس کو اس کا دیدار ہی نصیب نہ ہوگا۔ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی دکھائی۔ پھر کیا اس کی وہ جنت دنیا کے کوہ طور سے بھی کم ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

فائدہ ۱: اس نیک کو اطمینان والی جان کیوں فرمادیا؟ اس لیے کہ اس کو اس لفظ کے سنتے ہی عذاب و عتاب کی دہشت سے اطمینان ہوجاوے۔ گویا یہ تسلی دینے والا لفظ پہلے سے بطور مژدہ کے سنایا جاوے گا کہ تجھے اطمینان ہے۔

فائدہ ۲: واضح ہو کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں۔ امارہ، لوامہ، مطمئنہ۔ امارہ کفار و دنیا کی لذات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے کہ وہ ان کو بدکاری پر بار بار امر یعنی حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں۔ لوامہ لوم ملامت کرنے والا یعنی اپنی برائیوں پر ملامت کرے۔ یہ عامہ ایمانداروں کی صفت ہے۔ ان میں حس و ادراکِ باطنی باقی ہے۔ ابھی گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں، افسوس کرتے ہیں دل میں گناہ کر کے رنج ہوتا ہے۔ مطمئنہ۔ اطمینان یافتہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و صالحین کے نفس کی حالت ہے۔ ان کو عبادت و معرفت سے اطمینان ہوجاتا ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب اور کاموں میں ان کا دل بیقرار رہتا ہے۔ ہر پھر کر اپنے مرکزِ اصلی ذکرِ الٰہی کی طرف آرہتا ہے۔ یہ بات بوقتِ مرگ بھی نیکوں سے پیش آتی ہے کیونکہ یہ بھی قیامتِ صغریٰ ہے۔ رحمت کے فرشتے نہایت مہربانی سے کہتے ہیں کہ اے روح اطمینان والی چل اپنے رب کی طرف اس ویرانۂ دنیا کو چھوڑ تو اس سے خوش وہ تجھ سے۔ تیرے لیے وہاں بڑی بڑی تیاریاں ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی بکثرت تصریح ہے۔ جعلنا اللہ منہم۔

(سورہ بلد مکیہ ہے اس میں بیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور قسم ہے والد اور اس کی اولاد کی کہ البتہ ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا ہے۔

ترکیب : لا قد مر الکلام فیھا فقیل زائدۃ وقیل لانفی کلام الکفار وقیل لنفی القسم بظھور الامر ای لا حاجۃ الی القسم بھذہ الاشیاء والمراد

بالبلد عند جمھور المفسرین مکۃ والبلد یذکر ویؤنث والجمع بلدان والبلدۃ بالفتح جمعھا بلاد بالکسر وانت حل الخ قال الواحدی الحل والحلال والمحل واحد وھو ضد الحرم ای فاحل اللہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم القتال فی مکۃ وقد انجز اللہ تعالیٰ وعدہ یوم الفتح فالجملۃ معترضۃ بین المقسم بہ وما عطف علیہ وقیل معناہ حال ای اقسم بھذا البلد وانت مقیم فیہ تشریفاً لک وتعظیما لقدرک اولا اقسم بھذا البلد حال کونک مقیما فیہ بل اقسم بک فعلی ھذا الجملۃ منصوبۃ محلاً والد وما ولد معطوف علی البلد وما بمعنی من لقد خلقنا الجملۃ جواب القسم فی کبد حال ای مکابدا واصل الکبد الشدۃ ومنہ تکبد اللبن اذا اشتد وغلظ ثم استعمل فی کل مشقۃ وشدۃ وقیل الکبد الاستواء والاستقامۃ (ابن کثیر)

تفسیر: یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں بیس آیات ہیں اور اس کا نام سورہ بلد اس لیے ہے کہ اس کے اول میں بلد یعنی شہر مکہ کی قسم ہے۔

سورہ فجر میں ذکر تھا کہ عاد و ثمود و فرعون کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے۔ دنیاوی اسباب پر غرور کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنا اپنے سر پر قہرِ الٰہی لینا ہے۔ اس بات پر کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ اس میں آپ کا امتحان ہے تو ہم پر بھی عاد و ثمود جیسا عذاب نازل کرادو اگر سچے ہو۔ چاہیے کہ مکہ شہر غارت ہوجاوے۔ اس سورہ میں ان کے اس واہی شبہ کا مکہ کی قسم کھانے کے پیرایہ میں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شہر مقدس ہے اس میں کعبہ ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا سب دنیا کے معابد سے اول معبد یہی ہے اور نیز ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہیں رہتے ہیں ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ہمارے نبی کا مولد اور اسلام و برکات کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔ پھر تم بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کرنے لگے۔ تم خود ہی برباد ہوجاؤ گے جیسا کہ فی کبد میں اشارہ ہے اور نیز یہ بھی مناسبت ہے کہ سورہ فجر میں بدوں پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہونا اور نیکوں کو راحت ملنا مذکور تھا جس سے یہ بات پائی جاتی تھی کہ انسان دنیا میں محض عیش و کامرانی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے جیسا کہ اور حیوانات ہیں جن کا کام صرف پیٹ بھر کر کھانا اور سو رہنا اور خرمستی کرنا ہے نہ ان کو آیندہ کی فکر ہے نہ کوئی تدبیر درپیش ہے بلکہ انسان کو عقل و ادراک دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ مکلف ہے۔ اسی مضمون کو اسکے مناسب چند چیزوں کی قسم کھا کر لقد خلقنا الانسان فی کبد میں بیان فرماتا ہے۔ فقال لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد کہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور تم کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قید نہ رہے گی۔ اس شہر میں بلکہ یہاں کافروں سے لڑنا حلال ہوگا۔ گویا اس نرغہ کے وقت آپ کو بشارت دی جاتی ہے کہ گویا شہر مقدس ہے۔ اس میں شکار کی بھی ممانعت ہے۔ قتل و قصاص کیسا؟ لیکن ان بدبختوں کی شرارت کے سبب ایک بار آپ کو ان سے انتقام لینا اور ان کو سرکشی کی سزا دینا اس شہر میں حلال ہوجاوے گا۔ چنانچہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ یہ شہر محرم ہے۔ اللہ نے اس کی حرمت قائم کی ہے۔ قیامت تک نہ یہاں شکار کھیلا جاوے گا نہ گھاس کاٹی جاوے۔ صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے یہاں کفار سے جنگ کرنا حلال ہوا ہے لیکن پھر اس کی وہی حرمت عود کر آئی ہے (یہ معنی ہیں ابن عباس و سعید بن جبیر و ابی صالح و عطیہ و ضحاک و قتادہ و سدی ابن زید کے نزدیک) اس میں ان کے اس شبہ کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ پھر مکہ کیوں ہلاک نہیں کیا جاتا؟ یعنی صبر کرو ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح ہوا جاتا ہے تمہاری گردنیں ماری جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز سچا کر دیا۔ آپ شوکت و جلال سے یہاں آئے اور دشمنانِ خدا سے انتقام لیا گیا۔ بعض علماء اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس شہر مقدس کی قسم کھاتا ہوں کیونکہ یہاں جانوروں پر بھی ظلم ممنوع ہے۔ سب کو امن ہے کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں نہیں مارتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر وانت حل بھذا البلد تم اے نبی اس شہر میں حلال ہو۔ تمہارے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں، ظلم و ستم مار دھاڑ سب تم سے روا ہے گویا یہ قریشِ مکہ پر تعریض ہے کہ اور چیزوں کا مارنا تو ممنوع ہے مگر ہمارے نبی معصوم کا خون مباح اور حلال۔ یہ کیسا انصاف اور کونسی عقل ہے؟ بعض علماء حل کے معنی کہتے ہیں مقیم کہ ہمیں اس شہر کی قسم جبکہ تم اس میں مقیم ہو۔ اس کی برکت و حرمت زیادہ تمہارے سبب سے ہے اور بعض فرماتے ہیں لانفی کے لیے ہے کہ جس وقت آپ

اس شہر میں ہیں ہم کو اس کی قسم کھانے کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کھانی چاہیے کیونکہ تم ہی تو اس شہر کی برکت اور روحِ رواں ہو اور لطف یہ کہ تمہیں پر یہ ظالم ظلم کر رہے ہیں۔

ووالدوماولد اور قسم ہے والد کی اور اس کی جو اس سے پیدا ہوا۔ یہ عام ہے بعض کہتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ ماولد سے ان کی اولاد۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد کہ ہم نے انسان کو مصیبت ومشقت کے لیے بنایا ہے۔ پھر اس پر یہ غرور اور سرکشی جو خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے دور بھاگتا ہے۔ یہ مناسبت ہے اس سورہ کو سورہ فجر ہے۔

اس مضمون سے ان چیزوں کو کہ جن کی پہلے قسم کھائی یہ مناسبت ہے کہ شہر مجمعِ خلائق ہوتا ہے۔ حاجت ایک دوسرے سے تمدن میں پڑتی ہے' کوئی بیکار نہیں رہتا کوئی کپڑا بنتا ہے تو کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے علی ہذا القیاس۔ ہر ایک ایک نہ ایک دھندے اور مشقت میں ہے اور بالخصوص مکہ شہر جہاں اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت ہے۔ جہاں نہ کوئی باغ نہ کھیتی نہ کنوؤں میں میٹھا پانی اور نیز گرم جگہ جہاں بادِ سموم چلا کرتی ہے اور جب سے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اور بھی دینداروں کو مصیبت ومشقت ہوگئی۔ آئے دن کی مار پیٹ گالی گلوچ شروع ہوگیا تھا اور والد اپنی اولاد سے مشقت اور فکرِ معیشت اور تدبیرِ تربیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بچوں کی بیماریاں اور پھر جوان ہو کر مرجانے کے صدمے اور پھر نالائق اٹھنے کے دکھ باپ ہی سے پوچھنے چاہییں اور اس پر ان کے لیے رزق وآسائش کے سامان بہم پہنچانے اور ان کو آرام دینے آپ دکھ اٹھانے کا حال بھی ہر ایک صاحبِ اولاد پر ہے اور بچہ بھی دنیا میں آ کر کیسے کیسے مصائب اٹھاتا ہے' نو مہینے رحم میں خون کھا کر تنگ رستہ سے نکلنا۔ پھر دانتوں کی تکلیف' آنکھوں کی تکلیف اور صدہا تکالیف ہیں کہ جو ضعیف البنیان بچوں کو ان کی جسمانی حالت سے پہنچتی ہیں اور ماں باپ کو روحانی صدمہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ فرمانا کہ انسان کو مشقت ومصیبت کے لیے پیدا کیا ہے بہت ٹھیک ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا کہ نہ ہنستے ہی رو دیا ہوگا
دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم کوئی ہوگا جو بچ رہا ہوگا

اس مشقت کی تصویر بعض اکابر نے یوں کھینچی ہے کہ اول تو انسان کی خلقت میں آب' باد' خاک' آتش ایسی چار چیزیں متضاد جمع ہیں کہ ہر ایک کا غلبہ اعتدال سے دور کر کے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے ؎

گر یکے زمین جہار شد غالب
جانِ شیریں برآید از قالب

دوم رحم میں محبوس ہونے اور طرح طرح کے مصائب اٹھانے کی مشقت۔ سوم باہر آنے کی مشقت۔ چہارم لڑکپن میں ضعیف البنیان ہونے کے سبب طرح طرح کے امراض کی مشقت کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ پنجم دانتوں کے نکلنے کی مشقت۔ ششم مکتب ومدارس میں تعلیم کی مصیبت۔ ہفتم جب عقل وبلوغ کی بیڑی پاؤں میں پڑی تو قوائے شہوانیہ وسبعیہ وحرص اور ان کے ثمرات کی ایسی مشقت کہ الٰہی توبہ! ایک ذرا سی دیر کے مزے کے لیے عزت' مال' تندرستی' دین سب کو خیر باد کرتا ہے اور رسوائے خلائق ہوتا ہے۔ پھر غصہ ہے کہ شیر بھیڑیا بنا کر مخلوقِ الٰہی کے درپے آزار کرتا ہے جس سے خلق کی بدگوئی اور دنیا کی نفرینیاں اس کو نصیب ہوتی ہیں۔ پھر کبھی حرص وطمع چند دانوں (یعنی غلہ) کے لیے سخت گرمی اور سردی برسات اور خشکی میں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ بیلوں کے پیچھے دوڑاتی ہے چند روپیوں کے لیے فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کٹواتا ہے۔ چند پیسوں کے لیے دن بھر دکان یا کارخانہ میں مقید

رہتا ہے۔ پھر حرص وحسد کی آگ ہمیشہ دل میں شعلے مارتی رہتی ہے۔ جو کچھ نعمتیں اس کو میسر ہیں ان کا مزہ اور ان سے تمتع بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پھر حبِ جاہ ومال اور نام آوری کی حرص ہوئی تو اس کو ایسے ایسے ہولناک گڑھے جھکواتی ہے۔ ہشتم طبیعت کی عقل ودین سے لڑائی کی مصیبت۔ عقل کہتی ہے یہ کام نہ کر اس میں تیری رسوائی اور سخت نقصان ہے مگر طبیعت نہیں مانتی۔ دین یا الہامِ الٰہی کہتا ہے کچھ آخرت کا توشہ ساتھ لے تجھے یہاں سے بہت جلد جانا ہے اور ایسا جانا کہ پھر کر نہیں آنا ہوگا۔ عبادت کر' خیرات کر' خلقِ خدا کے ساتھ نیکی کر' صداقت وبردباری اپنا شیوہ بنا۔ مسافرانہ زندگی بسر کر۔ مگر کمبخت طبیعت ادھر نہیں آنے دیتی۔ حرام کاری فسق وفجور سے شرع روک رہی ہے' طبیعت ابھارتی ہے صبح کو بقنوتِ شرع وخرد توبہ کرتا ہے رات کو بحکمِ نفس اس کو توڑ کر جو نہیں کرنا وہ کرتا ہے۔ یہ تو وہ مصائب تھے جو خاص اس کی ذات سے متعلق تھے۔ اب جن میں دوسروں کا بھی تعلق ہے وہ سنئے۔ رعیت کو بادشاہ کی اطاعت بلکہ غلامی اور کارِ بیگار وخراج وٹیکس کی مصیبت' بادشاہ کو جہانداری وحفظِ سلطنت کی مصیبت' نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت' آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت اور تمردو خیانت کی مشقت' بیوی کو میاں کی اطاعت وبچہ کشی کی مشقت' میاں کو بیوی کے اخلاقِ بد اور خیانتِ مال یا اس کے جا بجا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت' ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے دردوغم کھانے کی مشقت' اولاد پر مادر وپدر کی خدمت واطاعت کی مشقت' پھر احباب وہم وطن وہمسایوں کے خوش رکھنے کی مشقت۔ یہ تو دنیا کی مشقتیں تھیں اب آگے کی سنئے۔ نزع کی مشقت' تنگیِ قبر اور مفارقتِ مال واولاد وصاحبہ کی مشقت پھر اگر شقی ازلی ہے تو ابدی جہنم کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت کبد بفتحتین بمعنی مشقت اور بکسرب بمعنی جگر۔ جگر غذا کے پکانے اور خون بنا کر اعضاء میں تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ عنہما وعکرمۃ ومجاہد وابراہیم نخعی اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ انسان برابر پیدا کیا گیا۔ اس کی آفرینش میں کوئی قصور نہیں' اندھا نہیں' اپاہج نہیں سمجھ بوجھ سب کچھ دیا گیا ہے پھر کیوں ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے۔ میرے نیک بندوں میں داخل نہیں ہوتا۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝

کیا وہ (یہ) سمجھ رہا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ آئے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

ترکیب | الہمزۃ للاستفہام الانکاری یحسب فاعلہ الضمیر یرجع الی الانسان ان مخففۃ من الثقیلۃ واسمہا ضمیر الشان مقدر والجملۃ مفعول یحسب یقول جملۃ مستانفۃ اہلکت صرفت لبدا صفت مالا قال ابوعبیدہ لبد فعل من التلبید وھو المال الکثیر بعضہ علی بعض وقال الفراء جمع لبدۃ وقال بعضھم ھو واحد الاستفہام للانکار ان انہ لم یرہ احد خبران والجملۃ مفعول یحسب۔

تفسیر | یعنی باوجود یکہ انسان مصائب کش پیدا ہوا ہے سدا کا دکھیا ہے پھر اس پر بھی اس کو یہ غرور وپندار ہے ایحسب ان لن یقدر علیہ احد کیا یہ خیال کر رہا ہے کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پاوے گا۔ میرے اعمالِ بد کی سزا مجھے کوئی نہیں دے گا جو چاہوں کروں۔ گویا حشر کا انکار کرتا ہے اور دنیا میں بھی اعمالِ بد کی سزا کا منکر ہے اور اپنی تھوڑی سی کامیابی اور دنیاوی اسباب پر یہ گھمنڈ کرتا ہے۔ بعض مکہ کے کفار تو اپنے مال اولاد کے گھمنڈ پر خدا تعالیٰ کے زواجر سن کر صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جن کو خدا نے غارت کر دیا ہم پر کون قادر ہو سکتا ہے۔ کس کا قابو چل سکتا ہے۔ یقول اہلکت مالا لبدا کہتا ہے کہ میں نے اپنی حفاظت میں بہت سا مال صرف کر دیا ہے۔ بڑے عمدہ گھوڑے لڑائی کے قابل اور بڑے عمدہ ہتھیار خریدے ہیں۔ بہت لوگوں کو کھلا پلا کر تنخواہیں دے کر تیار کیا ہے۔ پھر وہ بوقتِ مقابلہ ہمارے

ساتھ ہیں اور نیز آنحضرت ﷺ کی عداوت اور دینِ الٰہی کے برباد کرنے کے لیے بھی وہ بہت کچھ خرچ کرتے تھے۔

اور لوگ بھی گو صاف یہ نہیں کہتے مگر ان کی حالتِ تکبر اور معاصی پر اصرار یہی کہہ رہا ہے۔ دنیاوی بادشاہ اپنی فوجوں اور اعوان و انصار و اسلحہ و آلات پر نازاں ہوا کرتے ہیں جن پر بیشمار روپیہ صرف کر چکے ہیں۔ کروڑ ہا روپیوں سے جنگی جہاز اور عمدہ توپ خانے اور کیا کیا سامان بہم پہنچائے اور اس زور میں آ کر کفر بکتے ہیں۔ بدکاری کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کون مغلوب کر سکتا ہے۔ حالانکہ روزمرہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بالکل بس میں ہیں۔ یہ جملہ یقول اھلکت اس کے گمان کرنے کی وجہ ہے یعنی اس لیے گمان کرتا ہے کہ اس کا اعتماد عزت و جاہ پر ہے جو مال صرف کرنے سے پیدا کیا ہے اور بعض تو اپنے الٰہ باطلہ کے نذر و نیاز میں صرف کرنے کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں دیو اور دیوتا کی نذر و نیاز میں میں نے ڈھیروں خرچ کر دیا ہے وہ میرے حامی ہیں' ہمیں کوئی آسیب نہیں پہنچتا۔

الغرض دنیاوی تحفظ و استحکام میں جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کو اپنے قیام و دوام کا سبب جانتا ہے اور قادرِ حقیقی کی قدرتِ کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا پھر اس کو کیا کر دیا۔ کیا اس کی اول حالت کسی نے نہیں دیکھی۔ ایحسب ان لم یرہ احد ضرور دیکھی ہے۔ وہ پہلے ایک قطرۂ منی تھا پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ آپ سے منہ سے مکھیاں بھی نہ مار سکتا تھا۔ نہ کچھ ہوش و ادراک تھا نہ اس کے پاس کچھ مال و زر تھا نہ کچھ زور و بل تھا پھر جس نے یہ زور و زر' ہوش و ادراک عطا کیا۔ کیا وہ اس کو پھر لے نہیں سکتا؟ ضرور لے سکتا ہے وہاں کچھ مال و زر کام نہیں آتا۔ بڑے بادشاہ بڑے مالدار جب بیماری یا اور کسی آسمانی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمام مال و زر دھرا سو کتا ہے پھر اس پر یہ غرور' یہ سرکشی۔ اگلی آیات الم نجعل لہ عینین میں اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ ع

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو دونوں رستے بھی سمجھا دیے۔ پھر گھاٹی میں نہ گھس پڑا اور تو کیا جانے گھاٹی ہے کیا بردہ آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔ قرابت دار یتیم کو یا خاکسار فقیر کو پھر اس گروہ میں سے ہوتا جو ایمان لائے اور وہ صبر اور رحم کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے وہی لوگ مبارک ہیں اور خوش نصیب اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی منحوس (بدبخت) ہیں۔ وہی آگ میں بند کر دیے جائیں گے۔

ترکیب : الم نجعل الاستفہام للتقریر الجعل بمعنی الفعل فعینین مفعول لہ متعلق بنجعل ولسانا وشفتین معطوفان علی العینین النجدین مفعول ثان لھدینا والضمیر المنصوب مفعول اول۔ قال اھل العربیۃ النجد الطریق فی الارتفاع فکانہ لما وضحت الدلائل جعلت کالطریق المرتفعۃ العالیۃ بسبب انھا واضحۃ للعقول کوضوح الطریق العالی للابصار فالمراد بھما عند عامۃ المفسرین سبیلا الخیر والشر وعن ابن عباس وعکرمۃ وسعید بن المسیب والضحاک النجد ان الثدیان فھدی اللہ سبحانہ فی بدء الولادۃ الطفل الثدین فلا اقتحم لاحرف التخضیض

والاقتحام الدخول فی الامر الشدید یقال قحم قحم قحوما واقتحم اقتحاما وتقحم تقحما اذا رکب الحم وھی المھالک والامور العظام۔ العقبۃ مفعولہ۔ وھی طریق فی الجبل والجمع العقب والعقاب وھو مثل ضربہ اللہ سبحانہ المجاھدۃ لنفس والھویٰ فی اعمال الخیر وکف النفس عن اللذات والشھوات الغیر المرضیۃ فک رقبۃ الخ تفسیر للعقبۃ وما ادراک جملہ معترضۃ اوردت لبیان شان العقبۃ او اطعام عطف علیٰ فک رقبۃ وھما مصدران والتقدیر ھی فک او اطعام وقیل ھما فعلان ویؤیدہ ما بعدھما وھو قولہ تعالیٰ ثم کان۔ ذی مسغبۃ صفۃ یوم والسغب الجوع والساغب الجائع والمسغبۃ مفعلۃ منہ یتیما مفعول اطعام وقری الحسن ذا مسغبۃ بالنصب علی انہ مفعول اطعام ای یطعمون ذا مسغبۃ ویتیما بدل منہ او مسکینا معطوف علیٰ یتیما ذا متربۃ صفۃ لمسکینا یقال ترب الرجل یترب ترابا ومتربۃ اذا افتقر حتی لصق بالتراب ثم کان عطف علی المنفی بلا ثم للتراخی فی الذکر لا فی الوجود کقولہ ؎

ان من سادثم ساد ابوہ
ثم قد ساد قبل ذلك جده

لم یرد بقولہ ثم سادا بوہ التاخر فی الوجود وانما المعنی ثم اذکرانہ سادا بوہ کذا المراد فی الآیۃ وتواصوا معطوف علی امنوا ای اوصی بعضھم بعضا بالصبر علی طاعۃ اللہ ومن معاصیہ وعلی ما اصابھم من البلایا والشدائد فی دین اللہ مؤصدۃ ای مطبقۃ مغلقۃ یقال اصدت الباب واوصدتہ اذا اعلقتہ قرء الجمھور بالواو وقری بالھمزۃ والمعنی واحد والمراد علیھم نار ابوابھا مغلقۃ لا تفتح ابدا وقیل المراد احاطۃ النیر ان بھم من جمیع الجھات۔

تفسیر : فرماتا ہے الم نجعل لہ عینین کہ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں پیدا کر دیں؟ اس میں چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے:

(۱) اندھا نہیں ہے' دیکھ سکتا ہے کہ ایسا ناپاک مال اور پاک بھی ہو تو ایسے نفس کو خوش کرنے والے کاموں میں صرف کرنا کوئی نیکی نہیں۔ ہر چند یہ بات محسوس نہیں مگر بمنزلہ محسوس کے ہے جس کو ہر ایک آنکھوں والا بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ (۲) مال کے خرچ کرنے کا فخر بے جا ہے۔ مال حاصل کرنے کے آلات جن میں سے اعلیٰ چیزیں آنکھ اور زبان اور لب ہیں وہ تو ہم نے ہی پیدا کر دیے ہیں۔ پھر اس نے کیا کمایا۔ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا۔ (۳) آنکھیں ہیں تو جا کر دیکھ لے کہ اس سے پہلے لوگ عاد و ثمود جو اس سے کہیں زیادہ فخر و نام آوری و تحفظ کے کاموں میں صرف کیا کرتے تھے ہلاک ہوئے۔ (۴) یہ سمجھنا کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا' نہ میرے اسرارِ دل پر کوئی واقف ہے۔ یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں پیدا کر دی ہیں جو سیاہ اور سفید میں فرق کر سکتی ہیں تو پھر ہمارے علم و بصیرت کا کیا انتہاء ہے۔ صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دی ہیں بلکہ لسان و بان بھی پیدا کر دی ہے۔ خود عقل نہیں تو پوچھ دیکھے اور نیز یہ بھی سمجھے کہ جس نے مجھے زبان عطا کی ہے جو میرے اندرونی اسرار کو ظاہر کرنے کا آلہ ہے تو کیا وہ اندرونی اسرار نہیں جان سکتا؟ اور نیز زبان ایک ایسا آلہ ہے کہ میٹھے اور کڑوے میں امتیاز کر دیتا ہے۔ تلخی اور شیرینی کے اقسام اور مراتب پہچان سکتا ہے نعماءِ الٰہی کے کھانے پینے کا مزہ اسی سے وابستہ ہے۔ پھر انسان سمجھ لے کہ لسانِ غیب میرے اندرونی حالات کیونکر نہ بیان کر دے گی اور زبانِ غیب نیک اور بد کاموں کا فرق کیونکر نہ بیان کر دے گی مگر سننے والے کے لیے کان ہوں تو سن لے کہ ہر دم لسانِ غیب سے کیا آوازیں آیا کرتی ہیں اور صرف زبان پر ہی بس نہیں کی۔ وشفتین دو ہونٹ بھی بنا دیے جن سے تکلم میں مدد پہنچتی ہے اور جن سے چوسنے اور پھونکنے کا کام چلتا ہے اور یہ دونوں منہ کے دو کواڑ بھی ہیں اور چہرہ کی خوشنمائی بھی۔ خلاصہ یہ کہ انسان کی قوت و اکتساب کے آلات آنکھیں' زبان' لب ہم نے پیدا کئے ہیں پھر اس کو کاہے پر غرور ہے اور نیز یہ سعادت حاصل کرنے کے بھی آلات ہیں۔ ان کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔ کیوں بری جگہ استعمال کرتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ دو آنکھ ایک زبان پیدا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا دیکھنا عام ہے۔ خیر کو دیکھتا ہے شر کو بھی مگر کہنا خاص ہی رہنا چاہیے۔ صرف خیر کا کلمہ منہ سے نکالنا چاہیے۔ بری بات منہ سے نہ نکالے اور نیز دو ہونٹ اس کے دو کواڑ ہیں جو ہر وقت اس پر مؤکل ہیں کہ دیکھ جو

کچھ کہنا ہو سمجھ کر کہیو۔ نیک بات کہیو کس لیے کہ تو دل کی کنجی شمار ہوتی ہے۔

ترمذی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا کہ اپنی زبان بند کر اور گھر میں گوشہ نشین بن کر بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ بزرگوں نے فرمایا کہ زبان سانپ ہے اس کا گھر منہ ہے اس لیے کوئی شاعر کہتا ہے ؎

احفظ لسانك ايها الانسان

لا يلدغنك انه ثعبان

کہ اے انسان اپنی زبان کو حفاظت سے رکھ یہ سانپ ہے کہیں تجھے ڈس نہ لے۔ حفظِ لسان اور کم گوئی کے فوائد اور زیادہ گوئی کے نقصان علماء و حکماء نے نظم و نثر میں بہت بیان کئے ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں سب سے زیادہ مذکور ہیں۔

فائدہ ا۔ ان اعضاء کے یہاں ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس وقت اس کی غذا صرف ماں کا دودھ ہی ہوتی ہے۔ اس کے پینے میں یہ اعضاء کام آتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی غذا پر قادر نہ تھا تو اور مال اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے بغیر ہماری مدد کے کیونکر پیدا کر لیا جس کے خرچ کرنے کا فخر کرتا ہے۔

اور ان اعضاء ہی پر بس نہیں بلکہ وھدیناہ النجدین [1] اس کو نیکی اور بدی کے دو رستے بھی سوجھا دیے۔ مضر اور مفید کی پہچان عطا کر دی۔ دنیاوی امور سے لے کر اخروی تک سب کو انسان (بشرطیکہ تھوڑی دیر کے لیے شیطانی عوارض دور ہو جاویں) بخوبی پہچان سکتا ہے۔ خود اس کا دل فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے یہ بدی ہے۔ اس جگہ مال خرچ کرنا حق سبحانہ کی خوشنودی کا باعث ہے کہ نہیں پھر کیوں عذر کرتا ہے کہ مجھے نیکی کا رستہ معلوم نہیں۔ بعض علماء نجدین سے مراد دو پستان لیتے ہیں کہ یہ بھی تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ہم نے دودھ پینے کے آلات عطا کئے اور ماں کی چھاتیاں بنائی ہیں خود بخود ملہمِ غیبی کے کہنے سے بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف قصد کرتا ہے۔

پھر جب نیکی اور بدی کے دو بلند نشان بتا دیے تو فلا اقتحم العقبة [2] پھر نیکی کی گھاٹی میں کیوں نہیں گھستا۔ اس سخت اور اونچی چڑھائی پر کیوں نہیں چڑھتا جس پر چڑھنا نفس کے خلاف ہے اور بدی کا رستہ خواہشِ نفسانی کے موافق ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر چلنا آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس میدانِ دشوار گزار کو وہی طے کرتے ہیں جو جوانمرد ہیں اور جن کی تقدیر میں سعادتِ ازلی ہے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

یہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے کیونکہ اس میں سے گزرنا نفس کے خلاف ہے۔ اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراك ما العقبة اور اے انسان! تجھے کیا معلوم کہ وہ گھاٹی ہے کیا؟ پھر آپ ہی بیان فرماتا ہے فك رقبة۔ اب نیکی کے اقسام ارشاد ہوتے ہیں۔ اول فك رقبة ہے یعنی گردن کا چھڑانا۔ یہ لفظ عام ہے اس میں کئی معنی ہیں (۱) غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا۔ عرب میں غلاموں پر ایامِ جاہلیت میں بڑی سختی ہوتی تھی۔ ان کو بہائم مرتبہ میں رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم

---

[1] نجد بلند جگہ اس کی جمع نجود آتی ہے اور ملک نجد کو اس لیے نجد کہتے ہیں کہ وہ تہامہ سے بلند سطح زمین پر ہے۔ اس لیے پستان کو نجدین سے تعبیر کرنا بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خیر و شر کے دلائل واضح ہونے کے سبب بھی ان دو بلند رستوں سے تشبیہ دینا ٹھیک ہے جو ہر ایک اہلِ بصارت کو دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] عقبہ پہاڑ کا رستہ جس کی جمع عقب و عقاب آتی ہے اس سے مراد نیکی کا دشوار گزار رستہ ہے اس دشواری اور بلندی کی وجہ سے راہ ہدایت کو عقبہ سے بطور تمثیل کے بیان کیا ہے یعنی استعارہ ہے اور نجدین ذکر کرنے کے بعد عقبہ کا ذکر ترشیح ہے۔ ۱۲ منہ

میں بھی اصلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی کے پاس رہ جاوے تو اس کے ایسے حقوق قائم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے۔ کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی (۲) جو کوئی قصاص میں گرفتار ہوا اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا۔ (۳) کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔ (۴) کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار قید میں پکڑ لے اس کی خلاصی کرانا خواہ بقوتِ بازو خواہ مال دے کر۔ (۵) اپنے آپ کو حقوق العباد و حقوق اللہ سے ادا کر کے رہائی دلانا اپنی گردن میں سے یہ پھندا نکالنا ہی حریۃ کبریٰ اور اصل آزادی ہے جس کے بعد سعادتِ عظمیٰ ہے ورنہ غلامی کی قید میں پڑا ہوا ہے۔ یہ کام ہیں مال صرف کرنے کے۔

قسم دوم۔ او اطعام فی یوم ذی مسغبة یہ کھانا کھلانا اور احتیاج کے دن جیسا کہ ایام قحط میں یا کسی سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت بھوکے کو کھانا کھلانا ہزار روپیہ دینے سے بہتر ہے ع

شلغم پختہ بہ کہ نقرہ خام

اس میں کوئی ہو مگر یتیما یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے۔ کس لیے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ نہ اس کی صغرسنی کی وجہ سے اس سے کوئی توقع ہے نہ اس کی مدح سے دل خوش ہوتا ہے اور یتیموں میں بھی ذا مقربة اہلِ قرابت ہو جیسا کہ چچا کا بیٹا یا بھتیجا یا بھانجا یا خالہ زاد یا ماموں زاد بھائی ہو کیونکہ ان پر رحم کھانے اور کھانا کھلانے میں صلہ رحمی بھی ہے۔ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے عمدہ کام دریافت کئے تو فرمایا کھانا کھلانا۔ سلام کرنا خواہ کسی کو جانے یا نہ جانے اور رات میں جبکہ لوگ پڑے سوتے ہوں نماز پڑھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید عمدہ موقع بتلانے کے لیے ہے اور کسی کو او مسکینا ذا متربة یا فقیر حاجت مند کو کہ فقر و فاقہ نے اس کو خاک پر بٹھا دیا ہو کیونکہ جب یہ حالت پہنچ جاتی ہے تو اس سے کوئی دنیاوی توقع باقی نہیں رہتی۔ اس وقت جو کچھ کھلایا پلایا جاوے گا خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہوگا۔ یوں تو وہ بھی مسکین ہے کہ جس کا خرچ اس کی آمد سے بڑھا ہوا ہے یا بالفعل اس کے پاس کچھ نہیں لیکن امید ہے اس کا کھلانا بھی بہتر ہے مگر پہلا موقع اس سے بھی بہتر ہے۔ یہ ہے مال صرف کرنے کا عمدہ موقع نہ وہ کہ جس کو وہ دولت مند سمجھ رہا تھا۔ نام آوری تن پروری میں صرف کرنا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ صرف مالی عبادت کے بعض عمدہ مواقع بتلائے گئے جن میں کسی مذہب و ملت کو بھی اختلاف نہیں مگر یہ اعمال جب ہی مقبول ہوتے ہیں کہ جب ایمان بھی ہو۔ کس لیے کہ قوتِ عملیہ کی تکمیل قوتِ نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے۔ اس لیے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا۔ ثم كان من الذين امنوا یعنی باایں ہمہ پھر وہ ایمانداروں میں سے بھی ہو کیونکہ بغیر ایمان کے کوئی نیکی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ ایمان جڑ ہے۔ ایمان ہی بنیاد ہے۔ اعمالِ صالحہ اس پر عمارت ہے کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں رہ سکتی۔

فائدہ۔ لفظ ثم اس مقام پر تراخیِ ذکر کے لیے ہے یعنی ان سب باتوں کے ذکر کرنے کے بعد میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایماندار بھی ہونا چاہیے۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ثم اس جگہ تاخیرِ وقوع کے لیے ہے یعنی اعمالِ خیر کفار کے توقف میں رہتے ہیں۔ اگر اخیر میں ایمان لے آیا تو یہ اعمال قبول ہو جاتے ہیں ورنہ مردود چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت سے سوال کیا کہ میں نے حالتِ کفر میں بھی بہت کچھ نیک کام کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے ایمان نے ان سب کو نیک اور مقبول کر دیا۔

الحاصل عقبہ سعادت کی گھاٹی میں سے گزرنا نہ صرف بردہ آزاد کرنا یتیموں و مسکینوں کو مصیبت کے دن کھانا کھلانا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان لوگوں کے زمرے میں بھی داخل ہونا ہے جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کی اور لوگوں کو بھی تاکید کی خصوصاً دنیا سے چلتے وقت۔

تواصوابالصبر صبر کرنے کی وصیت اور تاکید کر چلے اور صبر ہی پر موقوف نہیں بلکہ وتوا صوابالمرحمۃ ایک دوسرے سے باہم مہربانی اور نرمی اور رحم دلی کرنے کی بھی تاکید کر چلے۔

صبر نفس کو بے جا خواہشوں سے روکنا۔ راہِ راست پر ثابت قدم رہنا۔ صبر کے محامد قرآنِ مجید میں بکثرت وارد ہیں۔ از انجملہ یہ ہے فاصبر کما صبر اولی العزم من الرسل از انجملہ یہ ہے یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ از انجملہ یہ ہے ان اللہ مع الصابرین از انجملہ یہ ہے انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب یہ ہے وجعلنا منہ ائمۃ یھدون بامرلنا لما صبروا وغیر ہا من الآیات۔ اور احادیثِ صحیحہ میں بھی اس کے بہت کچھ محامد مذکور ہیں۔

صبر کے اقسام ! واضح ہو انسان کے اندر تین قوتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تیز ہو جاتی ہیں تو اس کو راہِ راست سے ادھر ادھر گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ ان سے نفس کو روکنا صبر ہے۔

اول قوتِ شہوانیہ: کھانے پینے جماع کے متعلق۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی ایک قسم کا صبر ہے جس کو عفت اور اس کے خلاف کو فجور کہتے ہیں۔ پس جو چیزیں نہ کھانی پینی چاہییں انہیں نہ کھائے پیے۔ جیسا کہ شراب وسور، رشوت اور جملہ ناجائز کمائی کا مال یا بیگانہ حق یا یتیم کا مال اور جن جگہوں پر اس کو ازار کھولنا نہ چاہیے وہاں نہ کھولے جس سے زنا اور اغلام اور ہر قسم کی بدکاری ممنوع ہوگئی بلکہ جوان چیزوں کی طرف رغبت دلانے والی چیزیں ہیں جیسا کہ ناچ اور نامحرم کے ساتھ اختلاط اور فواحش قصے اور ناہنجاروں کی صحبت۔ ان سے بھی دور اور نفور رہے۔

دوسری قوتِ غضبیہ ہے جس سے ظلم وستم برپا ہوتے ہیں۔ اس کی لگام بھی بڑے زور سے روکنی چاہیے۔ دوسری قسم کا صبر ہے۔ غصہ کا تھامنا اور انتقام سے درگزر کرنا بھی بڑے جوانمردوں کا کام ہے۔ کسی نے گالی دی یا برا کہا اس کو سن کر جو نفس کو ہیجان ہوتا ہے اس کا تھامنا یہی صبر ہے۔ اسی بارہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولمن صبر و غفر الخ اور اس کو حکم کہتے ہیں۔ عالی حوصلہ انتقام لینے سے درگزر کرنے میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔

تیسری قسم قوتِ طمعیہ ہے وہ بھی بہت دور دراز کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی صبر ہے۔ نیک کام میں خرچ نہ کرنا اس قوت کی بے صبری ہے جس کو بخل کہتے ہیں اور نیک راہ میں صرف کرنا سخاوت اور جود ہے اور اسی طرح یہ قوت خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کی طرف ابھارا کرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں نفس کو روکنا امانت وصیانت ہے اور کبھی تجملاتِ دنیا کے حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہے جس کو حرص کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں نفسِ سرکش کی مہار تھامنا زہد وقناعت کہلاتا ہے جو ایک قسم کا صبر ہے۔

اس کے سوا مصائب اور تکالیف کی برداشت کرنا اور جزع وفزع نہ کرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چوتھی قسم کا صبر ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں دور دراز کا سفر اختیار کرنا اور سفر اور دھوپ اور بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھانا یا اعداءِ دین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا، ان سے خوف نہ کرنا۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ نفسِ خبیث کو ریاضاتِ شاقہ وعبادات پر لانا اور اس کی خواہشوں سے روکنا بھی صبر ہے۔ روزہ میں بھوک پیاس کی برداشت کرنا نیند کا غلبہ ہے مگر نماز کی طرف آنا نہانے اور وضو کرنے سے دل ڈرتا ہے مگر اس کے مقابلے میں نہانا وضو کرنا صبر ہے۔ چھٹی قسم کا صبر رضا بالقضا ہے۔

رحمت کے فضائل ! اسی طرح مرحمت بھی صدہا خصائلِ حمیدہ کا رکن اعظم ہے۔ یتیموں پر شفقت، چھوٹوں پر مہربانی، بیکسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی، قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، بیماروں کی دوا کرنا، ننگوں کو کپڑا پہنانا، بھولوں کو رستہ بتانا، درماندوں کی ان کے کاموں میں مدد کر دینا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے الراحمون یرحمھم الرحمٰن، ارحموا من

فی الارض یرحمکم من فی السماء (رواہ ابوداؤد والترمذی) کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم میں سے جب تک کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اپنے بھائی کے لیے نہ چاہے (متفق علیہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم اور بڑے کی توقیر نہ کرے (رواہ الترمذی) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمانداروں کو توباہمی رحم دلی اور محبت ونرمی میں ایسا پاوے گا کہ جیسا ایک جسم جس کا ایک عضو بیمار ہو جاوے تو دوسرے اعضاء میں بھی درد وبخار پیدا ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

بنی آدم اعضائے یکدیگراند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند
جو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

تمام نیکیوں کی یہی دو چیز اصل ہیں۔ تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم شفقت برخلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

جو لوگ ان اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہیں۔ اولئک اصحاب المیمنۃ وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں۔ ان کی تاکیدِ صبر و تاکیدِ مرحمت کا نفع ان کی حیات میں اور ان کے بعد ان کو بھی اور بندگانِ خدا کو بھی پہنچتا رہے گا اور پہنچتا ہے۔ بعض علماء میمنہ کو یمین یعنی جانب راست سے لیتے ہیں یعنی وہ دائیں والے ہیں۔ تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے اور یہ جگہ اہلِ سعادت کی ہے اور عرب دائیں جانب کو متبرک اور بائیں کو زبوں سمجھا کرتے ہیں۔

ان اہلِ کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا بایاتنا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہماری آیات میں مکارمِ اخلاق اور حسنات کی تاکید اور قبائح کی مذمت ہے۔ پھر وہ ان پر عمل سے بھی محروم رہے۔ اخلاقِ ذمیمہ اور طرح طرح کی سیئات کے امراض روحی میں مبتلا رہے ھم اصحاب المشئمۃ وہی شامت اور بدبختی والے ہیں۔ ان کے بداخلاق کی نحوست نے ان کو ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اگر مشئمۃ کو بمعنی چپ یعنی بائیں کے لیے جاویں تو بھی ممکن ہے کیونکہ بائیں جانب والے بدبخت اور مشہور اور نامبارک لوگ ہیں۔ ان کے یہ اخلاقِ ذمیمہ اور ناپاک عقائد اور یہ کفر وبت پرستی جو یہاں ان پر محیط ہے وہاں آگ بن جائے گی۔ علیھم نار موصدۃ اور سرپوش بنا کر ڈھانک دی جائے گی جس طرح دنیا میں ان آتشیں ملکات وافعال وعقائد سے نہ نکلتے تھے وہاں بھی کبھی نہ نکلیں گے۔

اعوذ باللہ من النار

(سورہ شمس مکیہ ہے اس میں پندرہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ
اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ
وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ

مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾

قسم ہے آفتاب اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جبکہ اس کے پیچھے چلے اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپالے اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے والے کی اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا کہ جس نے اپنی روح کو پاک کرلیا اور بے شک وہ غارت ہوا کہ جس نے اس کو آلودہ کرلیا۔

ترکیب : والشمس الواو للقسم جارۃ وضحٰها ومابعدها عطف علی الشمس اذا تلاها وکذا اذا یغشاها الظرف معمول۔ للقسم ای اقسم اذا تلاها واقسم اذا یغشاها۔ والضمیر فی تلاها راجع الی الشمس ومعناه اذا اتبعها وذلک بان یطلع القمر بعد غروب الشمس یقال تلاہ یتلوہ اذا تبع وذلک فی النصف الاول من الشہر اذا غربت الشمس تلاها القمر فی الاضاءۃ وکذا الضمیر فی اذا جلاها ویغشاها راجع الی الشمس لان الشمس عند انبساط النهار تتجلی تمام الانجلاء وکذا عند فجی اللیل تغشی الشمس ویذهب ضوءها فالا سناد فی جلا ویغشی مجازی ومابناها ما مصدریۃ ای اقسم بالسماء وبنائها اذا بناء السماء بالرفعۃ والاستدارۃ امر عجیب وقیل موصولۃ بمعنی من اقسم بالسماء وبمن بناها وایثار ما علی من لارادۃ الوصیفۃ لقصد التفخیم والاول قول الفراء والزجاج والثانی قول ابی البقاء وقس علیہ قولہ تعالیٰ وما طحاها والطحو البسط من کل جانب کما فی قولہ دحاها ومعناها واحد وقیل معنی طحاها قسمها وخلقها وقال ابوعمرو بن العلاء طحا الرجل اذا ذهب فی الارض یقال ما ادری این طحا ویقال طحا به قلبه اذا ذهب به ومنه قول الشاعر۔

طحابک قلب فی الحسان طروب بعید الشباب عصر حان مشیب

وکذا قولہ تعالیٰ وما سواها فالهمها عطف علی سواها وجواب القسم عند الجمهور قولہ تعالیٰ قد افلح الخ قال النحاۃ ان الماضی المثبت المتصرف الذی لم یتقدم معمولہ اذا وقع جوابا للقسم تلزمہ اللام وقد ولا یجوز الاقتصار علی احدها الا عند الضرورۃ او طول الکلام وهھنا لطول الکلام حذف اللام۔ ودساها اصلہ دسسها فابدلت السین الاخیرۃ الفا ومعنی التدسیس الاخفاء۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اس کی پندرہ آیات ہیں۔ احمد وترمذی ونسائی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحاها اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نماز صبح میں واللیل اذا یغشی والشمس وضحاها پڑھا کریں عقبہ بن عامر سے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کی دو رکعتوں میں والشمس وضحاها اور والضحیٰ پڑھا کریں اور حدیث جابر میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاها واللیل اذا یغشیٰ نہیں پڑھا کرتا۔

مناسبت اس کی سورہ بلد سے یہ ہے کہ سورہ بلد میں خیر وشر کی رہنمائی کا ذکر تھا۔ قال وهدیناہ النجدین اسی طرح اس سورہ میں بھی اشارہ ہوا فالهمها فجورها وتقوها کہ ہر ایک کو ہم نے نیکوکاری وبدکاری سمجھا دی اور سب سے بڑھ کر مناسبت یہ ہے کہ خیر کی رہنمائی میں آفتابِ نبوت کی روشنی درکار ہے کہ جس کے سبب نیک وبد میں تمیز کرسکے اس لیے سورہ بلد کے بعد سورہ والشمس نازل ہوئی تاکہ معلوم رہے کہ شمس یعنی آفتاب بغیر جس طرح حیاتِ دنیاوی میں چارہ نہیں اسی طرح آفتابِ نبوت بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور اسی لیے اس سورہ کا نام سورہ شمس ہوا اور انسان کو جو کچھ آفتاب اور ماہتاب اور دن اور رات اور آسمان وزمین کے ساتھ حیاتِ دنیاوی میں احتیاج ہے۔ اسی طرح اس کو جبکہ وہ دنیا کے کھیت میں آخرت کے لیے کچھ بونا چاہے آفتابِ نبوت اور اس کے متعلقات کی طرف بھی حاجت ہے۔ اس لیے اس کا بیان کرنا بھی آفتاب کے ساتھ مناسب ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ دنیا میں کاشتکار کو ان چھ چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اکثر انہیں پر انسانی قوت کا

مدار ہوتا ہے۔ (۱) آفتاب کہ جس کی گرمی سے دانہ زمین میں پڑنے کے بعد پھوٹ کر باہر نکلتا ہے اور اس کی حرارت سے نشوونما پاتا ہے اور اسی سے پھل اور پھول آتے ہیں اسی کی گردش سے موسم بدلتے ہیں۔ (۲) چاند جس کی رطوبت سے پھل پھولوں میں رس پڑتا ہے' دریا میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے اور اندھیرے میں وہ آفتاب کا خلیفہ بھی ہے۔ (۳) دن کہ جس میں کام کاج کئے جاتے ہیں۔ (۴) رات کہ جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کی گرمی سے ٹھنڈک پاتے ہیں اور رات کی شبنم دن کی حرارت کا تدارک کرتی ہے۔ (۵) آسمان کہ نزولِ بارش وہیں سے ہے اور اسی میں آفتاب وماہتاب ہیں۔ (۶) زمین کہ جس میں تخم ریزی ہوتی ہے بشرطیکہ قابل بھی ہو۔ اسی طرح انسان کو جو اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے' ان چھ چیزوں کی ضرورت ہے: (۱) آفتاب نبوت کی اسی کی روشنی اور اسی کی گرمی سے سب کام بنتے ہیں۔ (۲) چاند یعنی آفتابِ نبوت کے بعد اس کے جانشین اور نائب ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پرتو ہے اسی طرح حضراتِ اولیاء ونائبانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی بھی انہیں کا پرتو ہے۔ (۳) روز یعنی وہ عمر گرانمایہ کا حصہ کہ جس میں کچھ کام کرسکے۔ (۴) رات یعنی اس کے دنیاوی کاروبار اور راحت کا وقت چونکہ اس میں اللہ سے غفلت ہے اس لیے اس کو رات سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر نفسِ انسانی کو یہ قوت نہ ملے تو انوارِ دائمیہ اس کو سست ومعطل کردیں اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے عابد' زاہد صحابی سے فرمایا تھا ثم وصل کہ سو بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھ اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ ان لنفسك علیك حقا الخ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔ (۵) آسمانِ شریعت جو اس کو جمیع اطراف سے محیط ہے اس کے عقائد واعمال واحوال وہیں سے بارش کی طرح برستے ہیں' وہیں سے شوق کی ہوائیں چلا کرتی ہیں جو کوئی شریعت سے باہر ہو کر یہ کھیتی کرنا چاہے گویا آسمان سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے جو محال اور خیال باطل ہے۔ (۶) زمین وہ اس کی استعداد کی زمین ہے کہ جس قدر اس کی فراخی وصفائی ہے اسی قدر احوال ومقامات کا نشوونما ہوتا ہے۔

لیکن ان چھ چیزوں میں سب سے عمدہ آفتاب ہے۔ جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ اس لیے اس سے ابتداء کی اور اس لیے سورہ کا نام شمس ہوا یا یوں کہو کہ یہ چھ چیزیں انقلاب دنیا کے لیے اصل الاصول ہیں اور یہ انقلاب انسان کو بتا رہا ہے کہ اس کو بھی جانا ہے اور نیز انسانی حالات کا بھی نمونہ ہیں۔ آفتاب نورِ نبوت اور اس کی روحانی روشنی پر دلالت کرتا ہے اور قمر اس کے دوسرے حال پر جو پہلے سے کمتر ہو اور دن اس کے علمِ معرفت اور روشنی پر کہ جس میں سیاہ وسفید کا امتیاز ہوتا ہے اور رات اس کی بہیمیت اور قوائے شہوانیہ پر اور آسمان اس کی بلندی پر جو قوائے روحانیہ کے آفتاب چمکنے سے حاصل ہوتی ہے اور زمین اس کی پستی پر جو قوائے بہیمیہ کی رات اور اندھیرا چھا جانے سے پیدا ہوتی ہے اور ان چھ چیزوں میں ان چھ چیزوں کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب اور اس کی روشنی اور پھر دن کسی کے روکے سے نہیں رکتے اسی طرح نورِ نبوت اور دین کی روشنی جو دن سے عبارت ہے وہ بھی کسی کے روکے سے نہیں رکے گی۔ پھر اے قریش! تمہارا ہمارے نبی کے مقابلہ میں یہ جدوجہد محض بے فائدہ ہے اور رات اور اس میں آفتاب کا پوشیدہ ہونا ضلالت ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد طلوعِ آفتاب مقتضائے حکمت ہے اور اگر اس آفتاب نے غروب بھی کیا تو مدتوں چاند کی روشنی رہے گی جس سے نائبانِ نبوت کے پرتوے مراد ہیں اور آسمان وزمین ہر ایک کی تقدیری پستی وبلندی ہے۔ اس لیے ان چھ چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہیں انسان کی جان اور اس کے ٹھیک کرنے کی یعنی قوائے باطنیہ وظاہریہ عطا کرنے کی اور پھر اس سے نیک وبد کی سوجھ بوجھ عطا کرنے کی قسم کھا کر انجامِ کار بتلاتا ہے کہ جس نے اپنی اس روح کو آلائش سے پاک وصاف کرلیا اس نے فلاح پائی۔ آسمانِ رفعت پر پہنچا اور جس نے اس کو آلودہ کرلیا شبِ ضلالت اس پر طاری ہوگئی وہ جہنم کی پستی کی طرف گیا خراب ہوگیا۔

اور اس کے بعد چند لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو آلائشِ دنیا میں آلودہ کیا تھا کہ وہ پستی کی طرف ڈالے گئے۔ دنیا میں بھی ہلاک ہوئے' آخرت کا وبال بھی سر پر لے گئے۔ اس مضمون کو اس سورہ میں کس دلکش انداز سے بیان فرماتا ہے۔ فقال

والشمس کہ قسم ہے آفتاب کی جس کا نمونہ نورِ نبوت ہے وضحٰھا اور قسم ہے آفتاب کی روشنی کی جس کا نمونہ نورِ نبوت کا جہاں میں پھیلنا ہے جیسا کہ کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ساٹھویں باب میں بشارت ہے۔

اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔

(انتہیٰ) شمس آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی روشنی جو دنیا میں پھیلے وہ ضحیٰ یا ضحو ہے والقمر۔ اور قسم ہے چاند کی اور وہ آنحضرت ﷺ کا جانشین ہے یکے بعد دیگر و نیز اولیاءِ کرام اذا تلاھا جبکہ آفتاب کے بعد آوے یا پیروی کرے۔ آفتاب سے ماہتاب کو چند باتوں میں پیروی اور اتباع ہے۔ اول استفادۂ نور میں۔ دوم غروب میں کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی ماہتاب نمودار ہوتا ہے۔ یہ اول چاند رات سے لے کر پندرہویں یا چودھویں تاریخ تک ہوتا ہے۔ سوم جسم میں باعتبارِ حسنِ ظاہر کے۔ کس لیے کہ اور ستارے گو جسامت میں ماہتاب سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں اور بعدِ مسافت کی وجہ سے چھوٹے نظر آتے ہوں مگر حسنِ ظاہر میں آفتاب کے برابر بجز ماہتاب کے اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ چہارم تاثیرات اور حسابِ سال و ماہ میں ہے جہاں اور ستاروں کو دخل نہیں۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ آفتاب کے اتباع کرنے میں ہی ماہتاب کا کمال ہے جس سے اشارہ ہے کہ نائبانِ خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کا کمال اور منصبِ خلافت و امامت آنحضرت ﷺ کی پیروی میں ہے۔ والنھار اذا جلاھا اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو روشن کرے جس سے دینِ محمدی علیہ السلام کے شیوع و ظہور کی طرف اشارہ ہے اور نیز سالک و مرشد کی اس حالت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ریاضات و مراقبات کے بعد پیدا ہوتی ہے اور نورانیت محمدیہ ان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے جس میں ایماء ہے کہ خالی ریاضات و مجاہدات بغیر اس کے کہ نورِ محمدی کو نہ ان میں چمکایا جاوے کچھ بھی قابلِ عزت و حرمت نہیں ورنہ یوں تو بہتیرے جوگی سناسی عمر بھر فضول ریاضات کیا کرتے ہیں۔

ہر چند آفتاب دن کو روشن کرتا ہے نہ دن آفتاب کو مگر آفتاب جب دن دوپہر آتا ہے تو زیادہ روشن و تاباں معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف وقت طلوع و غروب کے یہ ظرف ہے اور ظرف کی طرف اس فعل کو نسبت کرنا مجاز ہے جو محاورہ میں کثیر الاستعمال ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ضمیر اذا جلاھا آفاق یا ارض کی طرف راجع ہے۔ گو مذکور نہ ہو مگر مراد ہے والیل اذا یغشاھا اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپا لے۔ رات میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس لیے رات کی طرف مجازاً اسناد کیا گیا۔ اس رات اور اس کے آفتاب کے چھپا لینے سے اشارہ ہے۔ انسانی راحت اور اس کے حقوقِ زن و فرزند، اعزہ و احباء کے ادا کرنے پر متوجہ ہونے کی طرف یعنی توجہ الی الخلق کی طرف یہ بھی ایک متبرک چیز ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہت سے حقوق اور معاملاتِ دنیا درہم برہم ہو جاویں اور یہ منشاء بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہے اور اسی لیے یہ کیفیت توجہ الی اللہ کی ہر وقت نہیں ہوتی مگر اس غفلت کو صحابہ اپنی اولوالعزمی اور شوق الی اللہ سے نفاق سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے جس کا نام حنظلہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس بات کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور کہا میں تو منافق ہو گیا وہ بات جو حضرت ﷺ کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے۔ بال بچوں میں جا کر نہیں رہتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہ! یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہا کرتی۔ اگر ایسا ہو تو بشریت سے نکل کر فرشتوں سے مل جاؤ (مشکوٰۃ) اور نیز اس رات سے عارف و سالک کے قبض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آفتابِ معرفت بالکل چھپ جاتا ہے جس سے پھر انکشافِ تام ہوتا ہے جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے اور محبت میں یہی مزے ہیں ہجر نہ ہو تو وصال کا مزہ نہ آوے اور نیز اسلامی تنزل کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی مگر وہ تنزل بارِ دیگر ترقی کا سبب ہے کیونکہ اس رات کے بعد پھر دن ہونے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک محترم چیز ہے۔

والسماء ما بناھا اور قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ آسمان تو عجیب و غریب چیز ہے مگر اس کی بناوٹ بھی عجائب ہے۔ قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔ بعض علماء نے ما کو مصدریہ نہیں بلکہ من کے معنی میں پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی اس بنانے والے کے قربان جائیے جس کے مبارک ہاتھوں نے یہ رفیع عمارت بنائی۔ آسمان کو شریعت سے تشبیہ ہے کہ جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال و احوال و مقامات و عقائد کو محیط ہے اور جس طرح آسمان میں بروج اور ستارے ہیں۔ اسی طرح شریعت میں ابواب و اقسام ہیں اور یہی مناسبات ہیں۔ والارض اور قسم ہے زمین کی وما طحاھا اور اس کی فراخی و کشائش کی یعنی کیا ہی اس میں وسعت رکھی ہے۔ یہاں بھی بعض علماء نے ما کو بمعنی من پڑھا ہے اور یہ استعدادِ نفسِ انسانی کی مثال ہے جس کی وسعت و فراخی کے بموجب اس میں تخمِ معرفت بویا جاتا ہے۔ اب خود نفسِ انسانی کی عالم میں کوئی نظیر باقی نہ تھی کیونکہ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اس لیے خاص اسی کی قسم کھاتا ہے۔ فقال و نفس وما سواھا کہ قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی آراستگی کی یا اس کی کہ جس نے اس کو آراستہ کیا۔ انسان کے جسم کو دیکھو تو اس میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں جس کی پوری شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماوے اور اس کے قوائے باطنیہ و ادراکات و علوم کو غور کیا جاوے تو اس کی آراستگی حیرت خیز ہے اور وہ پہلی چھ چیزیں کہ جن کی قسم کھائی گئی اس نفسِ انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہیں اور وہ سب مل کر ایک عالم ہیں تو نفسِ انسانی تنہا ایک دوسرا عالم ہے جس میں اول عالم کی سب باتیں موجود ہیں۔ بایں طور کہ اس کا آفتاب نورِ روحانی ہے اور ماہتاب دل کی روشنی ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے اور دن اس کے کمالات کا ظہور اور اس کی حیات کے ثمرات کا بروز ہے اور اس کی رات اور اس کی روح اور قلب کی تاریکی ہے یا اس کی قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غلبہ ہے اور چونکہ قلب جو محلِ معرفت اور عرشِ رحمانی ہے وہ نورِ روح و ظلمتِ نفس کے ملنے بغیر نہیں ہوتا گویا کہ وہ ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی ظلمت نہ ہو تو قلب پر معانی ظاہر نہ ہوں کیونکہ روح میں کمال صفائی و نورانیت ہے۔ اس لیے یہ رات بھی ایک عمدہ چیز ہے اور اس کا آسمان روحِ حیوانیہ ہے اور زمین اس کا بدن ہے کہ جس کے خالق نے اس کو فراخ و وسیع کیا ہے اس طور پر کہ روحِ حیوانیہ ہر جگہ اثر کر رہی ہے اور یہاں تک نفسِ انسانی کی درستگی کی کہ فالھمھا فجورھا وتقوھا کہ اس کی بدی اور نیکی کی پہچان اس کو عطا کر دی اور نفوسِ حیوانیہ کی طرح نامکمل نہیں رکھا کہ اپنی شقاوت و سعادتِ اخرویہ کو نہ جانتا ہو صرف معاش ہی کے رستے جانتا ہو۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ سے جبر لازم نہیں آتا کس لیے کہ یہ جب لازم آتا کہ اس میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہوتا پھر جبکہ جو کچھ کراتے ہیں بندہ ہی کے اختیار و ارادہ سے کراتے ہیں تب کسی طرح جبر لازم نہیں آتا۔

تحقیق المقام : الہام در دل افگندن و انچہ در دل افگند خدائے تعالیٰ یقال الھمہ اللہ واستلھمت اللہ (صراح) یہ الہام ہے جس کے معنی القاء کے ہیں۔ اس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ ہر ایک کے دل پر اس طرف کا تار برقی لگا ہوا ہے۔ ادھر سے نیک و بد بات دل میں پڑتی ہے۔ یہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہے اور اس میں کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کس لیے کہ القا ہونے کے بعد کرنا نہ کرنا اس کے اختیار و ارادہ کے ساتھ ہے اور اسی پر عذاب و ثواب کا دار و مدار ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو خدائے پاک نے عقل و ادراک، سمجھ بوجھ عطا کی ہے جس سے وہ نیک و بد جانتا ہے۔ یہ ہیں فجور اور تقویٰ کے الہام کے معنی اور مجاہد اور فراء اسی کے قائل ہیں اور مذہب معتزلہ بھی یہی ہے۔

اس الہامِ عام کے بعد ایک اور مرتبۂ خاص الہام کا ہے جو حضراتِ اولیاءِ کرام و انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے اس میں اور کو شرکت نہیں۔ واضح ہو کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفاتِ غائب پر مشاہد سے استدلال کرتا ہے اور مشاہد بجز عالمِ جسمانی کے اور نہیں اور عالمِ جسمانی کی دو قسم ہیں۔ بسیط اور مرکب۔ پھر بسیط کی دو قسم ہیں۔ علوی جس کی طرف والسماء وما بناھا میں اشارہ ہے۔ دوم سفلی جس

کی طرف والارض وماطحاھا میں اشارہ۔ ہم اور نیز والشمس والقمر بھی علویات میں داخل ہیں اور رات دن ان سے پیدا ہوتے ہیں۔
اب رہے تھے مرکبات سوان میں سب سے افضل انسان ہے جس کی طرف ونفس وماسواھا میں اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدائے پاک مدبرِ اجسام ہے خواہ علویہ ہوں خواہ سفلیہ خواہ مرکبہ خواہ بسیط پس عالمِ محسوسات میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے نہ ہوئی ہو مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حیوان وانسان کے افعال اس کی ایجاد وتخلیق میں داخل نہیں۔ اس کا دفع اس قول میں کر دیا۔ فالھمھا فجورھا وتقوھا کہ یہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اسی کی قضاء وقدر سے سرزد ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ جو کچھ ہے سب اسی کی قضاء وقدر سے پیدا ہوا ہے۔ اسی کے احاطۂ قدرت وتصرف میں ہے۔ پس الہام فجور خذلان ہے اور الہامِ تقویٰ توفیق ہے اور وہ حدیث جس کو امام احمد ومسلم وابن جریر وغیرہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مؤید ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پہلے ان کے حق میں مقدر ہو چکا تھا یا ایک آئندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے، اس کے موافق کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا پھر اب لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے ان دونوں مرتبوں (خیر وشر) میں سے جس کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس کے موافق عمل کرنا آسان کر دیتا ہے اور تصدیق اس کی کتاب اللہ میں ہے۔ فالھمھا فجورھا وتقوھا۔

مگر اس کے ساتھ بھی انسان کو اختیار باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مذکور سے پایا جاتا ہے اور اسی لیے اس کے بعد جوابِ قسم میں اس بات کو واضح کر دیا۔ قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا گناہوں اور غفلات کے میل کچیل سے[1]۔ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دیتا ہے یا حبِ لذات وشہوات میں خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے نفس یعنی روح پر ایک میل یا دھبہ لگ جاتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی دھبہ جس مرتبہ کا ہے اسی کے موافق ایک خاص صورت میں باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وقد خاب من دساھا کہ خراب ہوا جس نے روح کو آلودہ کر لیا۔ اس نورانی جوہر کو گندی چیزوں میں چھپا دیا۔ تزکیہ وتطہیرِ نفوس کے لیے صرف یہی ایک جملہ قد افلح الخ کافی ہے جس کو چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ اور عالمِ حسی کی بنیاد ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۫ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

(قومِ) ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جبکہ ان میں سے سب سے بڑا بد بخت اٹھا پھر ان سے اللہ کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی سے تعرض نہ کرنا۔ سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو ان کے رب نے بھی ان کے گناہ سے انہیں مار کر پٹڑا ہی کر دیا اور اس نے اس کے انجام کی پرواہی نہ کی۔

ترکیب: بطغوھا الباء للسببیۃ الطغوی فعلی من الطغیان والواو مبدلۃ من یاء مثل التقویٰ ومن قال طغوت کانت الواو اصلا۔ ثمود فاعل

[1] معلوم ہوا کہ تزکیۂ نفس اور اس کی آلودگی کا انسان کو اختیار دیا ہے جو ان افعال کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

کذبت والجار فی بطغوھا یتعلق بکذبت اذ ظرف لکذبت او للطغویٰ انبعث مطاوع بعث یقال بعثت فلانا علی الامر فانبعث لہ ومعناہ انتدب لذلک وقام بہ ناقۃ اللہ منصوب بفعل محذوف ای ذروا ناقۃ اللہ او احذروا وسقیاھا معطوف علیہ والاضافۃ فی ناقۃ اللہ للتشریف کبیت اللہ فدمدم فی الصحاح ودمدمت الشیء اذا الزقتہ بالتراب والدمدمۃ تضعیف العذاب یقال دمدمت علی الشیء ای اطبقت علیہ ودمدم علیہ القبر ای الطبقہ فسوھا ھذا الضمیر یعود الی الدمدمۃ ای فسوی الدمدمۃ علیھم وعمھم بھا فاشتملت علی صغیرھم وکبیرھم وقیل یعود الی الارض الی فسوی الارض علیھم فجعلھم تحت التراب وقیل یعود والی الدمدمۃ ای ثمود۔ ولا یخاف الخ الجملۃ حال ای فعل ذلک وھو لا یخاف والضمیر فی عقبٰھا یعود الی الفعلۃ او الی الدمدمۃ۔ والضمیر فی لا یخاف یرجع الی اللہ سبحانہ وقیل الی صالح علیہ السلام ای لا یخاف الرسول وھو صالح علیہ السلام عقبیٰ ھذا لعذاب کانہ وعد لنصرتہ وقیل یرجع الی الاشقی ای ذلک الاشقی الذی عقر الناقۃ لا یخاف عقبیٰ ھذہ الفعلۃ۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا۔ جس سے تزکیہ فلاح کا سبب اور تلویث خسارہ کا سبب سمجھا گیا۔ تلویث میں قوائے بہیمیہ عقل وشرع پر غالب آجاتی ہیں اور تزکیہ میں ان پر عقل وشرع غالب رہتی ہے۔ اب تلویث کے مضمون پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوا تا کہ واضح ہو جائے کہ قوائے بہیمیہ کے غلبہ دینے سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں اور قوت دراکہ بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ حق باتوں کا انکار کر دینا اور انکار پر اصرار کرنا اور ناصح مشفق کا مقابلہ کرنا ان کے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہو جاتی ہے۔ اس لیے اب اس واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ فقال کذبت ثمود قومِ ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بطغوھا اپنی سرکشی سے جھٹلا دیا تھا یعنی قوائے بہیمیہ کے جوش وغلبہ کے سبب جس کے وہ عادی ہو رہے تھے اور یہ ہوتا ہے کہ جس قوت کو ترقی دی جاتی ہے اس کے بعد ایک ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے جس سے اس کے موافق بے تکلف سرزد ہونے لگتے ہیں۔ عبادات وریاضات والے سے عبادت وریاضات، بدکار شہوت پرست غدار سے ویسے کام۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک طغویٰ بفتح الطاء مصدر ہے بمعنی الطغیان فراء کہتے ہیں۔ طغویٰ وطغیان دونوں مصدر ہیں مگر اس جگہ اخیر آیات کے لحاظ سے طغویٰ کا استعمال ہوا۔ بعض کہتے ہیں واؤ کو اسم وصفت میں فرق کرنے کے لیے یاء سے بدل لیا کرتے ہیں جیسا کہ تقویٰ وسرویٰ اور جس نے طغویٰ کو بضم الطاء پڑھا ہے اس کے نزدیک یہی مصدر ہے جیسا کہ رجعیٰ اور حسنیٰ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طغویٰ سے مراد اس قوم کا وہ عذاب ہے کہ جس سے وہ ہلاک ہوئے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اس کی خبر دی تھی۔ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تھا اور چونکہ طغویٰ کے لغوی معنی حد سے گزرنے کے ہیں اور وہ عذاب جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ بھی حد سے گزر گیا تھا۔ اس لیے اس پر طغویٰ کا اطلاق ہونا بہت ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہوتا تھا۔ قومِ عاد جو عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں تھی، اس کے ہلاک وبرباد ہونے کے بعد شمالِ عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی۔ یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی۔ ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا۔ اس کا نام وادی القریٰ تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مؤرخین نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے۔ اس قوم میں مال ودولت بہت تھا۔ بڑے بڑے عالیشان مکان بنائے تھے اور سنگتراشی کا ہنر خوب جانتے تھے۔ اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب وغریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنویں اور باؤلیاں بھی کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن اور سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوتِ شہوانیہ وغضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی، رحم دلی، پرہیزگاری کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمتِ الٰہی نے انہیں میں سے ایک شخص صالح بن عبید کو منتخب کیا اور نورِ نبوت سے منور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بد بخت قوم کی اصلاح اور وعظ

وپند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوتِ ازلیہ تھی۔ کب ماننے والے تھے۔ پھر جو جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ وناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا اور وہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی۔ ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آ کر بچہ بھی دیا۔ قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیسِ قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں' نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا وظلم کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر اونٹنی کی سنئے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے۔ یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور چندے اس پر قوم نے صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک شخصِ شریر سرکش قیدار نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر بڑے ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضبِ الٰہی آ گیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے۔ اگر ایمان لایا جاوے اور توبہ کی جاوے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی کی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ۔ چنانچہ صبح جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا بھی کام تمام کر دیا جاوے۔ یہ قصد کر کے نو بدمعاش شب خون کی نیت سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایتِ الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا۔ وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے۔ یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی آمادۂ جنگ ہوگئی۔ آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے اتباع شہر سے باہر نکل جاویں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا۔ سب کے منہ لال ہو رہے تھے۔ اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے۔ اس لیے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا نہ بارش کا۔ اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر دو تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی۔ کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے۔ ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے پڑے دیکھ کر حسرت بھرے الفاظ میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگزشت جو عرب میں متواتر منقول تھی اور اس واقعے کو کہ ومہ جانتا تھا۔ یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا حجر ہے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک میں صحابہ کے ساتھ حجر سے گزرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کی جگہ پر ٹھہرنے اور ان کے کنوؤں سے پانی لینے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قومِ ثمود کے آثارِ باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حالِ زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں۔ اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی

طغیانی اور کبھی ژالہ باری' بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے' شہر اجاڑ ہو گئے۔ آسمانی پتھر برسنے سے ہندوستان میں گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے۔ ہوا نے گاؤں اجاڑ دیے۔ سینکڑوں آدمی ہلاک ہوئے۔ دریاؤں کی طغیانی سے گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے مگر اب ان واقعات سے عبرت بھی نہیں کیونکہ حال کا علم ان کو اسباب کا فعل کہتا ہے۔ مسبب الاسباب کا قائل نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن میں یہ واقعہ مختصر مذکور ہے۔ اذا انبعث اشقاھا جبکہ اپنی شرارت اور نشاط سے اس قوم میں سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا اور وہ قیدار بن سالف تھا۔ یہ پاجی پست قد چنتکبرا' نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ' بڑا موٹا تازہ شریر اور متکبر شہوت پرست شخص تھا۔ اسی لیے عرب میں یہ مثل مشہور ہو گئی وہو اشام من قدار کہ فلاں تو قدار سے زیادہ منحوس وبدبخت ہے۔

ہر قوم میں چند ایسے نالائق اور لچے ہوا کرتے ہیں جو کام لوگوں کے نزدیک بہت ہی برا اور قابلِ نفرینِ اولین وآخرین ہو وہ اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ اس کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں بتاؤں تجھ کو سب سے بڑا شقی۔ علیؓ نے عرض کیا' فرمائیے آپ نے فرمایا ایک تو وہ کہ جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کی کوچیں کاٹیں اور دوسرا وہ کہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا جس سے تیری ڈاڑھی پر خوں بہے گا۔ یہ دونوں سرخ رنگ والے سب سے شقی ہیں (رواہ احمد وابن ابی حاتم والطبرانی و ابن مردویہ والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ) یہ شخص بھی درحقیقت بڑا ہی بدبخت تھا۔ کس لیے کہ جناب مرتضوی آنحضرت ﷺ کا پورا نمونہ اور شوکتِ اسلام کا سرچشمہ تھے۔ گویا اس بدبخت نے ایک خسیس شہوت کے لیے سلسلۂ خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ یہ شخص ابن ملجم خارجی تھا۔ ایک خارجیہ عورت نے کہ جس پر یہ عاشق تھا۔ حضرت مرتضوی کے شہید کر ڈالنے کی ترغیب دلائی تھی۔

اسی طرح شمر اور یزید بھی اس شقی سے کم نہیں کہ جنہوں نے دنیائے دنیہ کے لیے جگر گوشۂ رسول کریم ﷺ کو کس بے رحمی سے شہید کیا۔

جب اس مردود قیدار نے ناقہ کی کوچیں کاٹنے کا بیڑا اٹھایا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام کو اس بدبخت قوم کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے بتاکید فرما دیا تھا فقال لھم رسول اللہ۔ ان سے رسول اللہ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا ناقۃ اللہ وسقیھا خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے کبھی اس کو برائی سے نہ چھونا نہ پانی پینے سے منع کرنا۔

فائدہ: اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا کہ وہ خاص معجزہ سے اللہ نے پیدا کی تھی۔ یہ اضافتِ تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لیے جیسا کہ بیت اللہ ورنہ خدا پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہا کرتا ہو اور نہ اس کے چڑھنے کی کوئی اونٹنی ہے اور یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے آیۃ یعنی نشانی تھی۔ اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک خاص طرز سے پیدا ہونے کا سبب نمونہ تھی۔

مگر وہ بدبخت کب ماننے والے تھے فکذبوہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کچھ انہوں نے اونٹنی کی بابت فرمایا تھا کہ اگر اس کو بری نگاہ سے دیکھو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے' جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ بھی ایک ڈھکوسلا ہے۔ کس لیے کہ گناہ کرتے کرتے وہ دلیر ہو گئے۔ دلوں پر سیاہی چھا گئی تھی۔ اس لیے فعقروھا اس بدبخت قوم نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ کوچیں تو قیدار [1] نے کاٹی تھیں مگر اور بھی شریک تھے اور اس فعلِ بد سے راضی تھے۔ اس لیے یہ فعل ان سب کی طرف نسبت کیا گیا فدمدم علیھم ربھم پھر تو ان کو ان کے رب نے غارت کر دیا بذنبھم یوں ہی نہیں بلکہ ان کے گناہ کے سبب جو کفر وتکذیب اور کوچیں کاٹنا تھا اور ایسا ہلاک کیا کہ فسواھا اس ہلاکت کو سب کے لیے

[1] اور اس لیے سورہ قمر میں خاص اس بدبخت کی طرف اس فعل کو نسبت کیا کما قال فتعاطی فعقر اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

برابر کر دیا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔ چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوئے بجز ان لوگوں کے کہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور کوئی نہ بچا۔ ولایخاف عقبھا۔ اور خدائے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔ کس لیے انجام سے ڈرنے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھے۔ اس کو انجامِ بد کا خوف ہوا کرتا ہے۔ سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتداء جانتا ہے۔ دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت فوت ہو جانے کا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ دے کر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے، سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ اس نابکار قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خاردار درخت اگ آویں ان کے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ ان کے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو سوم یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو۔ اس وقت خوفِ انتقام ہوا کرتا ہے۔ سو خدا پاک کو ان کی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برباد کرتا ہے بے دھڑک کرتا ہے۔ اس میں مشرکین کے خیالِ باطل کا بھی رد ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جس کی ہم پرستش کرتے ہیں ہم کو ہر وقت کی مصیبت سے نجات دے گی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کر دے گا تو وہ ضرور بدلہ لے گا۔ بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے کوئی بدلہ لینے والا نہیں۔

بعض علماء نے لایخاف کا فاعل عاقر یعنی کوچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے۔ یہ سدی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اس بدبخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹیں کہ اس فعلِ بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا۔ جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کو جھوٹ جانتا تھا اور حقیقت میں ایسا بڑا فعل جو کوئی بدبخت کرتا ہے وہ انجامِ کار سے نہیں ڈرتا۔ اگر ڈرے تو کرے کیوں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ضمیر لایخاف کی رسول اللہ یعنی صالح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب صالح علیہ السلام ان سے کہتے تھے کہ خبردار ناقۃ اللہ اور اس کے پانی پینے سے تعرض نہ کرو تو اس وقت نہایت بلند حوصلگی سے یہ فرماتے تھے۔ ان کو اس قوم کی ہلاکت میں اپنی اور اپنے متبعین کی ہلاکت کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ گویا ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ تم ہلاک نہ ہو گے۔ اول معنی زیادہ تر چسپاں ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اس مختصر سی سورت میں کس انداز اور خوبی سے انسان کی سعادت و شقاوت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے کہ ایسا نقشہ کھینچنا بشر کی طاقت سے باہر ہے اور ہر آیت کے ہر ایک پہلو میں بے شمار معانی ودیعت رکھے ہیں جو انسان کو اگر ان پر غور کرے شقاوت کے عمیق گڑھے سے نکال کر سعادت کے محل پر بٹھا سکتے ہیں اور لطف یہ کہ کلام میں شانِ شاہانہ بھی ہے جو کہے دیتی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ فسبحان من انزل القرآن۔

(سورہ الیل مکیہ ہے اس میں اکیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝١ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝٣ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝٤ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝٨ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝١٠ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝١١

قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور دن کی جبکہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی کہ جس نے نر و مادہ کو بنایا بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات (کلمۂ توحید) کو سچ جانا تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے اور جس نے کنجوسی کی اور آخرت کی پروانہ کی اور نیک بات کو جھٹلایا تو اس کے لیے ہم جہنم کی راہیں آسان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جبکہ وہ گڑھے میں پڑے گا۔

ترکیب : والیل الواو للقسم اذا العامل فیھا معنی القسم والنھار معطوف علیہ وما خلق الخ معطوف علی السابق وما مصدریۃ عند مقاتل والمعنی واقسم خلق الذکر والانثیٰ۔ وعند الجمھور موصولۃ ای والذی خلقھما وما بمعنی من فقد اقسم بنفسہ الکریمۃ ان سعیکم لشتی جواب القسم ای عملکم مختلف فمنہ عمل للجنۃ ومنہ عمل للنار او منکم مؤمن ومنکم کافر فالسعی العمل وشتّٰی جمع شتیت کمرضی جمع مریض والشتات ھوالافتراق ومعناہ مختلف لتباعد بعض عن البعض۔ وسعیکم مصدر مضاف فیفید العموم فھو جمع معنی فاما من الخ شرط سنیسرہ الخ جواب والسین فی الموضعین للتسویف وھو من اللہ محقق والحسنیٰ ای الخصلۃ الحسنیٰ تشتمل کل فعل محمود من التوحید والایمان والفرایض والیسریٰ والعسریٰ المراد بھما جماعۃ الاعمال فوجہ التانیث ظاھر وان کان المراد عملا واحدا رجع التانیث ای الخلۃ او الفعلۃ او المراد بھما الطریقۃ فکانہ قال للطریقۃ الیسریٰ والعسریٰ وفی تفسیرھما اقوال (۱) المراد بالیسریٰ الجنۃ وبالعسری النار (۲) والمراد بالیسریٰ الخیر وبالعسریٰ الشر (۳) المراد بالیسریٰ العود الی الطاعۃ وبالعسری الرجوع الی القبائح کالبخل والتکذیب واتباع الھویٰ وانما سمیت بالعسریٰ لاعتبار العسر فی ارتکابھا علی اھل السعادۃ اولا عتبار نتائجھا وھی العذاب۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اکیس آیات ہیں۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں واللیل اذا یغشی جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بار ظہر کی نماز پڑھائی کسی قدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورہ والشمس وضحاھا اور واللیل اذا یغشی پڑھ رہے ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپ کو اس نماز میں کسی خاص سورہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ فرمایا نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے وقت مقرر کر دوں۔

ربط: ربط اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ (۱) دونوں سورتوں کے ابتداء میں ان چیزوں کی قسم ہے جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں۔ (۲) پہلی سورہ میں نفوسِ انسانیہ کا اختلاف مذکور تھا کہ بعض کو فجور کا الہام ہوتا ہے تو بعض کو تقویٰ کا۔ اس سورہ میں یہی تفاوت بیان فرمایا ہے بقولہ ان سعیکم لشتی اور پھر اس کی آگے تفصیل فرمائی ہے بقولہ فاما من اعطیٰ الخ۔ (۳) اس سورہ میں اشقی[1] کا بیان تھا تو اس سورہ میں جماعتِ اشقیا کا بیان ہے۔

اگرچہ الفاظ سورہ کے عام ہیں مگر سبب نزول اس کا علماء نے یوں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں دو شخص بڑے مالدار تھے۔ ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا امیہ بن خلف مگر دونوں کا مال خرچ کرنے میں مختلف طریقہ تھا۔ امیہ کے بہت سے غلام مختلف کاموں پر معین تھے اور ہر قسم سے اس کے پاس مال تھا باوجود اس کے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور جو کسی غلام نے دے دیا تو اس پر آفت آجاتی تھی اور جو کوئی اس سے توشۂ آخرت پیدا کرنے کو کہتا تھا تو یہ کہتا کہ آخرت ہے کہاں اور جو ہوئی بھی تو میرا یہ بیشمار مال اور یہ غلام اور یہ اولاد کافی ہیں مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان نعیمِ جنت کی پروا نہیں جن کا وہ فقیروں، کنگالوں کو لالچ دلا کر اپنا معتقد بناتا ہے۔ اس کے غلاموں میں سے ایک بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ نیک طینت توحید و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ اس بدبخت کو جو خبر ہوئی تو روکنا چاہا اور جب نہ مانا تو طرح طرح کی ایذائیں دینی شروع کیں۔ چنانچہ اول اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں کانٹے اور سوئیاں چبھوؤ۔ پھر عین دوپہر میں

[1] بڑا بدبخت۔ ۱۲ منہ

مشکیں باندھ کر جلتے پتھروں پر چت لٹا دو۔ پھر شام کو اس تنگ مکان میں کہ جہاں سخت گرمی ہو' بند کرو اور بعدہ کوڑے مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کرتے تھے مگر اس تکلیف کے وقت بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے احد احد ہی نکلتا تھا کہ اللہ ایک ہے' اللہ ایک ہے۔ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بدبخت کے محلہ میں گئے۔ اس کے گھر میں سے آہ وزاری اور شور وفریاد کی آوازیں سنائی دیں۔ پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ کسی نے اصل حال سے مطلع کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو بجرمِ اسلام مارتے پیٹتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا رحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا کس لیے کہ اس بے کس اور غریب کو اتنی تکلیف دیتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اس کو خرید لے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا' کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا اس کے بدلے میں مجھے اپنا غلام نسطاس رومی دے دے۔ یہ رومی غلام بڑا ہوشیار اور قابل تھا' دو ہزار دینار اس نے اپنی کمائی سے جمع کر رکھے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نسطاس دے کر بلکہ اور بھی کچھ دے کر بلال کو خریدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور لا کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے کافر اور بے رحم مالکوں سے بے انتہا اذیتیں اٹھاتے تھے' خرید کر آزاد کیا۔ از انجملہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ یہ شخص ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جنگ بیئر معونہ میں شہید ہوئے۔ از انجملہ زبیرہ لونڈی ہے جس کو خرید کر آزاد کیا۔ آزادی کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کے مالکوں نے طعنہ کے طور سے کہا دیکھی ہمارے لات [1] وعزیٰ کی کرامات تم کو اندھا کر دیا۔ اس نے کہا' وہ کیا کر سکتے ہیں میرا اللہ ہی اندھا کرتا ہے' وہی آنکھوں میں روشنی دیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ بہت تو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خرچ میں صرف ہوئے اور جو کچھ باقی رہے تھے ان کو آ کر مدینہ میں صرف کیا جن سے مسجدِ نبوی کی زمین خریدی گئی اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا فرمایا کرتے تھے۔ ان من امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابوبکر ولو کنت متخذ اخلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلاً ولکن اخوۃ الاسلام ومودتہ (متفق علیہ) ''کہ سب لوگوں کے جان اور مال سے ابوبکر کا مجھ پر بڑا احسان ہے اگر خدا کے سوا میں اور کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو لیکن اخوت اسلامی اور اس کی مؤدت کافی ہے''۔ یہاں تک کہ ایک بار جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ رہا تو کمبل لپیٹ کر کانٹے کا تکمہ لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبرئیل بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا تعالیٰ ابوبکر کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقر میں بھی تو مجھ سے راضی ہے یا کچھ کدورت آ گئی؟ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہائے ہائے مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہو؟ اور بار بار اس کلمہ کو کہتے تھے۔ انا عن ربی راض انا عن ربی راض [2] رضی اللہ عنہ۔ حق تعالیٰ اس سورہ میں ان دونوں شخصوں کے معاملات وحالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت وشقاوت کے دو رستہ بتاتا ہے اور بنی آدم کی مختلف کوششوں کا مآل کار ظاہر فرماتا ہے۔ سعادت کی طرف نفوسِ انسانیہ کو ابھارتا ہے۔

فقال والیل اذا یغشی یعنی قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے یا کہو آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہان کو تاریک کر دے اور سب کو ڈھانک لے۔ یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نورِ روحانی اور نورِ قلب کو چھپا کر اس کے اندرونہ جہان میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گوناگوں افعالِ بدسرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب چوروں' زناکاروں' جادوگروں کو موقع ملتا ہے۔ اسی طرح اس اندھیرے میں شیطان اور نفسِ امارہ کے چوروں' قزاقوں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے اور رات دنیا میں ایک انقلابِ عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا بھی پورا نمونہ ہے۔ کس لیے کہ رات میں یکے بعد دیگرے باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر

[1] یہ دو بت ان کے بڑے معبود تھے جیسے کہ ہنود کے مہادیو وبشن۔ ۱۲ منہ

[2] میں اپنے رب سے خوش ہوں میں اپنے رب سے خوش ہوں۔ ۱۲ منہ

کے بعد سناٹا ہو جاتا ہے۔ سب مردوں کی طرح فرشوں پر بے خبر لیٹے ہوتے ہیں۔ نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی نہ کسی کے نیک وبد کہنے کی۔ یہی حال خوابِ عدم کا ہے یکے بعد دیگر مر جاتے ہیں' سب کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد اس کے ہمعصروں میں سے کوئی انسان کیا جانور بھی باقی نہیں رہتا سب پر خوابِ عدم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک بڑی نشانی قدرتِ کاملہ کی ہے۔ اس لیے اس کی قسم کھائی گئی۔ والنہار اذا تجلی اور قسم ہے دن کی جبکہ روشن ہو جاوے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی جو بے خبر پڑے سوتے تھے' جاگ اٹھے اور پھر ہائے ہو ہونے لگی۔ پرند چہچہانے لگے' چرند جنگل کی طرف جانے لگے۔ ہر ایک کاروبار والا اپنے کاروبار کی طرف چلنے لگا۔ مسافر کمر باندھنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس میں آفتابِ روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے چور بدمعاش بھاگنے لگتے ہیں اور نیک کاموں کی طرف اس کے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف ایما ہوتا ہے کہ ہم ایمانداروں' نیکوکاروں کو نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں اور بے ایمانوں' بدکاروں کو بدی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں۔ رات دن بھی نر ومادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے افعال و خواص میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک کی کوشش مختلف ہے۔ اسی طرح مخلوق میں نر ومادہ کا حال ہے۔ اس لیے اس کے بعد نر ومادہ کی بھی قسم کھاتا ہے۔ فقال وما خلق الذکر والانثیٰ اور قسم ہے نر ومادہ پیدا کرنے کی یا یوں کہو کہ قسم ہے اس ذات پاک کی (یعنی اپنی) کہ جس نے نر ومادہ پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں نر سے خاص آدم علیہ السلام اور مادہ سے حضرت حوا مراد ہیں جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہر ایک نر ومادہ ہے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق کی یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے۔ کس لیے کہ نر ومادہ کا ایک ہی مادہ ہے یعنی ایک ہی تخم سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے۔ حیوانات وانسان کے ہر صنف ونوع میں یہی قانون جاری ہے۔ پھر نر اور مادہ میں جو جو چیزیں ہونی چاہییں تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں۔ اعضاءِ انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جاوے تو عقل حیران ہو جاوے۔ ماں کے سترِ مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کہ سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ پھر اندرونی اعضائے توالد وتناسل میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں۔ پھر اس کے قویٰ وعادات وافعالِ طبعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں۔ اگر نر ومادہ نہ ہوتے' سب نر ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ نر ومادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نر ومادہ کے تخم میں نر ومادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر وشر' نقصان وکمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نر ومادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کے باہمی اختلاط سے بھی عجائب و غرائب ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی برا ہوتا ہے اور مر کر ان کی جماعت میں جا ملتا ہے اور اسی کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے ہیں جس طرح رات اور دن کی کوشش اور افعال وخواص میں اختلاف ہے۔ اسی طرح نر ومادہ کی بھی۔ نر کا مقتضائے طبعی اور مادہ کا اور اسی لیے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان سعیکم لشتی کہ اے بنی آدم اعمال واشغال میں تمہاری کوشش وہمت اور جدوجہد گوناگوں ہے۔ ہر چند یہ بات ذکر وانثیٰ کی پیدائش سے عیاں تھی مگر اس کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا دعویٰ کو مع دلیل ذکر کرنا ہے پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے۔ برے کام کرتا ہے اور کسی کی دن کی طرح نورانی ہے اچھے کاموں میں سرگرمی کر رہا ہے پھر کوئی اپنی کوشش میں مردِ میدان ہے تو کوئی نامرد اور زن ہے اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے زبوں اور دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے۔ دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے۔ لذائذِ فانیہ پر فریفتہ ہے۔ حیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات

دن مال وزر جمع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اس کو دن میں چین نہ رات کو کھانے پینے پہننے کا خیال۔ نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا اور ان سب کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی تمتع ہی نہیں تو پھر کس کام آوے گی اور کوئی ہے کہ اس کی ہمتِ مردانہ کے نزدیک مال وزر تو کیا' دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ چند روزہ مہمان ہوں جہاں سدا رہنا ہے راحت وعزت ہو تو وہاں کے لیے ہو یہاں آرام سے گزر گئی تو کیا تکلیف سے گزر گئی تو کیا ع

شبِ تنور گزشت و شبِ سمور گزشت

اس کے بعد ان مختلف مساعی کے نتائج مختلف بیان فرماتا ہے۔ فاما منَ اعطیٰ کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا حتی المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا۔ یہ زکوٰۃ وصدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ یہ وہ پہلا کام ہے کہ جس کی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ دوم واتقٰی اور برائیوں سے بھی بچا۔ ظلم وستم زناکاری جھوٹ بولنا' کسی پر اتہام لگانا' ناحق قتل کرنا' چوری کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ کبائر سے دور رہا جس میں دیگر فقیر مسکین واہلِ قرابت پر احسان جتلانا یا ریاکاری کے لیے دینا بھی آ گیا۔ الغرض پرہیزگاری کی۔ کس لیے کہ دینے کے بعد افعالِ قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جس کو اکثر کیا بلکہ کل مذاہب مانتے ہیں۔ خیر یہاں تک قوتِ عملیہ کی اصلاح تھی۔ عبادتِ مالی اور بدنی سے اور نیز بری باتوں کے عمل میں لانے سے مگر ان سب کے بعد عقائد کا درست کرنا بھی ضرور ہے یعنی قوتِ نظریہ کا یا کہو عمل کے بعد علم کی اصلاح۔ اس لیے فرماتا ہے وصدق بالحسنٰی۔ اور اسی نے نیک باتوں کو سچ بھی جانا ہو جیسا کہ حق سبحانہ اور اس کے صفاتِ کاملہ اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اس کی تصدیق جس کو ایمان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حسنٰی کلمۂ توحید ہے۔ اس بات کو عقلاء وحکماء بھی مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے جہان میں جاتی ہے جہاں اس کے علم (گیان) کے موافق بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو کیونکہ یا تو علم ہی نہ ہوا اور ہوا تو خلافِ واقع کے ہوا کہ بات تھی کچھ اور اس نے جان لی کچھ اور جس کو جہلِ مرکب کہتے ہیں تو روح پر تاریکی طاری ہوتی ہے اور یہ تاریکی رنج وغم اور جہنم ہے اور اگر علم ہے اور علم بھی علمِ صحیح تو یہ ایک نور ہے جو راحت وسرور وجنت وسرگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انتہٰی قولہم۔

لیکن یہی بات تو قابلِ بحث ہے کہ مطابق واقع کیا ہے اور خلافِ واقع کیا اعتقاد ہے کس لیے کہ مشرکین اور مذاہبِ باطلہ اپنے من گھڑت خیالات وتوہمات کو اعتقادِ کامل اور علم کو مطابق واقع سمجھا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہلِ مرکب۔ اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیونکہ جن کی تصدیق کرنی چاہیے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہیے ان کو حسنٰی کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں۔ اب ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے۔ اول یہ کہ کوئی مسلم شخص جس کے علم وانکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو ان کو عمدہ کہے۔ دوم یہ کہ عقلِ سلیم کے حوالے کر کے (جبکہ عوارضِ وہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جاوے کہ ان میں حسن وخوبی یعنی راستی بھی ہے کہ نہیں۔ وہ شخص کہ جو مسلم ہے نبی ہے کیونکہ اس کا علم وانکشاف اور لوگوں کے علم وانکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض ہوں بدرجہا فائق ہے۔ پس اس کے فرمودہ عقائد حسنٰی ہیں نہ کہ تثلیث۔ علیٰ ہذا القیاس عمل کے متعلق جو کچھ انہوں نے فرمایا خدا کی عبادت وخیرات جملہ بری باتوں سے پرہیزگاری اب یہ تین باتیں ہوئیں۔ پھر جس نے ان تین باتوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو فسنیسرہ للیسریٰ ہم اس کے لیے یسریٰ کو آسان کر دیں گے۔ یسریٰ سے مراد آسان طریقہ وصول الی اللہ اور وصول الی الجنۃ کا ہے اور وہ طریقہ آسان شرعِ محمدی ہے علیہ السلام۔ کس لیے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر طریقہ میں دقت ودشواری پاؤ گے برخلاف شریعت کے یعنی ہم اس کو اس نیک رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا

ہے تو اس کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جن کا ذکر ہوا تو ایک نورانی ملکہ پیدا ہوگا جس سے اس کو ہر نیک کام آسان معلوم ہوگا اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ بارگاہِ قدس اور عالمِ باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جاوے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور پل صراط کا نور اور میدانِ حشر میں سایہ اور نجات کے لیے دلیل ہے۔ وامامن بخل اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا مال کی محبت کی جڑ اس کے دل پر ہے۔ یہ اول صفت کی ضد ہے واستغنٰی اور بے پروائی بھی کی یعنی پرہیزگاری نہ کی بڑی بے پروائی اور تکبر سے برے کام کرنے لگا۔ قوتِ عملیہ بگاڑ لی۔ یہ دوسری صفت کی ضد ہے۔ وکذب بالحسنیٰ اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور قائل ہوا تو توحید کا قائل نہیں نہ اور صفاتِ حمیدہ کا نہ دارِ آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا کا قائل نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل۔ یہ تیسری صفت کی ضد ہے۔ اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے فسنیسرہ للعسریٰ تو اس کے لیے ہر عملِ بدخواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے جس میں ملکۂ خیر ہے۔ اگر اس سے کہو چوری کر یا زنا کر یا فلاں کو مار ڈال وہ کبھی نہ کرے گا اور یہ کام اس کو پہاڑ معلوم ہوگا اور کہو تہجد کی نماز پڑھا کر' اللہ کی راہ میں غرباء ومساکین کو دیا کر وہ اس کو بہت ہی آسان کام جانے گا اور جس میں بدملکہ پیدا ہو گیا ہے اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ تمام عمر زنا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک آسان کام ہے۔ اگر کہو نکاح کر لے نہ کرے گا یہ مشکل کام ہے۔ ناحق قتل کر ڈالنا' رات کو چوری کرنا' سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر محفلِ رقص وسرود میں جاگنا آسان مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لیے جاگنا اور وضو کی تکلیف اٹھانا پہاڑ سے بھاری' فواحش کو ہزاروں روپیہ دے ڈالنا آسان۔ اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا سخت مشکل۔ یہ ملکۂ ظلمانی جس کے سبب خدا نے تمام بدراہوں کے لیے برے کام آسان کر دیے قبر میں عذاب اور حشر میں جہنم اور طوق وزنجیر ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اول ملکہ دن روشن سے اور دوسرا چھا جانے والی رات سے مشابہ ہے۔ اول کا صاحب نر دوسرے کا صاحب مادہ ہے مگر وہ بدبخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا وما یغنی عنہ مالہ اذا تردّٰی اس کے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا۔ وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا یا یوں کہو جبکہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا۔ پھر اس پر اس قدر فریفتگی۔

فائدہ۱: جس طرح تزکیہ اور کمال کے لیے تین وصف بیان فرمائے تھے۔ ایک اعطی اللہ کی راہ میں دینا دوم واتقی پرہیزگاری۔ سوم وصدق بالحسنیٰ درستیِ اعتقادات وایمان۔ اسی طرح نقصان وتلویث کے لیے ان تین وصفوں کے مقابلہ میں تین صفتِ رذیلہ بیان فرمائے۔ بخل اعطٰی کے مقابلہ میں بخل بھی بڑا ہی عیب ہے۔ بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں۔ اس کے دوست دشمن ہو جاتے ہیں۔ خلائق میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی' کوئی بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ عالمِ بالا میں یہ حقیر شمار ہوتا ہے اور اتقٰی کے مقابلہ میں واستغنٰی تکبر واحکامِ الٰہی سے بے پروائی گناہوں اور برے کاموں سے بے پروا ہو کر عمل میں لانا معاذ اللہ فاسق وبدکار بھی مخلوق میں گھنونا ہو جاتا ہے۔ اس کے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی۔ عالمِ قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کی دعا کو قبولیت نہیں۔ عمر ومال میں برکت نہیں ہوتی۔ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور صدق بالحسنیٰ یعنی ایمان کے مقابلہ میں کذب بالحسنیٰ بے ایمانی کافر وبدعقیدہ تو خدا کا دشمن اور سخت مقہور ہوتا ہے۔ اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا کیونکہ آخرت کا اعتقاد نہیں۔ اب درمیانی تیسرا مرتبہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفاتِ حمیدہ ہیں تو بعض رذیلہ اس کو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ آپ سمجھ لیں گے اگر ایمان ہے تو قصورِ عمل سے آخر کار نجات ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولٰى ﴿١٣﴾ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾
الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع

ہم پر تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے بس میں ہیں۔ پس میں نے تم کو دہکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جو (دینِ حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا رہا اور اس آگ سے وہ پرہیزگار دور رہے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کو دیا کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا بدلہ اتارتا ہو۔ وہ تو صرف اپنے عالیشان خدا کی رضامندی کے لیے دیا کرتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جاوے گا۔

ترکیب ؛ للھدٰی اسم ان علینا خبرھا۔ ای علینا ان نبین طریق الھدٰی من طریق الضلال وقد فعلنا ذلک حیث بینا طریق کلا الفریقین ترغیبًا وترھیبًا۔ قالہ الزجاج للآخرۃ معطوف علیہ والاولٰی معطوف وکلاھما ان اسم ان لنا خبرھا والجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ ومعناہ لنا کل مافی الآخرۃ وکل مافی الدنیا فمن ارادھما فلیطلب مناتلظٰی صفۃ نارواصلہ تتلظی فحذفت احدی التاءین تخفیفا وقری علی الاصل ومعناہ تتوقد وتتلھب یقال تلظت النار تلظیا ومنہ سمیت جہنم لظٰی لا یصلاھا الجملۃ صفۃ نار وھو بیان لمن ھی الا الاشقٰی استثناء متصل ای لا یدخلھا دخولا موبدا احد الا الاشقی وھوالکافر والمشرک الذی کذب وتولی وصف للاشقی الذی یوتی مالہ صفۃ للاتقی یتزکی فی محل نصب علی الحال من فاعل یؤتی ای حال کونہ طالبا للزکاۃ وھی طھارۃ النفس ویجوزان یکون بدلا من یوتی داخلا معہ فی حکم الصلۃ وما لاحد الخ الجملۃ حال من فاعل یؤتی وقیل مستانفۃ لتقریر ماقبلھا من کون التزکی خالصا للہ لاعلی سبیل المعاوضۃ تجزٰی صفۃ نعمۃ ای لیس علی ھذا الموتی احسان احد یجزی بہ الا لابتغاء الخ قرء الجمہور بالنصب علی الاستثناء المنقطع لعدم اندراجہ تحت جنس النعمۃ وقیل مفعول لہ علی المعنٰی ای لا یؤتی الا لابتغاء وجہ ربہ لا لمکافاۃ نعمۃ۔ وقری بالرفع علی البدل من محل فعمۃ لان محلھا الرفع اما علی الفاعلیۃ واما علی الابتداء ومن مزیدۃ ولسوف اللام موطئۃ للقسم ای وتاللہ لسوف یرضٰی بما نعطیہ من الاجر العظیم۔

تفسیر شبہ ؛ پہلے بیان سے (جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیزگاری اور ایمان لانے والے کے لیے نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لیے برائی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے) یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا۔ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ **جواب**: اس کا جواب دو جملوں میں دیا جاتا ہے۔ اول ان علینا للھدٰی کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اس لیے اول حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی عطا کیے۔ عقل وادراک دیا جو نیک وبد میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول بھیجے۔ کتابیں نازل کیں۔ پھر رسولوں کے جانشین علماء وآئمہ واولیاء ومرشدانِ دین وواعظانِ پُرگو قائم کیے اور حوادثِ دہر اور تغیراتِ عالم بلکہ ان کے حالات کے عبرت خیز نشان قائم کیے تاکہ باختیار وارادہ نیک رستہ کو اختیار کریں، برے رستہ کو چھوڑیں اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی سے کسی کو بے ارادہ واختیار ہدایت پر لاویں بلکہ دونوں رستوں پر چلنا چلنے والے کے اختیار وارادہ پر چھوڑ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور مطیع اور نیک وبد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر وشجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا اور انسان کو قدرت واختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشا غلط ہو جاتا۔ رہی توفیق جو انسان کے ارادہ اور اختیار سے متعلق ہے۔ وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے اور یہ کس لیے کہ وان لنا

للآخرۃ و الاولٰی دنیا اور آخرت ہماری ہے۔ ہمیں ان کے مالک وخالق وبادشاہ ہیں۔ ایک ذرہ بھی ہمارے ارادہ اور قدرت اور قضاء وقدر کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آ سکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ راحت ورنج دنیا میں ہے وہ ہمارے اختیار وارادہ سے موجود ہوتا ہے اور جو کچھ آخرت میں نعیمِ جنت اور عذابِ دوزخ ہے وہ بھی ہمارا ہی مخلوق ومملوک ہے اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور جائز اور ناجائز طور پر اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو اس کو ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا کی کامیابی عطا کرتے ہیں اور جو عقبٰی کی نعمتوں کے طالب اور حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ آسمانی کے خواہاں ہیں اور اس کے لیے سعی وکوشش کرتے ہیں، ان کو ہم وہ عطا کرتے ہیں۔ دونوں جہاں ہمارے ہیں جو جس کا طالب ہو اس کے لیے آوے اور حاصل کر لے۔ اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کر دیا اور جبر وقدر دونوں کو باطل کر کے درمیانی صاف اور سیدھا رستہ بتا دیا۔

اور جبکہ ہدایت کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ اس لیے فانذرتکم نارا تلظٰی ہم نے تم کو اے بنی آدم! اس شعلہ مارتی آگ سے خبردار اور متنبہ کر دیا ہے اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں کہ جہاں سب کو جانا ہے، موجود ہے اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہو جاوے گی۔ رحیم وکریم ہوں یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دوں گا بلکہ لایصلاھا الا الاشقٰی اس میں بجز بڑے بدبخت کے اور کوئی نہیں پڑے گا۔ **اشقٰی کے معنی**: اب اشقی کی آپ ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے۔ الذی کذب وتولی کہ اشقی وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اس کی فرمودہ باتوں کو جھٹلایا جن میں سے مرنے کے بعد اعمالِ نیک وبد کی جزاء وسزا بھی ہے اور جب جھٹلا دیا اور باور نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس کے لیے عسریٰ یعنی بدی کا رستہ آسان کر دیا گیا تھا اور برے کام گو بظاہر مزے دار تھے مگر ان کا انجام یہ آگ ہے۔ اس لیے ان کو عسریٰ کہا گیا اور یہ اس لیے کہ کذب بالحسنیٰ کی جگہ تو کذب موجود ہے جو اس سے بھی عام ہے اور تولی کی تفسیر بخل واستغنی ہو سکتی ہے۔

فرقہ مرجیہ کا قول ؛ علماءِ اہل سنت والجماعت کے نزدیک گنہگار مومن کو بھی آخرت میں عذاب النار ہوگا۔ اگر اللہ معاف نہ کر دے گا مگر فرقۂ مرجیہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے جہنم میں جاوے۔ ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب نہ ہوں گے۔ اس لیے گنہگار مومن اور نیک مومن برابر نہیں اور دلیل ان کی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں اور یہ اس لیے کہ اشقی سے مراد کافر ومشرک ہی ہے کیونکہ بدبختی کی دو قسم ہیں۔ اول دنیا کی بدبختی، بیماری، تنگ دستی، مرگِ احبہ، شکست وناکامی وغیرہ سو یہ بدبختی دنیا ہی میں تمام ہو چکتی ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ دوسری عقبٰی کی بدبختی پھر وہ دو قسم ہے۔ ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادت وفرائض میں سستی کرنے سے بدبختی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ درجاتِ عالیہ سے حرمان ہے اور اسی لیے اس کو شقی کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ ایمان بھی نہیں بلکہ الہامِ الٰہی کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ سو یہ اشقٰی یعنی بڑا بدبخت ہے۔ اسی کے لیے خدائے پاک نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے اور یہ عرفِ شرع میں کافر ومشرک ہے۔ کس لیے کہ کذب اسی پر صادق آتا ہے نہ مومن گنہگار پر۔ کس لیے کہ وہ تکذیب نہیں کرتا۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی سب باتوں کو سچ جانتا ہے مگر خواہشِ نفسانی یا غفلت وسستی سے گناہ کرتا ہے۔

اہلِ سنت کی طرف سے مرجیہ کا جواب ؛ علماءِ اہل سنت ان کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جو گنہگار مومن جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ وہاں سدا نہ رہے گا۔ چند روز سزا ہوگی۔ سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل ہونا نہیں۔ کس لیے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔ دوم یہ کہ نارا تلظٰی تو خاص کافروں کے لیے ہے اور گنہگار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ اور آگ ہوگی جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہوگی۔ **اتقٰی کی تفسیر**: وسیجنبھا الاتقی اور اس آگ سے عنقریب بڑا پرہیزگار دور رہے گا۔ اب اس اتقٰی کی تفسیر بیان فرماتا ہے۔ فقال الذی یؤتی مالہ یتزکی کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ فقراء ومساکین کو دیتا

ہے۔ ریاکاری اور نمود یا غرضِ دنیاوی کے لیے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے درجات کی دم بدم ترقی کے لیے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزائش وزیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں۔ اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں۔ کس لیے کہ اتقی اپنا مال محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے اور رضائے الٰہی میں صرف کرنے سے درجات وتقربات میں ترقی وافزائش بھی ہوتی ہے کیونکہ اس شجرِ تقرب کے لیے یہ عبادت پانی اور ہوا ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اس کو ایک قسم کی نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے جس کو انشراح کہنا چاہیے اور یہ نجاست بخل اور کدورات طمع وظلمت حبِّ مال سے پوری پاکیزگی ہے۔ پھر اس یتزکیٰ کی تشریح کرتا ہے۔ وما لاحد عندہ من نعمة تجزیٰ یعنی اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو اس کے بدلہ میں دیتا ہو۔ کسی کی نعمت و احسان کا بدلہ نہیں آتا۔ الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ بلکہ محض اپنے خدائے برتر کی ذات کی خواہش میں یعنی خاص اسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ پھر اس اتقی کا دارِ آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ ولسوف یرضیٰ قسم ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہو جاوے گا یعنی دارِ آخرت میں اس قدر نعمتیں اور اس جہان کی خوبیاں اس کو عطا ہوں گی کہ راضی ہو جاوے گا۔

مال خرچ کرنے کا نتیجہ آخرت میں ملے گا: اور سوف کے معنی ہیں آئندہ کے۔ یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ دارِ آخرت میں ہوگا جس کا شروع موت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے گا تو دل تنگ نہ ہو کس لیے کہ دنیا اس وعدہ کو پورا کرنے کی جگہ نہیں۔ اگر ایسا ہو تو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ پر تیار ہو جاوے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات اللہ کی راہ میں مال صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

فائدہ: عرفِ شرع میں اتقی اس کو کہتے ہیں جو مومن صغائر وکبائر سے پاک ہو اور جو احیاناً کوئی گناہ سرزد ہو جاوے تو توبہ و استغفار صدقِ دل سے کرے اور نہایت ندامت کرلے اور صوفیہ کرام کے نزدیک اس کے بعد خطرات اور توجہ الی ماسوی اللہ کی نجات سے بھی پاک ہو۔ نہ دل میں حبِ جاہ ومال ہو نہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسی کی جگہ ہو۔ پھر اتقی کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ فرد کامل اس کا نبی ہے۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔ اس کے بعد پھر صدیق پھر شہید پھر صلحاءِ امت اور اولیاءِ کرام بھی صدیق وشہید کے زمرہ میں داخل ہیں اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہے۔

آیت پر شبہ اور اس کا جواب: اب اس آیت سے بطور مفہومِ مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقی نہیں گو متقی ہو وہ اس نارا تلظیٰ سے دور نہ رہے یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو۔ اس کو اتقی نہیں کہتے۔ متقی کہتے ہیں۔ وہ اس آگ سے نہ بچے گا۔ حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشقی ہی داخل ہوگا۔ خلاف ہے کس لیے کہ متقی اشقی کیا شقی بھی نہیں۔ اس الجھن کے جواب میں علماء نے طرح طرح کے جواب اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر کاتب الحروف کے نزدیک یہ الجھن ہی کچھ نہیں۔ کس لیے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے۔ جیسا کہ علماءِ اصولِ فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کہ کبھی کسی قید یا وصف کو اس کی بہترین اور خوبی جتلانے کے لیے ذکر کیا کرتے ہیں مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں۔ اس کے لیے مخالف حکم ثابت ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں۔ از انجملہ یہ ہے۔ ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنالتبتغوا عرض الحیوة الدنیا کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے اور خرچی کمانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔ اب پاکدامنی کی قید اس لیے ہے کہ پاکدامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاکدامنی نہ چاہیں تو خرچی کمانے پر مجبور کی جائیں۔ اسی طرح آیت میں وصف اتقی کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقی نہیں وہ اس نارا تلظیٰ سے دور نہ رہے گا۔ دوم اگر مفہوم مخالف

بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ محذور نہیں۔ کس لیے کہ کبائر وصغائر سے بھی انسان مؤاخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقت یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ صغائر وکبائر کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو۔

گناہوں کی معافی کے اسباب: کبھی تو اور دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹا ڈالتا ہے۔ کما قال ان الحسنات یذھبن السیئات کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ واولئك یبدل الله سیئاتھم حسنات کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا جمعہ بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یا حج عمر بھر کے گناہ اور رمضان کے روزے سال بھر کے وغیر ذلک اور کبھی دنیاوی تکالیف بیماری، تنگدستی، یا موتِ اعزہ یا اور کوئی حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جاوے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس کو یہیں اسی قدر عذاب پر رہائی مل جاتی ہے اور کبھی اہلِ دل کی ندامت واشکباری جو ان پر باعتبارِ تقرب الی اللہ کے نار متلظی یعنی شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے۔ وہ یہیں اس آگ میں جل کر تھوڑی دیر کے بعد نجات حاصل کر لیتے ہیں اور واللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پگھل کر آنسو نکلتے ہیں اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور نہیں تو اس کی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابر ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا۔ وہ جو کہتے ہیں۔ ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لے جاتا۔ اس آیت کا مفہوم مخالف ان کے سراسر مخالف ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

فائدہ: اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ الفاظ آیات کے ہر چند عام ہیں۔ کوئی اشقی ہو اور کوئی اتقی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر شقاوت وسعادت کا نقشہ کھینچا ہے اور کتابِ آسمانی میں ایسا ہی ہونا بھی چاہیے مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی اشقی واتقی کے افراد موجود تھے اور گو ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا اور لینا بھی نہیں چاہیے تھا۔ مگر ان پر رکھ کر عموماً کلام کیا گیا۔ اس لیے ان اشقی واتقی سے ضرور اس وقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا اور اسی بات کو بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے اور اسی لیے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں جہاں کہیں کافر یا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابوجہل لے لیا یا جہاں کہیں کسی کے صفاتِ حمیدہ مذکور ہوئے۔ ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں اہلِ سعادت وشقاوت کے واقعات یا ان کے حالات اور مآل کار بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے حضراتِ اہل بیت اور ان کے مخالفین جن کو کہ انہوں نے مخالف بنا رکھا ہے مراد لیے ہیں۔ گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے اور دب دب کر معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کی مدح اور ان کے مخالفوں کی قدح کرتا ہے۔ صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ نہ آنحضرت ﷺ اور کسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسائل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب وملت یا اصول دین[1] بنائے گئے ہیں۔ وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے۔ اینچ تان کر ثابت کئے جاتے ہیں اور دور از کار تاویلات کی جاتی ہیں اور شیعہ پر کیا موقوف ہے۔ ہر ایک فریق کا کم وبیش یہی حال ہے جن کو مذاقِ تصوف ہے وہ ہر آیات میں توحیدِ وجودی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح اور نفس اور قرب وبُعدِ مقامات پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں بھی قرآن مجید میں بزرگانِ دین، صحابہ واہلِ بیت کی جانفشانیوں کی مدح نہیں یا روح ونفس اور مقامات و احوال ومواجید واشواق کی طرف ایماء نہیں۔ ضرور ہے مگر نہ ہر جگہ۔ اب انہیں آیات میں ضرور اتقی اور اشقی سے اس وقت کے بعض اشخاص

---

[1] اس میں اشارہ ہے کہ دراصل جو اصولِ دین ہیں وہ تو صاف صاف قرآن سے ثابت ہیں مگر وہ جو بعد میں باہمی مخالفت اور فرعیات میں نزاع قائم ہونے سے ہر ایک متعصب نے اصولِ دین بنائے ہیں جیسا کہ شیعہ کا مسئلۂ امامت، وہ قرآن سے ثابت نہیں۔ ۱۲ منہ

کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے قرائن کا محتاج ہے اور تعین کرنا ایک ظنی بات ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اتقی سے حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ کس لیے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اس وقت مسلمانوں میں یؤتی مالہ یتزکی ومالا حد عندہ من نعمة تجزیٰ کا مصداق اگر کوئی اور بھی فرض کیا جاوے گا تو ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں نکلے گا۔ اول تو اس وقت کوئی مسلمان مالدار ہی نہ تھا بجز ان کے نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور پھر انہیں حضرت کا مال اللہ کی رضامندی میں بے دریغ صرف ہوا کرتا تھا۔ انہیں نے بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ باخدا مسلمانوں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ یہی آنحضرت ﷺ کی رفاقت میں مال و جان نثار کرنے والے یارِ غار تھے۔ اسی لیے ان کے فضائل انہیں کے ہمعصر صحابہ میں مسلم الکل تھے اور آنحضرت ﷺ کے یاروں میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

(سورۃ الضحیٰ مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥

قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جبکہ چھا جاوے (اے نبی!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے اور نہ وہ بیزار ہی ہوا ہے اور آپ کے لیے دنیا سے آخرت کہیں بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جاویں گے۔

ترکیب : والضحیٰ الواو للقسم وھو اول النھار اذا تجلی وارتفعت الشمس وقیل المراد بہ النھار کلہ مجازا من اطلاق الجزاء وارادۃ الکل بدلیل مقابلتہ باللیل اذا سجیٰ واللیل عطف علیہ اذا العامل فیہ معنی القسم سجی ای سکن قالہ قتادہ ومجاھد وابن زید وعکرمۃ وغیرھم یقال لیلۃ ساجیۃ ای ساکنۃ ویقال سجا الشیء یسجو سجوا اذا سکن وعن ابن الاعرابی سجی امتد ظلامہ وقال الاصمعی سجو اللیل تغطیۃ النھار ما ودعک الخ ھذا جواب القسم قرء الجمھور بتشدید الدال من التودیع وقری بتخفیفھا من قولھم ودعہ ترکہ وما قلی عطف علیٰ ما ودعک وانقلاء البغض یقال قلاہ یقلیہ قلا ولم یقل ما قلاک لموافقۃ روس الآی وللاخرۃ اللام جواب قسم محذوف۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں گیارہ آیت ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابی الحسن مقری سے ایک روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے قرآن عکرمہ بن سلیمان کے سامنے پڑھا اور اس نے خبر دی کہ میں نے اسماعیل بن قسطنطین اور سہل بن عباد کے سامنے پڑھا۔ جب میں والضحیٰ تک پہنچا تو ان دونوں نے فرمایا، تکبیر کہہ اخیر تک یعنی والناس تک ہر سورہ کے بعد تکبیر کہہ اخیر تک کیونکہ ہم نے ابن کثیر کے سامنے قرآن پڑھا۔ اس نے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو پڑھا تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔

یہ روایت ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزی سے ہے جو قرأت کے امام تھے مگر فن حدیث میں ابوحاتم رازی ان کو ضعیف جانتے ہیں لیکن اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین ابوشامہ شاطبیہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

انہوں نے کسی کو نماز میں اس سورہ کے بعد تکبیر پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بہت خوب کیا۔ یہ سنت ہے۔

شانِ نزول : پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے لے کر اخیر تک جس سورہ کو تمام کرے تو اللہ اکبر کہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ وجہ اس کی علماء نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مدت تک آپ کو وحی آنی بند ہو گئی تھی۔ پھر جب شروع ہوئی تو یہی سورہ والضحیٰ نازل ہوئی جس کی خوشی میں آپ نے تکبیر پڑھی۔ اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مگر بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر و امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہو گئے تھے۔ ایک یا دو رات اٹھے نہیں۔ ایک عورت نے آ کر کہا کہ اے محمد (ﷺ) میں تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی۔ کیا تجھے چھوڑ دیا۔ تب یہ سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا۔ تب ان کے قول رد کرنے کے لیے کہ اس نے ہرگز نہیں چھوڑا۔ یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہی اس کا شانِ نزول ہے۔

فائدہ: ابن اسحاق وغیرہ سلف سے منقول ہے کہ وہ جو سورہ نجم میں مذکورہ تھا کہ دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحی (یعنی ہم نے اپنے بندے کی طرف جبکہ بہت ہی قریب ہو گیا تھا وحی کی جو کچھ کہ وحی کی) اس میں یہی سورہ والضحیٰ وحی کی تھی۔ خلاصہ یہ ہے:

چند روزہ وحی کے بند ہو جانے سے جس کو فقراء کے نزدیک قبض کہتے ہیں اور اسی کو کبھی ضلال بھی کہتے ہیں۔ ایک عجیب حالتِ رنج و غم کی آنحضرت ﷺ پر گزری تھی جس پر کفار کو محبوبِ حقیقی کی ناراضی اور جدائی کے طعنہ دینے کا موقع ملا۔ اس پر دریائے رحمت جوش زن ہوا اور یہ سورہ نازل ہوئی جس میں اس طعنہ کا رد اور آنحضرت ﷺ کے محامد اور آئندہ کے لیے تسلی اور قرب روز افزوں کے وعدہ کا مژدہ ہے۔

فقال۔ والضحیٰ والیل اذا سجیٰ کہ قسم ہے روزِ روشن یا وقتِ چاشت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور پھیل پڑے۔ وقتِ چاشت کو (جبکہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے۔ رات کی کوئی مخفی چیز جو اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی تھی، مخفی نہیں رہتی۔) تقربِ الٰہی اور نزولِ وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے کیونکہ اس وقت حجابِ ظلمانی دور ہو جاتے ہیں اور حقیقتِ الٰہی اور حقیقتِ کونی کا ظہورِ کلی ہوتا ہے اور عالمِ ملکوت کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور رات کو قبض و انقطاعِ وحی کے زمانہ سے کمال مشابہت ہے کیونکہ اس وقت ایک قسم کی ظلمت ہوتی ہے اور نیز روزِ روشن کو فرحت و سرور سے اور رات کو رنج و غم سے مشابہت ہے۔ اس لیے والضحیٰ کے مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایامِ غم ہجر و انقطاعِ وحی تمام ہو چکے۔ اب روز فرح و سرور و تابعِ وحی کا وقت آ گیا۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے۔

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

رات جب چھا جاتی ہے اور اس کی ظلمت عالم پر طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت کوئی روشنی نہیں ہوتی اور ایسے ہی موقع پر رات کا چھا جانا مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے زمانہ جاہلیت کی طرف اور ضحیٰ سے زمانہ آفتابِ نبوتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جلوہ گر ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے اول نہ تھا اور آپ کے بعد پھر رات پھیل گئی مگر آفتاب کا خلیفہ قمرِ خلافت مدتوں تاباں رہا اور اس کے بعد پھر تاریکی چھا گئی کہ جس میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے اور ہر ایک فریق دلائل کے چراغوں اور مشعلوں سے استعانت کرتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مذاہب مجتہدین و طرقِ اولیاء اللہ اس نور میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ وقتِ

چاشت سے اس نورِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو قلبِ محمدی علیہ السلام پر جلوہ گر تھا اور شب سے اس ظلمتِ انسانیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو نفوس وارواح پر طاری ہوا کرتی ہے۔ نور اللہ قلوبنا بنورِ محمد ﷺ۔

فائدہ: وہ ضحیٰ کہ جس کی قسم ہے بظاہر عام ہے مگر بعض نے خاص مراد لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ضحیٰ سے وہ ضحیٰ مراد ہے کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تھا اور رات سے لیلۃ المعراج مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ قلوبِ عارفین کا نور اور لیل قلوبِ کافرین کی ظلمت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آپ کا چہرۂ منور اور لیل موئے مبارک۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آنحضرت ﷺ کا ظاہر حال جو سب پر روشن ہے اور لیل آپ کے اسرارِ روحانیہ کہ جن کو بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ اسلام کی ترقی کا زمانہ اور لیل اس کا تنزل۔

چونکہ الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے۔ ہر ایک احتمال کی گنجایش ہے اور یہ بڑا معجزہ ہے۔

سوال: اس جگہ دن کو قسم کھانے میں مقدم اور رات کو مؤخر کیا اور پہلی سورۃ میں برعکس کیا تھا۔ اس کا کیا سبب؟ جواب: علماءِ کرام نے اس کے جواب میں نہایت بے بہا موتیوں کی لڑیاں پروئی ہیں مگر سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے۔

(۱) یہ کہ پہلی سورۃ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل تھے۔ اس لیے اس کو سورۃ ابی بکر بھی کہتے ہیں اور اس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے فضائل مذکور ہیں۔ اس لیے اس کو سورۃ النبی ﷺ کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالات وانوار جو کچھ تھے وہ آفتابِ نبوت کا عکس تھا ورنہ اسلام سے پہلے یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ وہی اندھیرا ان پر بھی طاری تھا جو عموماً بزرگانِ عرب کیا تمام دنیا پر طاری تھا اور آنحضرت ﷺ بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ ہی سے باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے سورۃ ابی بکر میں رات کو قسم کھانے میں مقدم کیا اور اس سورۃ میں دن کو تا کہ معلوم ہو کہ نورِ صدیقی کے پہلے رات تھی اور نورِ محمدی ابتدا ہی سے نور ہے۔

(۲) یہ کہ پہلی سورۃ میں رات کا اول ذکر کرنا اور اس سورۃ میں دن کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت سے ترقی کر کے محمدیت کا مرتبہ ہے اور نیز جس طرح دن کے بعد رات ہوتی ہے۔ اسی طرح محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت ہی باقی رہ جایا کرتی ہے ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جویم جز گلاب

اور یہ ان دونوں حضرات میں کمالِ اتحاد ووصلت کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رفاقت ہر معرکہ میں شرکت تھی اور مرنے کے بعد بھی اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو ایک روضۂ منورہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔

(۳) یہ کہ رات اور دن اس کے عجائبِ قدرت کی دلیل ہیں۔ کبھی دن کی قسم کو مقدم کر دیا اور کبھی رات کی قسم کو مقدم کر دیا لیکن دن کے اس جگہ مقدم کرنے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ کافر جو تجھ کو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہو گیا اور تجھے چھوڑ دیا حالانکہ اور مطاعن سے یہ مفارقتِ محبوب کا طعنہ آنحضرت ﷺ پر تو جس قدر شاق گزرتا ہوگا اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت ﷺ سے کمتر درجہ کے لوگ یعنی عارفانِ طریق بھی اس مفارقت کو عذابِ عظیم سے بڑھ کر تصور کرتے ہیں اور جب دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں ؎

خلاص حافظ زان زلف تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند

سو یہ تکلیف تو آپ کو دن ہی میں ہوتی تھی اور رات کا وقت تو آپ کا سراسر اطمینانِ قلبی اور یادِ حق اور انسِ حقیقی کا وقت ہوتا تھا جس میں آپ کو مواصلاتِ تامہ میسر آتی تھی۔

(۴) یہ کہ یہ جو آپ کو طعنہ دیتے ہیں کہ تجھے چھوڑ دیا، اندھے ہیں جن کو دوپہر میں بھی آفتاب نظر نہیں آتا اور پھر رات تو رات ہی ہے۔ آپ ان کے کہنے کی کچھ بھی پروا نہ کریں۔

(۵) یہ ہے کہ جس طرح آفتاب روشن ہونے کے بعد تاریکی ہوتی ہے مگر اس کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے۔ دہر ایک وطیرہ پر نہیں رہتا۔ اسی طرح جو اس دہر میں ہیں۔ ان پر بھی ویسے تغیرات ہوں تو کیا تعجب ہے۔ عارف کی یکساں حالت نہیں رہتی۔ کبھی آفتابِ غیب اور خورشیدِ جمالِ حقیقی ایسا جلوہ گر ہوتا ہے کہ اس کی دوپہر ہوتی ہے۔ جہاں ظلمت بہیمیہ کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا اور پھر کبھی انسانیت کی تاریکی اور مادیت کی رات بھی چھا جاتی ہے مگر اس رات کے بعد پھر آفتابِ معنوی جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایسی جزر ومد سے یہ خیال کر لینا کہ ان کو وہاں سے دوری ہو گئی، انہیں کا کام ہے جن پر سدا بشریت کی رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے اور یہ تفاوت ایک لذت رکھتا ہے۔ کس لیے کہ ہجر کے بعد وصال ایسا ہی مزہ دیتا ہے جیسا کہ اہلِ جہان کے لیے رات کے بعد آفتاب کا جلوہ گر ہونا مسرت بخشتا ہے مگر یہ کور باطن اس مزے کو کیا جانیں جس مصلحت سے چند روز وحی بند ہوئی ہے۔ اس کی حقیقت سے یہ کیا واقف؟

پھر اس بات میں کیا لطیفہ ہے کہ تمام دن کی قسم نہیں کھائی صرف وقتِ چاشت کی برخلاف رات کے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں کی بلکہ عموم سمجھا گیا؟

وہ لطیفہ یہ ہے کہ وقتِ چاشت فرحت وسرور کا وقت ہوتا ہے اور رات غموم وہموم کا وقت ہے یا یوں کہو کہ یہ وقتِ چاشت تمام حیوانات کی بیداری کا وقت ہے۔ کس لیے کہ دن چڑھے تو بڑے عیاش اور منحوس بھی جاگ اٹھتے ہیں اور تمام رات نیند اور غفلت کا وقت ہے جو موت سے مشابہ ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ انسان کی فرحت اور اس کا سرور بہ نسبت غموم وہموم کے بہت ہی کم ہے یا اس کی دنیاوی ہستی کا زمانہ اس کے نیست کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ پھر اتنی سی خوشی اور ایسی حیاتِ سریع الزوال پر یہ غرور یہ گمراہی۔

فائدہ: ضحیٰ یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں کوئی نماز فریضہ نہیں۔ کس لیے کہ یہ کام کاج کا وقت ہے لیکن آخرت کے لیے اس وقت بھی چند نوافل پڑھنا ایسا ہی مسنون ہے کہ جیسا رات میں تہجد یا اس سے کسی قدر کم۔ نماز چاشت کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں۔ اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں اور اہل اللہ کا دستورِ قدیم ہے اور اہلِ بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر وتنگدستی سے دور رہنا چاہے تو نمازِ چاشت پڑھے اور اگر گور کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نمازِ تہجد پڑھا کرے۔

اب وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کی صداقت کے لیے دن اور رات کی قسم کھائی ہے۔ فقال ماودعك[1] ربك وما قلیٰ کہ نہ تمہارے رب نے اے محمد (ﷺ) تمہیں رخصت کیا ہے اور نہ تمہارا پروردگار تم سے ناخوش ہوا ہے یعنی یہ جو چند روز کسی مصلحت سے وحی بند ہو گئی اس لیے نہیں کہ تمہارے رب یعنی پرورش کرنے والے کی پرورش میں کچھ قصور یا تمہاری حالت میں کچھ فتور آ گیا ہو بلکہ عنقریب پھر وہی آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتابِ ظاہری جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اب جلد وصالِ دائمی اور قربِ روز افزوں آپ کو میسر آئے گا۔ اس لیے فرماتا ہے۔ وللاخرة خير لك من الاولیٰ کہ تمہاری ہر پچھلی ساعت پہلی سے بہتر ہی بہتر ہے جو آج قرب وکمال ہے، کل اس سے زیادہ ہے اور جو صبح ہے شام اس سے زیادہ ہے اور ربوبیتِ تامہ کا بھی یہی مقتضی ہے کہ ہر آن اور ہر زمان پرورش کا سلسلہ جاری رہے۔ پرورشِ ظاہری سے تو اور بھی مستفید ہیں مگر پرورشِ باطنی اور جو تائیدِ الٰہی تمہارے لیے ہے کہ بغیر کسی مرشد ومعلم کے خود حق سبحانہ نے تمہاری روح پر تجلی فرمائی اور اپنے نورِ حقیقی سے منور کیا اور علمِ اولین وآخرین کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دیے وہ کم نہ ہوگی بلکہ اب یہ

[1] ودع تشدید سے ماخوذ ہے تودیع سے جس کے معنی ہیں رخصت کرنا یعنی چھوڑ دینا بوقتِ رخصت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

وصال علی الدوام ہوگا اور مراتبِ قرب میں آپ درجات طے کرتے جاویں گے اور دنیا سے اٹھنے کے وقت دنیا و مافیہا سے نفرتِ کلی اور عالمِ بالا کا شوق اور جذبہ بے حد مستولی ہوگا۔ چنانچہ بوقتِ اخیر آنحضرت ﷺ بار بار یہی فرماتے تھے۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ۔

اور اسی لیے واصلانِ حق کی اخیر عمر کا حصہ پہلی سے زیادہ تر متبرک سمجھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اول عمر میں کمالاتِ باطنیہ کی ترتیب ہوتی تھی تو اخیر میں کھلم کھلا۔ بعض علماء نے آخرت سے مراد دارِ آخرت اور اولیٰ سے دنیالی ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے۔ کس لیے کہ دنیا آپ کے لیے تکالیف وشدائد کا گھر تھا۔ مہینوں سوکھے ٹکڑوں یا چند چھوہاروں اور پانی پر اوقات بسری کی ہے۔ دو وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا میسو نہیں آیا ہے۔ پھر نا اہلوں کے ظلم وتعدی اور اصلاحِ عالم کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ مخالف خون بہا رہے ہیں تو آپ دعا کر رہے ہیں۔ کسی سے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیا۔ کسی سے اپنے دنیاوی حقوق کا مطالبہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی عیش ونشاط کا سامان نہ بہم پہنچایا۔ وہ خدائے پاک کے نورِ مجسم جن پر ہماری روح فدا ہو رات دن ہماری فکر میں رہ کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہمارے لیے تجویز کرتے رہے۔ آخرت میں آپ کے لیے نعیمِ بے حد اور سرورِ سرمد ہے بلکہ وہ اس جہان کے سلطان اور حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی کے مالک اور تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت ابوالقاسم ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

دوم آپ کی سیادتِ کبریٰ اور سلطنتِ عظمیٰ کا ظہورِ کلی دارِ آخرت ہی میں ہوگا۔ مرنے کے بعد ہر مومن پر روحِ پاک کی تجلی اور نورِ پُر سرور کا جلوہ ہوگا اور ہوتا ہے اور یہی جلوہ نجات کا باعث ہے اور میدانِ حشر میں تاجِ کرامت آپ کے سر مبارک پر رکھ کر مقامِ محمود میں کھڑے کیے جاویں گے اور تمام انبیاء واولیاء واولین وآخرین کی نگاہیں اس روز آپ ہی کی طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ آپ ہی شفاعت کریں گے جس طرح شفیق ماں اپنے گم شدہ بچوں کو ڈھونڈھتی پھرا کرتی ہے۔ آپ امت کے مجھ جیسے روسیا ہوں، گنہگاروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے رب کریم کے سامنے لے جا کر بخشوائیں گے۔ آپ کا حوضِ کوثر تشنگانِ میدانِ حشر کو سیراب کرے گا۔ آپ کا سایہ امت کو جگہ دے گا۔ (اے میرے آقا روحی فداک میں بھی حضور کا ادنیٰ غلام ہوں۔ میں بھی اس فیضِ عام سے فیضیاب ہوں۔ آپ کے غبارِ پا کے قربان محروم نہ کیا جاؤں۔ تنگِ امت ہی سہی پر آپ کا نام لیوا تو ہوں۔)

اور چونکہ کفار نے آنحضرت ﷺ کی دل شکنی کی تھی تو حق سبحانہ آپ کو خلعتِ عز وامتیاز عطا کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملازم خاص پر عنایت فرما کر کوئی معزز عہدہ عطا کرے اور وہ کمال جدوجہد سے اس خدمت کو ادا کر رہا ہو لیکن حاسدانِ بد اندیش محض اس کی دل شکنی کے لیے جھوٹی خبریں اڑائیں اور بدنام کریں کہ بادشاہ نے اس سے یہ خدمت چھین لی اور نظروں سے گرا دیا تو ایسے موقع پر بادشاہ لوگوں میں عزت وامتیاز کے لیے اور ان کے مخالفین کی باتوں کو غلط کرنے کے لیے اس معزز ملازم کو خلعت وعطیات سے سرفرازی بخشا کرتا ہے اور آئندہ ترقیوں کے لیے وعدہ فرمایا کرتا ہے تاکہ نہایت ہمت وکوشش سے اپنی خدمت کو ادا کرتا رہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو مشرف فرماتا ہے۔ فقال ولسوف یعطیك ربك فترضٰی کہ تمہیں تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ یہ بڑا وسیع وعدہ اور نہایت گراں بہا خلعت ہے۔ کس لیے کہ ایسے وعدوں میں دو باتوں کی طرف نظر کی جایا کرتی ہے۔ اول وعدہ دینے والے کی طرف۔ کس لیے کہ اگر تنگ حوصلہ یا کم مایہ کسی کو ایسا وسیع وعدہ دے تو وہ بلحاظ اس کی مقدرت وحوصلہ کے ایک معمولی وعدہ بلکہ اس سے بھی کم سمجھا جاوے گا۔ مخاطب خیال کر سکتا ہے کہ یہ کیا مجھے کوئی جاگیر یا ملک دے گا۔ یہی دو چار روپے پیسے اور اگر کوئی شہنشاہ بلند حوصلہ ایسی بات کہے تو ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی جاگیر یا ملک عطا ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے وعدہ ہو اس کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرومایہ شخص ہے تو اس کی قابلیت اور حوصلہ کے موافق عطیہ خیال کیا جاوے گا اور اگر بڑا شخص اور بلند حوصلہ ہے تو اسی کے موافق عطیہ متصور ہوگا۔

اب اس مقام پر وعدہ دینے والا تو خدائے تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں دارین ہیں اور اس کی بلند حوصلگی لفظ رب سے ظاہر ہے جو

تمام مخلوق کو بلا امتیازِ مومن وکافر مطیع وعاصی ہر وقت پرورش کر رہا ہے اور ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرے گا۔ اور جس کی نسبت وعدہ ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ ہیں جو حق سبحانہ کا دنیا میں ظل ہیں اور بلند حوصلگی آپ کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے دشمن کو سرد پانی بھی دینا گوارا نہیں کرتا۔ آپ ان کو سلطنتِ جاودانی اور ملکِ کامرانی دیتے ہیں۔ پھر اب اس وعدہ کی وسعت کو غور کر لیجئے کہ کیا کیا دیں گے جو کچھ آپ کو کمالاتِ جسمانی سے لے کر کمالاتِ اخلاقی وروحانی عطا ہوئے اور جو کچھ شرف وامتیاز دوسرے جہان میں عطا ہوں گے۔ اگر ان کو بیان کیا جاوے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماویں اور حق سبحانہ نے فقیر کو توفیق دی تو خاص اسی آیت کی تفسیر میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر آنحضرت ﷺ کے عطیات وکمالات کا کچھ نمونہ دکھائے گا مگر ادنیٰ بات اس وعدہ کی وسعت کی جو آنحضرت ﷺ کی بلند حوصلگی کی ایک دلیل ہے۔ یہ بات ہے کہ اس جملہ کو سن کر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں کبھی راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک شخص بھی جہنم میں رہے گا۔ اخرجہ الخطیب فی التلخیص۔ وہو یؤیدہ مافی صحیح مسلم۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝٧ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا
فَاَغْنٰى ۝٨ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ
رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١ ع

کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر جگہ دی اور اس نے تمہیں حیران پایا پھر تمہاری رہنمائی کی اور اس نے آپ کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا۔ پھر یتیم [1] کو دبایا نہ کرو اور سائل کو جھڑکا نہ کرو اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کرتے رہا کرو۔

ترکیب | الم یجدك هذا شروع فیما انعم الله علیه والهمزة لانکار النفی وتقریر المنفی فکانه قال قد وجدك یتیما والوجود بمعنی العلم۔ فاٰوٰی قرء الجمهور بالالف بعد الهمزة رباعیا من آواه یوویه وقرئ ثلاثیا وهوا ما بمعنی الرباعی اوهو من آوی له اذا رحمه ووجدك ضالا فهدی معطوف علی المضارع المنفی وقیل علی مایقتضیه الکلام السابق والضلال ههنا بمعنی الغفلة کما قال الزجاج ونظیره قوله تعالیٰ ولا یضل ربی ولا ینسیٰ وقوله تعالیٰ ان تضل احدا هما فتذکر احدا هما الاخریٰ وقیل من الطلب والمحبة کقوله تعالیٰ انك لفی ضلالك القدیم ووجدك عائلا الخ معطوف علی الکلام السابق یقال عال الرجل یعیل عیلة اذا افتقر اما الیتیم منصوب بتقهر قرئ بالکاف۔ والعرب تعاقب بین القاف والکاف وقیل القهر الغلبة والکهر الزجر قال ابوحیان هی نعمة واما السائل منصوب بتقهر والتقدیر مهما یکن شیء تقهر الیتیم فلا بتقهر السائل واما بنعمة ربك فحدث قیل المراد بالنعمة النبوة وقیل عام والتحدث الابلاغ والاظهار او الشکر الجار والمجرور متعلق بحدث والفاء غیر مانعة من ذلك لانها کالزائدة قال الکرخی۔

تفسیر | پہلے فرما دیا ہے کہ ہم آپ کو اس قدر دیں گے کہ آپ راضی ہو جاویں گے۔ اب اس قول کی تائید وصداقت یا اطمینانِ قلبی کے لیے آنحضرت ﷺ کے چند گزشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرماتا ہے جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایتیں ہوئیں اور ان مواقع میں کیا کیا عطا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف کے تین حال ہیں۔ (اول) لڑکپن بلوغ کی حد تک کی عمر سو اس عمر میں آپ یتیم تھے۔ آپ پر کیا بے کسی تھی مگر حق سبحانہ نے کیا کیا انعام واکرام کیے۔ اس لیے اس پہلی حالت کی بابت فرماتا ہے۔ الم یجدك یتیما فاٰوی کہ

[1] وہ نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ ۱۲ منہ

کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر تم کو جگہ دی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حمل میں تھے کہ حضور ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی۔ پھر حق سبحانہ نے یہ انعام کیا کہ آپ کے جدِّ امجد عبدالمطلب کو آپ پر مہربان کر دیا۔ ایسا کہ آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے۔ حالانکہ عبدالمطلب کثیر الاولاد تھے اور حال یہ تھا کہ جب حضرت ﷺ چھ برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ اب نہ ماں ہے نہ باپ صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبدالمطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے۔ جب آٹھ برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی چل بسے۔ اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگر ان کی جگہ حضرت کے چچا ابو طالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا۔ یہ یتیمی کا زمانہ اس طور سے گزرا۔ اب بالغ ہوئے۔ یہ دوسرا حصہ عمر کا شروع ہوتا ہے۔ اس میں جوانی کی امنگیں اور نوخیز شباب کے ولولے بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔ ہر چند آپ مادر زاد نبی تھے اور طفولیت ہی میں رئیس الموحدین تھے۔ خدا پرستی مکارمِ اخلاق آپ کا شیوہ تھا مگر ہنوز مراتبِ قرب اور محبت کی سنگلاخ گھاٹیوں اور نیز وحی اور شریعتِ اسلام کی حقیقت سے جو آپ کو بعد میں الہام ہوئی ناواقف تھے۔ اس کوچہ سے بھولے ہوئے تھے اور حیران و طالب تھے لیکن حق سبحانہ نے رہنمائی کی۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں ایماء کرتا ہے۔ ووجدك ضالا فهدى کہ ہم نے تمہیں بھولا ہوا یا طالب پایا کہ پھر تمہیں رہنمائی کی۔ جیسا کہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔ ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان الآیہ۔ آپ عبادت کرتے تھے مگر یہ تعدادِ رکعات اور اس کے آداب و قوانین نہ جانتے تھے۔ ناپاکی سے دور رہتے تھے۔ ہاتھ پاؤں دھو لیا کرتے تھے مگر وضو اور غسل کے دستورات نہ جانتے تھے۔ خیرات کرتے اور اس کی تاکید کرتے تھے مگر اس کے مصارف اور مقدارِ زکوٰۃ اور اس کے دیگر دستورات سے واقف نہ تھے۔ اسی طرح ایک محبتِ الٰہی کا جذبہ تھا اور دل میں ایک آتشِ عشق شعلہ مارتی تھی مگر اس کی ترقی اور اس کے قوانین سے واقف نہ تھے۔ اس حالت کو ضلال سے تعبیر کیا جو ان کی ہدایت سے بڑھ کر تھی۔ مفسرین نے ضلال کے چند معنی بیان فرمائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ضلال سے مراد رستہ بھولنا ہے جو آپ شام کے سفر میں بھول گئے تھے۔ بعض نے کہا حلیمہ سعدیہ کے ہاں ایک بار جنگل میں گم ہو گئے تھے۔ بعض نے کہا کہ مکہ میں رہا کرتے تھے تب رستہ بھول گئے تھے۔ ابوجہل جا رہا تھا۔ آپ کو اٹھا کر اپنے پیچھے سوار کر کے اونٹنی کو ایڑ ماری تو نہ اٹھ سکی۔ ہر چند مارتا تھا مگر وہ جنبش بھی نہ کرتی تھی۔ آخر ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تو نادان ہے۔ جہاں کے سردار کو پیچھے سوار کرتا ہے اور آپ آگے ہوتا ہے۔ یہ آگے ہونے کے قابل ہے۔ تب آپ کو آگے بٹھایا۔ جب اونٹنی چلی۔ آ کر عبدالمطلب سے کہا کہ یہ تیرا بچہ دیکھئے کیا کیا گل کھلاتا ہے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بعض نے کہا وہ ضلال محبت کی بے تابی ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی اور اسی لیے بیٹوں نے بھی کہا تھا انك لفی ضلالك القدیم حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور کسی گمراہی میں نہ تھے لیکن اس مقام پر ضلال سے مراد طلب اور حیرت ہے جو حضرت ﷺ پر طاری تھی۔

فائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک گمراہی سے پاک تھے۔ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک کوئی ناپاک دھبہ ان کے دامنِ عصمت پر نہیں لگا اور نہ لگنا چاہیے۔ کس لیے کہ جس نے ان کو نبی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا۔ وہ ان کی سیرت اور صورت اور اخلاق کو نفرت انگیز کیونکر ہونے دیتا جس میں سراسر مقصودِ الٰہی فوت ہو جاتا۔ بعض گمراہوں نے آنحضرت ﷺ کو گمراہ کہنے میں اس لفظ سے استدلال پکڑ کر بڑی جرأت کی ہے۔ اگر نادانستگی ہے تو خیر اور اگر متعصب عیسائیوں اور ہنود جیسا عناد اور آفتاب پر گرد و غبار ڈالنا مقصود ہے تو بڑا کمینہ پن اور دارین کی روسیاہی ہے۔

تیسری حالت یا عمرِ شریف کا وہ حصہ ہے کہ جس میں عیالداری ہے۔ خصوصاً جبکہ آنحضرت ﷺ نے مکہ شہر میں نکاح کیا جہاں نہ زراعت تھی نہ صنعت نہ کوئی کارخانہ، تجارت۔ اس وقت حق سبحانہ نے یہ احسان کیا کہ آپ کو غنی کر دیا۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں اشارہ

فرماتا ہے۔ ووجدك عائلا فاغنى اور تم کو فقیر پایا تو غنی کر دیا۔ حضرت ﷺ کی تنگ دستی تو ظاہر ہے مگر غنیٰ کیونکر حاصل ہوئی۔ اول تو اصل غنی دل کی غنا ہے۔ سو یہ بات حضرت ﷺ کو بہت کچھ عطا کی اور دراصل جس کو غناءِ نفس حاصل نہیں۔ گو کیسا ہی مالدار ہو مگر سخت محتاج ہے، مارا مارا پھرتا ہے، دل میں بے قراری ہے۔ برخلاف غنائے نفس کے کہ اس کو اطمینان ہے۔ دوم حضرت کو خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوی ملی جس سے اعیانِ قریش نکاح کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کی طرف رغبت نہ کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو قبول کیا۔ یہ بڑی مالدار تھیں اور آنحضرت ﷺ کی تابعدار بلکہ جان نثار بھی تھیں۔

یعنی ہم اے نبی کریم ﷺ تمہاری گزشتہ عمر میں تم پر کیا کیا احسان کرتے رہے۔ پھر اب آئندہ جو بیشمار عطیات کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس کو کیونکر نہ پورا کریں گے۔ اب ان تینوں زمانہ کے انعامات کے شکریہ ادا کرنے کے لیے تین حکم صادر فرماتا ہے۔ (۱) فاما الیتیم فلا تقهر کہ یتیم جو ہو سو اس پر ظلم نہ کرنا۔ اپنے یتیمی کے زمانہ کو یاد کر لیا کرو۔ آنحضرت ﷺ تو کسی یتیم کو کیا اور بھی کسی کو نہ دباتے تھے نہ کبھی دبایا نہ کسی پر سختی کی۔ عرب میں اسلام سے پہلے جہالت اور سخت بدکاری کی کوئی حد نہ تھی۔ خصوصاً یتیموں، بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کے لیے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات نہ تھی۔ اس لیے بظاہر تو نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے مگر معنی سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا' یہ لفظ عام ہے۔ زبانی جھڑکنا سخت کلامی کرنا بری نگاہ سے دیکھنا اور اس کو مارنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا یا دغا فریب سے لے لینا سب قہر میں داخل ہے بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا' اس کے حالِ زار پر رحم نہ کھانا بھی قہر ہے۔ عرب اس مرض میں مبتلا تھے اور نیز دفعِ مضرت' طلبِ منفعت سے مقدم ہے۔ اس لیے یہ فرمایا کہ قہر نہ کرنا یوں نہ کہا کہ رحم کرو اور یہ بھی نکتہ ہے کہ جب قہر نہیں تو خواہ مخواہ رحم ہی رحم ہے۔

پیغمبر خدا ﷺ بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنے کی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح رہے گا اور اپنی دونوں انگلیوں کی طرف ملا کر اشارہ فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے۔ اسی طرح میرے ساتھ ہوگا۔ یہ مضمون صحیح بخاری میں موجود ہے اور یتیم ہی پر موقوف نہیں۔ ہر ضعیف و بے کس پر رحم کرنا اسلام اور اسلامیوں کا شیوہ ہے۔ اب ان بیکسوں میں سے ایک سائل بھی ہے۔ جب نہایت ذلیل و خوار حالت ہو جاتی ہے تب ہی شریف سوال کرتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے واما السائل فلا تنهر اور جو کوئی سائل ہو اس کو نہ جھڑکو۔ اگر اس کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دو بشرطیکہ ممنوع امر کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دو۔ سائل کی دل شکنی نہ کرو اور دیگر طعنہ و تشنیع نہ کرو کہ ایسے دینے کا کچھ بھی ثواب نہیں۔ یہ اس دوسری نعمت کے شکریہ میں ہے یعنی آپ کو تنگدستی کے بعد غنی کیا اپنے وقت کو نہ بھولو۔

آنحضرت ﷺ کی سخاوت اور مروت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نہیں تو کہنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ بھوکے ہیں سائل نے مانگا جو میسر آیا دے دیا۔ ایک بار بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔ بانٹ کر خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک بار ایک عورت نے ایک عمدہ چادر سی کر آپ کو بھیجی۔ سائل نے مانگی اسی وقت اتار دی۔ کبھی گھر میں مال و زر کچھ بھی نہیں رکھا۔ اس کے سوائے اپنے پاس نہ ہوا تو قرض لے کر دیا یا اور سے فرمائش کر کے دلوا دیا۔ یہاں تک کہ ایک بار ایک ہی کرتا تھا جسے پہنے ہوئے تھے۔ کسی نے مانگا اتار دیا۔ اب کوئی کپڑا نہیں جو پہن کر نماز پڑھانے آویں۔ لوگ بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس بارے میں آخر آیت نازل ہوئی کہ ایسا ہاتھ نہ کھولو کہ تنگ ہو کر گھر میں بیٹھا رہنا پڑے۔

فائدہ: آیت میں سائل سے وہی سائل مراد ہیں جو حاجت مند ہو کر سوال کرتے تھے نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے بارہ مہینے گداگری کو پیشہ کر لیا ہے اور صحیح و تندرست ہیں۔ کما سکتے ہیں مگر کہیں کوئی بہروپ بھر لیا ہے۔ کہیں کوئی اور صورت بنالی ہے۔ صدائیں اور اشعار یاد کر لیے ہیں اور ہٹے کٹے ہیں۔ پھر ایک نہیں دو دو چار چار جماعت بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور تکیوں میں بیٹھ کر مسکرات پیتے ہیں، بھنگ گھوٹتے ہیں۔

چرس کے دم لگاتے ہیں۔ نہ نماز ہے نہ روزہ اور اسی کو فقیری اور وصول الی اللہ اور معرفت وحقیقت کی روح جانتے ہیں اور پھر مانگتے کیا ہیں۔ گویا شاہی حکمنامہ ساتھ لے کر چلتے ہیں، اڑتے ہیں تو لیے بغیر ٹلتے نہیں اور پھر کیا کیا آوازہ کستے ہیں۔ ایسا سوال حرام ہے اور ایسے سائل عرب میں نہ تھے اور جو کوئی تھا بھی تو شریعت نے منع کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا، درے مارے ہیں۔ یہ بے حیائی کا پیشہ جیسا ہندوستان میں ہے شاید کہیں اور بھی ہو۔ اس نے صدہا لوگوں کو بیکار اور نکما کر دیا۔ حاجت مندوں کا حق تلف کرا دیا۔ ایسے لوگوں کو دینا اور جو دراصل حاجت مند ہیں اور شرم کے مارے سوال نہیں کرتے، ان کو نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اگر اس وقت کے مسلمانوں کی سخاوت قانونِ محمدی کے موافق ہوتی تو بہت کچھ نفع ہوتا۔ یہ بھی جہل کا کرشمہ ہے۔

فائدہ: آیت میں ایک لطیفہ ہے۔ سائل کے لیے لفظ تنھر ایک عجیب لطف عربی زبان دانوں کو دے رہا ہے کیونکہ سائل سے سیلان اور تنھر سے نہر سمجھا جاتا ہے جس کو سیلان ہوتا ہے۔ سائل سے وہ سائل بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسائل پوچھے۔ اس کو بھی جھڑکنا نہ چاہیے۔ یہ آدابِ تعلیم ارشاد ہوا ہے۔

اب اس تیسری نعمت کے مقابلہ میں یعنی ہدایت وارشاد کے مقابلہ میں یہ حکم ہوتا ہے واما بنعمة ربك فحدث اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو۔ نعمت کا لفظ عام ہے۔ کوئی بھی نعمت ہو اور بیان کرنے سے وہ بیان کرنا مقصود ہے جس میں تعلّی اور استکبار یا ریاکاری نہ ہو بلکہ اوروں کو حق سبحانہ کی عطاء وجود کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو۔

بعض علماء نے بقرینہ فھدٰی نعمت سے مراد نبوت وہدایت لی ہے اور دراصل یہ بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور اس کے بیان کرنے سے بندوں میں اس کا اظہار اور ابلاغ اور گمراہوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں جو کچھ روحانی برکات ہیں وہ تو ہیں ہی مگر امورِ معاش میں بھی ایک ادنیٰ تاثیر یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو سات بار اس سورہ مبارکہ کو پڑھے۔ انگلی کے سرے کو سر کے اردگرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اصحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان اللہ واصحت فی جوار اللہ پڑھ کر دستک دے تو وہ چیز مل جائے۔ روح جو اپنا عالمِ قدس کا آشیانہ کھو بیٹھی ہے۔ اس سے اس کا بھی جلد پتا مل جاتا ہے۔ اللہ اکبر۔

(سورہ انشراح مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝٨ ع

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا کہ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور کیا ہم نے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند نہیں کیا۔ پھر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب آپ (تبلیغِ احکام سے) فارغ ہوا کرو تو جھک پڑا کرو اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگا لو۔

ترکیب ؛ الم نشرح الخ الاستفهام تقریری والمعنی قد شرحنا لك صدرك ووضعنا عنك معطوف علی معنی ما تقدم وعنك متعلق بوضعنا و

تقدیمه علی المفعول الصریح مع ان حقه التاخر لتعجیل المسرة والتشویق المؤخر الذی الخ وصف الوزر ورفعنا الخ معطوف علی السابق لیس لہ اسم ان مع العسر خبرها والعسر فی الموضعین واحد لان المعرفة اذا اعیدت یراد بها الاول والیسر غیر الاول ولذا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یغلب عسر یسرین ان اللہ یقول ان مع العسر یسرا الخ۔ اخرجه عبدالرزاق وسعید بن منصور والبیهقی فی شعب الایمان وغیرهم۔

تفسیر ؛ یہ سورۃ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ والضحیٰ سے ایسی ہے کہ بعض نے اس کو پہلی سورۃ کا جز سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ دونوں ایک سورۃ ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا یہی قول ہے لیکن دراصل یہ دونوں دو سورت ہیں۔ اس لیے کہ وہاں استفہام غائب کے صیغوں سے ہے جیسا کہ الم یجدك یتیما الخ اور یہاں متکلم کے صیغہ سے اور دونوں کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سورۃ کے مضامین سورہ والضحیٰ کے اخیر مضامین کا بقیہ ہیں اور آنحضرت ﷺ پر جو جو افضالِ الٰہی ہوئے ہیں۔ ان کی طرف چھوٹے چھوٹے جملوں میں اشارہ ہے اور بعد ان کے دو حکم مؤکد ہیں جو تکمیل وترقی کے لیے دو رکنِ رکین ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے اندر خدائے پاک نے دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے تھے۔ ایک وہ کہ جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور دوسرے وہ کہ جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ کی ذاتِ پاک اور حق سبحانہ سے ہے۔ اول قسم کے کمالات میں سے وہ تین کمال سورہ والضحیٰ میں مذکور تھے (۱) یتیمی اور اس میں باوجود ایسے اسباب پیدا ہو جانے کے کہ کوئی سرپرست اور معلم نہ رہا تھا۔ پھر کمالاتِ ظاہری باطنی کی ایسے معلم نے تعلیم دی کہ انبیاءِ اولوالعزم اور حکماءِ باکمال سے صدہا منازل آگے بڑھ گئے۔ (دوم) ہدایت عطا کرنا اور صدہا اقسام ہیں اور دنیاوی تدابیر اگر موافق مصلحت اور مقتضیٰ حال کے نہ ہوں تو گمراہی ہے۔ پھر ان میں سیدھی راہ کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ پھر دینی امور میں قوانینِ نوامیسیہ سے لے کر قوانینِ سیاسیہ تک راہِ راست سے افراط وتفریط ضلال ہے اور راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح اخلاق میں افراط وتفریط ضلال ہے۔ ان میں راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح قوائے انسانیہ کی تہذیب ہدایت ہے اور اس کے برخلاف ضلال ہے۔ اسی طرح مراتبِ قرب ومنازل تقرب میں اوپر کے درجہ کی تعلیم ہدایت ہے اور اب یہ نیچا درجہ نقص وضلال ہے۔

ان سب امور میں حق سبحانہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ہدایت کی۔ یہ کیسی نعمت ورحمت ہے۔ (۳) غنائے نفس اور غنائے مال جو ایک اور نعمت ہے۔ اس کا عطا کرنا بڑا احسان ہے کیونکہ ایسے مصلحِ قوم بنی آدم کے لیے اگر استغنا نہ ہو تو کوئی فائدہ مترتب نہ ہو۔ یہ تیسرا کمال تھا۔

شرحِ صدر کی شرح ؛ ان تینوں کمالات کے بعد اس سورہ میں تین وہ کمال بیان فرماتا ہے جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ اور حق سبحانہ کے مابین ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) شرحِ صدر: اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔ یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں تمام حقائقِ ملک وملکوت لاہوت وجبروت منکشف ہو جاتے ہیں۔ زبان اسرارِ غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ عالمِ غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی۔ رب اشرح لی صدری کہا اے رب میرا سینہ کھول دے۔ یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوتِ کبریٰ کے لیے یہ مرتبہ اور یہ کمال ضروری تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس کمال کے حاصل ہونے کی استفہامِ تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے۔ کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا یعنی کھول دیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوتِ کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو۔ اس لیے سب سے اول اسی کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال الم نشرح لك صدرك کہ کیا ہم نے اے نبی (ﷺ) تیرا سینہ نہیں کھول دیا ضرور کھول دیا۔ یہ استفہامِ تقریری کامل ثبوت کا فائدہ دیا کرتا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ دو بار آنحضرت ﷺ کا سینہ فرشتوں نے چاک کر کے قلبِ مبارک کو نورانی طشت میں آبِ قدس سے دھویا۔ ایک بار لڑکپن میں جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے۔ دوبارہ جبکہ معراج کو تشریف شریف عالمِ بالا کی طرف لے گئے۔ جمیع الواثِ بشریہ و

کدوراتِ انسانیہ دھو دیے تھے۔ یہ اسی شرحِ صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں۔ ہمتِ عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لیے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں آپ انبساطِ قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔ لك کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کے لیے شرحِ صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپ ہی کے واسطے۔

فائدہ: شرحِ صدر فرمایا شرحِ قلب نہ فرمایا۔ اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدر سینہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر قلب ہے۔ جب قلب کا قلعہ ہی درست کر دیا اور شیطان اور اس کے وسواس کی آمد و رفت بند کر دی ہو تو پھر قلب تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے۔ کس لیے کہ وہ تو سینہ میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ جیسا کہ جب کوئی شہر محفوظ کر دیا جاوے تو اس شہر میں جو مخصوص گھر ہے وہ بدرجۂ اول محفوظ ہوگا اور جب چور اس محفوظ گھر میں آنا چاہتا ہے تو اول اس شہر میں گھستا ہے، پھر جب کوئی رستہ پاتا ہے تو اس گھر میں بھی آ گھستا ہے اور ہموم و غمومِ دنیا کے زہریلے اثر اور حب الشہوات وحرص آرزوہائے دور دراز کے تلخ ثمر اور دارِ آخرت سے غفلت اور حق سبحانہ سے محجوبیت کے ظلمات ڈال جاتا ہے۔ پھر نہ کسی طاعت میں لذت نہ اسلام و ایمان میں حلاوت پاتا ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جب یہ شہر ہی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی روشنی تجلیاتِ الٰہی کی ہوتی ہیں کہ کوئی چور و قزاق روحانی جذبات کے پاسبانوں کے سامنے آنے نہیں پاتا۔ تب عبادات و ریاضات میں حلاوت پاتا ہے۔ اس لیے شرحِ صدر فرمایا نہ شرحِ قلب۔

(۲) وزر کی تحقیق ؛ اب دوسرے کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك کہ ہم نے تمہارے اس بوجھ کو کہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی تم سے اتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟ صحیح تر بات یہی ہے کہ جس کی روح میں جو استعداد رکھی گئی ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا ایک جبلی بات ہے اور جب انسانی قویٰ اور اس کے اعضاء ان چیزوں کی برداشت نہیں کرتے اور ان استعدادات کے حاصل کرنے میں تائید نہیں کرتے تو وہ چیزیں کہ جن کا داعیہ اس کی روح کو ہے ایک بارِ گراں معلوم ہونے لگتی ہے اور بڑی کشمکش اور اضطراب میں پڑ جاتا ہے۔ یہ ہے بارِ گراں اور یہ ہر شخص پر اس کے روحانی حوصلے کے موافق کم و زیادہ ہوا کرتا ہے۔ چونکہ رسولِ کریم ﷺ کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرحِ صدر ہو چکی تھی تو آپ کے عزائم کا کیا انتہا اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے۔ نہ آپ کے قویٰ و جوارح ان کا تحمل کر سکتے تھے۔ یہ تھا وہ بوجھ بھاری کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ **پیشین گوئی:** مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یوں اتار دیا کہ اس کے سامان بہم پہنچا دیے اور قویٰ و جوارح میں طاقت دے دی یا سامان بہم پہنچانے کا یہ قوی وعدہ ہے۔ چونکہ یقینی ہے اس لیے اس آنے والی چیز کی ماضی کے صیغوں سے خبر دیتا ہے۔ یہ ایک قوی پیشین گوئی ہے جس کا تحقق بہت جلد ہوا۔

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ نبوت اور اس کے لوازمات کا بوجھ تھا کس لیے کہ آنحضرت ﷺ کا جب شرحِ صدر ہو چکا تھا اور تجلیاتِ الٰہی و آفتابِ ذاتِ حق سبحانہ آپ کی روح پر جلوہ گر ہو چکا تھا تو آپ مقامِ شہود میں تھے۔ اس وقت سوائے خالقِ اکبر کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ مخلوق کا وجود ہی معدوم معلوم ہوتا تھا۔ پھر ان کے افعالِ خیر و شر کا تو کیا ذکر تھا۔ پھر کس کو کس بات سے منع کرتے اور کس کو کس بات کا حکم دیتے۔

بسا میری نظروں میں تو خوبرو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

پھر ایسے مستغرق الحال کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اعلیٰ مقام سے نیچے تنزل کرنا سخت بوجھ ہے۔ پھر اس بوجھ کو خدا پاک نے

یوں اتارا کہ مقامِ بقاء میں آپ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ کثرت وحدت کا حجاب نہ ہوئی عین تفصیل میں جمعیت کا مشاہدہ کرتے تھے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے سے ۔ہ شہود غائب نہیں ہوتا تھا۔ یہ انتہٰی درجہ کا کمال ہے جو انبیاءِ اولوالعزم کا حصۂ خاص ہے۔

بعض حضرات یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بوجھ بھاری جس نے کمر توڑ رکھی تھی وہ ہیولانیت اور امکان کا بوجھ تھا جو آپ کو اوپر نہ ابھرنے دیتا تھا اور عالمِ قدس کے لحوق سے مانع تھا۔ پھر جب اس کو خفیف کر دیا اور حدوث و امکان پر تقدس و وجوب کا پرتو اپڑ گیا تو وہ بوجھ اتر گیا اور باطناً آپ عالمِ قدس کے لوگوں میں داخل ہو گئے اور اسی لیے طرفۃ العین میں آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہی وہ رفعِ ذکر ہے جس کا ذکر آتا ہے

(۳) رفعِ ذکر کا بیان ؛ ورفعنا لك ذكرك اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نامِ مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت ﷺ پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باستثنائے مواضع چند جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے۔ وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے۔ عالمِ غیب میں آپ سلطان ہیں۔ کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکرِ خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت ﷺ کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

اول کمرہ ؛ اس رفعتِ ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکمِ اعلیٰ ہوں جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہِ عرب و عجم، روم، شام، ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیرِ مملکت اور قوانینِ جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں۔ کسی گوشہ میں مامون ہیں۔ کسی میں سلاطینِ سلجوقیہ ہیں۔ کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور صاحبقراں ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نام آور با اقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبان زد خلائق ہیں۔ ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور وہ ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذاتِ بابرکات محمد مصطفےٰ ﷺ۔

دوسرا کمرہ ؛ پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استادِ زمانہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علومِ سیاست منزلِ تہذیب اخلاق و درستیِ آداب حاصل کر رہے ہیں۔ بوعلی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابوریحان بیرونی کھڑا ہے۔ کہیں ظہیر فارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں بصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء ہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استادِ کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ ؛ تیسرے کمرہ میں قانونِ محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں۔ ہدایہ وغیرہ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجدِ قوانینِ سیاسیہ و نوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابوحنیفہ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک و امام شافعی حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین و ابن دقیق العید و تاج الدین سبکی وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھا کمرہ ! چوتھے کمرہ میں ایک مفتیِ منحر مسندِ افتا پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا۔ رواں ہیں۔ کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جارہی ہے۔ کہیں محدثین فخرِ روزگار فنونِ احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرینِ زمان قرآن مجید کے جلوہ میں جو جواسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں اور کہیں واقعاتِ قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور کہیں اہلِ دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظِ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائلِ فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیحِ قرأت کر رہے ہیں اور الفاظِ قرآنیہ کو انہیں لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملاتِ بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علمِ عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہا اور صفاتِ باری اور اس کے افعال اور وجودِ ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں۔ کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں، ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالاتِ جاہلانہ پر مبنی تھے اور کون سے من اللہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرارِ احکامِ الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علمِ زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتیِ متبحر وہی سرورِ کائنات ہیں۔ علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ ! پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسندِ حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکامِ الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے۔ کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم وتعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو ولعب، ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں، مکاروں، فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے۔ یہ صاحبِ وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ﷺ ہیں۔

چھٹا کمرہ ! چھٹے کمرے میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزت ووقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبرانِ ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں۔ پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ امرھم شوریٰ کا اشارہ کر کے کاروبارِ سلطنت کے لیے مدبرانِ قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکرِ جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔ واعدوالھم ما استطعتم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامانِ حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور علازمانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکیدِ شدید کر رہے ہیں۔ کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت و وقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں، خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کس لیے کہ قیامِ سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش و نشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر

میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتواں کمرہ ! ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمرِ گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر والتام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں۔ کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصاء ہے اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی انس ہے۔ ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق جوق آ کر مستفید ہوتے ہیں۔ پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد واشغال کی تعلیم ہے۔ کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے۔ نہ کسی امیر کی پروانہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا۔ یہ حضرت بھی وہی سرورِ کائنات ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

آٹھواں کمرہ ! آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں ذات وصفات کے اسرار اور عالمِ ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں۔ حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے۔ فصوص الحکم وفتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں کمرہ ! نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثوابِ عظیم واجرِ جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذابِ قبر اور عذابِ جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور حیاتِ جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر بت پرست کفر وبت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔ مجلس میں آہ وبکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحمدل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ ست وغافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کنٹرسخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرتِ واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسواں کمرہ ! دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشدِ کامل صاحبِ طریقہ وصاحبِ دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے۔ طالبانِ خدا کا اس کے اردگرد ہجوم ہے۔ وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات واحوال اور مراتب ومناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات وتاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے۔ کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے۔ کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے۔ کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقاء کا۔ کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی وشبلی وسید عبدالقادر جیلانی وشیخ احمد بدوی ومعین الدین چشتی و نظام الدین محبوب الٰہی وشیخ شہاب الدین سہروردی وخواجہ بہاء الدین نقشبند وغیرہ اولیاءِ کرام حاضر ہیں۔ یہ مُرشدِ کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

گیارہواں کمرہ ! گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے۔ ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے۔ وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

بارہواں کمرہ ؛ بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحبِ کتاب نہایت عزوشان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب وداؤد وسلیمان وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام ان کے گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ﷺ ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں۔ کہیں ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں۔ کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سرِ نو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرحِ صدر اور یہ ہے وہ رفعِ ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اغر علیه للنبوة خاتم من الله مشهور يلوح ويشهد
وضم الا له اسم النبی مع اسمه اذقال فی الخمس المؤذن اشهد
وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود و هذا محمد

چونکہ یہ رفعِ ذکر و شرحِ صدر و وضعِ وزر جو بڑی نعمت و سرورِ دائمی ہے۔ یوں ہی نہیں مل گئی ہے۔ اس کے لیے حضرت رسول کریم ﷺ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے فان مع العسر یسرا کہ بے شک ہر سختی کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ جب کوئی سختی اور مشقت کا بوجھ سر پر دھرتا ہے تو بہت دیر کے بعد نہیں بلکہ بہت جلد راحت بھی پاتا ہے۔ اسی لیے بعد کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ مع کا یعنی کچھ دیر نہیں۔ اس میں ایمانداروں کو ان کے مساعیِ جمیلہ پر دنیا و آخرت میں کامیابی کا پورا وعدہ ہے اور اسی لیے اس جملہ کو دوبارہ تاکید کے لیے فرمایا جاتا ہے۔ ان مع العسر یسرا کہ ضرور رنج کے بعد خوشی اور دکھ کے بعد سکھ ہے۔ صبر کا نتیجہ اچھا ہے۔ دنیا میں دیکھو جب کاشتکار زراعت کی مشقت اٹھاتا ہے تو غلہ پیدا ہونے کی خوشی دیکھتا ہے۔ علم میں اور کمالات حاصل کرنے میں جو مشقتیں اٹھاتے ہیں بہت جلد اپنی کوشش کے پھل پاتے ہیں۔ اسی طرح جو ایماندار نفس کو بدخواہشوں سے روکتے اور عبادت و فرائض کے ادا کرنے میں مشقت و محنت اٹھاتے ہیں دنیا میں بھی ورنہ مرنے کے بعد جو بہت ہی قریب زمانہ ہے اور گویا ساتھ ہی لگا ہوا ہے، عمدہ پھل پاویں گے۔ اس میں سستوں اور کاہلوں، تن پروروں کو تنبیہ ہے کہ وہ کبھی سعادت کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

اس جملہ کے دوبارہ لانے سے محاورۂ عرب کے موافق زبان دانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک سختی کے ساتھ دو راحت عطا کیا کرتا ہے یا کہو دو راحت عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے کس لیے کہ لفظ عسر الف لام آنے سے معرفہ ہو گیا اور یسر نکرہ ہے اور جب معرفہ بار دگر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے۔ برخلاف نکرہ کے کہ اس کے دوبارہ آنے سے پہلے سے غیر مراد ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے عسر تو وہی ایک رہا اور یسر دو ہو گئے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق وسعید بن منصور وعبد بن حمید وبیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان مع العسر یسرا الخ بزار محدث نے کہا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں ابوحاتم رازی ہے اور اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ حسن بصری سے عبدالرزاق وابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خوش اور شادِ گھر سے باہر تشریف لائے، ہنس رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے

لے عرفائے کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر الفصال کے ساتھ میسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے۔ یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق علی الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدہ کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

تھے کہ ایک عسر یعنی سختی دو یسر یعنی آسانی پر غالب نہ آئے گی۔ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا۔ کسی عرب کے شاعر نے بھی اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

اذا اشتدت بک البلوٰی ففکر فی الم نشرح
لعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

کہ جب تجھ پر کوئی بلا آ جاوے تو الم نشرح سورۃ کو غور کر کہ اس میں ایک مشکل پر دو آسانیوں کا وعدہ مذکور ہے۔ بعض علماء نے مع سے حقیقی معیت سمجھ کر ایک اشکال پیدا کیا ہے۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ خاص مصیبت کے وقت میں تحمل اور آئندہ آنے والی راحت کی قوی امید پر بھی ایک یسر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ مصیبت نہ کٹے اور پھر دوسرا یسر اس مصیبت کے بعد میسر آتا ہے جبکہ اس محنت یا مصیبت کا اس رحیم وکریم کی طرف سے بدلہ ملتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایمان اور صبر کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ بے صبر و بے ایمان نہ جن کو خدا تعالیٰ کا اعتقاد نہ اس کے وعدہ پر بھروسا اگر کسی مصیبت کے بعد راحت نہ دیکھیں اور خود مصیبت کے وقت بھی اطمینان وامید کی راحتِ قلبی ان کو نصیب نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اور ایسا دیکھا بھی گیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یسر سے مراد یسرِ دنیا اور ملکوں اور شہروں کا فتح کرنا اور اعدائے دین پر غلبہ پانا ہے اور دوسرے سے مراد یسرِ آخرت ہے اور وہ ثوابِ جنت اور عالمِ باقی کے درجات ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ هل تربصون بنا الا احدی الحسنیین حالانکہ یہاں دونوں حسنیٰ سے حسنِ ظفر اور حسنِ ثواب مراد ہے۔ گویا اس جملہ میں ایمانداروں کو بشارت ہے کہ اگر تم اسلام میں سرگرمی اور کوشش کرو گے، سستی اور نامردی اور دنیا پر فریفتہ ہو کر اسلام میں دغابازی نہ کرو گے تو تم کو دو آسانیاں اور فرحتیں اس تکلیف کے بدلے میں ملیں گی۔ ایک دنیا میں فتح وظفر، عزت واقبال دوسری آخرت کے درجات اور اگر یہ عسر گوارا نہ کرو گے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ الیم پاؤ گے۔

جہاں تک تجربہ ہوا اور تواریخِ زمانہ شہادت دے رہی ہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ جب مسلمانوں نے اسلام کے فرائض بجا لانے کی تکلیف گوارا کی۔ خصوصاً اعداءِ دین کے مقابلہ میں جوانمردی کی تو وہ ملکوں کے مالک اور آخرت کے حصہ دار ہو گئے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اسلامیوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ پھر جب فرائضِ اسلام ترک کئے عیش ونشاط میں پڑے۔ نامردی اور خیانت اور حمق میں مبتلا ہوئے تو دنیا میں غیروں نے ان کے تاج وتخت چھینے ان کی عزتوں کو خاک میں ملایا۔ غلامی کی ہتھکڑیاں اور فرمانبرداری کا طوق جو لعنت کا طوق ہے۔ ان کی گردنوں میں ڈالا۔ پھر دین بھی برباد ہوا۔ دنیا بھی گئی۔ سب سے اول خلافتِ عباسیہ کا انجام دیکھو کہ اس عہد کے نالائق خلیفہ کی عیاشی اور عہدہ داروں کی تن پروری اور غفلت اور عیش پسندی اور خیانت نے کیا آفت برپا کی۔ دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا، عورتوں کی عصمت تاتاری کفار کے ہاتھ کیسی خراب ہوئی۔ سلطنت گئی، خزانے گئے، علوم مٹے، کتب خانے برباد ہوئے، مدارس و مساجد منہدم ہوئے۔ اسی طرح اندلس کی حالت ہوئی۔ پھر اس زمانہ میں جس پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری۔ فرانس نے الجیریا اور ٹونس پر اور روس نے ترکستان پر، انگریزوں نے ہندوستان اور اس کے ملحقات پر کیسا تسلط کیا۔ یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی عیاشی، بدکاری، سستی اور جہالت اور فرائضِ اسلامیہ سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ان نعمتوں کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ فاذا فرغت فانصب یعنی جب رسالت کے کام سے (جو تبلیغِ احکام، وعظ و پند، تدبیر

لے عرفاء کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر الفصال کے ساتھ میسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق عن الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدت کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

امورِ فیصلِ قضایا ہیں) فراغت ہوا کرے تو عبادت کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ منجملہ ان دو راحتوں کے جو ایک سختی کے بعد عطا ہوتی ہیں۔ ایک بڑی راحت مشغولی بحق بھی ہے۔ کس لیے کہ ارواحِ طیبہ کا حیزِ طبعی تقربِ الٰہی ہے اور تمام مشاغل ایک قسم کے عوائق ہیں جہاں دور ہوئے۔ فوراً ادھر ہی میلان ہوا اور یہی ان کا آرامِ جان ہے۔ الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو تو تندرست ہو تو اپنا نکاح عبادت سے کر (یہ اس لیے کہ نصب کے معنی تکان کے بھی ہیں) یعنی بڑی کوشش اور سعی عبادت میں کر کہ تھک جاوے۔ قتادہ وضحاک ومقاتل فرماتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو نوافل کے لیے کھڑا ہو اور دعا کر اور خوب کر کہ تھک جاوے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جب مشاغل سے فراغِ دل حاصل ہو نماز کے لیے کھڑا ہونا مراد ہے۔ حقیقت میں جو اپنے فراغ کو اس کام میں صرف نہ کرے بلکہ لہو ولعب میں تو وہ عمرِ گرانمایہ کو برباد کرتا ہے مگر بعض ایسے بھی بدنصیب ہیں کہ انہیں دنیاوی جھگڑوں سے کبھی فراغت ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان کو اللہ کی عبادت کی فرصت کہاں اسی جنجال میں موت آلیتی ہے۔ عاقل کو ضرور فارغ ہونا چاہیے۔ یہ نعمتِ الٰہی کا شکریہ ہے۔ (۲) والی ربك فارغب کہ اپنے رب کی طرف رغبت کر اس کی طرف پھر اسی کو مدِ نظر رکھ۔ یہ دوسرا یسر ہے یعنی ہر کار اور ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوبِ حقیقی کی طرف نظر رہے۔ خصوصاً عبادت میں نہ ریاکاری مطلوب ہو نہ دنیا نہ آخرت بلکہ اس کی ذات اور اسی کا شوق اسی کا جذبۂ محبت۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرحِ صدر میں اس قدر عروج تھا کہ بجز ذاتِ حق کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ محویتِ کبریٰ تھی۔ پھر جب دنیا کی تکمیل کا آپ پر بوجھ ڈالا گیا جو بڑا بھاری بوجھ تھا اس لیے کہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ایسی حالت میں روح پر وہ رنگ جو خاص مشغولیِ بحق میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی قدر متغیر ہو جاتا ہو۔ سو اس کی تدبیر بھی ارشاد فرما دی کہ جب اس کام سے فارغ ہوا کرے تو پھر روح کو اس کے تقرب سے قوی اور منور کر لیا کرو اور پھر اسی مقام پر شہود میں آ جایا کرو تا کہ ماندگی دور ہو جاوے۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہرگہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

(اللہ اکبر)

(سورۃ والتین مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶

قسم ہے زنجیر اور زیتون اور طورِ سینا اور اس امن کے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے پھینک دیا مگر ان کو نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے سو ان کے لیے تو بے انتہا بدلہ ہے۔

ترکیب والتین الواو للقسم والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین معطوف علیہ لقد خلقنا الانسان الجملۃ المصدرۃ بلام التاکید وقد الی آخرھا جواب القسم۔ والقسم مع جوابہ جملۃ فعلیۃ۔ والمراد بالتین والزیتون عند الجمھور الشجر تان المعروفتان وقیل الجبلان وقیلا البلدان و طور جبل کلم اللہ علیہ موسیٰ علیہ السلام فی ناحیۃ الشمال والغرب من العرب وھو مضاف الی سینین عند الحاۃ سینین وسیناء اسمان للمکان الذی

حصل فیہ الجبل المذکور۔ وقال ابو علی الفارسی سینین فعلیل کررت اللام التی ھی نون فیہ ولم ینصرف سینین کما لم ینصرف سیناء لانہ علم للبقعۃ وعجمی ای سریانی ولذا اختلفت عادۃ العرب فی تعریبہ فقیل سینین وقیل سیناو الامین بمعنی المامون وصف للبد۔ فی احسن الخ فی موضع الحال من الانسان والمراد بالتقویم القوام لان التقویم فی الحقیقۃ فعل اللہ تعالیٰ اسفل منصوب مضاف الی سافلین وھو حال من المفعول ویجوز ان یکون نعتاً لمکان محذوف والتقدیر علی الاول ای رددناہ حال کونہ اسفل سافلین ای ارذل وعلی الثانی رددناہ مکاناً اسفل سافلین ای الدرک الا الذین علی الاول استثناء متصل من ضمیر رددناہ فانہ فی معنی الجمیع وعلی الثانی منقطع ای لکن الذین کانوا صالحین من الھرمی فلھم اجر غیر ممنون علی طاعتھم علی الضعف والشیخوخۃ علی مقاساۃ المشاق۔

تفسیر ؛ جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن الضریس ونحاس وابن مردویہ وبیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راویت کی ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن الزبیر سے بھی یہی منقول ہے اور اس میں آٹھ آیت ہیں۔ بخاری ومسلم واہل سنن وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے اور عشاء کی نماز پڑھائی تب ایک رکعت میں سورۂ والتین والزیتون پڑھی سو میں نے آپ سے بہتر خوش آواز اور عمدہ پڑھنے والا نہیں سنا اور انہیں سے خطیب نے روایت کی جو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ والتین پڑھی اور بھی اس قسم کی روایات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سورہ کے ابتداء میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسان کی آفرینش کا حال اور پھر سعادت وشقاوت حاصل کرنے سے مآل بیان فرماتا ہے اور چاروں چیز اس کی کمالِ قدرت کے دلائل ہونے کے سوا اس مطلب کے ساتھ کمال مناسبت بھی رکھتی ہیں فقال والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین کہ قسم ہے انجیر اور زیتون اور طورِ سینا اور اس شہرِ امین کی۔ طورِ سینا اور بلدِ امین تو بالاتفاق دو جگہ ہیں۔ طور سیناوہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو شرفِ کلامِ باری حاصل ہوا اور بلد امین یعنی محفوظ یا امانتدار شہر مکہ ہے۔ یہ امن کا شہر ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ شہر دارالامن رہا۔ عرب میں باوجود یکہ اسلام سے پہلے باہمی وہ دھاڑ تھی کہ جس کی انتہا نہ تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی تعرض نہ کرتا تھا اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تا قیامت باقی رہی۔ جو اس پر چڑھ کر آیا غارت ہوا۔ جس طرح اور شہروں پر آفات آئیں اس پر کبھی نہیں آئی۔ یہ اپنے رہنے والوں کا امانت دار ہے اس میں بڑی وجہ امین ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دنیا کے لیے بڑی نعمت اور اس کی امانت تھے اسی شہر کے تفویض ہوئے تھے ہر چند مشرکین آپ کی ذاتِ بابرکات کے فنا کرنے میں ساعی تھے مگر کسی کی کچھ بھی نہ چلی اس شہر نے یہ امانت بسلامت مدینہ منورہ کے سپرد کر دی۔

مگر تین اور زیتون میں متعدد اقوال ہیں: (۱) اکثر علماء کا تو یہ قول ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون کا درخت مراد ہے پھر ان میں کیا شرف ہے جو ان کی حق سبحانہ نے قسم کھائی؟ علمائے کرام نے اس کے چند اسباب لکھے ہیں اول یہ کہ یہ انجیر کا عجب میوہ ہے جس میں نہ گٹھلی نہ پوست پھر غذا بھی ہے اور چند امراض کے لیے دوا بھی۔ سریع الہضم جید الکیلوس والکیموس بلغم کو کم کرتا ہے، بدن کو فربہ، گردوں کو ریگ وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اور کبد وطحال کے مسامات کھولتا ہے اور ام کو تحلیل کرتا ہے اس کو انسان بے مشقت کھا سکتا ہے اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے نہ بہت بلند ہے کہ یہ پھل لینا مشکل ہو جاوے اور اس میں معنیً اہلِ کمال سے پوری مشابہت بھی ہے کہ جس طرح وہ ظاہر وباطن میں یکساں ہیں یہ بھی ظاہر وباطن میں یکساں ہے۔ نہ چھلکا پھینکنے کے قابل نہ گٹھلی ڈال دینے کے لائق۔ دوم یہ کہ اہلِ کمال کی طرح یہ بھی لاف وگزاف سے مبرا ہے۔ پھل اور پھولوں کی بہار کا دعویٰ کرنے سے پہلے کمال مناسبت ہے اور اس سورۂ میں اہلِ کمال کا حال ہے اور اسی طرح زیتون کو بھی اہلِ کمال سے ظاہر وباطن میں کمال مشابہت ہے۔ زیتون کے فوائد بھی انجیر کی طرح بہت ہیں اس کے سوائے زیتون میں ایک اور بات بھی ہے جو انجیر میں نہیں وہ یہ کہ اس کے پھلوں کا تیل علاوہ سیکڑوں فوائد کے جلانے میں وہ روشنی

صاف دیتا ہے کہ ایسی اور نیلوں میں کم ہوتی ہے جس سے اہلِ کمال کی اس روشنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو دنیا کے ہر امر میں ان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں اور پل صراط پر دائیں بائیں دوڑتی چلے گی الغرض ان دونوں میں ایک عمدہ خوبی ہے اور ان کے لگانے سے اور پرورش کرنے میں بڑی دقت نہیں ہوتی بلکہ پہاڑوں میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں یہی حال اہلِ کمال کا ہے کہ آفرینش سے ان کی ذات میں صلاحیت رکھی ہوئی ہے چنداں تربیت کی حاجت نہیں برخلاف خاردار بے ثمر درختوں کے کہ ان کی کوئی لاکھ تربیت کرے پھر وہی کے وہی رہتے ہیں۔ (۲) قول یہ ہے کہ ان دونوں سے دو مبارک شہر مراد ہیں کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تین دمشق کا نام ہے اور زیتون بیت المقدس کا اور برکات ان دونوں شہروں کے بسبب مولد و مسکن ہونے حضرات انبیاء علیہ السلام کے مشہور ہیں جس سے اہلِ کمال کے پیدا ہونے کے مقامات کا ذکر کر کے ان اہلِ کمال کا یاد دلانا مقصود ہے (۳) قول یہ ہے کہ تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں اور یہی قول کاتب الحروف کے نزدیک قوی تر ہے کیونکہ توریت سفر استثنیٰ کی تیسویں باب کے شروع میں ایک بشارت ہے اور وہ یہ ہے۔ ''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔

اس کو تو اہلِ کتاب کے علماء بھی مانتے ہیں کہ سینا سے کوہِ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا ہے کہ کلام کا شرف دینا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے میں وہ اپنے خیال کے موافق توجیہ کرتے ہیں اور شعیر اور فاران بھی فلسطین کے پہاڑوں کا نام بتلاتے ہیں مگر کوئی تسلی بخش بات نہیں بتلا سکتے کہ فلسطین یا شام یا تیہ ہی کے پہاڑوں کا نام شعیر اور فاران ہے اور اگر تسلیم کر لیا جاوے تو پھر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا کے کچھ معنی نہیں بنا سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شعیر سے مراد بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ مگر اس پہاڑ کے کہ جس پر بیت المقدس شہر آباد ہے دو ٹکڑے ہیں ایک کو تو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے روز دس ہزار قدوسی یعنی پاکباز صحابہ آپ کے ساتھ تھے اور آتشی شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی جس نے بت پرستوں، منکروں، زناکاروں، بدکاروں کو جلا دیا۔ پس اس بشارت کے بموجب اللہ پاک ان چاروں مقدس جگہوں کی قسم کھاتا ہے جہاں سے نبوت و رسالت کے آفتاب و ماہتاب دنیا کو منور کرنے کے لیے جلوہ گر ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ آئندہ جو کچھ انسان کی سعادت و شقاوت کی بابت کہا جاتا ہے وہ لغو بات نہیں بلکہ ان چاروں جگہوں کے مقدس و ابرار حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول ہے کہ جن کو جہان مانتا ہے اور یہی تمام شرائع کا ماحصل اور خلاصۂ مطلب ہے۔

پس تین و زیتون سے شام کے مقدس پہاڑ مراد ہیں جہاں سے حضرت عیسیٰ و داؤد سلیمان و الیاس علیہم السلام وغیرہ اولوالعزم انبیاء برپا ہوئے اب خواہ تین سے دمشق کا پہاڑ مراد لو جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے اور اسی کے قریب ربیع اور ضحاک اور عکرمۃ کا قول ہے خواہ بیت المقدس کے سلسلۂ کوہ کو جو زیتون کے سواء ہے اور زیتون تو بیت المقدس کا پہاڑ ہے جیسا کہ عکرمۃ و کعب و قتادہ کہتے ہیں اور طورِ سینا سے بالاتفاق وہ پہاڑ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی اور فاران کی جگہ هذا البلد الامین فرما دیا جس سے بالاتفاق مکہ معظمہ مراد ہے۔ جو کوہ فاران پر آباد ہے چونکہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت علیہ السلام ممتاز نبی ہیں اس لیے ان کے مطلع الانوار مواضع کا جداگانہ نام لیا گیا اور یکے بعد دیگرے ترقی ہوتی گئی کیونکہ سب سے زیادہ مرتبہ مکہ معظمہ کا ہے وہیں کے آفتاب نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔ فائدہ: بعض عرفاء فرماتے ہیں تین سے شجرۂ روحِ قدسیہ کی طرف اشارہ ہے اور زیتون سے شجرۂ عقلِ قدسی کی طرف کہ اسی کی روشنی پھیلتی ہے اور طورِ سینین سے عارف کے قلب کی طرف اور بلد امین سے محبّ کے سینہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بے شمار اسرارِ الٰہی امانت رکھے ہیں۔ بہرحال ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کہ ہم نے انسان کو

بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا ہے۔ ع حق نے کھینچی ہے تیری تصویر اپنے ہاتھ سے اس کے تناسبِ اجزاء کو دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جائے ناک ہے تو کتنی اور کس موقع پر آنکھیں تو کیسی اور کس موقع پر بھوؤں اور پلکوں کی خوبصورتی اس نرگسی آنکھ کا (جس کی سفیدی اور سیاہی کبھی عاشق کو گمراہ کر رہی اور کبھی ہدایت پر لا رہی ہے) اور بھی حسن بڑھا رہی ہے۔ پھر ہاتھ، پاؤں ہیں تو ایسے قد ہے کہ سرو کو شرما رہا ہے رخساروں کی خوبی آفتاب و ماہتاب کو ماند کر رہی ہے۔ لال لب یاقوتِ بدخشان کو اور دردِ دنداں مروارید عدن کی لڑی کو شرما رہے ہیں اور حیوانات کو اور اس کو ملا کر دیکھا جائے تو قدرتِ حق کا تماشا نظر آئے پھر اس کے باطن میں کیا کیا قوتیں عطا کیں کہ اس کو قادر و مرید، سمیع و بصیر مدبر و حکیم و گویا بنا دیا۔ گویا اپنے صفاتِ عالیہ سے حصہ عطا کیا چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کو اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ حق سبحانہ شکل و صورت سے تو پاک ہے لیس کمثلہ شیء، افمن یخلق کمن لا یخلق کہ اس کی کوئی مثل نہیں اور خالق مخلوق جیسا نہیں پھر صفات ہی کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔ انسان باطنی لحاظ سے ایک عجیب مجموعہ ہے تمام عالم کا نمونہ ہے۔ سیکڑوں دریا جوش زن ہیں۔ سیکڑوں نہریں پڑی بہ رہی ہیں، سیکڑوں بلند پہاڑ اس میں موجود ہیں۔ آتش فشاں مادے بھی ہیں۔ ہیبتناک پر از ظلمات جہنم کے مشابہ عمیق گڑھے بھی ہیں جن میں گر کر نکلنا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پُرخار وادیاں بھی ہیں جن کے بھولے کو خضر ہی رستہ بتا دیں تو بتا دیں اب ان چار نہروں کو ہی دیکھئے کہ رات دن کس زور و شور سے بہا کرتی ہیں۔ شہوت کی نہر، غصہ کی نہر، طمع کی نہر، خیال کی نہر۔ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیر اور جو طغیانی پر آ جائیں تو پھر ان کے ڈوبے کبھی نہ ابھریں اسی طرح محبت و عشق کی نہریں، علم و ادراک کلیات و جزئیاتِ مادیہ و معانی مجردہ کے دریا رواں ہیں۔ قوائے ملکوتیہ کے بلند پہاڑ ہیں جن میں انجیر اور زیتون اور کیا کیا مفید اور پرثمر چیزیں ہیں اور قوائے بہیمیہ کے پرخار وادی اور ہیبتناک گڑھے بھی ہیں جن میں سانپ بچھو اور زہریلے جانور رہا کرتے ہیں اور عالمِ کبیر پر ظلمات کی رات اور انوارِ حق کا دن بھی آتا ہے اور تجلیِ ذات کا آفتاب اور نورِ روح کا ماہتاب اور انوارِ لطائف کے ستارے بھی چمکا کرتے ہیں یہ تو اس کی فطری حالت ہے اب جس نے اس کی اصلاح کی اور ان وادیوں اور گندہ نہروں اور ظلمات سے بچنے میں کوشش کی وہ سعادت کے ملک کا بادشاہ بن گیا اور جس نے کوشش نہ کی بلکہ خود انہیں کی طرف ان کا سبز باغ دیکھ کر جھک پڑا تو شقاوت کے عمیق گڑھے ہیں گرا جو نہایت نیچے ہے۔ اب ان دونوں حالتوں کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہوتا ہے ثم رددناہ اسفل سافلین کہ پھر ہم نے اس کو اس کے برے کرتوتوں کے سبب نیچے کے درجہ میں پھینک دیا یا کہو گرا دیا اور جس قدر سافلین ہیں یعنی فروتر اور پست درجہ کے یہ ان سے بھی فروتر ہو گیا اور حیوانات میں تحصیلِ کمالات کی استعداد نہ تھی اس لیے وہ فرو اور پست ہوئے مگر اس بدنصیب نے باوجود استعداد کے تحصیلِ کمالات میں کوشش نہ کی بلکہ نقص پیدا کر لیے۔ اس لیے اب ان سے بھی گیا گزرا ہوا۔ اسی بات کی طرف لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ چارپایوں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے۔ الغرض شیطان ہو گیا اور خبیثوں میں مل گیا۔ یہ ایک حالت ہے اور دوسری حالت کی طرف اس استثنیٰ میں اشارہ کرتا ہے الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون مگر وہ اس پستی سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یعنی قوتِ نظریہ و عملیہ کو درست کر لیا وہ ملکِ سعادت کے بادشاہ ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر اور نیک بدلے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کو ہر نعمت میسر ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو ہم نے نہایت خوشنما قالب میں ڈھالا عمدہ انداز پر بنایا۔ چڑھتی جوانی کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے۔ اس کی ایک حالت ہوئی اب اس کی مرضی بغیر اپنے آسمانی حکم سے اس کی حالتِ علو کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست تر حالت میں پہنچایا لیکن ایمانداروں نیکوں کو اس پر بھی دارِ آخرت میں ایک نئی زندگانی اور بلندی ہے جس کو اجرِ غیر ممنون سے تعبیر کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ع

پھر اس کے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے

ترکیب : فما استفہامیہ ای شی وقیل بمعنی من یکذبك الکاف مفعول یکذب و فاعلہ ضمیر یرجع الی ماوالباء للسببیۃ فی بالدین و الظرف متعلق بالفعل۔ اللہ فاعل لیس' باحکم الحاکمین خبرھا والاستفہام اذا دخل علی النفی صار الکلام ایجابا وتقریرا فما یکذبك الخ قال الفراء تقدیرہ فمن یکذبك یا محمد بعد ظھور ھذہ الدلائل بالدین وقیل الخطاب للانسان والمعنی فما الذی یلجئك بعد ظھور الامر ایھا الانسان الی تکذیب الجزاء۔

تفسیر : جب اے انسان! تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ حق نے تجھے عمدہ اور بہتر سے بہتر انداز اور شان میں پیدا کیا ہے اور پھر تیری حالت کو باعتبارِ ظاہر کے بھی ایسا پلٹا ہے کہ بوڑھا ہو جاتا ہے' نہ آنکھوں میں نور رہتا ہے' نہ چہرہ پر تازگی قدِ رعنا کمان کی طرح جھک جاتا ہے' دانتوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتی ہیں' بھاڑ سا پوپلا منہ کھلا برا معلوم ہوتا ہے اور صدہا نقصان پیدا ہو جاتے ہیں ع پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور باطن میں بھی تغیر ہوتا ہے کہ یا تو فطرت سادہ تھی پھر بُرے کاموں سے شیطان اور بھوت ہو جاتا ہے پھر اس صنعت وقدرت وکمال کے دیکھنے کے بعد فما یکذبك بعد بالدین وہ کونسی دلیل اور کونسی وجہ تیرے پاس ہے جو تجھے دارِ آخرت کے انکار پر مجبور کر رہی ہے یا کہو اے نبی علیک السلام! اس بیان اور ان حالات کے سننے کے بعد وہ کونسا تیرہ باطن ہے جو تمہیں قیامت اور اعمال کی جزاء وسزا کے معاملہ میں جھٹلا دے گا۔

اور اگر اس پر بھی باور نہیں الیس اللہ باحکم الحاکمین تو پھر کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور عقل کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء وعقلاء کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء وعقلاء سحر کار سب حاضر ہیں مگر وہ بھی جلیل و جبار کا زیرِ فرمان اسی طرح سے ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ فقیر ومفلس وبیکس اس بادشاہ کے ذاتی تغیرات لڑکپن اور جوانی اور بے اختیار بڑھاپا اور پھر بیماری وتندرستی پھر موت اور اس کے اعزہ کی بیماری اور موت اسی طرح سے ہے کہ جس طرح غریبوں کی۔ وہ بادشاہ ان میں سے ایک کو بھی ٹال نہیں سکتا۔ پھر جب دنیاوی بادشاہ اپنی عدالت کا قایم کرنا لوازمۂ سلطنت جانتے ہیں بدوں کو سزائیں دیتے ہیں' خیر خواہان سلطنت اور فرمانبرداروں کو انعام عطا کرتے ہیں پھر کیا وہ سب سے بڑا حاکم اپنے نافرمانوں سرکشوں' بندگان خدا پر ظلم وستم کرنے والوں' بدکاروں منکروں کو یوں ہی چھوڑ دے گا اور مطیع وفرمانبرداروں کی طاعت ضائع کر دے گا۔ ہرگز نہیں اور دنیا تو اس جزاء وسزا کا مقام نہیں کس لیے کہ یہ تو اخیر عمر تک دارالعمل ہے پھر ضرور ہے کہ اور دوسرا جہان دارالجزاء ہو اور یہی مدعٰی ہے یہ دوسری دلیل اثباتِ جزاء وسزا پر تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب کوئی اس جملہ الیس اللہ الخ کو پڑھے تو کہے بلیٰ وانا علی ذالك من الشاھدین کہ ضرور ہے اور میں بھی گواہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ترمذی وابن مردویہ وغیرہ نے۔ احناف کے نزدیک یہ جملہ نماز میں زبان سے نہ کہے صرف دل سے اور بیروں نماز کہے اور ائمہ ہر جگہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

(سورۃ اقرا مکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ

الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے سب کچھ بنایا جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے لکھنا سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جس کو وہ جانتا ہی نہ تھا۔

ترکیب : اقرء عند الجمھور بسکون الھمزۃ ھو امر من القراءۃ وعند البعض بفتح الراء علی انہ قلب الھمزۃ الفاء ثم حذفھا للامر۔ ومفعول اقرء محذوف ای ما یوحی الیک باسم ربك متعلق بمحذوف وھو حال ای اقراء متلبسًا باسم ربك۔ وقال ابو عبیدۃ الباء زائدۃ فھو مفعول اقرء والاسم صلۃ ایضاً والمعنی اذکر ربك وقیل الباء بمعنی علیٰ والمعنی اقرء ما تلی علیک علی اسم اللہ۔ وقیل الباء للاستعانۃ ای مستعینًا بہ۔ الذی الخ الجملۃ صفۃ لربك خلق الانسان الجملۃ تفسیر للجملۃ الاولیٰ وھی الذی خلق وقیل تخصیص بعد التعمیم۔ تشریف للانسان لما فیہ من بدیع الخلق وعجیب الصنع من علق الجار متعلق بخلق والعلق جمع علقۃ وھی الدم الجامد واذا اجری فھو المسفوح۔ ولم یقل من نطفۃ او من علقۃ رعایۃ للفواصل۔ اقراء تاکید و تقریر للاول۔ وربك موصوف الاکرم صفۃ الذی موصول علم بالقلم صلۃ والجملۃ صفۃ ثانیۃ فالموصوف مع الصفات مبتدء علم الانسان الخ الجملۃ خبر والمبتدء مع الخبر جملۃ اسمیۃ وھی حال من ضمیر اقراء۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور قرآن میں سے جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے اور صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایتِ صحیحہ اسی بات کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ پھر نون نازل ہوئی پھر مزمل پھر مدثر اور اس بحث کو ہم مقدمہ تفسیر میں لکھ آئے ہیں اور اس میں انیس آیات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ مدثر نازل ہوئی سو یہ روایت اس قول کے مخالف نہیں کس لیے کہ سب سے اول اس سورۂ اقراء کی یہی پانچ آیات ما لم یعلم تک نازل ہوئی تھیں اور پھر تعلیمِ سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور پھر چھ مہینے تک وحی بند ہو گئی پھر سب سے اول مدثر نازل ہوئی اور لگاتار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جو سب سے اول الحمد کا نازل ہونا ارشاد فرماتے ہیں وہ نماز اور تعلیم کے بارہ میں ہے اور جابر رضی اللہ عنہ جو مدثر کو اول کہتے ہیں اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وحی بند ہونے کے بعد جو سب سے اول نازل ہوا وہ یہی سورۃ تھی۔

اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کی کیفیت صحیح بخاری میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ پھر جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی بات صبح کی سفیدی کی طرح پیش آتی تھی اس کے بعد آپ کو خلوت نشینی کی طرف رغبت ہو گئی (کیونکہ ابتداء میں فراغِ خاطر لوگوں کے ساتھ میل جول ترک کیے بغیر میسر نہیں آتا) پھر آپ حراء پہاڑ کے ایک غار میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے چند رات دن وہاں رہا کرتے پھر گھر میں آ کر خدیجہ بیوی رضی اللہ عنہا کے پاس کھانے پینے کا سامان لے جایا کرتے یہاں تک کہ اسی غار حرا میں تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آپ کے سامنے آیا اور کہا کہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا نہیں جانتا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھینچ لیا اور بڑے زور سے بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر دوبارہ مجھے پکڑ کر بھینچا زور سے پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا پھر تیسری بار مجھے پکڑا اور بہت زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربك الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقراء وربك الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ کہ پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا بنایا انسان کو خون کے لوتھڑے سے پڑھ اور تیرے رب کریم جس

نے قلم سے لکھنا سکھایا انسان کو وہ بتایا جو جانتا نہ تھا۔

اس واقعہ میں جند نکتہ ہیں: (۱) کمالات میں ترقی بتدریج کرنا بنی آدم کی فطرت میں ہے اور اسی فطری قاعدے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ سے علومِ غیب کا القا ہوتا رہا تا کہ اور اسرارِ غیب اور ملکیتِ کبریٰ حاصل ہونے کی رفتہ رفتہ عادت ہو جائے۔ اس کے بعد اب دوسرا مرتبہ ترقی کا شروع ہوا وہ یہ ہے کہ عالمِ بیداری میں بحالتِ فراغِ قلبی عالمِ ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اس لیے آپ کو خلوت و عزلت کا شوق ہوا تب آپ غار حرا [1] میں بیٹھے جب اس عرصہ میں الواثِ بشریہ و کدورات بہیمیہ سے آئینۂ باطن بالکل پاک و صاف ہو گیا تو عیاناً جبریل امین تشریف لائے جو عالم ملکوت کے بادشاہ [2] ہیں۔

یہ ترقی کا تسیرا مرتبہ تھا (۲) یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھنے کو کہا تو آپ نے تین بار یہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یا میں نہیں پڑھتا جو ما انا بقاری کا ترجمہ ہے۔ اس میں سر یہ ہے کہ گو آپ بھی صاحبِ کمال تھے اور جو وہ پڑھاتے تھے آپ کے نزدیک آسان تھا۔ مگر جب ملکیتِ کبریٰ کا ظہور تام ہوا اور عالمِ غیب کے علوم سامنے آئے تو اگلا کمال اور فصاحت و بلاغت اس طرح لاشے ہو گئی کہ جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کے نور لاشے ہو جاتے ہیں اور یہ آپ پر ایک بارِ عظیم معلوم ہونے لگا۔ اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار لے کر بھینچا اور یہ ایک قسم کی توجہ ہے جس کو توجہ اتحادی کہتے ہیں اس کے سبب وہ بارِ گراں آسان ہو گیا اور جو پڑھایا پڑھنے لگے۔

واضح ہو کہ صوفیہ کرام کے نزدیک توجہ کی چار قسم ہیں: (اول) تاثیرِ انعکاسی اس میں کامل کا عکس مرید میں چمک جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی عطر مل کر کسی مجلس میں آوے اور ہمنشینوں کے دماغ میں اس کی خوشبو پہنچے مگر یہ اثر پائیدار نہیں اس کے اُٹھ جانے سے اُٹھ جاتا ہے بعد میں باقی نہیں رہتا (دوم) تاثیرِ القائی کہ اپنا اثر مریدوں پر ڈال دے اور وہ جب تک کوئی مانع نہ ہو قائم بھی رہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی چراغ جلا کر لاوے اور دوسرا اس سے اپنی بتی روشن کرے۔ سو یہ جب تک ہوا اور بارش وغیرہ کا صدمہ نہ پہنچے قائم رہے گی اور جس قدر اپنا تیل ہے اس کی مقدار پر روشن رہے گی۔ یہ اول سے قوی ہے۔ (سوم) تاثیرِ اصلاحی کہ مرشد اپنی روحانی طاقت سے مرید کے باطن کی اصلاح کر دے اور لطائف جاری ہو جاویں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی کاریگر کسی حوض کی نالیوں اور پانی کے آنے کی جگہ کو اور فوارہ کو صاف کر دے اور پانی ڈال کر فوارہ کو رواں کر دے یہ اول سے بھی قوی ہے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک جاری ہے کہ جب تک حوض میں پانی ہے اور نیز جس قدر پانی آنے کی نالیوں میں وسعت ہے اور جب تک ان نالیوں میں بہیمیت کا کوڑا کرکٹ نہیں آیا ہے۔ (چہارم) تاثیرِ اتحادی جو سب سے قوی تاثیر ہے اور وہ یہ کہ مرشدِ کامل اپنے روحانی زور سے مرید کو اپنے ضمن میں لے کر اپنی روح کو اس کی روح سے ایک کر دے اور جو کچھ کمالات اس کی روح میں ہیں وہ اس میں بھی آ جاویں یہ سب سے اعلیٰ تاثیر ہے اور اس میں بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔ اور یہ کوئی محال بات نہیں روحانی طاقتور کا تو کیا ذکر ہے بعض پرند جانوروں میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ دوسرے چھوٹے جانوروں کو ایک مدت میں اپنا سا ہی کر دیتے ہیں اور ان کے توالد و تناسل کا یہی طریقہ ہے۔ یہ توجہ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ پر کی تھی اور اس توجہ میں یہ کوئی ضرور نہیں کہ ہمیشہ اتحادِ ظاہری و باطنی باقی رہے۔ (۳) یہ کہ اس کے بعد آپ پر ایک عجیب

پہاڑ مکہ سے منیٰ کی جانب تخمیناً دو میل دور ہے۔ اسی میں وہ غار ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلِ نبوت خلوت گزیں ہوئے تھے اور یہیں وحی کا آنا شروع ہوا اور سب سے اول سورۂ اقراء کی یہ آیات نازل ہوئیں ۱۲ منہ

یہ شبہ کرنا (کہ اس سے پہلے آپ نے عیاناً جبرئیل کو دیکھا نہ تھا پھر جب وہ سورہ اقراء کی وحی لے کر غارِ حرا میں آئے اور آپ سے بار بار پڑھنے کی تاکید کرنے لگے تو آپ نے کیونکر پہچان لیا کہ یہ جبرائیل ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن بھوت ہو، محض خام خیال ہے کس لیے کہ جس کا ادراکِ باطن اس درجہ بڑھ جاوے کہ اس کو عیاناً ملائکہ دکھائی دینے لگیں اس کے نزدیک ان کا پہچان لینا بعینہٖ ایسا ہے کہ جیسا دوپہر میں آفتاب کا پہچان لینا جہاں دلیل کی ضرورت نہیں۔

حالت طاری تھی کہ بدن کانپ رہا تھا اس حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ اور آپ کو بیوی خدیجہ محض اپنی محبتِ شوہری کے جوش میں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ ان کو یہ کیا بات پیش آئی ہر چند خود خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تسلی بخش الفاظ کہے تھے کہ آپ غریب و بیکس کے چارہ ساز، مہمان نواز، حق پسند ہیں آپ کو کوئی آسیب و آفت خدا نہیں پہنچائے گا مگر پھر بمقتضائے محبت دل نے نہ مانا اور ورقہ پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ عیسوی مذہب کا عمر رسیدہ اور نیک شخص تھا تا کہ ان سے اصلی حالت دریافت کریں۔ ورقہ نے سب قصہ سن کر کہا کہ یہ ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ اور انبیاءِ اولوالعزم علیہم السلام کے پاس آیا کرتا تھا کہ کوئی خوف کی بات نہیں اور کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور جبکہ تیری قوم تجھے یہاں سے نکالے گی تو میں مدد کرتا۔ آپ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ایسا کون نبی ہے کہ جس کے ساتھ اس کی قوم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر چند روز کے بعد ورقہ مر گیا اس لرزہ آنے میں یہ حکمت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ غار کا قصہ بناوٹی ہے بلکہ اس کے آثار ظاہر جسم پر لوگوں نے دیکھ لیے اور ورقہ بھی حضرت پر ایمان لانے کے بعد چند روز میں مر گئے تا کہ کوئی یہ گمان نہ کرے یہ شریعت و احکام ورقہ سے سیکھے تھے۔

(اب میں) اس مقام پر حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی ابتدائی حالت اہلِ کتاب کی مسلم کتابوں سے دکھا کر موازنہ کرتا ہوں تا کہ کسی متعصب کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ انجیل متی کے تیسرے باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ پایا یعنی اُن کے مُرید ہوئے اور مریدی کی رسم ادا کی جو دریا میں غوطہ مارنا تھا اور جب دریا سے اوپر آیا تو اُس کے لیے آسمان کھل گیا اور خدا کی روح کبوتر کی مانند اُتری اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے پھر چوتھے باب کے اول میں ہے۔ تب عیسیٰ روح کے وسیلہ سے بیابان میں لائے گئے تا کہ اُنہیں شیطان آزمائے اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے آخر بھوکے ہوئے تب آزمائش کرنے والے نے اُن کے پاس آ کے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جاوے۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دے کر ٹال دیا پھر شیطان حضرت مسیح کو ہیکل یعنی بیت المقدس کے کنگورے پر چڑھا لے گیا اور کہا تو اپنے آپ کو نیچے گرا دے اگر سچا ہے تو فرشتے اُٹھا لیں گے ٹھیس بھی نہ لگے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش نہ کرنی چاہیے۔ تیسری بار پھر آزمایا کہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُس کی شان و شوکت دکھا کر کہا اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں تب مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے [1] کی بندگی کر۔ تب شیطان چھوڑ گیا اور مسیح علیہ السلام جلیل کو چلے گئے اور کفرناحوم میں جا رہے اور منادی کرنے لگے۔ انتہیٰ ملخصاً یہ ترقی اُس ترقی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی کم درجہ پر ہے۔ اول تو آنحضرت ﷺ کسی کے مرید نہیں ہوئے نہ کسی کے ہاتھ سے اصطباغ پایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے نہ کبوتر کی شکل میں اُن پر روح اُتری بلکہ عیاناً۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ ہے۔ تب اُس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حوریب کے نزدیک آیا اُس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اُس پر ظاہر ہوا اُس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ نزدیک آیا تو خدا نے اُسے بوٹے کے اندر سے پکارا کہ اے موسیٰ نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ الخ۔ توریت سفر خروج باب ۳۔ یہاں حضرت موسےٰ پر خدا نے درخت میں سے تجلی کی مگر وہ تجلی جو غارِ حرا میں ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کی تھی۔ کس لیے

---

[1] افسوس آج عیسائی تین کی بندگی کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کہ وہاں کسی ناسوتی شکل میں تجلی نہ تھی اور بلا کیف تھی اور تجلی کے بعد ناموسِ اکبر عیاناً دکھلائی دیا۔ اسی فرق اور امتیاز کو خدا تعالیٰ سورۂ نجم میں اور دیگر سورتوں میں جتلاتا ہے کہ ولقد رآہ بالافق المبین فاستویٰ وھوبا لافق الاعلیٰ ثم د نافتد لیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ ماکذب الفواد مارٰی افتمارونہ علی ما یرٰی۔ کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آسمان کے کنارے پر عیاناً دیکھا اور جبرئیل جبکہ بلند کنارے پر تھے سنبھلے اور نزدیک ہوتے گئے یہاں تک کہ کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اُس سے بھی کم قریب آ کر ہمارے بندہ کو جو کچھ وحی کرنا تھا وحی کیا (سورۂ اقراء کی یہ آیات) اور محمد ﷺ کے دل کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کیا اے لوگو! جو کچھ انہوں نے دیکھا اُس میں شک کرتے اور جھگڑتے ہو۔ رہا ورقہ کے پاس جانا یہ ایک انسانی فطرت کے باعث تھا اور ورقہ جانتے تھے اس لیے ایمان لے آئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں اقراء باسم ربك کہ اے نبی پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ اس کے دو معنی ہیں: اول یہ کہ باسم میں ب زائد ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ پڑھ اپنے رب کا نام یعنی اُس کو یاد کر۔ اور اسم کا لفظ اس مقام میں اس لیے آیا کہ ذاتِ حق کی طرف ابتدائی حالت میں بغیر ملاحظہ صفات کے رسائی نہیں اور اسم میں صفات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور اس لیے اس کے بعد منجملہ اور صفات کے صفت الذی خلق ذکر کی یعنی وہ جو پیدا کرتا ہے اور اُس میں شانِ ربوبیت بھی جلوہ گر ہے جو اول میں باسم ربك میں ظاہر کی گئی ہے اور اس لیے بسم اللہ نہ کہا بلکہ باسم ربك فرمایا تا کہ ذاتِ بحت کا ملاحظہ ابتدا میں شاق نہ ہو اور نیز ربک کے لفظ میں تسلی بھی ہے کہ کسی اجنبی کے نام یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ تمہارے اس خالق کا کہ جس نے اب تک تمہاری ظاہری اور باطنی پرورش کی اور کرتا ہے اور کرے گا اور یہ اُس کی صفتِ ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ تم کو تعلیم سے ترقی دے کر مخلوق کا ہادی بنانا چاہتا ہے۔ رب کا نام پڑھنا ہے یعنی اُس کا ذکر کرنا۔ عام ہے کہ زبان سے مع تعداد ہو یا بے تعداد یا محض قلب سے مگر اصل مقصود اس صفت کا استغراق اور مراقبہ ہے تا کہ اس آسان رستہ سے شاہدِ مقصود تک پہنچے اور اس آئینہ سے اُس کے جمالِ باکمال کا نظارہ کرے اور فی الحقیقت جملہ صفت باری سے اس صفتِ ربوبیت کی طرف جس قدر انسان کیا کل مخلوق کو فطرتاً دل بستگی ہے اس قدر اور سے نہیں کیونکہ دل تو اُس کا مشاہدہ ہر دم کرتا ہے کہ کسی دلیل و برہان یا کسی کے اظہار و بیان پر موقوف نہیں جس قدر جس کو ادراک ہے اسی قدر وہ اپنے اندر اُس کی شانِ پرورش کو ملاحظہ کر سکتا ہے۔ دوم اس میں جو مخلوق اور خالق میں رابطہ ہے اُس کا بھی کامل اظہار ہے۔ انسانی محاورے میں لفظ رب کی جگہ کبھی پیار سے باپ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ باپ میں بھی اپنے بچہ کے لیے ربوبیت کا ایک جلوہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کا استعمال کیا اور اے میرے رب! کی جگہ اے میرے باپ کہا مگر اُن کے بعد عیسائیوں نے یہی سمجھ لیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے بیٹے اور وہ اُن کا باپ ہے (اور یہ بھی معنی ہیں) کہ ب باسم ربک میں استعانت کے لیے ہے جیسا کہ کتبت بالقلم میں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے۔ کیا پڑھ؟ قرآن یا یوں کہو جو کچھ تجھے سنایا جاوے اور جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاوے۔

فائدہ: ہر چند حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ازل ہی میں پڑھائے جاتے ہیں اور مدرسۂ الٰہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پا کر دنیا میں مخلوق کو پڑھانے اور سدھارنے آتے ہیں مگر ظہور اُن کا اس عالم میں پیکرِ انسانی میں ہوتا ہے تا کہ اس مجانست سے بنی نوعِ انسان بآسانی تعلیم پا سکیں اور پیکرِ انسانی یہی خاک و آب وغیرہ عالمِ ناسوت کے کثیف اجزاء میں جن کی خاصیت جہل اور نسیان اور لذاتِ حسیہ پر فریفتگی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ کے دل کو بلوغ سے پہلے ہی سینہ چاک کر کے آبِ قدس سے دھو دیا گیا تھا تا کہ لذاتِ حسیہ کی فریفتگی اور جملہ تلویثات دور ہو جاویں اور بلوغ کے بعد ایک دوسرا عالم شروع ہوتا ہے۔ اس لیے بعد بلوغ بھی قلب مبارک کو آبِ قدس سے دھویا تا کہ تمام عمر خصائصِ ہیولانیت سے پاک اور مبرا رہیں پھر جب عالمِ ناسوتی میں عہدۂ رسالتِ کبریٰ عطا ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے عیاناً غارِ حرا میں وہ کچھ پڑھایا کہ اولین و آخرین کے جملہ علوم آپ کے بحرِ علوم کا ایک قطرہ ہو گئے اور ایسا پڑھایا کہ آپ نے اندھوں کی

آنکھیں کھول دیں، دلوں کے حجاب اُٹھا دیئے، مردہ اجسام میں نئی روح پھونک دی، جہلاء کو علوم کا چشمہ بنا دیا، کما قال تعالیٰ یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اور دراصل پڑھانے والا اللہ تعالیٰ تھا جبرائیل ایک واسطۂ درمیانی تھا اس لیے کمال پر پہنچ کر جبرئیل سے بھی بڑھ گئے اور اسی بات کی طرف باسم ربک الخ میں اشارہ ہے کیونکہ یہ انکشافِ علوم اسم ربک کی برکت تھی اول اسم ربک فرمایا تھا کہ رب کی شانِ ربوبیت جس میں تعلیمِ علوم بھی ہے اپنے اندر غور کرنے سے ظاہر ہو جاوے یہ شبہ انفس ہے۔ اس کے بعد آفاق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرماتا ہے الذی خلق کہ جس نے تمام مخلوق کو بنایا۔ اپنی ذات میں ربوبیت کا جلوہ دیکھنے کے بعد کہ اُس نے میرے ظاہر اور باطن میں کیا کیا صنعتیں صرف کی ہیں اور پھر کس طرح ہر لحظہ اُن کی تکمیل کے اسباب بہم پہنچا رہا ہے۔ مخلوق میں غور کرنے سے اور بھی حیرت ہوتی ہے اور مخلوق میں سے انسان سب سے زیادہ نمونۂ ربوبیت ہے اس لیے اس کے بعد فرمایا خلق الانسان من علق وہ رب کہ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ علق علقہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خونِ بستہ۔ مختلف غذاؤں نے ہضم کے بعد جسم میں ایک نیا رنگ بدلا اور سب کا عطر کھینچ کر ایک دوسرا جوہر تیار ہوا جس کو منی کہتے ہیں جس میں جملہ کمالات جو تدریجاً ظاہر ہوں گے ودیعت رکھے ہوئے ہیں یہ پہلا استحالہ یا اول ترقی تھی اس کے بعد جب وہ منی عورت کے رحم میں جاتی ہے تو چند روز کے بعد خون بستہ ہو جاتی ہے یہ دوسرا استحالہ ہوا۔ پھر یہ خون چند روز کے بعد ترقی کر کے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اُس کو مضغہ کہتے ہیں یہ تیسرا استحالہ ہوا۔ اب صناعِ حقیقی اُس میں سے مختلف اجزا ہاتھ پاؤں، سر، دل دماغ نمودار کرتا ہے اور ہر ایک عضو کی خاصیتیں اُس کو عطا کرتا ہے اب منی کے اندر جو کمالات ودیعت تھے خوب ظاہر ہونے لگے اب ایک ہی مادہ سے مختلف اجزاء بنانا اور اُن میں یہ حیرت انگیز نقاشی کرنا کیا طبیعتِ جسمِ بے تمیز کا فعل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا ماں باپ کی کاریگری ہے ہرگز نہیں ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور اب تک بھی جو جو مصلحتیں اور حکمتیں اُس کے اعضا میں رکھی ہیں ان کی بھی تشریح سے بڑے بڑے اطباء عاجز ہیں۔ قدرت کے بنائے ہوئے اعضاء میں کوئی جوڑ نہیں لگا سکتے اور نہ کسی میں کوئی زائد قوت رکھ سکتے ہیں پھر ماں باپ بے علم کو کیا تمیز پھر یہ کون کاریگر ہے اور کس کے مبارک ہاتھ اس اندھیر کوٹھری میں یہ حیرت بخش کاریگری کرتے ہیں؟ اُسی قادرِ مطلق اور حکیمِ برحق کے۔ یہ چوتھا استحالہ تھا۔

اس کے بعد اس میں حیات یعنی جان ڈالی جاتی ہے اور وہیں اس کے تغذیہ و تنمیہ کے سامان وہ ربِ حقیقی مہیا کرتا ہے اور رحم ہی میں یہ پورے انسان بن جاتے ہیں یہ پانچواں استحالہ تھا۔ الغرض جب وہ منی اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان ہو جاتی ہے اور حضرتِ انسان رحم سے باہر آتے ہیں تب اس پر ربوبیت کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ اول تو اُسی جسم میں اُس کے لیے غذا تیار کی۔ ماں کی پستانوں میں دودھ پیدا کیا۔ اس مرتبہ میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی غذا مفید ہے نہ آسان ہے۔ پھر اُس کو بھی دودھ پینا اور مُنہ سے چوسنا سکھایا۔ جب اس عرصہ میں اُس کی اور بھی تکمیل ہو گئی اور اُس کے جسم میں دوسری غذا کے لیے قابلیت پیدا ہو گئی، دانت نکل آئے، معدہ میں قوت آ گئی، دوڑ پھر [illegible] کے سامان بھی بہم پہنچ گیا تو دنیا بھر کا الوانِ نعمت سے بھرا ہوا دسترخوان اُس کے لیے بچھا دیا گیا۔ اب جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں۔ اب بولنے بھی لگے، حسِ ادراک بھی کرنے لگے اور اس میدان میں ترقی کرتے چلے یہاں تک کہ عقل ہیولانی کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقل بالفعل اور عقلِ کل تک جا پہنچے۔ اب تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ ان جملہ مراتب کو لحاظ کرے تو اس کی شانِ ربوبیت کا کامل جلوہ نظر آنے لگے اور یہ بھی جان لے کہ اُس کی ربوبیت، کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے عالم تک جاتا ہے جس کے لیے علومِ روحانیہ پڑھائے جاتے ہیں۔

فائدہ: منی کے مادہ کا ذکر چھوڑ کر خونِ بستہ کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ ماں کے رحم میں آ کر خونِ بستہ ہو جانا اول استحالہ ہے اور یہیں سے انسان کی عمارت شروع ہوتی ہے اور نیز عمارت تمام ہونے کے بعد بھی خون ہی کے زور پر قائم رہتی ہے۔ اسی سے اجزائے تحلیل شدہ

پھر تیار ہوتے جاتے ہیں اور اسی سے روحِ نفسانی اور حیوانی وطبعی بنتی ہے وہ ہی روحِ انسانی یعنی نفسِ ناطقہ کا مرکب ہے۔ بھلا کوئی کاریگر کسی مادہ سے ایسا خون بنا کر تو دکھادے۔ مضامینِ مذکورہ بالا جو شانِ ربوبیت یاد دلاتے ہیں ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اقراء پڑھ یہ کلمہ تاکید کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔

فائدہ: مفسرین نے اس کلمہ کے دوبارہ آنے کی بہت سی حکمتیں بتائی ہیں از انجملہ یہ ہے کہ اول بار جو اقرء فرمایا تھا اس سے مراد خود کا پڑھنا تھا کس لیے کہ آپ بظاہر اُمی تھے پھر جب تک کہ پہلے آپ کو نہ پڑھایا جاوے تب تک آپ اوروں کو کیا پڑھا سکتے تھے۔ اس لیے اُس کے بعد دوسرا اقراء فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو پڑھائیں آپ ہی اُستاد الکل فی الکل ہیں۔ یہ دستارِ فضیلت آپ ہی کے سر مبارک پر قضاء وقدر کے ہاتھوں نے باندھی ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ اقراء اول سے علومِ باطنیہ کے پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اور اقراءِ ثانیہ سے علومِ ظاہرہ کی طرف یا برعکس۔ از انجملہ یہ کہ اقراء اول کی اقرء دوم تاکید ہے جیسا کہ کہتے ہیں پڑھ پڑھ اور یہ اس لیے کہ آپ نے بھی کئی بار انکار ما انا بقارئ کہہ کر کیا تھا۔

یہ پڑھانا پڑھنے والے کے لیے ایک بڑا بھاری کام ہے بغیر مددِ غیبی کے ہو نہیں سکتا۔ اس لیے مددِ غیبی کا بھروسا دلانے کے لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا وربك الاكرم کہ تیرا رب کریم ہے اُس کرم اور فضل پر بھروسہ رکھو اُس کا کرم اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور تمہاری دستگیری کرے گا اور یہ بھاری کام تمہارے لیے آسان ہو جاوے گا۔ اور اُس کے کرم کا یہ ثبوت ہے کہ الذی علم بالقلم اُس نے انسان کو قلم یعنی لکھنا سکھادیا وہ مطالبات جو ذہن میں ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں جن کو لکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے اور بھولی بات کو لکھی دیکھ کر یاد کر لیتا ہے اور دوسرا شخص بھی گو سیکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہوں مگر لکھی ہوئی بات کو سمجھ لیتا ہے اور ایک کے سینے کا مضمون دوسرے کے سینہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔

قلم پر نہ صرف سلطنتِ تجارت وحرفت کا دارومدار ہے بلکہ دینی امور بھی قلم کے ذریعے سے آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور اُن کے علوم اور اسی طرح اولیاءِ کرام کے فیوض وبرکات جو پچھلوں کو پہنچے اور پہنچ رہے ہیں قلم ہی کے ذریعہ سے۔ اس لیے قلم کے محامد میں لوگوں نے بہت کچھ عمدہ مضامین لکھے ہیں۔

اور دوسرا ثبوت اُس کے کرم کا یہ ہے کہ علم الانسان مالم یعلم کہ انسان کو جس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ وہ خون کی ایک پھٹکی سے بنا ہے وہ چیزیں سکھائیں کہ جن کو وہ جانتا نہ تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اسرارِ غیب بتائے۔ بندوں کو نجات اور دنیاوی انتظام کے قانون سکھائے' عرفاء کو مواجید واشواق کے رستے بتائے' ذات وصفات کے علوم عطا کئے' حکماء کو صدہا علوم اور علوم کے اصول سکھائے۔ جن سے اُنہوں نے دنیا میں وہ وہ عجائب فنون ایجاد واختراع کئے جو حیرت بخش ہیں۔ عام ہے کہ قلم کے ذریعہ سے یا خود اس کے دل میں القاء کئے ہیں۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیمِ الٰہی کے دو طریقے ہیں ایک تعلیمِ قلم یعنی تعلیمِ کتابی یہ کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ دوم تعلیمِ روحانی یا لدنی جو وحی والہام کے ذریعے سے انبیاء کو ہوتی اور قرآن تعلیمِ لدنی ہے اور یہ قلم کے ذریعہ سے پچھلوں تک متوارث ہوتا رہے گا۔ بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد قلمِ اعلیٰ ہے یعنی روحِ اعظم جو واسطہ ہے علومِ غیبیہ کا۔ اس کے ذریعے سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔ فائدہ: انسان کو جن وسائل سے علم آتا ہے بہت سے ہیں۔ از انجملہ قلم ہے جس کا ذکر ہوا' از انجملہ حواسِ ظاہرہ وباطنہ ہیں۔ یہ جزئیاتِ مادیات کے علم میں کام آتے ہیں۔ از انجملہ استدلال ونظر وفکر ہے جو چند معلومات کے مرتب کرنے سے مجہول چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ از انجملہ کشف ہے۔ از انجملہ رویاءِ صادقہ ہیں' از انجملہ وحی والہام ہے۔ نجوم ورمل وجفر علم معین یقین کے ذرائع نہیں ان سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ظن ہے اور وہ کارآمد ہیں۔ اب ان بے انتہا نعمتوں کے بدلہ میں انسان اپنے منعم

سے کیا کرتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝٦ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨ اَرَءَيْتَ
الَّذِيْ يَنْهٰى ۝٩ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝١٠ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝١١ اَوْ اَمَرَ
بِالتَّقْوٰى ۝١٢ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝١٣ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝١٤

بے شک انسان تو سرکشی کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پرواجان رہا ہے۔ پھر کر تو تیرے رب ہی کے پاس جانا ہے۔ تم نے اُس کو بھی دیکھا جو بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ پر ہوتا یا پرہیزگاری سکھاتا۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر اُس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب | كلا فیھا اقوال (۱) انھا بمعنی حقا وھو مذھب الکسائی۔ لانہ لیس قبلھا ولا بعدھا شیء تکون کلا ردًّا الہ ذکرہ الجرجانی صاحب النظم (۲) روع وزجر لمن کفر الغامہ تعالیٰ بطغیانہ وان لم یتقدم لہ ذکر (۳) مذھب ابی حیان انھا بمعنی الَا التنبیہ نحو الا انھم ھم المفسدون فیقف علی ما قبلھا وعلی الاول الوقف علیھا ان راٰہ بالنصب قال الاخفش اصلہ لان راہ فحذفت اللام کما یقال انکم لتطغون اُن رایتم غناءکم۔ وقال ابن الصائغ ھو مفعول لہ ای یطغی لذاک۔ والرویۃ ھٰھنا بمعنی العلم ولو کانت بصریۃ لاجتمع الجمع بین الضمیرین فی فعلھا لشیء واحد لان ذلک من خواص علم و مثلہ فالمفعول الاول الضمیر فی رآہ والثانی استغنیٰ الرجعیٰ والرجوع والمرجع کلھا مصادر۔ والرجعیٰ علی وزن فعلیٰ۔ ارایت فی المواضع الثلاثۃ بمعنی اخبرنی لان الرؤیۃ سبب الاخبار عن المریٰ فاقیم مقام الاستفھام والخطاب لکل من یصلح لہ۔ ارایت فاعلہ الضمیر المستتر فیہ ای انت الذی موصول ینھی الضمیر الراجع فیہ الی الموصول فاعلہ عبدا مفعولہ اذا صلیٰ متعلق بینھی والموصول مع الصلۃ مفعول لرءیت والجملۃ الشرطیۃ (ان کان علی الھدی معطوف علیہ او امر بالتقوی معطوف) مفعولہ الثانی وجواب الشرط محذوف یدل علیہ قولہ الم یعلم الخ وارایت الثانی زائدۃ مکررۃ للتوکید ارایت الثالث مفعولہ الاول محذوف ان کذب و تولیٰ شرط الم یعلم الخ جوابہ والشرط مع الجواب مفعولہ الثانی فان قلت کیف صح ان یکون الم یعلم جوابا للشرط قلت کما صح فی قولک ان احسن الیک زید ھل نحن الیہ۔ الکشاف۔

تفسیر | کیا شکرگزاری اور نیازمندی کرتا ہے یا سرکشی اس کا بیان ان آیات میں ہے۔ کلا نہیں نہیں انسان شکرگزاری نہیں کرتا بلکہ ان الانسان لیطغیٰ انسان سرکشی کرتا ہے۔ اور یہ کس لیے کرتا ہے ان راہ استغنیٰ کہ وہ اپنے آپ کو اُس منعم کا محتاج اور دستِ نگر نہیں سمجھتا جانتا ہے کہ اب مجھے کیا پروا ہے مجھ میں زور ہے تو ایسا' میرے پاس مال واسباب ہے تو یہ کچھ' اور مجھے علم وعقل ہے تو یہ کچھ۔ جس کے آگے تمام حیوانات میرے غلام اور عناصر میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لا کر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سیکڑوں کوس اپنا مضمون پہنچا سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں کہ جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ابخراتِ مائیہ کے زور سے ہزاروں من بوجھ کھینچنے والی تیز چلنے والی ریل بنا سکتا ہوں۔ بخارات کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشین چلا سکتا ہوں' سمندر کے سفر کے لیے میں نے اپنے علم اور عقل سے وہ وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہو گئی اور انسانی علاج میں میں نے وہ وہ نسخے بہم پہنچائے کہ جن کو سن کر حیرت ہو جاوے۔ میں ہڈی کی جگہ اور ہڈی لگا سکتا ہوں اور بدن میں خونِ جدید پہنچا کر قوی کر سکتا ہوں۔ میں نے بارش کی حقیقت معلوم کر لی۔ اب جب چاہو چند گولے چھوڑ دوں اُن کے ابخراتِ اوپر کو جا کر بادل بن جائیں اور پانی برسنے لگے۔ میں بجلی بنا سکتا ہوں نوشادر اور جست اور تانبے کو ترکیبِ خاص سے ملا دوں تو وہی کڑک وہی چمک ہونے لگے۔ اب میں آسمان کی طرف کبھی غبارہ میں بیٹھ کر اُڑنے لگا ہوں۔ میں نے وہ وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ جن سے عالمِ غیب کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں کوس کے ستارے

میرے سامنے آجاتے ہیں وہاں کی چیزیں مجھے خوب دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے معاش میں وہ وہ کارآ چیزیں ایجاد کی ہیں اور وہ وہ پُر لطف مکان بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ وہ وہ باجے ایجاد کئے ہیں کہ چابی دینے سے خود بخود گھڑیوں بجتے ہیں اور سننے والے کو محو کر دیتے ہیں ہماری کوٹھی کا فرنیچر یعنی سامان کچھ جنت کے سامانوں سے کم نہیں۔ اب بھی میں بہت سی چیزوں کی تحقیق میں سرگرم ہوں پھر دیکھئے میں کیا ہو جاتا ہوں۔ خدا خدا رے کہاں ہے مجھے کوئی دوربین خوردبین یا اور کسی آلہ سے تو دکھائے۔ فلسفۂ جدید کہتا ہے۔ یہ ایک انسان کا خیال ہے جو پشت در پشت چلا آیا ہے عالمِ اجسام مادہ کے سبب موجود ہے۔ آپ ہی چیزیں بگڑتی بنتی ہیں۔ جیسا کہ دریا کے جوش میں پانی کے لیے بلبلے اُٹھتے اور بیٹھ جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کس نے روح کو دیکھا ہے وہ تو قطعاً مر جاتی ہے۔ پھر آخرت اور ثواب وعقاب کا جھگڑا محض ریفارمروں نے لوگوں کے سمجھانے ڈرانے کے لیے بنالیا ہے اور اس بغیر اُن کا کام بھی نہیں چلتا تھا۔ یہ ہے وہ انسان بدبخت' نمک حرام کی سرکشی جس نے اس خون کی بوند کو ایسا بنایا اور یہ کچھ سکھایا آج اُس سے اکڑتا ہے اور یہ سرکشی علیٰ قدرِ مراتب ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک اپنے حوصلہ کے موافق کرتے تھے آج کل جو علومِ جدید اور نیا فلاسفہ پھیلایا گیا اور عمدہ عمدہ سامانِ معاش بہم پہنچے تو صاف صاف بغاوت کی ٹھہرادی حالانکہ ابھی تو اس نمک حرام کو لاکھواں حصہ بھی نہیں بتایا ہے یہ خود جانتا ہے کہ فلسفۂ حال اور اُس کی تحقیق کسی حد پر جا کر ٹھہرا نہیں گئی ہے ہر روز اور ہر سال نئی نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں جن باتوں کا اگلے سال یقین تھا اب اُن کو غلط بتایا جاتا ہے۔ الغرض جن جن نعمتوں پر شکر کرنا چاہیے تھا اُنہیں پر اکڑنے لگا۔ کوئی حسن پر' کوئی حسب ونسب پر' کوئی مال وجاہ پر' کوئی علم وذہن پر' کوئی اولاد ولشکر وتخت پر بعض مفسرین انسان سے مراد آیت میں خاص انسان لیتے ہیں۔ مکہ کے کفار ابوجہل وغیرہ۔

اس بیان کے بعد انسانی سرکشی کو باطل کرتا ہے۔ فقال ان الی ربك الرجعٰی کہ بے شک تیرے رب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہر پھر کر اُسی کی طرف آنا ہوتا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں اول یہ کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ جن حکیموں فیلسوفوں نے یہ کچھ ایجاد و اختراع کئے ہیں آخر وہ بھی اپنی صحت اور جوانی کی بقا کی کوئی تدبیر نہیں کر سکے۔ دیکھ رہے ہیں کہ عمرِ رواں ہاتھ سے چلی جا رہی ہے' تندرستی اور جوانی کا قافلہ لُٹ رہا ہے' یکے بعد دیگرے اُس کے قویٰ جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ آخر ایک روز یہ سرکش لمبے چوڑے دعوے کرنے والا بھی چل دیتا ہے' بے حس وحرکت ہو کر گر پڑتا ہے اب اُس کی روح خدا کے پاس جاتی ہے اپنے کئے کا بدلا پاتی ہے۔ دوم یہ کہ باوجود ان نعمتوں اور ان علوم کے جو اس کو خدا نے تعلیم کئے اور جن پر یہ سرکشی کرنے لگا اور منعم سے اکڑ بیٹھا جب آن کر اس کی کوئی تدبیر بگڑتی ہے تو پھر خدا ہی سوجھتا ہے۔ اسی طرح وہ لشکر جن کے اسلحۂ جنگ پر ناز تھا شکست کھاتا ہے اور کوئی تدبیریں نہیں پڑتی تو خدا ہی کی طرف دل دوڑتا ہے بڑے بڑے حکیم وڈاکٹر جو اعجازِ مسیحا کے مدعی تھے جب تدبیر بگڑتی ہے اور کچھ بن نہیں آتی تو وہی سوجھتا ہے۔ بہرطور ہر حال اور شان میں اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان پر تمام تدابیر اور زوروں کے بعد ایک ایسی حالت بھی آتی ہے کہ جہاں بجز ناچاری کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ حالت ہے کہ جس کو رب کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی اندرونی آنکھیں روشن ہیں وہ تو اس وقت بھی دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر جان لیتے ہیں کہ تمام اسباب کا سلسلہ ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جو گمراہِ ازلی ہیں اور بالکل تیرہ باطن ہیں اور بہائم سے زیادہ اُن میں باطنی حس وادراک نہیں وہ اُس حالت میں بھی کہ جو رجوع الی اللہ کی حالت ہے دل سے رجوع نہیں ہوتے اور اُسی گمراہی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔ منجملہ اُس کے سرکشی کی ایک حرکتِ بدیہہ بھی ہے اریت الذی ینھٰی عبدا اذا صلی کہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو نماز اور رجوع الی اللہ سے روکتا ہے۔ آپ تو رکا ہوا تھا ہی اوروں کو بھی روکتا ہے۔ یہ گمراہی اور سرکشی کا کمال درجہ ہے۔ ابوجہل لعین نے بھی ایسا ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آ کر گلے میں پٹکا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی آنکھیں نکل آئیں اور کہا کہ اگر پھر کبھی تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں اور بلال رضی اللہ عنہ جو غلام تھے جب تک اُس کی ملک میں تھے ان کو نماز سے روکتا تھا۔ اس وجہ سے مفسرین نے کہہ دیا کہ یہ آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

فائدہ: نماز سے روکنے سے وہی روکنا مراد ہے جو عبادتِ الٰہی کا مخالف بن کر روکے۔ ورنہ بے قاعدہ اگر کوئی نماز پڑھے جیسا کہ اوقاتِ مکروہ میں یا غصب کی زمین میں یا فرائض وسنن کے علاوہ اور زیادہ نوافل میں نوکر یا بیوی مصروف ہو کر حرجِ کار کرے تو یہ روکنا وہ روکنا نہیں۔

اب یہ بتاتا ہے کہ بجائے اس سرکشی کے اُس کو یہ کرنا تھا۔ فقال ارایت ان کان علی الھدٰی اورامر بالتقوٰی کہ اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی وہ ناشکر متکبر باغی بن کر جو اوروں کو بھی خدا کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر بجائے اس گمراہی اور سرکشی کے خود ہدایت پر ہوتا یعنی سیدھی راہ چلتا جو انبیاء کی راہ ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے اوروں کو بھی تقوٰی وپرہیزگاری کی ہدایت کرتا حکم دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ گمراہی اور سرکشی کے بدلے ہدایت پر ہوتا اور لوگوں کے روکنے کے بدلے اُن کو بھی ہدایت کرتا مہدی اور ہادی ہوتا تو کیا بگڑ جاتا بر خلاف اس کے ضال ومضل بن گیا۔ نعمت کی شکرگزاری یہ ہے نہ وہ۔

فائدہ: لفظ و جس کے معنی یا کے ہیں انفصالِ حقیقی کے لیے نہیں صرف منعِ خلو کے لیے ہے کہ ان میں سے ایک نہ ایک بات ضرور کرنی تھی اور جو دونوں ہوتیں تو اور اچھا ہوتا مگر وہ بدنصیب تو ادھر آتا ہی نہیں اس بات کو اس جملہ میں ارشاد فرماتا ہے ارایت ان کذب وتولی الم یعلم بان اللہ یرٰی دیکھ تو سہی اگر اس بدبخت نے ارشادِ الٰہی کو جو اسی کی بہتری کے لیے تھا بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا ہے تو کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ بھی دیکھ رہا ہے۔ خلاصہ کلام اگر وہ خود بھی ہدایت پر ہوتا اور دوسروں کو بھی اور جو اس نے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا تو بھی خدا نیکی بدی کا بدلہ دیتا ہے پھر جو بندہ نیکی سے روکتا اور بدی کرتا ہے کیا اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا دیکھتا نہیں ضرور دیکھتا ہے۔ اس میں اجمالی طور پر اعتقادات کی جزاء وسزا کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حق سبحانہ لطیف وخبیر ہے کوئی جوہر اور کوئی عرض اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی علمِ حضوری کہ نہ ذہول ہے نہ نسیان اور یہ اس لیے کہ وہ خالق ہے اور جواہر واعراض مخلوق ہیں اور علت کو معلول کا علمِ حضوری ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت کہ وہ عادل ہے پھر اس کے نزدیک محسن اور مسی' نیک اور بد برابر کیونکر ہو سکتے ہیں اور قادر بھی ہے اور قدرتِ کاملہ کا ثبوت اس کے خالق ہونے سے بخوبی ہے۔ پھر قادر بھی ہو' عادل بھی ہو' عالم بھی ہو کہ اعمال تو اعمال دلوں کے خطرات بھی اس کو معلوم ہوں پھر اگر وہ نیک کو جزا اور بد کو سزا نہ دے تو عالم کی بادشاہی تو بڑی چیز ہے ایک گھر پر بھی حکومت نہیں کر سکتا اس لیے جس طرح اس کے فضل کا مقتضٰی یہ تھا کہ اس نے انسان کو یہ یہ نعمتیں عطا کیں اور علم کی دستار اس کے سر پر باندھ کر اور مخلوق کا سردار بنایا اسی طرح اس کے عدل و انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ ان نعمتوں کے شکر کرنے والے کو دنیا میں یا مرنے کے بعد جزاءِ خیر عطا کرے اور وہ کیا ہے حیاتِ جاودانی اور سرورابدی۔ اور شکر یہ کیا ہے ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور یہ خیال رکھنا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دل سے اس محسن کی محبت کرنا اور ناشکری کیا ہے کفر اور طغیان اور نیکی سے اوروں کو بھی روکنا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اسی کی تصریح فرماتا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ
نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ ع

خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ جو جھوٹا اور گناہ گار ہے لے اب بلا لے گا اپنی مجلس کو ہم بھی اپنے پیادے بلاتے ہیں خبردار۔ اس کا کہنا نہ مانیو اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو جاؤ۔

ترکیب ؛ کلا۔ زجر للناہی عن الصلوٰۃ والخیرات۔ لئن شرطیۃ واللام مؤطۃ للقسم ای واللہ لئن لم ینتہ عما ھو علیہ شرط النسفعناہ الخ جواب الشرط۔ واصلہ لنسفعن۔ صیغۃ جمع المتکلم مع لام التاکید ونون الخفیفۃ للتاکید۔ السفع القبض علی الشیء وجذبہ بشدۃ (کشیدن) یقال سفع یسفع (سفع موئے پیشانی گرفتن (عع فتحہما) یقال بہ سفعۃ من الشیطان ای مس وسوختن آتش وسموم روی دادرنگ گردانیدن۔ (سفعہ بالضم سیاہی کہ بسرخی زند) صراح وقری لنسفعن بنون مشددۃ ونون الخفۃ تبدل بالالف فی الوقف لسکونھا وانفتاح ماقبلھا۔ وکتبت فی المصحف بالالف علی حکم الوقف۔ ولما علم انھا ناصیۃ المذکور اکتفی بلام العھد عن الاضافۃ فقیل بالناصیۃ ناصیۃ بدل من الناصیۃ وجاز بدلھا عن المعرفۃ لانھا وصف بکاذبۃ خاطئۃ فاستقبلت بقائدۃ وصارت کالمعرفۃ وقرءت ناصیۃ بالرفع علی انھا خبر مبتدء ای ھی وقرءت بالنصب علی الذم۔ ووصف الناصیۃ بالکذب والخطاء وھما لصاحبھا علی الاسناد والمجازی للمبالغۃ والنصابیۃ شعر مقدم الراس۔ النادی المجلس الذی یندی فیہ القوم ای یجتمعون المراد اھل النادی (نداء بالکسر والمد آواز دادن وخواندن وقد یضم ایضا مثل دعا وغاء مناداۃ مشلہ وتنادوا ای نادی بعضھم بعضا ندی ندوۃ نادی مجلس انجمن) صراح الزبانیۃ قال الکسائی والاخفش وعیسیٰ بن عمر وجمع زابن وقال ابوعبیدہ جمع زبینۃ۔ وقیل زبانی بتشدید الیاء وقیل ھو اسم الجمع لا واحد لہ من لفظہ کعبادیہ وابابیل۔ واصل الزبن الدفع فالعرب تطلق ھذا الاسم علی من اشتد بطشۃ قال قتادہ ھم الشرط[1] قرء الجمھور سندع بالنون ولم یرسم الواو کما فی قولہ یوم یدع الداع۔

تفسیر ؛ کلا۔ خبردار یہ اس ناشکر کو جھڑکی ہے۔ واضح ہو کہ لفظ کلا کے کلام عرب میں کئی معنی ہیں۔ کبھی بمعنی بے شک وتحقیق کے آتا ہے کبھی حرف تنبیہ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ الا اس کے معنی ہیں دیکھو۔ کبھی تنبیہ وزجر وتوبیخ کے لیے آتا ہے جس کے معنی ہیں خبردار۔ یا نہیں نہیں اس جگہ اس معنی میں مستعمل ہے اور یہ کلمہ قرآن مجید کے نصف اول میں مستعمل نہیں ہوا نصف اخیر بالخصوص آیات وسورۂ مکیہ میں آیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مکہ کے لوگ کفر وبدکاری اور بیہودہ گوئی پر اصرار اور ہٹ دھرمی زیادہ کرتے تھے۔ اس جھڑکی کے بعد فرماتا ہے لئن لم ینتہ لنسفعا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ اگر وہ بدکیش ناشکر کافر اس پر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر کھینچیں گے یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر جو خطا کار اور چھوٹی پیشانی ہے۔

فائدہ: پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے مراد سر کا ذلیل وخوار کرنا ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ انجام کار ایسے متکبر وکافر سخت رسوا اور بہت ذلیل ہوتے ہیں۔ خدائے جباران کے سب زور توڑ دیا کرتا ہے۔ کوئی تدبیر نفع نہیں دیتی اور جو کسی مصلحت سے دنیا میں چند روز مہلت بھی دی تو مرنے کے بعد تو یہی سزا ہے سفع کے معنی گھسیٹنے کے بھی ہیں اور سیاہی کو بھی کہتے ہیں اس لیے دوسرے معنی پر خیال کر کے علماء نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ ہم اس کو روسیاہ کر دیں گے۔

فائدہ: پیشانی سر میں ایک نمود کی چیز ہے اور سر ہی تمام غرور اور بطالت کا خزانہ ہے اس لیے ذلیل کرنے میں پیشانی کا ذکر کیا اور اس لفظ سے تعبیر کیا اور چونکہ یہ پیشانی یعنی سر غرور اور خیالاتِ بیہودہ کا مخزن ہے دماغ ہی میں یہ لغویت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو خاطیہ یعنی خطا کار کہا یعنی غلط خیالات کا مخزن اور اس میں جھوٹی تمنائیں بھی ہوتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہم نے عزت حاصل کی خدا کے ہاں بھی حاصل کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کو کون سزا دے سکتا ہے اس لیے اس کو کاذبہ یعنی جھوٹی بھی فرمایا یعنی وہ علوم جو اس کو راہِ حق سے روکے ہوئے تھے بطالت وکذب تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پیشانی خاطئہ کاذبہ ہونے سے مجازاً پیشانی والا مراد ہے۔

فائدہ: خاطی اور مخطی میں فرق ہے۔ اول وہ جو دیدہ دانستہ کوئی برا کام یا غلط کاری کرے۔ دوم وہ جو بھولے سے۔ اول کی سزا جہنم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے من غسلین لا یاکلہ الا الخاطئون۔ دوسرا قابلِ درگزر ہے جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا کہ اے ہمارے رب بھول اور نادانستہ خطا پر ہمیں نہ پکڑنا۔

---

[1] سپاہی پیادہ۔۱۲

اگر اس پر بھی بس نہ ہو اور یہ سمجھے کہ ہم کو کون پکڑ سکتا ہے جیسا کہ ابوجہل لعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز اور قرآن پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اب دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے قہر سے ڈرو۔ وہ چاہے تو تیری گردن توڑ ڈالے۔ اس پر اس نے کہا میری گردن کون توڑ سکتا ہے اگر میں اپنے اعوان وانصار تو کیا ہر وقت مجلس اور دربار کے بیٹھنے والوں کو بھی کہوں اور ان کو بلاؤں تو آدمیوں سے جنگل بھر دوں۔ اسی طرح ہر سرِ پر غرور کو خیال ہوتا ہے تو حق سبحانہ فرماتا ہے جب اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹیں اور اس کو ذلیل وخوار کرنا چاہیں تو فلیدع ناديه وہ اپنی مجلس اور اعوان وانصار کو بلا لے دیکھیں کون آ کر ہمارے مقابلے میں اس کو بچاتا ہے؟ کس لیے کہ سندع الزبانیۃ ہم بھی اپنے جلادوں کو بلائے لیتے ہیں خدا تعالیٰ کے جلاد وقہرِ الٰہی کے فرشتے ہیں جن کے مقابلے کی کسی کو بھی طاقت نہیں اور نیز وہ حوادث وہولناک وقائع ہیں جو دنیا میں پیش آتے ہیں اور پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتے۔ وباء، قحط، بیماری، تنگ دستی، بے عزتی، نفاق باہمی، بزدلی، سوءِ تدبیر، کا ہلی، غلبۂ اعداء وغیرہ بھی آسمانی جلاد ہیں۔

فائدہ ۴: پھر جب ایک بار حسبِ دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابوجہل لعین نے دیکھا اور حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔ جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا پچھلے پاؤں جلدی سے لوٹا۔ لوگوں نے دیکھ کر پوچھا تو کہا میرے اور اس کے درمیان ایک آگ کی خندق تھی اور پروں کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا اگر وہ میرے ہاتھ لگاتا تو اس کو فرشتے اچک لے جاتے اور تم سب کے سامنے پرزے پرزے کر ڈالتے (رواہ مسلم واحمد ونسائی وغیرہم)

آخرش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی میں اس واقعہ کے بعد ابوجہل بہت سے بہادروں کو لے کر نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں نکلا حالانکہ اس کی جمعیت سہ چند تھی مگر جب فہرمانِ الٰہی نازل ہوا تو اس کی مجلس وجلیس کچھ کام نہ آئے اور بہت سے مارے گئے اور بہت بھاگے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور یہ بھی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹی اور کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک گڑھے میں لا کر ڈال دیا گیا۔ خدا کے قہر سے ڈرتا رہے۔ آج وہ پرغرور جھوٹی اور خطا کار پیشانی کس ذلت سے میدانِ بدر میں گھسیٹی گئی۔

اس تہدید کے بعد اہل اللہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کلا کہ ہرگز ہرگز لاتطعہ اس کافر بدکیش ناشکر کا کہنا نہ مان جو تجھے نماز وتقرب وعبادات الٰہی سے روکتا ہے بلکہ اسجد اپنے رب کو کہ جس نے تجھے یہ نعمتیں دیں علم دیا سجدہ کر اور اس کے آگے جھک۔ بندہ کی یہی سعادت مندی ہے کہ اپنے آقا اور محسن کے آگے جھکے۔ سجدہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک نماز ہے اس افضل جزء سے کل کو تعبیر کیا اور اس کی افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ سر پرغرور کہ جس کو ناشکرا اونچا رکھتا ہے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ انسان کے تمام جسم میں افضل جزء ہے یہ کمالِ نیازمندی کی دلیل ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب کو سجدہ کرتا رہتا ہے تو نہایت قریب ہو جاتا ہے (رواہ مسلم) اور اسی لیے غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہو گیا۔ بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

اور اے بندے! اس سجدہ سے اقترب اس کا قرب حاصل کرنا۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسی قدر قرب حاصل ہوتا ہے اور سجدہ افضل عبادت ہے اس لیے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے اس لیے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز تھا۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں سے اخیر موقع ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے کہ کلا لئن لم ینتہ الخ خاص ابوجہل کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور خطاب کے صیغوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ قدر مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

ہم نے اتارا ہے اس کو شب قدر میں اور تو کیا جانے کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر سلامتی کی رات ہے وہ صبح روشن ہونے تک۔

ترکیب ؛ انا مبتداء انزلناہ الضمیر یرجع الی القرآن وان لم یتقدم ذکرہ لکونہ معھودا معلومًا فی متعلق بانزلنا والجملۃ خبر المبتدء۔ وما ادراک الجملۃ استفہامیۃ لبیان عظم شان لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر مبتدء خبر من الف شھر خبرہ والجملۃ التامۃ جواب الاستفھام۔ تنزل بحذف احدی التائین من الاصل۔ الملائکۃ فاعلہ وتانیث الفعل لاعتبار جمعیۃ الفاعل ای متلبسین والروح معطوف علی الملائکۃ۔ فیھا ای فی لیلۃ القدر والجار متعلق بتنزل باذن ربھم متعلق تنزل اوبمحذوف ھو حال من فاعلہ ای متلبسین باذن ربھم ای بامرہ۔ من کل امر ای من اجل کل امر وقیل من بمعنی اللام ای لکل امر وقیل بمعنی الباء ای بکل امر۔ متعلق بالفعل السابق۔ والفعل مع متعلقاتہ جملۃ مستانفۃ مبنیۃ لوجہ فضیلۃ لیلۃ القدر وتم الکلام عند من کل امر۔ ثم ابتداء فقال سلام ھی فی سلام وجہان الاول بمعنی مسلمۃ ای تسلیم الملائکۃ علی المومنین او تسلیم بعضھم علی بعض فعلی ھذا ھی مبتداء مؤخر وسلام خبر مقدم وحتی متعلقۃ بسلام ای الملائکۃ مسلمۃ ای مطلع الفجر والثانی بمعنی سلامۃ ویجوز الوقف علیھا ویکون المعنی سلام من کل امر ھی حتی مطلع الفجر۔ یجوز ان تتعلق حتی بسلام اور بتنزل مطلع بکسر اللام وفتحھا لغتان وقیل الفتح اولی۔

تفسیر ؛ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورۃ کہاں نازل ہوئی! ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس وابن زبیر وعائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور واقدی بھی یہی کہتے ہیں۔ قول اول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ اس کی پانچ آیت ہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو سورۂ اقراء سے یہ ہے کہ سورۂ اقراء میں بشر پر الطاف اور اس کے ترقیات کا اور پھر اس کی سرکشی اور سرکشی سے باز نہ آنے پر سزا کا ذکر تھا اس سورہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان ترقیات والطاف کے سوا ہم نے انسان پر دو اور بے انتہاء عنایت کی ہیں (۱) یہ کہ اس کی تہذیب اور دارین کی سعادت کے لیے ہم نے قرآن نازل کیا یعنی اس کو اس علم پر نہیں چھوڑا بلکہ علم الانسان مالم یعلم کے پورا کرنے کے لیے آپ اس سے بواسطہ جبرائیل اور پیغمبر علیہما السلام کے کلام کیا اور خود اس کو آئندہ سعادت کی باتیں سکھائیں اور ہادیہ میں گرانے والی باتوں سے بچایا (۲) یہ کہ جس طرح دنیاوی شہنشاہوں کے ہاں ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں الطاف وعنایت خسروانہ بے شمار ہوتی ہیں' انعامات بٹتے ہیں' فرمانبرداروں کے لیے ترقی درجات ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی انسان کے لیے ایک رات سال بھر میں ایسی رکھی ہے اگر یہ اس میں ہماری طرف توجہ کرلے اور عبادت واستغفار کرے تو اس کو بے انتہا انعامات ملیں' دعائیں قبول ہوں' اس

کے گناہوں سے درگزر ہو اور برسوں کی عبادت سے یہ عبادت افضل ہے اور وہ لیلۃ القدر کا وقت ہے۔ ان دونوں باتوں کا اس سورۂ مبارکہ میں ذکر ہے اور یہ رحمتِ خاص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے پیروؤں کے لیے ہے اور سر اس میں یہ ہے کہ پہلی اُمتوں کی عمریں دراز اور قوی تیز تھے اس لیے ان کے لیے عمل اور احکام کی پابندی کی بھی مشقت زیادہ تھی کئی کئی سو برسوں کی عمریں ہوا کرتی تھیں اور ان میں وہ کیا کیا ریاضاتِ شاقہ کرتے تھے اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میری امت اور اگلی اُمتوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کسی نے نصف دن تک ایک معین اجرت پر کسی کو کام پر لگایا اور پھر نصف دن سے لے کر عصر تک اسی کام اور اسی اجرت پر دوسرے کو معین کیا اور پھر عصر سے لے کر غروب تک دوگنی اجرت پر تیسرے شخص کو معین فرمایا۔ پہلے نے کہا میرا وقت اتنا اور مزدوری اسی قدر کہ جس قدر نصف دن سے لے کر عصر تک والے کی ہے اور اس کا وقت مجھ سے نصف۔ پھر دوسرے نے بھی تیسرے کی نسبت یہی شکایت کی ہے کہ اس کا وقت مجھ سے کم اور اجرت دوچند۔ مالک نے فرمایا کہ یہ میری عنایت ہے جس پر چاہوں کروں مگر تمہارے حق میں سے تو میں نے کوئی کمی نہیں کی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ پہلا شخص یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اور دوسرا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور تیسرا میری امت ہے تمہارے لیے وقت کم اور اجرت دوچند ہے۔ (اس کو امام مالک وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے) اور مقتضائے رحمتِ تامہ (کہ جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التماس کی تھی اور جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ فساکتبھا للذین الامی الخ کہ میں اس کو نبی امی کے حصہ میں لکھے دیتا ہوں اور کتب سابقہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ میں ایک نئی قوم پیدا کروں گا اور وہ میری قوم کہلاوے گی اور وہ ابد تک مبارک ہوگی میں اپنے دستِ شفقت کو ان سے نہ اُٹھاؤں گا الخ یہی تھا کہ اس امت اور اسم بارک قوم کے لیے ایک رات تقریبِ الٰہی میں ہزار راتوں سے بڑھ کر بنائی جائے گی تاکہ یہ لوگ تھوڑی عمر اور تھوڑے زمانہ میں وہ تقریب حاصل کریں جو اوروں کو سیکڑوں برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ گویا وصل الی اللہ کے پہلے بیل گاڑی تھی پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں گھوڑا گاڑی بنی اور آخر الزمان نبی کے عہد میں ریل یا اس سے بھی جو کوئی تیز اور آرام کی سواری ہو وہ بنی۔ جلد شہرِ مقصود تک تھوڑی سی دیر میں پہنچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جوگی اور گسائیں اور پادریوں میں راہب کیا کیا مشقتیں اُٹھاتے ہیں اور کیسی کیسی سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر ان پر تقریبِ الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا۔ باطن میں وہی تاریکی باقی رہتی ہے جو کبھی کسی جھری یا سوراخ میں سے کچھ چمک پڑ گئی تو کس حساب میں ہے۔ برخلاف طریقۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یہاں تھوڑی دیر میں اور بہت آسانی سے کشودِ کار ہوتا ہے پھر جو کوئی اب بھی ادھر نہ آئے تو بڑا ہی بدنصیب ہے ذرا اس مے کو پی کر تو دیکھے۔ ان سب باتوں کا ذکر اس سورۂ مبارکہ میں ہے گویا یہ شوق دلانے کے لیے اعلانِ شاہی فرماتا ہے انا انزلنہ فی لیلۃ القدر کہ خاص ہم نے نہ کسی اور نے اس کو یعنی قران کو جس کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں غلغلہ مچا ہوا ہے کسی ایسے ویسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس خاص وقت میں یعنی لیلۃ القدر میں۔

اب اس جگہ ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باتفاق مؤرخین قرآن مجید تیئس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔ اور سب سے اول جو سورۂ اقراء مالم یعلم تک نازل غارِ حرا میں ہوئی تو شوال کا مہینہ تھا اور غالبًا اول عشرہ تھا پھر یہ کیونکر صحیح مان لیا جاوے کہ قرآن مجید کو ہم نے شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انزال[1] اور تنزیل میں فرق ہے۔ تنزیل ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال ایک بار۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تنزیل تیئس برس میں ہوئی اور ابتدائے تنزیل ماہ شوال میں ہوئی مگر اس

[1] ایک سوال انا انزلناہ پر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی تو قرآن کا جز ہے۔ پھر جب انزلناہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے تو اس میں یہ جملہ داخل نہیں ہو سکتا ورنہ حکایت ومحکی عنہ کا اتحاد لازم آجائے گا۔ اس کا جواب بچند وجوہ ہے کہ گو انزلناہ میں ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کا اطلاق جزء اور کل سب پر ہوتا ہے ایک آیت یا سورہ کو بھی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ مجموعہ کو پس ضمیر قران کے ان اجزا کی طرف پھرے گی جو سب سے اول لیلۃ القدر میں نازل ہوئے اور بھی جواب ہیں۔ ۱۱ منہ

آیت میں انزال کا ذکر ہے نہ تنزیل کا۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کل ایک بارگی شبِ قدر میں جو رمضان کے مہینے میں واقع تھی (جیسا کہ اسی لحاظ سے فرمایا گیا۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن کہ رمضان کا وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا)۔ لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے حسبِ حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ہر کلام کو اس کے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے اور ترتیبِ اصلی قرآنِ مجید کی یہی ہے جو اب موجود ہے اور اسی ترتیب سے لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں اُوپر سے لا کر رکھا گیا تھا۔

پھر یہ بات دریافت طلب ہے کہ لوحِ محفوظ کیا ہے اور بیت العزۃ کیا ہے اور کیا قرآن کاغذوں پر معمولی سیاہی سے لکھا ہوا مجلد بیت العزۃ میں آیا تھا؟ اس کی تشریح ہم مقدمۂ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوحِ محفوظ کوئی لوہے یا چاندی یا سونے یا لکڑی کی تختی نہیں۔ بلکہ وہ علمِ الٰہی کا تعین اور مرتبۂ اثبات ہے جس میں ہر ایک چیز کا علم دوسری چیز کے علم سے متعین و ممیز ہے باتمیازِ خاص ورنہ ذاتِ بحت کے مرتبہ میں بھی اس کے علوم ناقص اور غیر متمیز نہیں۔ اس مرتبہ کو لوح سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں ایک مطلب کو دوسرے مطلب سے امتیازِ خاص ہوتا ہے اور یہ امتیاز اس سے جدا ہے جو لکھنے والے کے ذہن میں پہلے تھا کس لیے کہ وہ مرتبہ مکفی و مکنون تھا یہ لوح کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہے وہ خود پڑھ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ عالمِ شہود میں یہ مرتبہ اپنے اپنے مناسب کسی شکلِ نورانی میں متمثل بھی ہو جس کو عالمِ جسمانی میں لوح سے کمال مشابہت ہو اور بیت العزۃ اس کے بعد اور دوسرا مرتبہ علم و امتیاز کا ہے کہ جو اعلیٰ طبقہ کے ملائکہ کے اوپر ظاہر و منکشف ہے اور ممکن ہے کہ اس مرتبہ میں قرآن کی حقیقت اپنے مناسب صورت میں متمثل ہو جس کو نوشتۂ کتاب سے نہایت مشابہت ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۔ لیلة القدر کیا ہے۔ قدر مصدر ہے قدرت القدر کا اور قَدَر اور قَدْر سکونِ دال اور اس کی حرکت سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ فرق ہے کہ بالسکون مصدر و بالفتح اسم ہے۔ واقدی کہتے ہیں قدر کے لغت میں معنی ہیں اندازہ کرنا اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہتے ہیں لفلان قدر عند فلان کہ فلاں شخص کے نزدیک قدر یعنی عزت ہو (کبیر)

اب دونوں کے معنی کے لحاظ سے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہنے کی علما نے کئی وجہ بیان فرمائی ہیں: (۱) ابن عباس فرماتے ہیں اس رات کو اس لیے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات میں برس بھر کی آنے والی بلائیں عالمِ بالا میں مقدر و معین کی جاتی ہیں کسی کا مرنا، بیمار ہونا، رزق کی فراغدستی، عزت و ذلت جو کچھ سال بھر میں اس جہاں میں ظاہر ہوگا وہ سب اس رات میں عالمِ بالا میں مشہور کر دیا جاتا ہے اور ہر ایک کام پر ملائکہ معین کر دیے جاتے ہیں۔ (۲) یہ کہ اس رات عالمِ بالا کے روحانیات اس قدر زمین پر آتے ہیں کہ گویا زمین میں تنگی ہو جاتی ہے گنجائش نہیں رہتی اور تنگی کے معنی میں بھی یہ لفظ قران مجید میں مستعمل ہوا ہے ومن قدر علیه رزقه۔ (۳) زہری فرماتے ہیں اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات نیک بندوں کی خدا تعالیٰ اور عالمِ بالا کے لوگوں کے نزدیک نہایت قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اہلِ صفا سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور عام ایمانداروں کو بھی چھوتے ہیں گو ان کو محسوس نہ ہو جس کا اثر ان کے دل میں رقت اور گناہوں پر رونا اور دُعا کرنا ہوتا ہے اور ان کے اعمالِ حسنہ کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ (۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں اس لیے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ نے کتابِ قابلِ قدر امتِ قابلِ قدر کے لیے رسول صاحبِ قدر کی معرفت نازل فرمائی اور اسی لیے یہ لفظ تین بار آیا اور اس لیے بھی کہ اس رات کی قدر کرنا چاہیے۔

یہ رات کب آتی ہے؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سال بھر میں ایک بار مہینے کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے۔ پھر اکثر اسی پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں تلاش

کرنا چاہیے اور بعض نے خاص ستائیسویں رات کی بابت زور دیا ہے اور احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔

اس کے اخفاء کی حکمت:

اور حکمت اس کے اخفاء میں یہ ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے، گناہوں سے بچے ورنہ خیر رمضان شریف اور خصوصاً عشرہ اخیرہ میں تو بڑی کوشش کرے۔ نیکی کرنا تو اس رات میں بڑی قبولیت کا باعث ہے مگر اس رات گناہ کرنا بھی قہرِ الٰہی کا سبب ہے جیسا کہ کوئی خاص بادشاہ کے دربار میں بغاوت اور نافرمانی ظاہر کرتا ہے بہ نسبت اور کے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کی زیادہ احتیاط چاہیے کہ بالخصوص اس رات گناہ سے بچے اور غفلت و عیش میں اس رات کو نہ گنوائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا یعنی بڑا ہی بدنصیب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو دربار کے روز بھی حضوری نصیب نہیں ہوئی تو پھر اسے خلوت میں کیا مل سکتا ہے اور پھر معلوم نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ رات اس کو نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں۔ زندگی کا بھروسا کیا۔ اس لیے ہر رات کی قدر کرنے والے کو وہ رات بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہمیشہ سے صلحا کا رات کو جاگنا، عبادت کرنا، نمازِ تہجد پڑھنا دستور رہا ہے۔

اور سر اس لیلۃ القدر کا یہ ہے کہ یہ اس کی تجلی کی رات ہے اور منجملہ شیونِ باری تعالیٰ کے ایک شانِ مواصلت و تقریب و تدلی بھی ہے مخلوق کی طرف جیسا کہ فرماتا ہے کل یوم ہو فی شان ہر روز اس کی ایک شان ہوتی ہے۔ اس رات یہ ہوتی ہے جس سے مدارک و اذہانِ بندگان میں اس کی طرف کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور قوتِ خیالیہ مدرکہ کے تابع ہو جاتی ہے اور تمام عالمِ سفلی میں عالمِ بالا کی طرف جنبش ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا اور وہاں کے لوگ ملائکہ و ارواح کو بھی اس تجلی کے ساتھ عالمِ سفلی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے۔ جس کو اتر آنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عالمِ غیب کے عالمِ شہادت سے ملنے سے ایک نئی کیفیت اور لمعات پیدا ہوتے ہیں اور ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس کی تشبیہ نہیں دی جاتی۔ مگر ایک تشبیہ ناقص سی یہ ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے اور آفتاب کے ایک موقع خاص میں آنے سے ہر تخم اور ہر جڑی بوٹی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے۔ پیڑ اور بوٹیاں نشوونما کرتی ہیں درختوں میں پتے اور شگوفے اور رنگا رنگ کے پھول آتے ہیں اور فرحت و انبساط کی کیفیت ہو جاتی ہے اسی طرح عالمِ بالا اور حق سبحانہ کی تجلی سے ارواحِ بشریہ بلکہ تمام عالمِ محسوس پر ایک نئی کیفیت بہار کی پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں ایک جگہ یوں بھی آیا ہے انا انزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ مبارکۃ میں نازل کیا ہے۔ پھر کیا اور کوئی رات ہے جیسا کہ بعض علماء شب برات کہتے ہیں جو شعبان کے نصف میں واقع ہوتی ہے؟ امام نووی شرح صحیح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور جو نصف رمضان کی رات کہتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس صورت میں ایک تعارض سا واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شب برات میں حکم ہوا تھا کہ قران کو لوحِ محفوظ سے نقل کر کے بیت العزۃ میں لے جاؤ یہ ہے لیلۃ مبارک میں نازل کرنا اور پھر جب فرشتوں نے نقل کر کے بیت العزۃ میں پہنچایا تو لیلۃ القدر تھی اور جب دنیا میں نازل ہوا تو شوال یا ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

فائدہ: اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تجلی کا وقت رات میں کیوں مقرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لیے دن عالمِ شہادت سے مناسبت رکھتا ہے! در رات میں اخفاء و پوشیدگی ہوتی ہے اس لیے یہ عالمِ غیب سے مشابہ ہے اور عالمِ غیب کے اسرار منکشف ہونے کے لیے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔

فائدہ: بعض عرفاء انا انزلناہ فی لیلۃ القدر سے اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رات سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے جو شہودِ ذاتی کے بعد پیدا ہوئی تھی یعنی مقامِ خلت میں مستجب ہونا کس لیے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر ایسی حالت کے ممکن نہ تھا اور اس کو لیلۃ القدر اس لیے کہا کہ یہ حالت قابلِ قدر و تعظیم ہے۔

اب آپ ہی حق سبحانہ لیلۃ القدر کے مراتب بیان فرماتا ہے فقال وما ادراك ما لیلۃ القدر کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو کیا جانے کہ کیا حقیقت ہے لیلۃ القدر کی۔ کس لیے کہ عارف وسیع المعرفت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت اس تجلی کی کہ جو گوناں گوں عالم کو سانٹھ لاتی ہے اور قابلیت واستعداد کے موافق ہر ایک میں رنگا رنگ تاثیرات پیدا کرتی ہے بغیر اس کے معلوم نہیں کر سکتا کہ تمام عالم اور جمیع قابلیت واستعداد عالمِ سفلی پر احاطہ ہو اور یہ مقدورِ بشر سے باہر ہے۔ اس لیے خود ہی کسی قدر اس کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر کہ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو ہر مہینہ میں رات اور دن ہوتے ہیں اور ہر رات دن میں تجلیاتِ غیبیہ وشہودیہ ہوا کرتے ہیں لیکن جو تجلی اس رات ہوتی ہے وہ اس سے ہار ہا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس رات کی تجلی سے اس تجلی کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے اور عدد ہزار سے حصر مراد نہیں کہ ہزار ہی مہینوں سے بہتر ہے زائدہ ہی نہیں بلکہ لفظ الف یعنی ہزار سے کثرت مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب میں اس سے اُوپر کوئی عدد نہیں اس سے زیادہ جو گنتی کرنی ہوتی ہے تو اسی عدد کے ساتھ اضافہ کرنے سے کرتے ہیں۔

اور برسوں کی جگہ مہینوں کا نام اس لیے آیا کہ عرب کے سالوں کی بنیاد محض قمری مہینوں پر ہے اور قمر کو رات سے تعلق ہے برخلاف شمسی مہینوں کے کہ ان کا مدار دنوں پر ہے اور قمر کو اس تجلی سے نہایت مناسبت ہے یعنی جس طرح قمر اندھیری رات کو روشن کرتا ہے اسی طرح یہ تجلی دنیا کے ظلمت کدہ کو جو رات سے مشابہ ہے روشن کرتی ہے۔

فائدہ: اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ایک یہ کہ اس رات کی عبادت ایک خصوصیتِ خاصہ ہے ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے کہ جن میں یہ رات نہ ہو۔

اور اسی لیے یہ فضیلت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی کہ ان کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہیں۔ اگر کسی نے یہ ایک بھی پائی تو گویا اس نے کچھ اوپر تراسی برس عبادت کی اور جو کسی نے عمر میں کئی بار دس بیس پچاس بار پالیا (کس لیے کہ ہر سال ایک بار یہ رات آتی ہے) تو گویا سینکڑوں برس عبادت کر لی اور لطف یہ کہ ہزار مہینے سے بہتر فرمایا نہ برابر۔ اب بہتری کس درجہ تک ہوگی اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس میں بنی اُمیہ کی سلطنت کی عمر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بلکہ قاسم بن فضل نے ایک روایت بھی کر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے منبر پر بندر چڑھتے اور اُترتے ہیں (یعنی بنی اُمیہ کے بادشاہ کس لیے کہ اس عہد میں خلیفہ منبرِ نبوی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا' یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُری معلوم ہوئی۔ تب آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ مزی کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر معروف ہے اور قاسم جو کہتا ہے کہ ہم نے بنی امیہ کی سلطنت کے برس جو گنے تو پورے پورے ہزار مہینے ہوتے ہیں نہ کم نہ زیادہ محض غلط ہے۔ کس لیے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت سن چالیسویں ہجری میں قائم ہوئی معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور سن ایک سو بتیس میں مروان الحمار پر ختم ہوگئی جس کی مدت بانوے برس ہوتے ہیں اور ہزار مہینوں کے کچھ اوپر تراسی برس ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر الف شھر سے خیر کہنے میں یہ اشارہ یا بیان کیونکر ہو گیا کہ بنی اُمیہ کی سلطنت ہزار برس رہے گی۔ ایسے ہی بے تک راویوں نے قرآن مجید کے مطالب میں ایسی گڑبڑ کر دی ہے کہ اصل کلام کو اس کے اسلوب سے ہٹا کر محض پھیکا بنا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

اب اس رات کی دوسری فضیلت بیان فرماتا ہے تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم کہ اس رات فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

فائدہ: کیا کل ملائکہ نازل ہوتے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کل نازل ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ایمانداروں کے دیکھنے اور ملنے کے لیے آتے ہیں پھر بعض آسمانِ دنیا ہی تک اتر کر رہ جاتے ہیں یہ اس لیے کہ ایک وقت فرشتوں نے انسان کی حالتِ ابتدائی دیکھ کر یہ کہا تھا طنز سے اتجعل فیھا من یفسد فیھا الخ کہ یارب زمین پر آپ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو وہاں فساد کرے اور اس کو اپنے گناہوں سے ناپاک بنا دے۔ مگر حق سبحانہ نے اس انسان پر یہ انعام کئے اور اس کی بتدریج ایسی ترقی کی کہ اب اس کے کمالات کے مشتاق بن کر اُوپر سے وہی فرشتے آتے ہیں اور ایک وقت یہ تھا کہ جب منی کا قطرہ اور خون کا لوتھڑا تھا تو اس کے ماں باپ کو بھی اس سے گھن آتی پھر اس کو صورتِ جمیلہ عطا فرمائی اور ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو ماں باپ اور خویش اقارب اس پر شیدا ہوئے اس کے بعد جو کمالاتِ روحانیہ میں ترقی کی تو آج عالمِ بالا کے لوگ اپنی مناسبت سے اس کو دیکھنے آئے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سب نہیں بلکہ ایک گروہِ خاص جن کا جبرئیل علیہ السلام سے تعلق ہے۔ پھر جب یہ اُوپر جاتے ہیں تو اُوپر کے ملائک اور جنت کے کارکن ان سے حالت دریافت کرتے ہیں، پھر وہ ایک ایک مرد اور عورت کا نام لے لے کر حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں شخص کو اب سے کے سال عبادت میں پایا فلاں کو خراب وخستہ۔ اول کے لیے دُعا اور دوسرے کے لیے استغفار کرتے ہیں اور افسوس بھی۔ پھر روح سے کیا مُراد ہے؟ جمہور مفسرین کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جو اس گروہِ ملائکہ کے سردار ہیں۔ اسی لیے خاص کر ان کا ذکر بھی کیا ورنہ ملائکہ میں یہ بھی داخل تھے۔ بعض کہتے ہیں روح ایک اور فرشتے کا نام ہے جس کو روح القدس کہتے ہیں اور اس کو انسانی ترقی میں جو کمالاتِ روحانیہ میں ہو کمال دخل ہے گویا وہ معلمِ روحانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر تو روح القدس ایک بار نازل ہوا تھا جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جس کی برکت سے مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال) مگر امتِ محمدیہ کے صلحاء کے پاس ہر سال تشریف لاتے ہیں جس کا اثر اس کے اُوپر کہ جس کے پاس آتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے' آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں' بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کرامات وبرکات کا کارخانہ حواریوں تک چل کر ختم ہو گیا برخلاف اس امتِ مکرمہ کے کہ اس پر روح القدس کی برکت و تاثیر سے قیامت تک جاری رہے گا اور جو چاہے اب بھی مشاہدہ کر لے کہ ہر زمانہ میں اسی اُمت میں ایسے اولیاء وصلحاء پائے جاتے ہیں کہ ان سے عجائب وغرائب' کرامات وبرکات سرزد ہوتے ہیں جو اس دین کے برحق ہونے کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی زمانہ اور کسی جگہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہیں تھوڑے مگر زمانہ خالی نہیں رہتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ روح سے ایمانداروں کی روحیں مراد ہیں جو مفارقتِ بدن کے بعد ملائکہ میں مل گئی ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور ان کے حالات دیکھنے اور اس عالمِ سفلی کی کہ جہان سے یہ گئی ہیں سیر کرنے آتی ہیں، نیکی میں دیکھتی ہیں تو خوش ہوتی ہیں اور دُعا کرتی ہیں اور جو بُرے کاموں میں مبتلا ہیں تو ناراض ہوتی ہیں اور دل میں فرشتوں سے شرماتی ہیں۔ جن کی ناراضگی کا اس بدنصیب پر یہ اثر پڑا ہے۔ خسارتِ مال وزوالِ اقبال' دنیاوی مصائب تاکہ تنبیہ ہو کر رجوع الی اللہ کرے۔ وہ اس کی معمولی درود وفاتحہ اور خالی نام کی تعظیم اور انتسابِ نسبی اور سبھی سلسلۂ بیعت وغیرہ سے کبھی خوش نہیں ہوتیں بلکہ اپنی طرف نسبت کرنے سے شرم کرتی ہیں۔ بہرطور اس رات ایک عجیب بابرکت اجتماع عالمِ سفلی پر ہوتا ہے اور عالمِ بالا اور عالمِ سفلی کے اجتماع سے بطور تعاکس ایک عجیب ہیئتِ مرکبہ انوار کی پیدا ہوتی ہے جس کا سرور عالمِ سفلی والوں اور عالمِ علوی والوں دونوں کو ہوتا ہے جیسا کہ اجزاءِ مختلفۃ المزاج کے ملنے سے معجون مرکب میں ایک کیفیت متشابہ پیدا ہوتی ہے جو جداگانہ ہر ہر جز کی کیفیت سے ایک جدی چیز ہے اور یہی سر ہے کہ دنیا میں خاص عبادات کے لیے مجمع کرنا افضل ٹھہرایا

گیا جیسا کہ نماز جماعت اور جمعہ وعیدین وحج۔ تاکہ باہم ملنے سے انوار کا تعاکس ہو اور ناقصوں کو کاملوں کے فیض سے حصہ ملے اور اسی لیے جس قدر جماعت زیادہ ہو ثواب زیادہ ہے۔ الغرض یہ نزولِ ملائکہ وروح ایک طلسمِ الٰہی ہے کہ ناقصوں کو اس طریق سے کاملوں میں حساب کر لیا جاتا ہے اور یہ نازل ہونا ان کا اختیاری نہیں بلکہ ان کے رب کے اذن واجازت سے ہے گو عالمِ بالا کے ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کو دنیا کے صلحا اور ابرار سے ملنے کا شوق ہو مگر وہ بے اجازت نہیں آسکتے۔ یہ خیال کر لینا کہ جب ہم چاہیں اور ان کے بلانے کا کوئی سامان ..... کریں وہ فوراً آویں گے گویا کہ ہمارے حکم کے تابع ہیں جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے غلط اور باطل خیال ہے اسی کے رد کرنے کو باذن ربھم کا جملہ ساتھ لگا دیا ہے۔

اب تیسری صفت اس مبارک رات کی یہ بیان فرماتا ہے من کل امر سلام ہے کہ ہر چیز یعنی ہر آفت وبلا سے یہ رات سلامتی کی رات ہے۔ شیطانی آفات اور اس کے مکروزُور کے مصائب جو ابن آدم کے لیے تیار رہتے ہیں اس رات نیک ایمانداروں کے لیے ان سے سلامتی اور امن ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کس لیے کہ ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے پھر بہیمیت کیونکر ضرر پہنچا سکتی ہے بعض علماء من کل امرٍ کو ایک جملہ اور سلام ہی کو دوسرا جملہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ ملائکہ اور روح کے متعلق ہوگا پھر اگر من کو بیان کے لیے کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کے اور ہر قسم کے فرشتے اترتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور روحانیات ایک خاص خاص کام میں مشغول ہیں۔ کوئی رکوع میں' تو کوئی سجود میں' کوئی تجلیِ جمال کے مشاہدے میں' کوئی ایمانداروں کے لیے دعاء واستغفار میں' کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیاوی کارخانہ کے سرانجام دینے میں' پھر یہ اس رات اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ کر دنیا پر ایمانداروں سے ملنے' دیکھنے' اپنا فیض پہنچانے آتے ہیں۔ آج کی رات جشنِ شاہانہ اس دنیا پر ہوتا ہے ہر کارخانہ کے لوگوں کو اس میں شریک ہونے کے لیے چھٹی مل جاتی ہے اور جو من کو اجل یا واسطہ کے معنی میں لیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کی تدبیر کرنے کو نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اس کا حکم تو شعبان کی پندرہویں رات ہوتا ہے جس کو شب برات کہتے ہیں اور اس کے جائزہ لینے کے لیے لیلۃ القدر میں فرشتے دنیا پر نازل ہوتے ہیں پھر سال بھر تک اس کے مطابق کارروائی کرتے رہتے ہیں۔ یہی مدبرِ امور منجانب اللہ ہیں بعض قراء نے من کل امری پڑھا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر ایک آدمی یعنی مؤمن کے لیے نازل ہوتے ہیں اور یہ روایت بھی ہے کہ جب وہ کسی ایماندار مرد یا عورت سے ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں جس میں سلامتی کی دُعا ہے۔ پھر سلام ہی کے یہ معنی کہ یہ رات سلامتی کی ہے جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ یا یہ کہ اس میں ملائکہ باہم اور نیز مومنوں کو سلام کرتے ہیں اور یہ ایک قرآن مجید کی کمال بلاغت ہے کہ ایک لفظ کو خواہ آخر سے کلام سے ملا لو یا اول سے ہر حال میں معنی عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ ولہ الحمد حمداً کثیراً۔ پھر یہ تجلی کب تک رہتی ہے آپ ہی فرماتا ہے حتی مطلع الفجر کہ صبح صادق کے طلوع تک۔ پھر ملائکہ اُوپر چلے جاتے ہیں۔

اللہ اکبر

(سورۃ بینۃ (لم یکن) مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾

کافر اہل کتاب اور مشرکین تو بغیر اس کے ٹلنے والے نہیں تھے کہ ان پاس کھلی دلیل پہنچے (وہ کیا) کوئی خدا کی طرف سے رسول آوے اور پاک صحیفے سناوے جن

میں مضبوط احکام ہوں۔

ترکیب ؛ لم یکن الذین کفروا اسم کان من للبیان اھل الکتاب والمشرکین مجروران بمن منفکین خبر کان ای زائلین عما کانوا علیہ من دینھم ھذا حکایۃ عن قولھم قبل الاسلام (کانوا یقولون لانترک مانحن علیہ حتی یجئ النبی الموعود فی التوراۃ والانجیل فاذا جاء متبعہ و نترک دیننا فلما جاء کفروا بہ) زجراً وتوبیخاً لھم لاثبات کذبھم۔ البینۃ الحجۃ الواضحۃ وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولذالک سماہ سراجاً منیراً۔ رسول مرفوع علی انہ بدل من البینۃ اوخبر مبتدأ محذوف وقراء ابن مسعود وابی ورسولا بالنصب حالا منہ البینۃ من اللہ صفۃ لرسول ای کائن من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ صفۃ اخری لرسول اوحال والصحف جمع صحیفۃ ای قراطیس وانہ وان کان امیا لکنہ لما تلی مافی الصحف کان کالتالی لھافیھا کتب قیمۃ صفۃ لصحف اوحال من ضمیرھا والمراد الاحکام المکتوبۃ فیھا اوالایات والسور الثابتۃ فیھا۔

تفسیر ؛ اس سورۂ میں علماء کا اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض اس کو مکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔

اس سورۂ کو بینہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ عرب اور اہلِ کتاب اپنے قبائحِ مروجہ کو ترک نہ کرتے تھے اور بینہ آنے پر محول کرتے تھے اس سورۂ میں بتلایا جاتا ہے کہ لو اب وہ بینہ بھی آ گیا اب کیوں نہیں مانتے۔

مناسبت اس کی سورۂ قدر سے یہ ہے کہ وہاں بتا دیا گیا ہے کہ (انسان کو وہ چیزیں جو وہ جانتا نہ تھا بتانے کے لیے) ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا جو بڑی متبرک رات ہے اور اہلِ کتاب اور مشرکین ایسے رسول اور ایسی کتاب کے منتظر تھے۔ اب بتایا جاتا ہے کہ لو وہ کتاب اور وہ رسول آ گیا ہے۔ اب تو اپنا باطل مذہب چھوڑو۔ اس لیے سب سے اول اسی بات کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ کہ کافر لوگ یعنی اہلِ کتاب اور بت پرست اپنے باطل مذہب اور جہالت وبطالت سے دور ہونے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ نہ آ جاوے۔ آگے بینہ کی تفسیر فرماتا ہے۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بینہ آنے کے بعد بھی وہ کافر اپنے کفر سے نہیں ٹلے اور یہ قید کہ جب تک ان کے پاس بینہ نہ آوے یہ بتاتی ہے کہ بینہ آنے کے بعد ٹلنا چاہیے اس لیے یہ قرار دیا جاوے گا کہ یہ انہیں کافروں کا قول بطور تعریف کے خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ جیسا کوئی کہے اور اصرار کرے کہ جب تک میرے پاس سواری نہ آئے گی میں چلنے والا نہیں۔ پھر سواری آنے کے بعد بھی نہ چلے اور حیلہ بہانہ کرے تو کوئی اس پر تعریض کرے اور یہ کہے کہ آپ تو سواری آئے بغیر چلنے والے نہ تھے یعنی اب سواری بھی آ گئی اب کیوں نہیں چلتے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ان کافروں پر تعریض کرتا ہے کہ تم تو بینہ آئے بغیر اپنے مذہب سے ٹلنے والے نہ تھے اب بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی تم اسی طرح اڑے ہوئے ہو۔

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کا قول نقل نہیں کیا بلکہ از خود فرماتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور بطالت پر یہاں تک جمے رہے ٹلے نہیں کہ ان پاس بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں ایسی کھلی دلیل کو بھی نہیں مانتے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ کافر یعنی اہلِ کتاب اور مشرکین دنیا سے جدا ہونے والے نہیں تھے بینہ آئے بغیر یعنی خدا تعالیٰ اس پُرآشوب زمانہ میں کہ دنیا پر کفر کی ظلمت طاری تھی اپنی برہان بھیجے بغیر کفار کو موت نہیں دینے والا تھا۔ اب اس نے بینۃ بے حد بھاری اور بھلی راہ میں فرق کر دیا' حجت تمام کر دی۔ یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ بینہ آئے تک اہلِ کتاب اور مشرکینِ عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل اور ان کے مبعوث ہونے

کے منتظر تھے جب آپ آئے اور بینہ آ گیا تو ٹل گئے یعنی منکر ہو گئے کقولہ تعالیٰ فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ۔

اہلِ کتاب کی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی خبر تھی توریت میں بھی اور انجیل میں بھی ایک ایسے عالیشان نبی برپا ہونے کی پیشین گوئی اب تک موجود ہے جس کا بیان ہم اپنی تفسیر میں کئی جگہ کر چکے ہیں بلکہ اہلِ کتاب کو حضرت کے تمام صفات بھی معلوم تھے اور اسی طرح مشرکینِ عرب میں بھی چرچا تھا کہ مکہ سے ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو عرب کی ابدی عزت وشوکت کا باعث ہوگا اور اس کے سبب سے گلہ بان بھی حکومت کریں گے اور یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ ہر کہ دمہ جانتا تھا اور ایسے شخص کے مبعوث ہوئے تو بدبختی سوار ہوگئی آپ سے جدا ہو گئے دشمن بن گئے۔

(۴) ایک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اہلِ کتب اور مشرکین اپنی حالتِ سرداری اور ریاست سے ٹلنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ آ گیا اور جب وہ بینہ پر ایمان نہ لائے تو وہ ریاست جاتی رہی۔ اس میں اُس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے کہ یہود سے حکومت کا عصا دور نہ ہوگا جب تک کہ ان کے پاس شیلا نہ آوے شیلا سے مراد بینہ ہے۔

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ ہر عرب مشرکین کی حکومت تھی عام ہے کہ مشرکین عرب ہوں یا مشرکین مجوس ہوں۔ کس لیے کہ یمن میں مجوسی یعنی ایرانی بھی فرمان روا تھے اور باقی ممالک میں یہی بت پرست قبائل کے سردار حکمرانی کرتے تھے اور اہلِ کتاب بالخصوص نصاریٰ شام اور دیگر ممالک کے فرمانروا تھے اور ان ممالک پر قیصرانِ روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہود گو کہیں کے فرمانروا مستقل نہ تھے مگر خیبر وغیرہ مقامات میں آپ سردار تھے کسی کے زیرِ حکم نہ تھے اور دینی ریاست کا بھی بڑا دعویٰ تھا یہ سب کچھ رنگ بینہ آنے کے بعد مٹ گیا۔ کسی کی بھی ریاست باقی نہ رہی۔ عرب کے سرداروں کا کیا ذکر ہے اسلام نے قیصر اور کسریٰ کے بھی تاج سر سے اُتار لیے۔ یہ ایک بڑا اعجاز ہے جس کا چرچا سیکڑوں برسوں سے ہو رہا تھا اور ہر قوم میں تھا اور یہ اخیر معنی سب سے زیادہ ترچسپاں ہیں گویا اس آیت میں بطور پیشین گوئی کے آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو جو مشرکین اور اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ تھے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اب ہماری کھلی ہوئی دلیل آ چکی ہے اب راہ پر آ جاؤ اور کجی اور سرکشی چھوڑ دو ورنہ اس کا آنا اور تمہارا منفک ہونا یعنی زائل وبرباد ہونا وابستہ ہے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

فائدہ: منفکین انفکاک سے ہے جس کے معنی ہیں جدا ہونا' ٹلنا' زائل ہو جانا' چھوڑنا۔ انفکاک کے معنی پر آیت کے معنی کا اختلاف مبنی ہے بتلایا جاتا ہے کہ بینہ کیا ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے رسول من اللہ۔ اللہ کا فرستادہ رسول۔ اور رسول بھی کیسا؟ یتلوا صحفًا مطھرۃ کہ وہ پاک صحیفے پڑھ کر سناتا ہے۔ صحیفہ کاغذ' کتاب' رسالہ۔ قرآن مجید کی ہر ایک سورت ایک صحیفہ ہے جس طرح توریت کے ابواب یا حصص صحیفے ہیں اور صحیفے بھی کیسے ہیں پاک۔ ان میں جھوٹ اور مبالغہ کی کوئی نجاست نہیں۔ یہ نجاست کتاب کے حق میں ظاہری نجاست سے بڑھ کر بے قدر کرنے والی ہے۔ اسی طرح تحریف وتبدیل بھی کتاب کے لیے نجاست ہے۔ اسی طرح اس کے مضامین میں فحش اور خلافِ تہذیب باتیں بھی نجاست ہے۔ الغرض ہر ایک عیب خواہ کسی قسم کا ہو ایک نجاست ہے۔ سو وہ صحیفے جن کو خدا کا برگزیدہ رسول سنا رہا ہے ان جملہ عیوب سے پاک ہیں اس لفظ میں ایک مہذبانہ تعریض بھی اہلِ کتاب پر ہے کہ جن صحیفوں کو وہ لیے پھرتے ہیں ان میں ان ناپاکوں نے نجاستِ تحریف لگا رکھی ہے کتاب آسمانی ہونے کے لیے یہ دو ہی معیار کافی ہیں ایک تو یہی کہ ہر قسم کے عیوب سے وہ کتاب پاک ہو جس میں مذکورہ بالا عیوب ہوں گے وہ آسمانی کتاب ہو نہیں سکتی۔ دوم کہ فیھا کتب قیمۃ ان صحیفوں میں مستحکم اور عمدہ مضامین بھی ہوں یہ ان صحیفوں کی جن کو خدا کا رسول سنا رہا ہے دوسری صفت ہے۔

کتب کتاب کی جمع ہے اور کتاب بمعنی مکتوب اکثر مستعمل ہوتا ہے اور مکتوب مضمون ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد احکام و

---

۱ توریت سفر تکوین انچاسواں باب۔ ۱۲ منہ

مطالب ہیں کس لیے کہ لکھے تو وہی جاتے ہیں اور قیمہ بمعنے مستقیمہ یعنی ان مطالب میں کوئی کجی نہ ہو۔ عقلِ سلیم کے مطابق ہوں۔ سو یہ وصف بھی قرآن مجید کے مطالب میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وصفِ اول پایا گیا۔

شبہ: صحف اور کتب کے تو ایک ہی معنی ہیں پھر یہ کیا فرمایا کہ صحیفوں میں کتابیں ہوں گویا یوں کہا کتابوں میں کتابیں اور یہ کلام غلط ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ کتب سے مراد صحیفے نہیں بلکہ مطالب واحکام ہیں بمعنی مکتوب اور وہ کتاب ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

بیّنہ: بان الشیء بیانا فھو بین' پیدا۔ صراح بین ظہور کے معنی میں ہے۔ بینہ وہ شے جو بالکل ظاہر ہو یا ظاہر کر دے اس لیے شہادت کو جو کسی دعوی کے اظہار کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ بینہ کہتے ہیں۔ اس مقام پر اس سے مراد خدا کی طرف کی کھلی ہوئی دلیل اور برہانِ واضح ہے اور وہ کون ہے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اسی لیے آپ کو سراج منیر یعنی روشن چراغ بھی کہا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد اس جگہ رسولِ کریم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کس لیے کہ اس کے بعد کا جملہ رسول من اللہ خود اس بات کو بیان کر رہا ہے۔

رسولِ کریم خدا تعالیٰ کی دلیل واضح اس لیے تھے کہ آپ کی تھوڑی سی صحبت بھی گم کشتگانِ وادیِ ضلالت کو راہِ راست دکھاتی تھی اور آپ سے صدہا معجزات وآیاتِ بینات ایسے سرزد ہوتے تھے جو مافوق العادۃ زائد از قوتِ انسانیہ ہونے کے سبب آپ کی سچائی کی روشن دلیلیں تھیں۔ جن کے بعد کورِ ازلی محروم رہے تو رہے ورنہ فوراً ہدایت ہوتی تھی۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور آپ کی سیرت وصورت نہیں اجسام میں ایک دوسرے کے لیے جاذب پایا جاتا ہے لوہے اور مقناطیس ہی کو دیکھو۔ پھر آپ کی روحانیت میں جملہ ارواح کے لیے اگر ایسا بڑا جذب ہو کر خود بخود نفوسِ انسانیہ اس طرف کھنچے چلے آتے تھے تو کیا تعجب ہے اور یہی قوتِ روحانیہ تو ہے جو ایک عالم کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ وجوہِ مذکورہ بالا کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف کی روشن دلیل یا اس اندھیرے کے زمانہ میں جوشبِ تار سے زیادہ عالم میں محیط تھا چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر ان جنم کے اندھوں کو اس بینہ کے بعد کچھ سوجھائی نہ دے تو ان میں دراصل کچھ بھی ادراکِ روحانی باقی نہیں رہا پھر ایسے حروفِ غلط اگر لوحِ دنیا سے مٹائے نہ جائیں تو کیا کیا جاوے۔

فوائد: (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آگے ہدایت کا چراغ بہت روشن ہونے کے بعد ٹمٹمانے لگا تھا اور آخر کار گل ہو گیا تھا۔ دنیا میں اندھیرا پھیل گیا تھا پھر عرب جو آپ کا مولد ومسکن تھا اس کی تو عموماً یہ حالت تھی کہ بت پرستی رگ وریشوں میں دوڑ گئی تھی خاص خانہ کعبہ میں بہت سے بُت رکھ چھوڑے تھے کہیں جنون بھوتوں غیر مرئی اشیاء کی پرستش ہوتی تھی کہیں صلحاء وابرار کی ارواحِ طیبات کو معبود مان رکھا تھا کہیں ستارے اور چاند اور سورج پوجا جاتا تھا۔ الغرض سیکڑوں معبود اور ان کی پرستش کے سیکڑوں دستور مروج تھے۔ اخلاقی حالت بھی بہت ہی خراب ہو گئی تھی۔ قتل وغارت' لوٹ مار' زنا' چوری' شراب خوری ایک عام پیشہ تھا۔

اب رہے اہلِ کتاب سو ان کے دو فریق تھے۔ ایک یہود ان کی یہ حالت تھی کہ اصل توریت وصحفِ انبیاء علیہم السلام کو ہی کہہ بیٹھے تھے اور جو کچھ محرف باقی تھا اس پر بھی عمل نہ تھا اور ان کے بھی متعدد فریق تھے جن میں سے ایک فریق قیامت کا ہی منکر تھا۔ حضرات انبیاء کا کوئی بھی دستور ان کا رہبر نہ تھا صرف رسوم باقی رہ گئے تھے ان کے علماء اور درویشوں نے دین فروشی کا پیشہ بنا رکھا تھا۔ جہلاء انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اخلاقی حالت بالکل تباہ وبرباد ہو گئی تھی۔ دوسرا فریق نصاریٰ کا تھا اس میں سے بھی وہ مسیحی خوشبو نکل گئی تھی صرف پھوک باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مریم علیہا السلام کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا ایک کونسل تھی جس کے دو ممبر حضرت مسیح اور روح القدس تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت مریم بھی ایک ممبر تھیں حلال وحرام کی اور پاک وناپاک کی کوئی قید نہ رہی تھی ان کے علماء نے مکر کا دام پھیلا رکھا تھا جہلاء ان کے بندے تھے پھر ان کے بھی بہت سے فریق تھے اور آئے دن باہم جوتی پیزار ہوا کرتی تھی۔ روم[1] میں ان

---

۱ ملک اٹلی کا پایۂ تخت۔ ۱۲ منہ

کے اہلِ علم نے ایک سلطنت قائم کرلی تھی اور وہاں کا سجادہ نشین حضرت مسیح کا نائب کہلاتا تھا جس کو پوپ کہتے تھے پھران پوپوں نے لوگوں کو نچا مارا تھا اور طرح طرح کی بدعات اور عجیب وغریب احکام جاری کررکھے تھے۔ مردے کو یہ نجات کی چٹھی روح القدس کے نام سے دیا کرتے تھے یہ شادی تو نہیں کرتے مگر ہزاروں کواریاں بے حجابانہ ان کی خدمت کے لیے رات دن ان کے پاس رہا کرتی تھیں پھر کیا کیا شرمناک واقعات پیش آتے تھے اس لیے ان سب کو خدا تعالیٰ نے کافر کہا اور بہت بجا فرمایا۔ ایمان کی کون سی بات باقی رہ گئی تھی۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا تو بینہ آنے کے بعد۔ اور ان کو حکم (بھی کوئی ایسا نہیں) دیا گیا تھا صرف یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں۔ خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے یک رخے ہوکر اور نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی وہ مستحکم دین ہے۔

ترکیب : وما تفرق الخ الجملہ مستانفۃ لتوبیخ اھل الکتاب والتخصیص بذکرھم للدلالۃ علی ان المشرکین مع جھلھم اولی بالتفرق الا الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال والاوقات۔ وما امروا الجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من اھل الکتاب والحال انھم ما امروا بشیء یخالف اصول دینھم بل بشیء یطابقھا مخلصین قراء الجمھور بکسر اللام وقرا الحسن بفتحھا۔ وھی حال من الضمیر فی یعبدوا حنفاء حال من الضمیر فی مخلصین فیکون من باب التداخل ویمکن ان یکون من یعبدوا جمع حنیف۔ والحنیف المائل عن الباطل الی الحق وقیل المتبع بطریقۃ سیدنا ابراھیم علیہ السلام ویقیموا ویؤتوا معطوفان علی لیعبدوا سقطت النون لتقدر ان ای ان یعبدوا اللہ الخ دین القیمۃ قال الفراء ھذا من باب اضافۃ النعت ای المنعوت کقولہ ان ھذا لھو الحق الیقین والھاء للمبالغۃ کما فی قولہ کتب قیمۃ۔

تفسیر : اب یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس بینہ کے انتظار میں اہلِ کتاب اور مشرک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی آرزو کیا کرتے تھے اس کے آنے کے بعد کیا کیا؟ آپ ہی ارشاد فرماتا ہے وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاء تھم البینۃ کہ افسوس اہلِ کتاب جو علم اور فہم رکھتے تھے ہدایتِ انبیاء علیہم السلام سے واقف تھے وہی بینہ پہنچنے کے بعد اس سے مخالف ہوگئے اور مشرکینِ عرب کا تو کیا ذکر ہے وہ تو جاہل ہی تھے۔ یہ ان کی کمال بے نصیبی پر افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس کا زمانہ درازی انتظار تھا اور شدید انتظار تھا مگر جب وہ وقت آیا تو جو ازلی بدنصیب تھے ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور عناد وضد کے نشہ نے انہیں بے خبر کردیا۔

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

جس طرح لیلۃ القدر کی تجلی کے انتظار میں کوئی راتوں نہ سوئے پر جب وہ رات آئے تو سو جاوے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کی بعثت پر اہلِ کتاب کا ہوا (اور یہ بھی ایک وجہ مناسبت اس سورۃ کی لیلۃ القدر سے ہے۔ یہی حال حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت پر یہود کا ہوا جس کا افسوس حضرت مسیح علیہ السلام عجیب عجیب تمثیلوں اور دل ہلانے والے فقروں میں کرتے تھے وما امروا اور وہ جو مخالف ہوئے اور بہت جلد اُس رسول سے بگڑ بیٹھے ان کو کوئی حکم بھی تو ایسا سخت یا توریت انجیل کے مخالف نہیں دیا گیا تھا الا لیعبدوا اللہ مگر یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں مگر نہ شرک کی آمیزش کے ساتھ بلکہ ان شرائط سے۔ (۲) مخلصین لہ الدین اول یہ کہ خاص اسی کی اطاعت کی نیت سے اس میں تثلیث کی آمیزش نہ ہو نہ اور کسی معبود کی شرکت ہو اور دل سے پورا اخلاص بھی ہو ریاکاری اور نمود کی گرد بھی نہ لگی ہو۔

اب کہو یہ کون سی بری بات تھی جس سے وہ بینہ سے پھر گئے بلکہ یہ تو وہی بات ہے کہ جس کی توریت وانجیل میں بھی جابجا تاکید ہے۔

(۲) حنفاء یک طرفہ ہوکر کسی باطل اور غلط طریق کی طرف میلان نہ ہو جس کے اصول جہل اور خیالاتِ فاسدہ پر مبنی ہوں اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی وجہ سے لقب بھی ہے جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو رئیس الموحدین اور خدا پرست فرقوں کے بزرگ بلکہ اکثر کے جدِ امجد ہیں اور تمام فریقِ یہود ونصاریٰ ابراہیمیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کے طریق کی پابندی اس عبادت میں ملحوظ رہے۔ سو یہ بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ بھاگتے۔

اس حکمِ عبادت کے بعد جو ہر قسم کی عبادت کو شامل تھا ایک خاص عبادت کے لیے دوسرا یہ حکم بھی دیا گیا تھا (۲) یقیموا الصلوٰۃ کہ نماز قائم کیا کریں۔ یہود ونصاریٰ نے وہ نماز بھی ترک کردی تھی کہ جو ان کے مذہب میں تھی سجدہ اور دعا یا رکوع سبت یعنی ہفتہ کے روز۔ یہ حکم بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ انکار کرتے بلکہ سچے مذہب کا عطر یہی ہے۔ تیسرا حکم یہ تھا (۳) ویؤتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ بھی دیا کریں یعنی خیرات کیا کریں۔ خیرات کرنا بھی وہ بات ہے کہ جس کو تمام مذاہب بالاتفاق اچھا جانتے ہیں پھر وہ کونسی بات ایسی تھی کہ جس کے سبب اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا حیلہ ملا ہاں اس قدر تو ضرور ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے میں اصلاح کی گئی جو عقلِ سلیم کے سرِ موخلاف نہیں پھر ان سے خلاف وانحراف اگر شقاوتِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے۔ کوئی عیسائی، کوئی ہندو، کوئی یہودی، کوئی مجوسی انصاف سے کہہ تو دے کہ اس بینہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور جب آپ کے مذہب کے یہ اصول ہیں تو ذلک دین القیمۃ تو اس دین کے محکم اور مضبوط ہونے میں کیا شبہ ہے۔ بے شک یہ دینِ قیم ہے اور یہی مذہب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو آسمانی مذہب قرار دیا جائے اور یہ تمام بنی آدم میں شائع ہو اور سب ایک دین اور ایک مذہب ہو جاویں اختلاف کا نام باقی نہ رہے اور یہ ایک روز ہو کر رہے گا۔ خلاصہ یہ کہ بینہ آنے کے بعد اہلِ کتاب نے اختلاف کیا حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا نہ بلحاظ مشقتِ عمل کے سخت تھا اور نہ توریت وانجیل کے برخلاف تھا مگر وہ اس پر بھی مخالف ہوگئے اور حکم جو ان کو دیے تھے اور رسول نے ان کو سنائے تھے صرف یہ تین حکم تھے۔

(۱) خالص اللہ کی عبادت کرنا (۲) بالخصوص نماز پڑھنا (۳) مالی عبادت کرنا زکوٰۃ خیرات دینا اور دینِ قیم یہی ہے۔ تعظیمِ خدا جو دو پہلے حکموں میں ہے اور ترحم برخلق جو تیسرے حکم سے متعلق ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ ع ۸ ۲۳

بے شک جنہوں نے انکار کیا یعنی اہلِ کتاب اور مشرک وہ جہنم کی آگ میں سدا رہا کریں گے وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ وہی سب خلق سے بہتر ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس باغ ہیں بسنے کے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے۔

ترکیب ؛ الذین موصول کفروا صلتہ من اھل کتاب والمشرکین بیان الکفر واسم ان فی نار جھنم خبرھا ای یصیرون الیھا بعد الموت خالدین فیھا حال من المستکن فی الخبر۔ اولئک مبتداھم شر البریۃ الجملۃ خبر قرء الجمھور فی الموضعین البریۃ بغیر ھمزۃ وقرئ بالھمزۃ وقیل الاصل بالھمزۃ لانہ یقال برء اللہ الخلق بالھمز ای ابتدعہ واخترعہ ومنہ قولہ من قبل ان نبرأھا ولکنھا خففت عند عامۃ العرب والبریۃ الخلیقۃ والبارئ الخالق الذین آمنوا الخ اسم ان ھم خیر البریۃ خبرھا جزاھم مبتداء عند ربھم صفۃ جنات عدن خبر یقال عدن بالمکان یعدن عدنا ای اقام ومعدن الشیء مرکزہ ومستقرہ تجری الخ الجملۃ صفۃ جنات خالدین حال العامل محذوف ای ادخلوھا خالدین ولا یجوز ان یکون حالا من الضمیر المجرور فی جزاؤھم لوقوع الفصل بین المصدر ومعمولہ بالخبر واجاز قوم ابدا تاکیدا للخالدین رضی اللہ الخ الجملۃ خبر ثان ویجوز ان تکون فی محل نصب علی الحال باضمار قد۔ ذلک مبتداء لمن خشی ربہ الجملۃ خبر۔

تفسیر ؛ اب ان اختلاف کرنے والوں کا جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر سمجھتے ہیں انجام کار بیان فرماتا ہے فقال ان الذین کفروا کہ وہ جو منکر ہو گئے ہیں بینۃ کے خواہ اہلِ کتاب ہوں خواہ مشرکین ہوں وہ جہنم کی دہکتی آگ میں جلیں گے پھر جس طرح یہ انکا کفر کبھی ان سے دور نہیں ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اسی طرح وہ بھی ہمیشہ اس آگ میں پڑے جلا کریں گے۔ کبھی رستگاری نہ ہوگی جن عقائد و اعمال ورسول کو وہ موجبِ نجات جانتے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ وہ سب بباطل کوششیں ہیں اور وہ جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر جانتے ہیں یہ بھی غلط خیال ہے بلکہ اولئک ھم شر البریۃ وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں کس لیے کہ مخلوق میں مومن اور فرشتے تو بالاتفاق بہتر ہیں اب رہے حیوانات خواہ وہ کیسے ہی کریہہ کیوں نہ ہوں سور، کتا یہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ کس لیے کہ وہ اپنے آقا کی ناشکری تو نہیں کرتے اور یہ بدنصیب باوجود عقل وادراک، ہوش وحواس کے ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے احکام اور اس کے رسول اور اس کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور حیوانات کو مرنے کے بعد عذاب وثواب کچھ نہیں پر ان کے گلے میں تو رنج وحزنِ دائمی کی مستحکم رسی پڑی ہوئی ہے۔

یہود کو دعویٰ تھا کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ ہم ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کے اجزاءِ بدن ہیں اور ان کے لیے برکت ومغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے پھر ہم کو کسی طرح بھی جہنم میں نہ ڈالے گا اور بڑے بڑے گناہوں کی باز پرس ہوئی بھی تو یہ ہوگی کہ دو چار روز جہنم کی طپش دکھا کر پھر ہم کو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہنچا دیا جاوے گا۔ الغرض مغفرت وجنت ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس لیے ہم سب مخلوق سے بہتر اور اشرف ہیں ہمارے برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا جان لیا تو وہ ہمارے لیے آپ کفارہ ہو گئے سولی چڑھے ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے اب ہم کو کوئی گناہ مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ حوض میں غوطہ لگانے سے اگلے اور پچھلے تمام گناہ صاف ہو گئے۔ بہر حال ہماری نجات ہے آسمانی بادشاہت ہمارے لیے، حیاتِ جاودانی کے ہم مالک، ہم باپ کے برابر کرسی پر بیٹھیں گے ہم سے بہتر اور افضل کوئی قوم نہیں اور وں کے ہاں جسمانی عبادات ہمارے ہاں روحانی یعنی ناپاک اعتقاد۔ ہنود کی بت پرست قومیں جو ہزاروں ہیں اخلاقی اور روحانی نجاستوں میں آلودہ ہیں اور تمام مذہب توہمات وخیالاتِ فاسد پر مبنی ہے ہر چند ان کے گروہِ آریہ نے اس کی اصلاح کرنی چاہی ہے وید کی تاویلات کر کے اس کو لوگوں سے مخفی کہہ کر (تاکہ ظاہر ہو جانے پر قلعی نہ کھل جائے) اس میں اسلامی توحید واخلاق ملانے کی کوشش کی ہے مگر پھر کہاں تک ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ کا مضمون ہے اس پر وہ اپنے آپ کو پوتر (پاک) جانتے ہیں اوروں کو ملچھ (ملکش یعنی کمینہ، ناپاک)

بتلاتے ہیں اور ان کے سایہ تک سے بچتے ہیں ہاتھ اور کپڑا چھو جانے سے تو دھرم برہشٹ ہو جاتا ہے سوائے پہر دن چڑھے تک دھرماتما ہندو وغیرہ کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر سرگ یعنی جنت تو ان کا زرخرید ہے یا برہمن کا عطیہ اور ان کے تمام کاروبار تو ان کے بت چلاتے ہیں۔ پھر جو کوئی پاپ یعنی گناہ ہو جاتا ہے تو گنگا جی میں اشنان کرنے سے دھل جاتا ہے بالخصوص ان میں سے فرقہ برہمن تو نوری بندے ہیں وہ جو چاہیں کریں ان کو کوئی گناہ ہی نہیں کس لیے کہ برہما جی کے پوتر یعنی پسر ہیں وہ کسی کو ماریں گالی دیں اس کے مقابلہ میں دھرماتما مہاراجوں کو سزا دینے کا اختیار نہیں نسل میں برکت حاصل کرنے کے لیے ان سے نطفہ حاصل کرنا قدماءِ ہنود کا قدیم دستور تھا اور ہندو قومیں تو تناسخ کے میدان میں ٹھوکریں کھا کر اور کیا کیا جنم لے کر مکتی حاصل کرتی ہیں۔ مگر برہمن جی مہاراج تو کھڑے سرگ میں چلے جاتے ہیں ان کے سوا اور اقوامِ ہند کو دینی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت تک نہیں (تاکہ راز نہ کھل جائے) جو کچھ خیرات کرنا ہو تو برہمن کو دو اگرچہ وہ بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو اس کا دیا مردوں کے پاس پہنچتا ہے پھر ہنود کی بیاہ شادی، مرنے جینے کے رسوم، بتوں کی عبادت کرانا برہمن ہی کے ہاتھ میں ہے پھر قانون بھی جو بنایا ہے، جس کو دھرم استر کہتے ہیں وہ منو جی برہمن کا بنایا ہوا ہے کہ جو کسی طرح سے ان کے پچھلے اوتاروں رشیوں سے اس کی ترمیم بھی نہ ہو سکی الغرض یہ بھی اپنی فضیلت اور نجات کو موروثی حصہ جانتے ہیں اور اسی کے قریب قریب عرب اور دیگر بلاد کی بت پرست قوموں کا خیال تھا جس کا ابطال کر دیا گیا اور بتلا دیا گیا ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ انسان کی فضیلت کا دارومدار ایمان اور عمل نیک پر ہے یا ہنود کے سمجھانے کو یوں کہو کہ کمالِ انسانی قوتِ نظریہ وعملیہ کی تکمیل پر موقوف ہے قوتِ نظریہ کی تکمیل ایمان سے ہے۔ کس لیے کہ علومِ الٰہیات کو واقعی طور پر جاننا ایمانِ شرعی میں داخل ہے اور عملیہ قوت کی تکمیل نیک کاموں کے بجالانے میں ہے اور نیک وہی کام ہیں جن کو طبائع سلیمہ نیک کہتی ہوں جیسا کہ خدا کی عبادت کرنا، بندگان خدا سے بھلائی کرنا۔ سو اول بات کو لفظ آمنوا حاوی ہے اور دوسری کو عملوا الصالحات۔ الغرض یہ کہ رب سب کا سب رب ہے تمام بندے اور کُل بنی آدم اس کے نزدیک ایک ہی قطرہ کی پیدائش ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو ایمان واعمالِ صالحہ سے ہے اور یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل واشرف ہے جو پرہیزگار ہے اور پرہیزگاری ایمان واعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ الغرض یہ لوگ مخلوق میں بہتر ہیں۔ اور دراصل وہی بہتر ہے جو ایمان واعمالِ صالحہ کے لباس سے آراستہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لیے آخرت کے درجات بیان فرماتا ہے جہاں سدا رہنا ہے اگر وہاں عزت ہے تو دراصل عزت ہے ورنہ دنیا کی چند روزہ عزت مال وزر، حسن وجمال، حسب ونسب کی عزت ایک خواب وخیال ہے فقال جزاء ھم عند ربھم جنت عدن کہ ان کا بدلہ ان کے مہربان رب کے پاس رہنے کے باغ یعنی عالمِ قدس کے باغ ہیں جن میں تمام راحت کے سامان مہیا ہیں جن کو کبھی خزاں نہیں چھو سکتی یہ ان کے ایمان واعمالِ صالحہ کا مظہر ہے تجری من تحتھا الانھار ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کے اعمالِ صالحہ عرفانِ الٰہی کی نہریں ہیں جو دنیا میں ان کے اندر رات دن بہا کرتی تھیں کبھی بند نہ ہوتی تھیں۔ پھر جس طرح یہ ایمان ومعارف واعمالِ صالحہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی اس عالم میں ان باغوں خالدین فیھا ابدا میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ ان کو کبھی موت آوے گی نہ وہاں سے نکالے جاویں گے نہ ان کی عمر میں فتور ہوگا یہ خلود اس نیت کا ثمرہ ہے جو ایمانداروں، نیک بختوں کے دل میں تھی وہ یہ کہ گو ان کی عمریں تھوڑی تھیں مگر نیت اور قصد یہی تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی اطاعت وبندگی میں رہیں گے کبھی اس نیک رویہ کو نہ چھوڑیں گے۔ خلاصہ

حافظ از ان زلفِ تابدار مباد۔ کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند اور یہی قصد کفار کا تھا اس لیے وہ بھی خلود کے مستحق ہوئے مگر جہنم کے خلود کے۔

ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی نعمت ان کو یہ نصیب ہوگی رضی الله عنهم کہ اللہ ان سے راضی اور خوشنود ہوگا ورضوا عنه اور یہ اس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ پھر اب اور کسی نعمت کی کیا اصل ہے۔ محبوب کی رضامندی کی لذت عاشقِ صادق سے اور بادشاہ کی خوشنودی کی فرحت ملازم سے پوچھنی چاہیے اور لفظ ماضی سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا میں بھی ان کا رب ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ کوئی حسرت وارمان دل میں باقی نہیں رہا۔ ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کو یہ تمغہ پہنایا گیا جس کا اثر نیک مومن کے دل پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو اس کے آگے ہیچ جانتا ہے۔ تنگدستی، بیماری کی ناکامی میں بھی اس کے دل میں ایک ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کے سبب وہ تنگدستی بیماری کو کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہ تمغہ صحابہ خصوصاً خلفاءِ اربعہ کو بخوبی حاصل ہوگیا تھا۔ کس لیے کہ ان کے ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی بھی گواہی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے دے دی تھی اور کیوں نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ کچھ فضیلت حضرت مسیح علیہ السلام کی برکت سے عطا ہوئی تھی پھر کیا خاتم المرسلین ﷺ کے حواریوں اور قدیم جان نثاروں کو یہ رتبہ نصیب نہ ہوتا؟ اس لیے نیک مسلمانوں کا عام دستور ٹھہر گیا ہے کہ جب کبھی ان بزرگواروں کا نام لیا جاوے تو اس تمغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا جاوے اور ایک یہ ایک ادب ہے اور جو لوگ ان کی تنقیص کرتے جیسا کہ شیعہ وخوارج وہ گویا پیغمبرِ خدا ﷺ کی تعلیم اور اثر کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ نعمت کس کو نصیب ہوتی ہے فقال لمن خشی (بدہ یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے خواہشِ نفسانی اور پابندیِ رسم ورواجِ قوم کو اس کے احکام کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ حصہ کسی شخص کو اس کے مال و جمال، حسب ونسب سے نہیں ملتا بلکہ خدا کے ڈرنے سے سب کا اصل الاصول خوفِ خدا ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں یہی بڑی دولت ہے۔

(اللہ اکبر)

(سورۂ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶

جب زمین تھرتھرکانپے اور جب زمین اپنے بوجھ (دفائن) نکال پھینکے اور انسان کہنے لگے اس کو کیا ہوگیا اس دن یہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لیے کہ آپ کا رب اس کو حکم دے گا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں پھر کر آویں گے تاکہ ان کے اعمال میں انہیں دکھائے جاویں۔

ترکیب : اذا شرطیۃ کان والفرق بینھا ان اذا تستعمل فی المقطوع ای اذا اردت التعلیق بما یوجد قطعا تقول اذا بخلاف ان فانھا کان لزلزال یقینا قال اذا زلزلت فعل مجہول الارض مفعول مالم یسم فاعلہ زلزالھا زلزال مفعول مطلق مضاف الی الضمیر الراجع الی الارض۔ قال

الفراء الزلزال بالکسر مصدر وبالفتح اسم وقال القرطبی بالفتح مصدر کالوسواس والقلقال وقیل ھما مصدران وقد قرئ بھما۔ فالمصدر مضاف الی فاعلہ والمعنی ای حرکت الارض حرکۃ شدیدۃ کما قال اذا رجت الارض رجاً واخرجت الخ الجملۃ معطوفہ علی زلزلت الارض والاثقال جمع ثقل والمراد بہ الدفائن وقال الخ ایضا معطوف علیہا مبتداء لھا خبر والجملۃ الاستفھامیۃ مفعول قال والمعنی یتعجب الانسان من افعال الارض۔ وھذہ الجمل کلھا شرط والجواب یومئذ تحدث الخ قال ابوالسعود یومئذ بدل من اذا والعامل فیھا تحدث اخبارھا مفعول ثان والاول محذوف ای تحدث الناس اخبارھا امابلسان المقال وقیل یجوز ان یکون اذا منتصبا بمضمر ای اذکر اذا زلزلت الارض بان ربک الخ متعلق بتحدث فالباء سببیۃ ای تحدث بسبب ایحاء اللہ الیھا۔ وقیل زائدۃ فیکون ان ربک اوحیٰ لھا بدلا من اخبارھا لھا بمعنی الیھا لان اوحی یتعدی تارۃً بالی وتارۃً باللام وانما اوثرت اللام ایحاء الی انما فعلنا ذلک لاجلھا حتی تتوسل الارض بذلک الی الانتقام من العصاۃ یومئذ اما بدل من یومئذ قبلہ واما منصوب بمقدر ای اذکروا اما منصوب بما بعدہ یصدر الناس ای یرجع والصدر الرجوع ضد الورود ای من موقف الحساب الی منازلھم اشتاتا جمع شت بمعنی متفرق وھو حال من فاعل یصدر ای یرجعون متفرقین بعضھم بیض الوجوہ وبعضھم سود الوجہ بحسب اعمالھم لیروا اللام متعلق بیصدر قرء الجمھور رمبنیا للمفعول من رؤیۃ البصر ای لیریھم اللہ اعمالھم وقرئ مبنیا للفاعل والمعنی لیروا جزاءِ اعمالھم۔

تفسیر : یہ سورۂ ابن عباس وقتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مدنی ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے مگر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ عطا و جابر کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس سورۂ کی آٹھ آیات ہیں بعض کہتے ہیں نو اس لیے کہ وہ ایک جملہ کو دو سمجھتے ہیں۔ **مناسبت:** مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں تھا جزائھم عند ربھم کہ ایمانداروں کی جزا ان کے رب کے نزدیک جناتِ عدن ہیں۔ یہ سن کر ایمانداروں کا دل مشتاق تھا کہ یہ پوچھے کہ کب یہ جزاء ملے گی اس لیے اس کا وقت بتلا دیا کہ اذا زلزلت الارض الخ کہ جب زمین ہلائی جاوے گی یعنی قیامت میں یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کا پہلی سورۃ میں اخیر میں ذکر تھا کہ مشرکین اور کافر جہنم کی آگ میں اور ایماندار ابرار جناتِ عدن میں ہمیشہ رہا کریں گے اس سورۂ میں مسئلہ معاد کی ابتدائی حالت بیان فرمائی کہ زمین ہلے گی اور اپنے دفائن واموات اگل دے گی۔ کافر تعجب کریں گے اور یہ عالم کہ جس پر یہ منکرین مبتلا ہیں زیروزبر ہوجاوے گا۔ فقال اذا زلزلت الارض زلزالھا کہ جس وقت ہلائی جاوے۔ زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیے اور جتنی کہ ہل سکے یعنی بہت زیادہ۔ یہ شروع قیامت کا ہوگا کہ اسرافیل کے صور پھونکنے سے زمین میں سخت زلزلہ آوے گا جس سے کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی اور سمندر جوش مار کر ادھر ادھر پھیل پڑیں گے واذا البحار سجرت مجاہد کہتے ہیں یہ اول بار صور پھونکنے میں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں بار دوم صور پھنکنے کے وقت ہوگا۔

فائدہ: عرب کے کسی بڑے فصیح وبلیغ نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اذا زلزلت الارض زلزالا اور اس پر اس کو بڑا ناز تھا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں زلزالا کی جگہ زلزالھا آیا مصدر کو مضاف کر دیا تو فقرہ میں جان پڑ گئی وہ عرب سن کر وجد میں آ گیا اور بول اُٹھا کہ میں اس کالم کی فصاحت پر ایمان لایا۔ اس کا لطف اُٹھانا اہلِ زبان ہی کا حصہ ہے۔ اور اس زلزلہ سے کیا ہوگا؟ منجملہ ان کے یہ ہوگا واخرجت الارض اثقالھا کہ زمین اپنے بوجھ نکال ڈالے گی۔

ثقل و بوجھ[1] جس سے مراد ہے زمین کے اندر کی چیزیں۔ خزانے اور کانیں اور مردے گڑے ہوئے اور طرح طرح کے پتھر اور قدیم عمارات کی بنیادیں اور جو کچھ زمین کے طبقات میں زلزلۂ عظیم سے باہر نکل پڑے گا۔ مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

[1] اور اس لیے جن وانس کو ثقلین کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے باہر پڑے ہوں گے۔ قاتل دیکھ کر کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے قتل کیا تھا اور قطعِ رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اس کے لیے میرے ہاتھ کاٹے گئے پھر کہا جائے گا اُٹھا لو مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔ وقال الانسان مالها اور کہے گا انسان اس زمین کو کیا ہو گیا؟ وہ اس کے باغ اور وہ اس کے عمدہ عمارات کیا ہوئے۔ اس کی وہ رونق کیا ہوگئی جس پر بنی آدم فریفتہ تھے اور کٹے مرتے تھے۔ گز گز بھر زمین کے لیے تلواریں چلتی تھیں ہائے ہائے یہ زر بھی پڑا ہے اور یہ زمین بھی پڑی ہے آج کوئی نہیں پوچھتا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا دفائن باہر پھینکنا اور انسان کا یہ کہنا دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کا معاملہ ہے۔ جب مرنے کے بعد سب زندہ ہو جاویں گے اور زمین وزر کو یوں خراب وبتذل دیکھیں گے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ قریبِ قیامت کا معاملہ ہو جبکہ ایک زلزلہ آوے اور دنیا کو درہم برہم کر دے پھر جو کچھ انسان اس وقت زندہ ہوں یہ کہیں اور پھر نفخِ صورِ اول شروع ہو جاوے۔ یومئذ تحدث اخبارها اس روز زمین اپنے اخبار وحالات بیان کرے گی کہ فلاں نے مجھ پر زنا کیا اور فلاں نے قتل کیا تھا اور فلاں نے فلاں گناہ اور فلاں نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں نے فلاں نیک کام کیا تھا سب حالات بتلائے گی اور یہ کیوں بان ربك اوحیٰ لها اس لیے کہ تیرے رب نے اس کو وحی کی ہوگی یعنی وحی اور حکمِ رب سے بندوں پر نیکی بدی کی گواہی دے گی۔ یہ معاملہ بالاتفاق نفخِ صورِ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ تحدث اخبارها کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زبانِ حال سے اپنی گزشتہ خبریں بتادے گی عبرت کرنے والوں کے لیے۔

فائدہ: شبہ کرنا کہ زمین جسمِ لایعقل کیونکر کلام کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقِ الٰہی میں سے ہر ایک چیز روح رکھتی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ حیوانات کی روح بدن کی تدبیر وتصرف اور حس وادراکِ اختیاری کا شرف رکھتی ہے برخلاف اور اجسام کی روح کے کہ اس کا ادراک وحس محسوس نہیں مگر کبھی محسوس بھی ہو جایا کرتا ہے بطریقِ خرقِ عادات ومعجزات کے اور اسی لیے بعض دفعہ پتھروں نے حضرت انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نبوت کے وقت پتھر سلام کیا کرتے تھے اور ستونِ حنانہ حضرت ﷺ کی مفارقت میں رویا ہے اور اسی لیے ہر شے خدا کی تسبیح وتقدیس کیا کرتی ہے کما قال وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم اور نفوسِ ملکیہ کے حکماء بھی قائل ہیں اور قیامت کے روز جب ظہورِ کلی ہوگا ان چیزوں کی گویائی بھی سب کے نزدیک محسوس ہو جاوے گی اور اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے بیده ملکوت کل شیء زمین بھی گواہی دے گی انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہاں کے حجر وشجر گواہی دیں گے مگر سوائے حیوانات کے دیگر اجسام کی حیات فلسفۂ جدید کی سمجھ سے باہر ہے اور اسی لیے وہ اس کو محال[1] خیال کرتے ہیں مولانا روم اپنی مثنوی میں اس حیات کی کن دلکش الفاظ میں تصویر کھینچتے ہیں ؎

---

[1] مگر یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کی زبان جو گویائی کا ایک آلہ ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس میں کون سے اسباب گویائی کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ کچھ نہیں صرف ایک قادرِ مطلق نے اس میں قوت رکھ دی ہے اگر وہ چاہے تو یہی قوت انسان کے کسی دوسرے عضو میں رکھ دے وہ بھی اسی طرح بولنے لگے دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھ دی ہے۔ سونگھنے کی ناک میں ٹٹولنے کی تمام جسم میں اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے یا کل بدن کو جمیع قوتوں کا محل کر دے ہر جگہ سے دیکھنے سننے بولنے سونگھنے ٹٹولنے لگے اور کبھی کبھی خاصانِ خدا پر یہ حالت دنیا میں ہی طاری ہو جاتی ہے جبکہ بہیمیت پست اور روحانیت غالب آجاتی ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نماز میں پسِ پشت سے بھی دیکھتا ہوں ارکانِ صلوٰۃ میں فرق نہ کیا کرو۔ ۱۲ منہ

هستیِ کوه است مخفی از خرد — هستیِ بیچوں خرد کے پے برد
بادرا بے چشم گر بینش نداد — فرق چوں میکرد اندر قومِ عاد
آتشِ نمرود گر چشم نیست — با خلیلش چوں ترحم گرد ایست
گر نبودے نیل را آں نوردید — ازچه کافر را ز مومن برگزید
گر نه کوه وسنگ با دیدار شد — پس چرا داؤد را او یارشد
ایں زمین راگر نبودی چشمِ جاں — ازچه قارون را فراخورد آنچناں
گر نبودے چشم دلِ حنانه را — چوں بدیدی ہجرِ آں فرزانه را
در قیامت ایں زمیں از نیک و بد — کہ زما دیده گواہی ہا دہد

پھر اور کیا ہوگا؟ یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالهم کہ اس روز دربارِ عدالت سے اپنے اپنے منازل پر مختلف حالات میں لوگ لوٹ کر آویں گے جو ایماندار ونیک ہیں ان کے منہ چاند سے روشن ہوں گے جنت کی طرف خوشی میں دوڑتے آویں گے اور کافر و مشرک اور بدکار جہنم کی قید کا حکم سن کر سیاہ رو غمگین جہنم کی طرف جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دکھایا جاوے نیکوں کو نیک بدوں کو بد۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ع

پھر جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ترکیب: الفاء للتفسیر من موصولة مبتدء خبرُ منصوب علی انه تمیز من مثقال ذرة یره خبره ویمکن ان تکون من شرطیة یره جواب الشرط و قیل خیرا بدل من مثقال ذرة قراء الجمهور یره فی الموضعین بضم الهاء وصلاً وسکونها وقفاً وقرء هشام بسکونها وقفاً ووصلاً و قرا الجمهور رویره فی الموضعین مبنیا للفاعل وقری مبنیا للمفعول ای یریه الله ایاه وقری یراه علی توهم ان من موصولة او علی تقدیر الجزم بحذف الحرکة المقدرة فی الفعل۔ مثقال بالکسر سنگ زر ودینار صراح ای زنة ذمرة۔ والذرة هوان یضرب الرجل بیده علی الارض فما علق من التراب فهو ذرة وقیل ما یریٰ فی شعاع الشمس من الهباء۔

تفسیر: اب اعمال دیکھنے کی تفصیل کرتا ہے فقال فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره اور جو ذرہ کے برابر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرے گا ضرور اس کو یعنی اس کے نیک بدلہ کو دیکھ لے گا وہ نیکی رائیگاں نہ جاوے گی ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اس کے بدنتیجہ کو دیکھ لے گا۔

فائدہ ۱: علماء کا اتفاق ہے کہ کافروں کی نیکیاں ان کے کفر کے سبب سے ملیامیٹ ہو جاتی ہیں پھر وہ اپنی نیکی بڑی بھی نہ دیکھیں گے ذرہ بھر کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح ایمانداروں کی بدیاں مٹادی جاتی ہیں یا معاف کر دی جاتی ہیں پھر ان کو بھی ذرہ بھر بدی دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔

پھر آیت کے معنی کیونکر صحیح ہوں گے! جواب: دیکھنے کا موقع بیان نہیں فرمایا اس لیے عام ہے پس کافر کی نیکیوں کا نتیجہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے افزائشِ مال وکثرتِ اولاد تندرستی وغیرہ۔ ہاں آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا پس یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ کافر کی بھی کوئی نیکی خواہ ذرہ برابر ہو رائیگاں نہ جاوے گی۔ آخرت میں نہ سہی دنیا میں تو ضرور اس کا بدلہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح مومن کو اس کے گناہوں کے سبب دنیا میں بدنتیجہ کوئی مصیبت، بیماری، تنگ دستی، رنج وغم دیکھنا پڑتا ہے گو آخرت میں نہ سہی۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں جگہ من عام نہیں بلکہ بعض سے

مراد ایماندار ہے کہ جو ایمان لا کر نیکی کرے گا وہ ضرور اپنی نیکی کا بدلہ دیکھے گا اور نیکی کے لیے ایمان مقدم ہونا شرط ہے اور اسی طرح دوسرے من سے مراد کافر ہے کہ کافر کو ہر بدی کا بدلہ دکھایا جاوے گا خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی جواب ہے کہ جب کافر کی نیکیاں ہی نہ رہیں اُس کے کفر نے ملیامیٹ کر دیں اور اسی طرح مومن کے گناہ ہی نہ رہے تو بہ واستغفار سے معاف ہو گئے پھر ان کا بدلہ کیا یہ تو موجود نیکی و بدی کے بدلہ کا ذکر ہے۔

فائدہ۲: بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت جامعہ اور یکتا ہے۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر یہ دو آیت ایسی نازل ہوئی ہیں جو توریت و زبور و انجیل کا خلاصہ اور لب لباب ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے لیے قرآن تعلیم کرنے کو فرمایا پھر جب اس کو یہ سورۃ تعلیم فرمائی اور ان آیتوں تک پہنچا تو اس نے کہا بس کیجئے مجھے یہی دو آیت عمل کرنے کے لیے کافی ہیں اس کی حضرت نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی آپ نے فرمایا وہ فہمیدہ شخص ہے جانے دو۔ کیونکہ ہر ایک گناہ سے بچنا چاہیے خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور ہر ایک نیکی پر مستعدی کرنی چاہیے خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

فائدہ۳: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ سورۃ پڑھی اس کو نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ہوگا اور جس نے قل ہو اللہ پڑھی اس کو تہائی قرآن کا اور جس نے قل یاایھا الکافرون پڑھی اس کو چوتھائی قرآن کا ثواب ہے۔ رواہ الترمذی وابن مردویہ والبیہقی۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ عادیات مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ
نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ
عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ
اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ
بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱ ع ۱۱ ۲۵

قسم ہے ان (غازیوں کے) گھوڑوں کی جو دوڑتے میں ہانپتے جاتے ہیں پھر ٹاپوں سے چنگاریاں اُڑاتے جاتے ہیں اور صبح ہوتے دھاوا کرتے ہیں اس وقت غبار اُٹھاتے اور انبوہ میں جا گھستے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے اور وہ اس بات کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور وہ مال کی محبت کے لیے مضبوط ہے پھر کیا نہیں جانتا جبکہ قبروں سے مردے نکالے جائیں اور جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جاوے گا تو ان کا رب ان سے اس دن واقف ہوگا۔

ترکیب: و اللقسم العادیات جمع عادیۃ من العدو وھو المشی بسرعۃ فقلبت الواؤ یاء لکسرۃ ما قبلھا کالغازیات من الغزو۔ والمراد بھا الخیل الجھادیۃ وقیل بعیر الحجاج ضبحا الضبح صوت اجواف الخیل اذا عدت وقیل السیر ونوع من العدو یقال ضبح الفرس اذا عدا بشدۃ من الضبح بمعنی الدفع وکان الحاء بدل من العین علی الاول منصوب علی الحال ای ضابحات وعلی الثانی مفعول مطلق موکد لاسم الفاعل ویجوز ان یکون مصدر الفعل

محذوف ای یضبح ضبحا۔ فالموریات قدحا عطف العادیات من الایراء وھو اخراج النار جمع موریۃ والقدح الصک فجعل ضرب الخیل بحوافرھا کالقدح بالزناد والکلام فی نصب قدحا کالکلام فی نصب ضبحا فالمغیرات ای التی تغیر علی العدو جمع مغیرۃ من الاغارۃ صبحا منصوب علی الظرفیۃ عطف علی السابق فاثرن به نقعا عطف علی الفعل الذی دل علیہ اسم الفاعل اذا المعنی واللاتی غدون فاثرن۔ او علی اسم الفاعل نفسہ لکونہ فی تاویل الفعل لوقوعہ صلۃ للموصول۔ لان الالف واللام فی الصفات اسماء موصولۃ فالتقدیر والاتی غدون فاورین فاثرن۔ من الاثارۃ ای سمن۔ والضمیر فی اثرن ای المغیرات ھو فاعلہ به الضمیر یعود ای الصبح او الی مکان لدلالۃ المدلول علیہ۔ نقعا مفعول بہ والنقع الغبار وقرء الجمھور فاثرن بتخفیف الثاء وقرئ بتشدیدھا ایضا۔ فوسطن ای المغیرات به النقع الباء زائدۃ ای وسطن ذلک الغبار جمعا مفعول بہ وقیل الباء للتعدیہ او الظرفیۃ ای فی ذلک الوقت او بسبب اثارۃ الغبار جمعا حال وکل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالسکون وان لم یصلح فھو وسط بالتحریک یقال جلست وسط القوم بالتسکین لانہ ظرف وجلست وسط الدار بالتحریک لانہ اسم لما یکون غیرہ من جھاتہ۔ من باب وسط یسط کوعد یعد۔ والاسم الفاعل واسط۔ والفارات الاربع للدلالۃ علی ترتیب مابعد الواحد علی ماقبلہ ان الانسان الخ ھذا الجملۃ ومابعدھا جواب القسم افلا یعلم الاستفھام للانکار والفاء للعطف علی مقدر ای یفعل مایفعل من القبائح فلا یعلم اذا العامل فیھا یعلم بعثر وحصل شرط ان ربھم الخ الجملۃ جواب الشرط والمجموع یدل علی مفعول یعلم یومئذ وبھم متعلق بخبیر۔

تفسیر: یہ سورۃ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور ابن مسعود و جابر و حسن و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن عباس و انس بن مالک و قتادہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسن سے روایت ہے کہ یہ سورۃ نصف قرآن کی برابر ہے۔ نقل کیا اس کو ابوعبیدہ نے فضائل میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔ نقل کیا اسکو محمد بن نصر نے بسند عطاء بن ابی رباح۔

ربط: سورہ اذا زلزلت الارض میں نیکی اور بدی کا انجام اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا کہ سلیم الطبع کو سننے کے بعد پھر قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہتا مگر کج طبع اور ہٹ دھرم کب مانتے ہیں ان کے سمجھانے کے لیے تو آسمانی کوڑا درکار ہے۔ اس لیے اس سورہ میں لشکرِ جہاد اور اس کے گھوڑوں کے جوان مردانہ اوصاف کی قسم کھا کر بد انسان کا مقتضائے طبع بیان فرماتا ہے کہ بدنصیب بڑا ہی ناشکر اور احسان فراموش ہے اور اس پر بھی خدا کی طرف سے بہتری کی قوی امید رکھتا ہے اور مال کا لالچ اس کے دل میں راسخ ہے جس لیے ابوابِ سعادات کی طرف نہیں آتا چند روزہ زیست کے لیے مارا مارا پھرتا ہے الخ اس میں اشارہ ہے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ آسمانی سیاست ان کو ادب سکھاوے گی چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔

یا یوں کہو کہ پہلی سورہ میں کفار و بدکردار لوگوں پر آخرت کی سرزنش بیان کی تھی جو ان تیرہ باطنوں کے دل پر مؤثر نہیں ہوتی وہ تو دنیا کے خسارے سے ڈرتے ہیں اس لیے ان پر جو دنیا میں عذاب آنے والا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فقال

(۱) والعادیات ضبحًا کہ ہم کو قسم ہے غازیوں کے ان گھوڑوں کی جو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دوڑتے ہیں اُخ اُخ کی ان کے پیٹ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

(۲) فالموریات قدحًا پھر ان کی کہ جو رات میں اپنی ٹاپوں سے پتھروں میں سے چقماق کی طرح آگ جھاڑتے جاتے ہیں۔ یہ دوسرا وصف انہیں جہادی گھوڑوں کا ہے جو ان کی قوت اور تیز روی ظاہر کرتا ہے قوی گھوڑوں کے نعل رات میں جب تیزی سے چلتے ہیں پتھروں پر کھٹا کھٹ پڑتے ہیں تو پتھروں میں سے آگ چمکا کرتی ہے۔ یہ گھوڑے اعداءِ دین پر قہرِ الٰہی ہیں اور یہ آگ قہرِ الٰہی کی آگ ہے اور ان کے سواروں کی اس حرارت و شجاعتِ دینی کا اثر ہے جو مبدءِ فیاض نے ان کے دلوں میں رکھی ہے جو بدکاروں کے خرمن عیش کا مرانی کے جلانے کو کافی ہے۔

(۳) تیسرا وصف اور بیان کرتا ہے فالمغیرات صبحًا پھران کی جو صبح ہوتے جبکہ اعداءِ دین خوابِ غفلت میں سرشار ہوتے ہیں دھاوا کرتے ہیں راتوں چلے اور چلتے میں ٹاپوں سے آگ کے شرارے جھڑتے تھے صبح ہوتے ہی بدکرداروں اور آسمانی مجرموں پر دھاوا کر دیا۔

(۴) اور چوتھا وصف یہ ہے فاثرن به نقعًا پھران کی قسم جو صبح میں دھاوے کے وقت بڑے زور سے دوڑنے میں گرد وغبار اُٹھاتے ہیں اور دشمنوں کے مونہوں کو گرد آلود کرتے ہیں۔ یہ صبح کے وقت گرد اُڑنا زیادہ قوت وزور پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ شبنم سے زمین تر ہوتی ہے برخلاف شام کے کہ خشکی ہوتی ہے۔ ذرا سی حرکت میں بھی گرد اُڑنے لگتی ہے۔ اور فاثرن اسم فاعل کی جگہ فعل اس لیے استعمال ہوا تا کہ معلوم ہو کہ یہ گرد اُٹھانا اور ان کے انبوہ میں گھس جانا جو آئندہ آتا ہے۔ تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے برخلاف جہاد کی تیاری کے وہ ہمیشہ رہتی ہے اس لیے وہاں اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا تا کہ دوام وثبوت پر دلالت کرے۔

(۵) پانچواں وصف فوسطن به جمعا پھران کی قسم جو صبح کے وقت دھاوا کرنے اور غبار اُٹھانے کے بعد مخالفوں کے انبوہ میں گھس جاتے ہیں یہ نہیں کہ دھمکی دے کر رہ جاتے ہیں اور وقت پر نامردی کرتے ہیں۔ یہ پانچ وصف جنگی گھوڑوں کے ہیں بالترتیب لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حج میں جانے والے اُونٹوں کے اوصاف ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارہ میں ایک روایت بھی کرتے ہیں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ عادیات سے نفوسِ انسانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جن کو ریاضت کے میدان میں دوڑنے سے دوڑنے والے گھوڑوں کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہی اپنی ریاضت ومجاہدات کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں جس سے اشتیاق وتجلی کے شرارے مراد ہیں اور یہی بوقتِ تجلی جو صبح سے مشابہ ہے اس میدان میں دھاوا کر کے جسمانی خواہشوں کی گرد اُڑاتے اور مقامِ وصل وقرب میں جا گھستے ہیں۔ یہ ظاہر الفاظ کے معنی نہیں مگر اشارہ ہوسکتا ہے اور یہ قرآن کا کمالِ اعجاز ہے کہ اس کے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔

پھران چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لربه لکنود کہ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکر اور احسان نہ ماننے والا ہے۔ اول تو اس کی نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو بے موقع صرف کرتا ہے۔ سوم اپنے محسن ومربی کی طرف نہیں جھکتا۔ لذات وشہوات میں مستغرق رہتا ہے۔ وانه علی ذلك لشهید اور وہ اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس کا حال اور اس کی بناوٹ اور رات دن کے تغیرات میں اس کے دستِ قدرت کی امیدواری کہہ رہی ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں نعمت کا شکر نہیں کرتا سو وہ اس کی نسبت بھی یہی کہتا ہے گویا دوسرے کو یہ کہنا اور آپ اسی حالت میں مبتلا ہونا اپنے لیے آپ اقرار کرنا اور گواہی دینا ہے کہ میں ناشکر ہوں یہ اس کی دوسری بات تھی اب تیسری یہ ہے کہ وانه لحب الخیر لشدید وہ مال کا بڑا دوست اور سخت لالچی بھی ہے۔ یہ انسان کے تین افعالِ بد تھے جو اس کو ہاویہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اب ناسپاس کے مقابلہ میں ان حیوانات کو دیکھنا چاہیے جو مالک کے مطیع ہیں جیسا کہ گھوڑا جس کے اوصاف کی قسم کھائی جس سے تعریض ہے کہ ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے جس میں مالک کی اطاعت کا مادہ نہیں اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے ناسپاس، نافرمان، شہوات ولذات کے بندے، مال وزر کے عاشق ایک روز ایسے جہادی گھوڑوں کے پاؤں میں روندے جاتے ہیں جن کی ٹاپوں سے آگ نکلتی ہے اور جو دشمنوں کے خرمنِ آرام کو جلاتی ہے۔ ان الفاظ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا انجیل متی کے تیسرے باب میں ذکر ہے کہ یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام پاس جب یہود کے لوگ فریسی اور صدوقی فرقے اصطباغ پانے آئے تو آپ نے فرمایا۔ قولہ۔ میں تو تمہیں توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ میرے بعد آتا ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے بعد نہیں آئے بلکہ روبرو آئے تھے اور نیز بعد کے اوصاف بھی ان میں نہیں پائے جاتے) مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح اور آگ سے بپتسمہ دے گا اس کا چھاج اس کے

ہاتھ میں ہے وہ اپنی کھلیان کو پھٹکے گا اور گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا اور بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو کبھی نہیں بجھتی وہ آگ جہاد کی آگ ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلتی ہے اور جو قیامت تک نہ بجھے گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لن یبرح هذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتیٰ تقوم الساعة رواہ مسلم کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا قیامت تک مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت اس پر لڑتی رہے گی۔

فتح مکہ کے روز آپ نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم کو لڑنے کے لیے حکم دیا جاوے تو نکلو۔ متفق علیہ اور فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اپنے مخالف پر فتح پاوے گا۔ یہاں تک کہ آخر کے لوگ دجال سے لڑیں گے (رواہ ابوداؤد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البرکة فی نواصی الخیل (متفق علیہ) کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں رکھی ہوئی ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ الخیل معقود بنوا صیها الخیر ای یوم القیامة الاجر والغنیمة (رواہ مسلم) کہ گھوڑوں کی پیشانی یا چوٹی میں قیامت تک بہتری باندھی گئی ہے اور وہ بہتری کیا آخرت کا اجر اور دنیا کی غنیمت ہے۔

اور یہ سچ ہے جس قوم میں ترفہ اور نزاکت اور عیش پسندی آجاتی ہے خواہ کتنی ہی ہنرمند، صناع، ہوشیار ہو ایک روز اس قوم کا مال ہو جاتی ہے جو گھوڑوں پر چڑھنے والے سپاہی اور موٹا پہننے والے اور موٹا کھانے والے اور بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں جب سلطنت اور دولت نے (جو ان کے باپ دادا نے کہ جوانمرد اور جفاکش سپاہی تھے حاصل کی تھی) کئی صدیوں تک مقام کیا تو نزاکت اور عیش پسندی آ گئی پھر تو امراء کی یہ حالت ہوگئی کہ دھوپ کی برداشت اور گھڑی بھر بھوک اور پیاس اور شہوت کی برداشت کا تو کیا ذکر ہے پائخانہ میں لوٹا بھی خادم ہی دھرے تو دھرے تو پائخانہ پھریں کپڑے بھی کوئی دوسرا پہنائے تو پہنیں۔ رات میں چار قدم باہر جاتے ڈر لگتا ہے ذرا چلیں اور اچھل کر گھوڑے پر چڑھیں تو ناف ٹل جائے، کسی کام میں دل توڑ کر محنت کرنا کیسا، رات دن داستان گو اور فواحش اور مسخروں کے جلسے، کھانوں اور عمدہ مکانوں اور آرائشِ تن کے چرچے اور پھر گنجفہ اور شطرنج اور مرغبازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، کبوتر بازی اور کون بازی اور کون بازی اور شراب خواری اور عیاشی اور بسترِ راحت پر پہروں چڑھے تک سونا اور جاگنا تو گھنٹوں جمائیاں اور انگڑائیاں لینا اور گھنٹے پیخانے میں بیٹھنا، پہر دن منہ دھونا، سنگار کرنا، مسی کی دھڑی جمانا، آئینہ سامنے رکھ کر اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا وغیرہ بدعادات آئیں جن کو ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کیا تھا اس کے ساتھ علم بھی رخصت ہوا دانائی بھی گئی۔ دل کی جوانمردی بھی گئی۔ بندوق کی آواز سے دل دھڑکنے لگا اور اس پر بیجا مصارف کارِ خیر سے ہاتھ بند قومی حمیت رخصت ہوئی رہ گئی تو خود پسندی آبائی مفاخر پر لاف زنی، کمینہ پروری رذالوں، کمینوں، سفلوں سے رغبت، باہمی نفاق حسد وبغض کمینہ تدبیریں۔ پس سلطنت ودولت وعزت وشوکت بھی جلدی بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی اپنے آبائی خدمت نگاروں کی چلمیں بھرنے کی نوکری رہ گئی عورتوں کے ننگ وناموس بھی گئے۔ الغرض دین بھی گیا، دنیا بھی گئی۔ یہ اس لحب الخیر الشدید وانه لکنود کی تفسیر ہے۔ عبرت عبرت!

خبر دنیا تو گئی تھی سو گئی تھی اب تو افلاس یا بقیہ گندہ دولت کے خمار میں حق سبحانہ سے لڑائی کی ٹھہرادی۔ لگے کفر بکنے، احکامِ ربانی کو ٹالنے۔ اب دین اور عقبیٰ بھی چلے اس لیے فرماتا ہے افلا یعلم اذا بعثر مافی القبور وحصل ما فی الصدور ان ربهم بهم یومئذ لخبیر کہ کیا یہ ناشکر انسان جو ایسے کام کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں سے مردے اُٹھائے جاویں گے اور جو سینوں میں خیالاتِ فاسدہ مخفی ہیں حبِ شہوات وغیرہ ہا وہ ظاہر کیے جاویں گے بلکہ متشکل کر کے سامنے لائے جاویں گے تو اس دن کا رب ان سے خبردار ہے بات دنیا میں جو کی تھی اس کو معلوم ہے پھر وہ وہاں کیسا ان اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کی سزا نہ دے گا؟ ضرور دے گا؟ اگرچہ اب بھی خبیر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں مگر یہ کہنا کہ اس روز جو سزاء وجزا کا دن ہے خبردار ہے عقلمند کو پوری تہدید ہے جلد توبہ کرنا چاہیے۔ اللھم تبت الیک۔

(اللہ اکبر)

اللہ اکبر

(سورۃ القارعۃ مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ
مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ
هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱ ع ۱۱/۲۶

کھڑکھڑا دینے والی (قیامت) کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی اور (اے مخاطب!) تو کیا جانے وہ کھڑا کھڑا دینے والی چیز کیا ہے (وہ ایک ایسا وقت ہے) کہ لوگ اس دن بھنگوں کی طرح تتر بتر ہوں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اُون جیسے ہو جائیں گے۔ پھر تو جس کے اعمال تول میں بھاری ہوں گے تو وہ من مانے عیش میں ہوگا اور جس میں تول ہلکی ہوگئی تو اس کا ٹھکانا گڑھا اور تو کیا جانے وہ کیا ہے۔ آگ ہے دہکتی۔

ترکیب | القارعۃ مبتدء ما القارعۃ خبر۔ قرء الجمھور بالرفع والقرع الصوت الشدید ومنہ قوارع الدھر والمراد بھا القیامۃ وانما من اسماء القیامۃ کالحاقۃ وانما سمیت بھا لانھا تقرع قلوب الانسان وتقرع اعداء اللہ بالعذاب والعرب تقول قرعتھم القارعۃ اذا وقع بھم امر قطیع وما الاستفھامیۃ مبتداء ادراک خبر ما القارعۃ مبتدء وخبر والجملۃ مفعول ثانی لا درٰک ای وای شیء اعلمک ماشان القارعۃ۔ ثم ھو سبحانہ بین بعض شیونھا فقال یوم یکون والناصب فی یوم القارعۃ ای تقرعھم یوم یکون الخ وقیل اذکر وقیل خبر مبتداء محذوف وانما نصب لاضافۃ الی الفعل فافتحۃ بناء لا نصب اعراب۔ والفراش جمع فراشۃ وھی الطیور التی تتساقط فی النار والسراج وبھا یضرب المثل فی الطیش والھوج یقال اطیش من فراشۃ المبثوث المتفرق المنتشر ویجوز مبثوث کما یجوز مبثوثۃ کما فی قولہ تعالی کانھم جراد منتشر اواعجاز نخل منقعر واعجاز نخل حاویہ وتکون الجبال عطف الجملۃ علی الجملۃ والعھن الصوف المصبوغ بالالوان المختلفۃ المنفوش الممدوف الذی نقش بالندف۔ فاما من شرط فھو فی الخ جوابہ موازینہ جمع موزون وھو العمل الذی لہ وزن وخطر عند اللہ وھذا قول الفراء وغیرہ وقیل جمع میزان وقیل المراد بھا الحجج والدلائل عیشۃ راضیۃ اسناد مجازی اور استعارہ تکنیۃ وتخییلۃ فامہ ای مسکنہ وسماہ بالام لانہ یاوی الیہ کما یاوی الی امہ ہاویۃ من اسماء جہنم وسمیت بھا لانہ یھوی فیھا مع بعد قعرھا والھواۃ ما بین الجبلین ماھیۃ اصلہ ماھی الضمیر یعود والی الھاویۃ وزیدت الھاء بعد الیاء للسکت۔

تفسیر | یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام قارعہ ہے اور قرعہ لغت میں ٹھونکنے کھڑا کھڑانے کو کہتے ہیں اور اسی لیے ایسے حوادثِ دہر کو جو عاقل کو دہلاتے اور دل کو ہلاتے ہیں قوارع الدہر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس قسم کی آیات کو جو طبعِ بشری کو جنبش دینے والی ہیں قوارع القران کہتے ہیں۔ اور اس سورہ میں بھی وہ مضامین ہیں جو انسان کو خوابِ غفلت سے جگاتے اور اس کے دل کو ہلاتے ہیں یا اس میں اس حادثہ کا ذکر ہے جو دنیا کو زیروزبر کردے گا یعنی قیامت اس لیے اس کا نام القارعۃ ہوا۔

واضح ہو کہ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل یعنی بوجھ یا بھاری پن رکھا ہے جیسا کہ روحانیات میں تجرد اور سُبکائی اور یہ ایک قدرتی بات ہے اور یہی ثقل اس کو سکون وقرار پر مجبور کرتا ہے اور یہی اس کو اس کے حیزِ طبعی کی طرف جھکاتا ہے پھر ایک تو یہی ثقلِ جسمانی

ہے جس سے اعلیٰ قدرِ مراتب کوئی جسم بھی خالی نہیں اور ایک معنوی ثقل بھی ہے جس کو وقار کہتے ہیں یہ ادراک وحواس والے اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ان کے لیے خوبی ہے بالخصوص انسان میں جو اس کے مردانہ پن اور تحمل وبرداشت کا باعث ہے پھر جس میں یہ وصف نہیں اور تر پھر کرتا ہے۔ بیٹھنے میں بھی کہیں ہاتھ ہلتے ہیں کہیں پاؤں، کبھی آنکھیں پھڑکتی ہیں تو کبھی جلد جلد بات چیت کرتا ہے اس کو معیوب سمجھتے ہیں اور بندر اور اس قسم کے جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جوانمردوں کو اپنے استقلال اور قائم مزاجی پر بڑا ناز ہوا کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم پہاڑ ہیں حوادثِ دہر ہم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ کفارِ قریش اپنے اس وصف پر بڑے نازاں تھے اور یہاں تک دعویٰ تھا کہ اگر کوئی ہمارے جسم میں زخم بھی لگائے تو ہم جس وضع پر بیٹھے ہوں اس میں کچھ بھی فرق نہ آوے اور اس کی وہ مشاقی بھی کیا کرتے تھے اور اسی کو میدانِ جنگ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبب جانتے تھے۔ سو اول قسم کا ثقل زیادہ تر پہاڑوں میں ہے کہ جب سے ان کو قدرت نے جہاں بٹھایا ہے وہیں بیٹھے ہیں ہلتے ہی نہیں اور اسی لیے اس امر میں ثابت قدموں کو پہاڑ سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے اور دوسری قسم کا ثقل انسان میں ہے۔ مگر انسان کی اس ثقل سے عالمِ بالا کا مقصود اخلاقِ حمیدہ اور ملکاتِ کاملہ میں ثابت قدم رہنا ہے جو حسنات حاصل کرنے کا سبب اور معاصی اور لذات وشہوات کے جھونکوں میں اُڑنے سے بچنے کا باعث ہے اور دنیا میں اس کے آنے سے یہی مقصد ہے کہ وہ اس ثقل کو حاصل کرلے جاوے، اور جس میں یہ ثقل جس قدر ہے اسی قدر وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گرامی اور بھاری ہے اور جس میں یہ ثقل نہیں وہ بے وقار اور ہلکا ہے اور اس کا ان نیک باتوں سے ہلکا ہونا بہیمیت اور جسمانیت کا بھاری پن ہے جس کا حیزِ طبعی ہاویہ یعنی مقامِ اسفل ہے ان باتوں کی طرف خدا پاک اس سورۃ میں ایماء کر کے انسان کو ابوابِ خیرات کی رغبت دلاتا اور اس کے ثمرات ونتائج عیشۃ راضیۃ ظاہر فرماتا ہے اور بدوں کو ہاویہ میں لے جانے والے بوجھ سے سُبکی حاصل کرنے اور ثقلِ مقصود حاصل کرنے کی طرف ابھارتا ہے اور نبوتِ کبریٰ کا یہی مقصدِ اصلی ہے اس لیے فرماتا ہے القارعۃ ما القارعۃ وما ادراک ما القارعۃ کہ قارعہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔ اور اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے کھڑکھڑانے والی چیز اس لیے کہ وہ اس عالم کی فنا اور فنا کے اثرات ہیں جو بغیر دلیلِ سمعی کے سمجھ میں نہیں آتے۔ کس لیے کہ انسان ہمیشہ سے آسمان وزمین پہاڑوں اور دریاؤں اور چاند وستاروں کو دیکھتے دیکھتے یہ سمجھ گیا ہے یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کو فنا نہیں صرف عناصر سے مرکب چیزوں کو فنا ہے وہ یہی کہ ایک وقت کے بعد اس ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے پھر اپنے خیال کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے سیکڑوں دلیلیں بنالی ہیں۔ اس لیے اس کوتاہ فہم کے حق میں یہ فرمایا کہ تو کیا جانے کیا وہ کھڑکھڑانے والی چیز بہت درست ہے۔ پھر آپ ہی اس کی کسی قدر کیفیت بیان فرماتا ہے یوم یکون الناس کالفراش المبثوث جس دن کہ آدمی بکھرے ہوئے پتنگے اور پروانوں جیسے ہو جاویں گے یعنی ان کا وہ ثقل کہ جس پر ناز تھا اس روز کی ناقابلِ برداشت مصائب دیکھ کر بالکل جاتا رہے گا اور ایسی بے قراری اور بے تابی ہوگی کہ ادھر کے ادھر، ادھر کے ادھر مارے مارے پھریں گے۔ فراش فراشۃ کی جمع جس کے معنی پتنگا، پروانہ، بھنگا، جو رات میں روشنی یا آگ میں گرا کرتا ہے۔ جبکہ صور پھنکے گا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور ایک خدا کی طرف کا پکارنے والا عدالت کی طرف بلائے گا اور جلالِ کبریائی کی تجلی ہوگی تو دہشت کے مارے لوگ پتنگوں کی طرح یا ٹڈیوں کی طرح بے قرار ومضطرب ہو کر دوڑے آویں گے۔ اور ممکن ہے کہ یہ نفخِ صورِ اول کا واقعہ ہو کہ جب آواز تیز ہوگی اور کڑک اور زلزلہ زیادہ ہوگا تو گھبراہٹ میں پتنگوں کی طرح اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں گے اور بے قراری ہوگی سب ثقل وثبات جاتا رہے گا تشبیہ میں چار باتیں ہیں (۱) طیش وبے قراری اور ایک دوسرے پر حواسی میں گرنا (۲) کثرت وضعف کہ ان کی بھنگوں جیسی کثرت ہوگی اور آج کے بڑے قوی ہیکل..... اور دلیر اس روز ملائکہ کے آگے

بھنگے معلوم ہوں گے (۳) ہر جانب اور ہر سمت سے بلانے والے کی طرف ایسا آنا کہ جیسا پتنگے چراغ کی طرف آیا کرتے ہیں (۴) آگ میں گرنا جیسا کہ پتنگے گرتے ہیں اس طرح وہ آتشِ جہنم میں گریں گے اور یہ اس لیے کہ وہ روز ظہورِ کلی ہے یعنی دنیا کا پردہ اُلٹ کر ہر ایک چیز کی حقیقتِ اصلیہ دکھا دی جائے گی پھر جس طرح آج پتنگوں کی طرح شہوت ولذات کی آگ کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جہاں طبلہ پر تھاپ پڑی اور سارنگی کی آواز آئی لوگ دوڑ پڑے۔ سو اس روز یہ خواہش آتشِ جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور یہ اسی طرح اس کی طرف مجبورانہ جائیں گے وہ رغبت اور اختیار، جبر واضطرار کی صورت میں جلوہ گر ہوگا دنیا کے خواب کی یہ تعبیر ہوگی۔

اب دوسرے ثقل کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے فقال وتکون الجبال کالعھن المنفوش اور پہاڑ دھنی ہوئی اون جیسے ہو کر اُڑتے پھریں گے عھن رنگین پشم کو کہتے ہیں اور رنگین پشم سے تشبیہ اس لیے دی کہ اب جو دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں سنگِ مرمر سنگِ سرخ، سنگِ سیاہ وغیرہ۔ زلزلہ پے در پے آنے سے چورا چورا ہو جاویں گے اور باہم ملنے سے ایک رنگت پیدا ہو جائے گی۔ منفوش دھنی ہوئی، نقش دھنسا پھر دھنسنے کے دھنسنے سے اور بھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑا کرتے ہیں اسی طرح جب عالمِ بالا کے دھننے والے اس پہاڑوں کی اون کو دھنیں گے تو یہ اُڑتے پھریں گے۔ اب اس سے زیادہ کیا کھڑکھڑانے والا وقت ہوگا۔ یہ ہے القارعہ جس کی حقیقت سے یہ مستِ بادۂ غفلت بے خبر ہیں۔

یہاں تک تو ایک مصیبت تھی اب اور دوسری سنئے وہ یہ کہ اس روز جب یہ سب کچھ ہو چکے گا بارِ دگر لوگ اصلی حیات میں آویں گے اور میزانِ عدالت کھڑی ہوگی تو فاما من ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة اس روز جس نے اس چند روزہ حیاتِ دنیا میں اپنے اس ثقلِ خداداد کو اچھے کاموں میں صرف کیا اور ایماں وحسنات کا ثقل پیدا کر لیا تو پھر اس کی تولیں بھاری نکلیں گے ایمان کی تول ہے تو ویسی ہی بھاری ہے اور نماز کی ہے تو ویسی ہی گرانبار ہے اور روزے کی ہے تو ویسی ہے اور صدقات وخیرات کی ہے تو ایسی ہے۔ شہوات ولذات سے صبر کی ہے تو ایسی ہے اور محبتِ الٰہی کی ہے تو سب سے بڑھ کر ہے تو وہ لوگ دل پسند زندگانی میں ہوں گے جس کو حیاتِ جاودانی اور زندگانی باکامرانی کہنا چاہیے یہ لفظ عیشة راضیة بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ آخرت کی جس قدر خوبیاں ہیں، جنت اور وہاں کے نعیم اور فرح وسرور اور دیدارِ الٰہی سب کو حاوی ہے۔

واما من خفت موازیه فامه هاویة اور جس کی تولیں ہلکی ہوں گی۔ اعمالِ حسنہ وایمان میں اس ثقلِ خداداد کو کام میں نہ لایا بلکہ شہوات ولذاتِ حبِ دنیا وغیرہ میں صرف کیا اور اپنی نالائق باتوں پر ثابت قدمی دکھائی۔ کفر پر اڑے رہے۔ ایمان لاتے شرم آئی بدوضعی کو وضع داری سمجھے۔ دنیا پر فریفتہ رہے اور اس عشق میں بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ رسم ورواجِ بد کے پابند رہے، بڑے استقلال سے اس کو تھامے رہے اور بڑا ثقل ان باتوں میں پیدا کیا۔ تو یہ بھاری لنگر ان کو جہنم کے گڑھے کی طرف اس طرح کھینچے ہوئے لے جاوے گا جیسا اجسام کا ثقلِ طبعی پستی کی طرف لے جاتا ہے اور اسی رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لفظ ام کا استعمال کیا۔ کیونکہ ام کے اصلی معنی ہیں اصل اور رجوع ہونے کی جگہ کے اور اسی لیے ماں کو اُم کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے مراد یہ کہ اس کا اصل ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور ھاویة گڑھے کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کا ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وما ادراك ماهیه کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے ہاویہ کوئی دنیا کا عمیق گڑھا یا کسی بلند پہاڑ کی کھوہ نہیں ہے کس لیے کہ اس کی اصل حقیقت بھی بغیر ملہمِ غیب کے سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی پھر آپ ہی بتاتا ہے نار حامیة کہ وہ دہکتی آگ ہے یہ آگ حبِ شہوات ولذات کی اور غضب وحسد کی، بغض وعداوت کی اور تعصبِ کفر وبدراہی کی آگ دنیا میں دل میں تھی آج وہ جہنم کی آگ بن کر سامنے آ گئی اور آگ بھی کیسی آگ حامیة بہت گرم کہ جس کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی آگ گرم نہیں یہ آگ اس آگ کی بہ نسبت کچھ بھی نہیں اس لیے یہ لفظ استعمال ہوا ورنہ آگ کے لیے تو ہر وقت حرارت لازم ہے۔

فائدہ: فرقہ معتزلہ موازین کو دنیاوی ترازو سمجھ کر اور اس میں اعمال وایمان جو عوارض ہیں محال جان کر یہ تاویل کرتا ہے کہ تولیں بھاری ہونے سے مراد ہے حجتِ قوی ہونا اور خدا کے نزدیک گرامی اور بھاری ہونا اور کہتے ہیں یہ ایک عرب کا محاورہ ہے اور اسی طرح تولوں کے ہلکے ہونے سے مراد ذلیل ہونا اور ان کی حجتوں کا ضعیف ہونا ہے۔

مگر یہ ان کا قصورِ فہم ہے۔ کس لیے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازو نہیں بلکہ وہ ہے کہ جس سے اعمال وایمان کا وزن ہوتا ہے۔ حدیثِ صحیح میں میزان کا قیامت میں قائم ہونا ثابت ہے اہلِ سنت اس کے قائل ہیں۔

فائدہ: دو فریق بیان ہوئے اول وہ کہ جن کے ایمان واعمالِ حسنہ کی تولیں بھاری ہوں گی دوم وہ کہ جن کی تولیں ہلکی ہوں گی اور دونوں کا انجام بھی بیان فرما دیا۔ مگر ایک تیسرا فریق اور بھی ہے یہ وہ کہ جن کی نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔ ان کا کیا انجام ہوگا؟

منادی فرماتے ہیں کہ ان سے حساب آسان لیا جاوے گا اور آخر وہ بھی بخشے جاویں گے اور ان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تا کہ منادی معلوم ہو کہ قابلِ عذاب وہی ہیں جن کی نیکی کی تول ہلکی رہے گی گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ پھر اب اگر ایمان بھی نہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا ورنہ شفاعت یا اس کی مخصوص رحمت کے سبب وہ سزا پا کر یا ایمان کی برکت سے بغیر سزا پائے یوں ہی نجات پا جاوے گا مگر خطرہ میں ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جاوے گا ننانویں دفتر بڑے بڑے گناہوں کے اس کے پیش ہوں گے پھر حق سبحانہ پوچھے گا تجھے ان میں سے کسی کا انکار ہے کیا میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے ناحق لکھ لیے ہیں۔ کہے گا نہیں یارب! پھر پوچھے گا تجھے کوئی عذر ہے کہے گا نہیں یارب! تب حق سبحانہ فرماوے گا تیری ایک نیکی ہمارے ہاں ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تب ایک ورقہ نکلے گا جس میں کلمۂ شہادت ہوگا۔ تب وہ شخص کہے گا بھلا ان دفتروں کے مقابلے میں اس ورقہ کا کیا وزن ہوگا تب وہ ورق ایک پلہ میں اور وہ دفتر دوسرے پلہ میں رکھے جاویں گے تب یہ ورق بھاری نکلے گا اور وہ دفتر ہلکے ہو جاویں گے اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(اللہ اکبر)

(سورۃ تکاثر مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨

غافل کر دیا تم کو حرص نے یہاں تک کہ قبریں جھانک لیں۔ خبردار ابھی جان لوگے۔ پھر کہتے ہیں خبردار ابھی جان لوگے۔ نہیں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان جاؤ (تو غافل نہ ہو) ضرور تم کو دوزخ دیکھنا ہوگا۔ پھر اس کو بالیقین دیکھنا ہوگا۔ پھر اُس دن تم سے نعمتوں کا حال پوچھا جائے گا۔

ترکیب: اَلْهٰى فعل یقال الهاه عن فلان اذا شغله عنه وکم مفعوله التکاثر فاعله۔ والتکاثر التباهی والتفاخر بکثرة الاموال والاولاد

الغفلۃ عن اللہ تعالیٰ حتی غایۃ للاہاء زرتم المقابر جمع مقبرۃ۔ والمعنی انساکم حرص الدنیا والتفاخر بالاموال والعشائر عن الدار الاخرۃ حتی ادرککم الموت وانتم علیٰ تلک الحالۃ کلا للردع لو شرطیۃ تعلمون محذوف ای الامر الذی انتم صائرون الیہ علما یقیناً ونصب العلم علی المصدریۃ واضافۃ الی الیقین من اضافۃ الموصوف الی صفۃ وقیل العلم عام یکون یقیناً وغیر یقین فاضافتہ الی الیقین اضافۃ العام الی الخاص وجواب لو محذوف قال الاخفش التقدیر لو تعلمون علم الیقین ما الھاکم اونحوہ۔ لترون الجحیم الجملۃ جواب قسم محذوف ای واللہ لترون الجحیم فی الآخرۃ ولیس ھذا جواب لو قرء الجمہور بفتح التاء مبنیا للفاعل والرؤیۃ بصریۃ ولذا تعدت الی مفعول واحد۔

تفسیر: یہ سورۂ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایک روز ہزار آیتیں پڑھ سکتے ہو لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم الھاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ روایت کیا اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

ربط اس سورۂ کا القارعہ سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں انسان کو حوادثِ ہولناک سے خبردے کر متنبہ کیا تھا کہ ہوشیار خبردار تجھ پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے۔ اُس کے لیے تیاری کر اور اِدھر اُدھر کے فضول جھگڑے جو کچھ بھی کارآمد نہیں چھوڑ دے۔ مگر برخلاف اس کے انسان ایسی فضول باتوں میں غرق ہے کہ جو اُس کو کچھ بھی مفید نہیں وہ کیا؟ کثرتِ مال واولاد کی حرص اور اسی پر فریفتہ ہو کر تدابیرِ ضروریہ سے غافل ہو جانا۔ اس لیے اس سورۂ میں اس بات کی بُرائی بیان فرمائی جاتی ہے کہ اے انسان تجھے اس تکاثر نے اصلی کام سے غافل کر دیا اور ایسا غافل کہ کبھی بھی اصلی کام کی فرصت نہیں دی۔ موت تک اسی فضول دھندے پر پڑا رہا اور دراصل یہی اس کا سببِ نزول ہے۔ مگر قتادہ ومقاتل کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں یہود تفاخر کیا کرتے تھے کہ ہم فلاں فلاں قوم سے مال وقبائل میں زیادہ ہیں یہاں تک کہ عمر بھر اسی تفاخر میں رہے اور جو کچھ کرنا تھا وہ نہ کیا۔ اس لیے ان کا حال قابلِ افسوس بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کا سبب نزول یہ ہے کہ قریش کہ دو قبیلے تھے ایک بنی عبد مناف دوسرے بنی سہم۔ دونوں قبیلوں کے لوگ کسی مجلس میں اپنے اپنے مفاخر ذکر کرنے لگے ایک نے کہا ہمارا قبیلہ مالدار ہے اور آدمی بھی اُس میں زیادہ ہیں' سرداری اُسی کا حق ہے۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں ہمارے لوگ زیادہ ہیں اس لیے بیشتر جنگ میں مارے گئے۔ اسی پر بات بڑھ گئی تو یہ ٹھیری کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان میں گئے اور قبریں گنیں اس بیہودہ اور فضول تفاخر کی برائی میں جو انسان کو دارِ آخرت کے اسباب پیدا کرنے سے روکتا ہے یہ سورہ نازل فرمائی۔ الھاکم التکاثر۔ حتی زرتم المقابر کہ تم کو تفاخرِ مال وقبائل نے غافل کر دیا یہاں تک کہ قبریں جھانکیں۔ یعنی مرنے کو تیار بیٹھے ہو اس وقت تک بھی تو تم کو اُس تفاخر نے اصلی کام سے غافل اور بے خبر کر رکھا ہے۔ پھر یہ نہیں سوچتے کہ دارِ آخرت کی تدبیر کا کون سا وقت آوے گا۔ تفاخر اور تکاثر ایک معنی میں ہیں اور حرص کرنا بھی اس کے معنی ہیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے پُر درد اور پُر اثر الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مسلم وترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورۂ نازل ہوئی تو آپ اس کو پڑھ کر فرما رہے تھے کہ ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرا تو وہی مال ہے جو تو نے کھا لیا یا پہن لیا یا دے دیا خیرات کر کے۔

اقسامِ سعادت: واضح ہو کہ انسان کی دو سعادت ہیں ایک سعادتِ دنیا اور اُس کی تین قسم ہیں اول خاص اُس کے جسم کی بناوٹ کے متعلق حسن وجمال' دوسری جسم کے آرام وآسائش کے متعلق وہ کیا؟ تندرستی اور مال واسباب ومکان کی فراہمی اور اُن میں کامیابی' تیسری

اپنے بعد اپنے ذکرِ خیر کے بقاء کے اسباب بہم پہنچانا اور زندگی میں عزت اور آس پاس کے لوگوں میں سربلندی حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونا وہ کیا؟ اولاد اور اقارب اور قوم کی سربلندی یا عمارت وغیرہ یا یادگار کا چھوڑ جانا۔ تمام دنیا کی خوبیاں جن پر انسان فریفتہ ہے انہیں میں منحصر ہیں۔ اس سعادت کو نعمتِ الٰہی سمجھا جاتا ہے اور بقدرِ ضرورت اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی بُری بات نہیں مگر اس میں غرق ہو جانا اور آتشِ حرص کا ہر وقت شعلہ زن رہنا اور پھر آسائشِ تن سے زائد بیکار باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا اور سعادتِ اُخرویہ سے بالکل غافل رہنا محض حماقت ہے۔ ہزاروں شخص ایسے ہیں کہ بقدرِ ضرورت یہ سب سامان ان کو میسر ہیں مگر حرص اور باطل تمناؤں نے بے چین کر رکھا ہے۔ جمع کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی وقت کام آئے گا حالانکہ موت کے پاس پہنچ گیا پھر بھی اُس سے تمتع حاصل نہیں کیا۔ اب جانے وہ ضرورت کا وقت کب آئے گا اسی طرح اولاد کی تربیت اور اُن کی بھلائی میں کوشش کرنا بھی ایک عمدہ بات ہے مگر اس طرح غرق ہو جانا کہ اپنا آرام کھو دینا اور عقبیٰ کے کاموں سے محروم رہنا رات دن اُنہیں کے دھندے میں پڑا رہنا یہ عبث فعل ہے حالانکہ وہ اولاد مرنے کے بعد کیا زندگی میں بھی اپنے مشاغل میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ اُس بوڑھے کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ دوسری سعادتِ اُخرویہ ہے وہ مرنے کے بعد ملکِ جاودانی میں کامیابی۔ پس جو اس چند روز سعادت میں ایسا محو ہو کہ اُس سعادتِ جاودانی سے بالکل غافل ہو جاوے اور موت کے وقت تک اُس میں غرق رہے وہ سخت ہی بدنصیب ہے اُس بدنصیبی کا ذکر اسی آیت میں اور آئندہ آیات میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون کہ نہیں نہیں ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ یہ تکاثر وتفاخر مرنے کے بعد کیا کام آتا ہے؟ یعنی کچھ بھی کام نہ آوے گا۔ دستِ افسوس ملے گا کہ ہائے رے کس فضولی میں عمرِ گرانمایہ برباد کی۔ جن چیزوں کی کثرت چاہتا اور اُس پر فخر کرتا تھا اولاد و مال وہ تو وہیں رہ گیا میرے کچھ بھی کام نہیں آیا۔ اب تو یہاں موت بھی نہیں۔ ہائے اس بے انتہا زندگانی کا کوئی توشہ ساتھ نہیں لایا۔ حکایت کسی شہر میں کوئی بزرگِ باخدا دنیا سے علیحدہ ایک گوشہ میں یادِ الٰہی میں مصروف تھا اور اس کا دوستِ قدیم ایک تاجر تھا جو رات دن حصولِ مال وزر میں غرق رہتا اور بڑے بڑے مکان بنائے تھے اور ہر قسم کے سامانِ عیش ونشاط اُس کو حاصل تھے۔ ایک بار اُس مالدار تاجر نے اُس باخدا کو ملامت کرنی شروع کی اور کہا تو بڑا نادان ہے دیکھ میں نے اس عرصہ میں یہ کچھ پیدا کیا تو نے کیا کیا؟ اس باخدا نے جواب دیا کہ اے نادان تو نے اس چند روزہ زیست کے لیے یہ کچھ کیا وہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کیا کیا؟ کیا یہ چیزیں تیرے ساتھ چلیں گی؟ اور اگر نہ چلیں تو بتلا تم کو ان کے چھوٹ جانے پر کیا حسرت ہوگی۔ اب بتا تو نادان ہے یا میں؟ وہ تاجر زار زار رونے لگا۔ بعض لوگ اس کے بعد یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے آخرت کا حال معلوم ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں خاک بھی معلوم نہیں لو تعلمون علم الیقین اگر تم کو یقیناً وہاں کا حال معلوم ہو جاوے تو یہ تفاخر وتکاثر چھوڑ کر اصلی کام میں مصروف ہو جاؤ۔ گویا تمہارا علمِ آخرت کے بارہ میں علم یقینی نہیں۔ حکایت کوئی بادشاہ کسی فقیرِ باخدا کا معتقد تھا اُن سے ایک بار کوئی دوا مقوی باہ بھی طلب کی جس سے بے حد قوت بادشاہ کو معلوم ہوئی مگر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فقیر صاحب ضرور در پردہ کوئی عورت رکھتے ہوں گے اپنی لونڈی بنا سنوار کر بھیجی فقیر نے التفات بھی نہ کیا جس سے اور بھی تعجب معلوم ہوا۔ اگلے روز بادشاہ کا خیال معلوم کر کے فقیر نے کہا ایک راز کی بات ہے آپ کو مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ سات ہفتہ کے اندر اندر آپ مر جائیں گے یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ کس لیے کہ فقیر کی بات کو یقینی جانتا تھا گھر آ کر تمام امورِ عیش وعشرت کے ترک کر دیے اور رات دن رونے اور توبہ کرنے اور دُعاء وعبادت میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانتا تھا تمام شہوانی خیالات اور باطل تمنائیں کافور ہو گئیں۔ گھڑیاں گنا کرتا تھا۔ اس ہفت روز شغل میں اُس کی روح پر نورانیت بھی

پیدا ہوگئی اور کشودِ کار بھی ہوا۔ ساتویں دن موت کے انتظار میں تھا اور عزیز واقارب فرزند وزن کو رخصت کر چکا تھا جب وہ دن بھی بخیر گزر گیا اگلے روز فقیر کے پاس آیا اور پوچھا کہ موت تو نہیں آئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا دنیا کے سات ہی روز ہیں اب تک گزرے نہیں مگر یہ فرمایئے کہ اس عرصہ میں اُس دوا کا کیا اثر تھا اور اربابِ عیش ونشاط سے کیسی گزرتی تھی۔ عرض کیا کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بادشاہ فقیر کی رمز کو سمجھ گیا اور راہِ راست پر آ گیا۔ حقیقت میں علم الیقین اُس جہاں کا ہو جاوے..... تو نیک پر اشتیاق میں۔ اور بد پر خوف میں یہ زندگانی وبال ہو جاوے۔ یہ اہل اللہ بالخصوص انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کا ہی حصہ ہے اور اسی لیے ان کے افعال اور عامہ خلائق کے افعال میں جو دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمیشہ جینے کی اُمیدیں دل میں رکھتے ہیں بڑا فرق ہے۔

فائدہ: کلا سوف تعلمون کو دوبار لانے میں کیا حکمت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں تاکید کے لیے۔ جیسا کہ کوئی ناصح کہتا ہے تو سمجھا' تو سمجھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول بار اہلِ شر کے لیے اور بارِ دوم اہلِ خیر کے لیے پس اول وعید اور دوم وعدہ ہے یہ ضحاک کا قول ہے۔

اب اس قدر فرمانا عاقل کے لیے کافی تھا کہ اگر تم کو یقین ہو جاوے تو اصلی کام کرنے لگو اور اس حرص وفکر کو چھوڑ دو مگر مخاطبین کے دلوں پر تو اس حرص وفخر اور غفلت کے بے شمار پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے اب اُن کو صاف صاف بتلایا جاتا ہے فقال لترون الجحیم کہ ضرور ضرور تم دوزخ کو دیکھو گے۔ عام قراء لترون کو بفتح تاء پڑھتے ہیں فراء کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک بھی ہے کیونکہ یہ تہدید ہے تو عام محاورۂ عرب کے موافق اُس کے الفاظ بھی ہونے چاہییں۔ بعض بضمِ تاء بھی پڑھتے ہیں۔ اور جحیم دوزخ کو کہتے ہیں پھر یہ دیکھنا عام ہے۔ ایماندار تو یوں ہی دور سے دیکھ کر دل میں ڈریں گے اور نعماءِ الٰہی اور نجات کا شکریہ کریں گے اور کفار وگناہگار اُس کا عذاب دیکھیں گے جو اُن کے کرتوت کی سزا ہے۔ اور تکاثر کا مآل کار ہے۔ اور ایک آیت میں بھی یہی مضمون ہے وان منکم الا واردھا پھر دوبارہ اس بات کی تاکید کے لیے اس کلام کو اعادہ کرتا ہے فقال ثم لترونھا عین الیقین کہ ضرور تم اس دوزخ کو بالیقین معائنہ کرو گے۔ اس میں داخل کیے جاؤ گے اس کا مزہ چکھو گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول جملہ میں مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں عذاب دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں حشر کے روز دیکھنے کا ذکر ہے یا یہ کہ اول بار کا دیکھنا کنارے کھڑے ہو کر بارِ دوم کا دیکھنا دوزخ میں جا کر بعض مفسرین ان آیات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو علمِ یقین ہو جاوے تو تم دل کی آنکھ سے اب دنیا میں دوزخ کو دیکھ لو اور یقیناً دیکھ لو کوئی شبہ باقی نہ رہے مگر تم کو اس کا علم یقین نہیں۔

فائدہ: علم کے تین مرتبے ہیں اول علم الیقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا دوسرا عین الیقین کہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا ہو۔ تیسرا حق الیقین کہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ آج جن نعمتوں پر بھولے ہوئے ہو اور ان کے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے آخرت سے غافل اور مالک کے ناشکر بنے ہوئے ہو قیامت کے روز ان سے سوال ہوگا فقال ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم کہ اس روز دنیا کی نعمتوں سے سوال ہوگا تم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں ہماری نعمتوں کا تم نے شکریہ ادا کیا اور جس لیے تم کو دی گئی تھیں ان کو حاصل کر کے وہ کام بھی کیا یا نہیں؟ یعنی عبادت۔

خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں کما قال وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا نعماء ظاہریہ وباطنیہ۔ تندرستی جسم کے اعضاء کی خوبی رزق وروزی گرمی میں ٹھنڈا پانی یا سایہ وغیرہ وغیرہ جن سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ اس لیے علی اختلاف النعماء مفسرین

نے متعدد اقوال میں نعیم کی تفسیر کی ہے۔ کوئی کہتا ہے عافیت کوئی کہتا ہے تندرستی اور اولاد مال کوئی کہتا ہے ٹھنڈا پانی اور خنک سایہ کسی نے کہا حس وادراک کسی نے کہا پیٹ بھر کر کھانا اور آرام سے سونا اور پھر بدستور بول وبراز خارج ہو جانا۔ وغیر ذلک یہ سب قول ٹھیک ہیں۔

مسلم وغیرہ اہلِ سنن نے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو باہر ابوبکر وعمر کو بھی پایا آپ نے پوچھا اس وقت تم کس لیے گھر سے نکلے ہو کہا بھوکے نکلے ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اس لیے نکلا تب سب ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جس کے ہاں کھانا تیار نہ تھا اس نے اور اس کی بیوی نے دیکھ کر کہا مبارک مہمان اور ہماری زہے عزت تب سب کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھایا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکایا اور سامنے لایا اور چھوہارے بھی لایا سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر وعمر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بخدا آج کی اس کی نعمت سے بھی تم سے پوچھا جائے گا قیامت کے دن۔

فائدہ: کوئی مفلس شخص افلاس سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا شاکی ہوا اور کو سفر کو گیا وہاں اس کو اس قدر مال وزر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر لایا رستہ میں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاکت کی نوبت پہنچی تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس سرد پانی تھا اس نے سوال کیا اس نے کہا ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں آخر کار دینا ہی پڑا ورنہ موت سامنے دکھتی تھی پانی پی کر بھوک لگی اور سخت بیتابی ہوئی ہلاکت کی نوبت آ گئی تب ایک شخص ملا جس کے پاس روٹی تھی اس سے سوال کیا اس نے کہا اگر ان دونوں خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ تو مر جائے گا دونوں یہیں رہ جائیں گے ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا تھوڑی دیر کے بعد پیٹ میں پاخانہ اور پیشاب بند ہو جانے سے اس شدت کا درد ہوا، کہ ہلاکت کی نوبت آ گئی ایک شخص حکیم نمودار ہوا جس نے کہا یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا درد سے نجات ملی۔ تب ہاتفِ غیب نے کہا روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال کو آج لی ہے اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پر بھی تو اس کا شاکی ہوا یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص رویا اور تائب ہوا۔ اس کی نعمتوں کا شکریہ ہر حال میں واجب ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ علی کل حال۔

(اللہ اکبر)

سورہ عصر مکیہ ہے۔ اس میں تین آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣

قسم ہے عصر کی۔ بے شک انسان خسارہ میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی باہم ہدایت کرتے رہے۔

ترکیب: والقسم العصر مقسم بہ والمراد بہ الدھر عموماً وقیل العشی وھو ما بین زوال الشمس وغروبھا وقیل صلوٰۃ العصر۔ قرء الجمھور بسکون الصاد وقرئ بکسرھا ایضاً ان الانسان اسم ان لفی خسر خبرھا والجملۃ جواب القسم۔ قرء الجمھور بضم الخاء وسکون السین وقرئ بضمھا ایضاً والمعنی فی نقصان وخسران وشر۔ الاستثناء متصل من الانسان وقیل منقطع علی ان المراد بالانسان الکافر وعملوا وما بعدہ عطف علی آمنوا والتواصی وصیۃ بعضھم لبعض۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ صرف قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

ربط ؛ ربط اس سورہ کا سورۂ تکاثر سے یہ ہے کہ انسان تمام عمر کثرتِ مال واولاد وفراہمیِ اسبابِ عیش ونشاط میں صرف کرنا اپنی اوقاتِ گرانمایہ کا حاصل سمجھتا ہے ورنہ جانتا ہے کہ میرے اوقات خراب ہوئے اور عمر ضائع ہوئی اور اسی کو وہ مقصودِ اصل جانتا ہے اور اسی لیے وہ اس کی حرص کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے اس خیال کے رد کرنے کو یہ سورہ نازل فرمائی کہ کوئی کیسا ہی مال ودولت میں کامیابی حاصل کرلے مگر پھر بھی نقصان اور خسارہ ہی میں ہے اس خسارہ سے تو وہ بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کر گئے اور نیک کاموں کی بنیاد اپنے بعد ڈال گئے۔ عمرِ گرانمایہ کا اصلی نفع یہی ہے نہ وہ کہ جو عموماً طبائعِ انسانیہ سمجھی ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے جاہلیت کے دوست ابوالاسد نے بطور طنز کے یہ کہا تھا کہ تم بڑے ہوشیار اور تجارت میں خبردار تھے کبھی نقصان نہیں اٹھایا، اب کیا نادانی چھا گئی جو تمام مال صرف کر کے ایک شخص کے معتقد ہو گئے اور قدیم دین کو چھوڑ بیٹھے۔ یہ تم نے بڑا خسارہ اٹھایا اس کا خیالِ باطل بھی اس سورہ میں رد کر دیا گیا۔

فقال والعصر کہ قسم ہے زمانہ کی جس میں یہ انسان زندہ ہے اور یہ ایک نہایت قیمتی اور گرانمایہ سرمایہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو دے کر دنیا میں ایمان اور نیکوکاری کی تجارت کرنے بھیجا ہے اور یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح آپ ہی آپ پگھلتا جاتا ہے اگر اس نے بجائے ایمان اور عملِ نیک کے برا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا تو یہی انسان خسارہ میں ہے اس لیے اس وقتِ عزیز کی قسم کھائی جس کو یہ ناقدر انسان برے وقت میں صرف کرتا ہے یا یوں ہی ضائع کرتا ہے اور اس قسم کو اپنے مابعد کے مضمون سے نہایت ارتباط ہے گویا وہ دعویٰ ہے تو یہ اس کی دلیل مقدم ہے تاکہ مخاطب کو اس مضمون میں کہ انسان خسارہ میں ہے (سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے) کوئی تردد نہ رہے اور یہ قرآن مجید کا کمالِ بلاغت ہے ولہ الحمد۔ مفسرین کے عصر کے معنی میں چند قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد مطلق زمانہ ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت وحکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ اور یہ اس لیے کہ زمانہ کی تمام چیزوں پر زمانہ کا پورا احاطہ ہے کوئی بادشاہ، کوئی مالدار، کوئی شہ زور ایسا نہیں کہ زمانہ کی نیرنگیوں سے نکل جائے۔ زمانہ کا پہلا اثر موسموں کا تبدل ہے جب سردی آتی ہے تمام لوگوں پر سردی کا اثر پھیل جاتا ہے اور جب گرمی کی سلطنت آتی ہے تو سب پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح جب رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور جب دن کی سلطنت ہوتی ہے تو رات کافور ہو جاتی ہے زمین پر نور پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی عمر پر زمانہ کا وہ نمایاں سکہ چلتا ہے کہ کسی طرح ٹلتا ہی نہیں لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بے اختیار آتا ہے اور پھر زمانہ زمانیات کو فنا کرتا ہے اور پھر حیوانات، جمادات اور حیوانات میں سے انسانوں کو مار کر ایسے فنا کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ فنا شدہ اتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے اب دیکھا چاہیے کہ زمانہ کی ڈوریاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اسی قادرِ مطلق کے لیکن جن کی نظر دور تک نہیں پہنچتی وہ ان سب حوادث کو زمانہ ہی کے مستقل افعال جانتے ہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ اور جن کی نگاہیں دور جاتی ہیں اور وہ گہری نظروں سے دیکھتے ہیں وہ اس کل کے موجد اور اس کے چلانے والے کے ہاتھ کی کاریگری سمجھتے ہیں جو زمانہ سے باہر ہو کر زمانہ کی کل چلا رہا ہے اس لیے زمانہ کی قسم کھائی کہ وہ اس کی ایک عمدہ اور بڑی کل ہے جس میں اشارہ ہے کہ زمانہ کے موافق بنو۔ زمانہ تمہارے موافق نہیں بنے گا اور جب کسی نے زمانہ سے لڑائی کی تو فوراً شکست کھائی اور اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابنِ آدم مجھے ایذا دیتا ہے جو دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے دہر تو میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہے۔ میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔

(۲) بعض فرماتے ہیں اخیر دن کا وقت مراد ہے جو زوال سے غروب تک کا وقت ہے جس کو عربی میں عشی کہتے ہیں۔ یہ قتادہ اور حسن بصری کا قول ہے اور اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع ونقصان اخیر دن میں ظاہر ہوتا ہے۔ دن بھر بیچ کھوچ کر سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے اور نیز زیادہ بیع وشرا کا بازار اسی وقت گرم ہوتا ہے اور نیز ایک انقلابِ عظیم کی یہ تمہید ہے یعنی دن

کا جانا رات کا آنا اور اسی لیے اس وقت کی نماز کی جس کو صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کہتے ہیں بڑی تاکید ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ انسان تیری زندگانی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا تو اپنی تجارت میں جو آخرت میں کام آئے سرگرمی کر لے وقت بہت نہیں رہا ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے جو بڑا متبرک زمانہ ہے اور جس میں تجارتِ آخرت کا بازار بڑا گرم تھا جس نے سعادت کی طرف ذرا توجہ کی اس نے سلطنتِ آسمانی حاصل کر لی اور جس نے برا سودا کیا عمر کھو کر کفر وبدکاری خریدی، گھاٹا اٹھایا اور بڑا گھاٹا۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا تھا خیر القرون قرنی الحدیث کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے الخ۔ جب صبح سے لے کر تھوڑے دن رہے تک بنی آدم آخرت کے سودے میں پورے کامیاب نہ ہوئے اور وقت رہ گیا کم تو اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی برپا کیا جو دنیا کو نافع تجارت سکھانے آیا ایسی تجارت کہ تھوڑے سے داموں پر (یعنی چند روزہ زندگی سے جو اُممِ سابقہ کی بہ نسبت وقتِ عصر ہے اور تھوڑے سے اعمال سے) بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے یعنی دارِ آخرت اور اس کے نعمائے باقیہ اسی لیے لفظ والعصر میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بس اب اور وقت نہیں رہا جو اور نبی آئے گا انہیں پر سلسلہ تمام ہے۔ پھر اب بھی جو کوئی ہدایت پر نہ آئے تو ازلی بدنصیب ہے۔ دنیا کی دوکان بڑھا چاہتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرما دیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں اور انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی یعنی ساتھ لگے ہوئے میرے بعد قیامت ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں کہ خاص نمازِ عصر کی قسم مراد ہے یہ مقاتل کا قول ہے اسی لیے اس نماز کی قسم کھائی کہ یہ اس دارِ آخرت کی تجارت کا ایک مخصوص وقت ہے اور نیز دنیاوی تجارت کا بھی وقت ہے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت ہے اور نیز دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے اس کے بعد سے رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے اور اسی لیے حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ جس کی نماز عصر قضا ہو گئی گویا اس کا گھر بار لٹ گیا اور قرآن مجید میں صلوٰۃِ وسطیٰ سے (جس کی محافظت پر تاکید ہے) یہی نماز مراد ہے۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں بہت سی چیزوں کی خدا پاک نے قسم کھائی ہے۔ رات کی، دن کی، آفتاب کی، آسمان کی، مکہ شہر کی، انجیر کی، زیتون کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی وغیرہ۔ حالانکہ حدیث شریف میں بندوں کے لیے بجز خدا پاک کے نام کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قسم کھانے میں تعظیمِ بیحد ہے اور اس کا مستحق وہی حق سبحانہٗ ہے اور اہلِ توحید کا شیوۂ خاص ہے کہ اس کی تعظیم کے برابر کسی کی تعظیم نہ کریں پھر حق سبحانہٗ نے اپنی مخلوقات کی کیوں قسمیں کھائیں۔ اپنی ذات وصفات کی قسم پر انحصار کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور معتزلہ اور بڑے بڑے علماءِ اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر لفظ رب محذوف ہے جیسا کہ والتین قسم ہے۔ رب تین یعنی رب انجیر کی پھر ان اشیاء کے ذکر کرنے میں اور ان کی ربوبیت کے اظہار میں بندوں کو ان چیزوں سے جو منافع اور فوائد ہیں ان کا اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ ان چیزوں میں اس کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ دیکھ کر ایمان لائیں اور اپنے قدیم محسن اور آقاءِ ولی النعمۃ کی طرف جھکیں یعنی ہر جگہ اپنی ہی قسم کھائی ہے نہ مخلوق کی۔ اکثر متکلمین کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور بات بھی یہی قوی ہے لیکن علماءِ کرام کی ایک جماعت ظاہر الفاظ پر خیال کر کے یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ رب کے محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں چیزوں کی قسم کھائی ہے مگر ہر ایک قسم کھانے والے کی حالت اور شان کے مطابق اس چیز کی قسم کھانے سے جو مقصود ہوتا ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سر کی قسم کھائے یا تخت کی تو اس کا مقصود عزت وعظمت بادشاہ کی اور اس کے تخت کی ہوگی اور جو کوئی اپنی اولاد یا اپنے مال کی قسم کھائے تو مقصود محبت ہوگی علیٰ ہذا القیاس۔ پس حق سبحانہٗ جو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو مقصود اس چیز کے پیدا کرنے میں جو اس نے اسرارِ قدرت اور بندوں کے منافع رکھے ہیں ان کا اظہار ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ شے جملہ مخلوق میں بڑھ کر ہے یا

نہیں اور کبھی محض اس چیز کا شرف وعزت بندوں کی نگاہ میں ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یا کہ معظمہ کی قسم۔اب کوئی محلِ اعتراض باقی نہیں رہا اس پر بھی جو کوئی اس رمز سے ناواقف ہو کر عیب لگائے اور طعن کرے یہ اس کی بھونڈی سمجھ ہے۔

الحاصل عصر کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لفی خسر کہ بے شک ابن آدم نقصان میں ہے کس لیے کہ اس کی عمرِ گرانمایہ جو بڑا مال ہے اور جس سے دارِ آخرت کی کارآمد چیزیں خریدی جاتی ہیں وہ ہر آن گھٹتی جاتی ہے اور جو گھٹتی ہے اس کے پھر آنے کی امید منقطع ہے۔کیا خوب کہا ہے حافظ مرحوم نے ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں ہردم جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

اور اگر اس عمر گرانمایہ کو گناہوں اور شہوات ولذاتِ فانیہ میں صرف کیا یا کھیل کود، لہو ولعب میں گزار دیا تو اور بھی نقصان ہوا اور خسرانِ سرمدی وحرمان ابدی نصیب ہوا۔

لیکن اس عمرِ چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کے لیے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات وباقیات کا سلسلہ باقی چھوڑ جائے تا کہ اس کے بعد بھی اس کے حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں۔اور اس سبب سے اس کو اکتسابِ حسنات کے لیے ایک وسیع زمانہ مل جائے ورنہ عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ ایک اس میں سے لڑکپن اور بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ کم کر دیا جائے کیونکہ ایسے وقت انسان بیکار ہو جاتا ہے اور اعضاء جواب دے چکتے ہیں تو بہت ہی حصہ کم رہ جاتا ہے اس لیے اس خسارہ پانے والوں میں سے جن میں یہ دو وصف ہوں ان کو مستثنیٰ کرتا ہے۔(۱) الاالذین امنوا و عملوا الصالحات مگر وہ کہ جو ایمان لائے اور ایمان لا کر نیک کام بھی کئے۔یہ وہ پہلی بات ہے جو اپنی حیات کی کمائی تھی۔اس کے دو مرتبہ ہیں۔اول معرفت اور حقائق الاشیاء کا علمِ صحیح خصوصاً حق سبحانہٗ اور وسائلِ [1] ہدایت وارشاد کی بابت اعتقادِ صحیح جس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔یہ اعلیٰ کمال ہے روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد یہ کمال ساتھ رہتا ہے اور اسی کو حکما بھی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اہلِ ہند بھی اس کو گیان کہتے ہیں جو ان کے نزدیک نجات کا وسیلہ ہے۔مگر حکماء کے علمِ حقائق الاشیاء اور ہندوؤں کے گیان اور شرعی ایمان میں بڑا فرق ہے۔شرعی ایمان وہ علم اور وہ گیان ہے جس میں شکوک وخطرات یا توہمات وتخیلات کی بو بھی نہیں وہ ان ظلماتی دھبوں سے پاک ہے نہ اس کے حصول کے وہ ذرائع ہیں جن میں عقلی قیاسات اور وہمی تگ بندیوں کو دخل ہو نہ تمام مخلوق کی حقیقت دریافت کرنے کی تکلیف مالایطاق نہ آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے کی حاجت۔ دوسرا مرتبہ ایمان کے بعد نیک کام کرنے کا ہے۔ یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ہر ایک نیک کام کو شامل ہے خواہ عبادت بدنی ہو خواہ مالی خواہ ذکر ومراقبہ وفکر وتسبیح وتہلیل ہو اور خواہ نماز وخیرات ہو خواہ صلۂ رحمی مخلوقِ خدا پر ترحم اور نفع رسانی ہو۔کس لیے کہ اگر ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ نہیں تو ایمان ایک درختِ بے ثمر ہے اور اگر دونوں باتیں حاصل ہیں تو دنیا سے نفع کما لایا۔(۲) وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہ اپنے بعد بھی سلسلۂ حسنات باقی چھوڑ گئے۔اس لحاظ سے گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور ہمیشہ دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں کس لیے کہ جو اپنے بعد نیک کاموں کی بنیاد ڈال جاتے ہیں جب تک وہ نیک کام باقی رہیں گے اور لوگ ان سے نفع حاصل کریں گے ان کے بنیاد ڈالنے والوں کو بھی اسی قدر ثواب ملتا رہے گا اور احادیثِ صحیحہ میں بھی یہی مضمون وارد ہے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو بھی اتنا

[1] وسائلِ ہدایت فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اور پھر انبیاء کی کتابیں ان سب پر ایمان ضرور ہے بغیر اس کے معرفت وعلم ناقص ہے اس لیے نجات نہیں۔۱۲ منہ

ہی اجر ہے کہ جتنا اس ہدایت قبول کرنے والے کو ہے اور جس نے کسی کو برے کام کی ترغیب دلائی تو اس کو بھی اسی قدر گناہ ہے کہ جس قدر اس برے کام کرنے والے کو ہے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔اور ترمذی وابن ماجہ وغیرہ نے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

حق کی تفسیر ! اس نیک کام کی بابت دو لفظ ارشاد فرمائے کہ جس کا اوروں کو تقید کر کے دنیا سے چلے تھے۔اول حق پر قائم رہنے کی تاکید۔ یہ لفظ بھی وسیع المعنیٰ ہے دینِ حق پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے اور راست بازی اور نفعِ خلائق کو بھی شامل ہے پھر دین میں عبادات سے لے کر اعتقادِ صحیح اور اخلاقِ کریمانہ خیرات وصدقات سب کو شامل ہے۔بنائے مساجد ومدارس اور اسلام کے قیام واستحکام کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیمِ علوم سب اس میں آ گئے۔اسی لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام میں اعلیٰ درجات رکھتے ہیں کہ اپنے بعد مفیدِ اسلام وہ باتیں چھوڑ گئے جن سے آج تک مسلمان نفع پا رہے ہیں۔اور ان کے بعد آئمہ ومجتہدین وپیرانِ طریقت وغیرہم ہیں۔ اور دوسرا لفظ صبر ہے۔یہ بھی بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے کس لیے کہ مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے اور یہ وصف ہر ایک عالی حوصلہ کو لازم ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہم چشموں میں عزت ہے نہ عافیت ہے۔بات بات پر لڑنا مقابلہ کرنا لوگوں سے انتقام لے کر دشمن بنانا زیست تلخ کر دیتا ہے۔

حکایت: سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدوی نے جبکہ آپ خلیفہ تھے مجمعِ عام میں سخت الفاظ کہے اور گالیاں بھی دیں لوگوں کو غصہ آیا۔فرمایا تمہیں تو کچھ نہیں کہا، مجھے کہا ہے۔آپ نے حکم دیا کہ غریب بھوکا ہوگا کھانا کھلاؤ۔عمدہ کپڑے دو، خرچ سے تنگ ہوگا روپے دو۔چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی۔تیسرے دن اس شخص کو روبرو بلا کر پوچھا کہ بھائی اب بھی تم مجھ سے خفا ہو؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا کہ میں نہ پہلے خفا تھا نہ اب ہوں۔صرف امتحان منظور تھا کہ دیکھوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خون آپ میں کس قدر ہے ان کے اوصافِ حمیدہ کا کتنا حصہ ملا ہے؟ آپ نے فرمایا بحمد اللہ ہم پہاڑ ہیں ایسے جھوکوں سے ہلنے والے نہیں۔صبر کی تاثیر ہے کہ مخالف برائی کر کے آپ شرمندہ ہو جاتا ہے۔قرآنِ مجید میں جابجا اس کی تاکید ہے۔ادفع بالتی ھی احسن الخ کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کوئی گالی دے تو دعا دے۔

نفسِ بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے نفس چاہتا ہے کہ رات کو گرم ہو کر سو رہو مگر یہ جوانمرد نہیں مانتا نماز پڑھتا ہے، سردی گرمی کی برداشت کرتا ہے، اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میں ثابت قدمی صبر ہے۔اسی طرح صفِ جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ اور مقابلہ میں استقلال بھی صبر ہے۔خدا کی راہ میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے۔مصائبِ ارضی وسماوی پر استقلال بھی صبر ہے۔انسان کی سعادت کے دو بازو ہیں جن سے اڑ سکتا ہے۔اول درستیِ اعتقاد یعنی تکمیلِ قوتِ نظریہ یہ دایاں بازو ہے۔اس کے لیے تواصوا بالحق استعمال ہوا۔دوسرا بایاں بازو نیک کام کرنا بری باتوں سے پرہیز کرنا ہے یعنی قوتِ عملیہ کی تکمیل اس کے لیے تواصوا بالصبر استعمال ہوا۔تمام حکمتِ نظریہ وعملیہ کا انہیں دو لفظوں میں خاتمہ کر دیا۔

اور یہ بھی ہے کہ اول انسان آپ کامل ہو لے اس بات کی طرف امنوا وعملوا الصلحت میں اشارہ کیا تھا اور آپ کامل ہو کر اوروں کی تکمیل کی بھی فکر کرے اور حکیمِ روحانی بن کر مریضانِ بنی آدم کا علاج کرے۔یہ پورا کمال ہے اس لیے اس کے لیے تواصوا بالحق وتوصوا بالصبر میں اشارہ فرمایا۔حق پر قائم رہنے کی وصیت وتاکید گویا دوا پینے کا حکم ہے اور تواصوا بالصبر میں اشارہ ہے کیونکہ اگر مریض دوا پی کر مضر اشیاء سے پرہیز نہ کرے گا کبھی فائدہ نہ اٹھائے گا۔

وصیت کے معنی ! تواصوا وصیت سے ہے۔یہ لفظ عرفِ شرع میں تقید وتاکید کے معنی میں بھی مستعمل ہوا کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا [1] اور عرفِ عام میں وصیت اس بات کو کہتے ہیں جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہو یا کہو بوقتِ مرگ

[1] ہم نے انسان کو ماں باپ سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔

حکم دے۔اس لیے اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ رمز ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا نفس فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے گویا یہ لوگ نفس کو مار کر جیتی زندگی میں مر گئے یا قریب بمرگ ہیں۔اب جو کہتے ہیں گویا وصیت کرتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتداءِ سورۃ میں لفظ عصر کی قسم کھائی تھی جو اخیر وقت ہے گویا ہر زندہ دل اپنی زندگانی پر بھروسا نہ کر کے ہر وقت کو دمِ اخیر سمجھتا ہے پس وہ جو کچھ فرماتا ہے گویا بوقت مرگ فرماتا ہے۔جس کی پابندی پچھلوں پر بلحاظِ محبت واجب ہے اور یہ ہی ہو سکتا ہے کہ اچھے لوگ بوقتِ مرگ دنیاوی جھگڑے چھوڑ کر اپنے مریدوں محبوں کے لیے حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقر میں ہے۔[1] ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب یا بنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الاوانتم مسلمون وام کنتم شھداء اذاحضریعقوب الموت اذقال لبنیہ الخ۔ (اللہ اکبر)

سورہ ہمزہ مکیہ ہے اس میں نو آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝٣
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦
الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

خرابی ہے ہر ایک طعنہ زن آوازکش کی اس کی کہ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا سمجھتا ہے کہ میرا مال مجھے سدا رکھے گا یہ نہ ہوگا البتہ وہ تو حطمہ میں پھینکا جائے گا اور تو کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ اور وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے وہ اس میں بند کئے جائیں گے بڑے بڑے ستونوں سے باندھ کر۔

ترکیب ¦ ویل مبتدء وجاز الابتداء بالنکرۃ لکونہ علیھم لکل ھمزۃ لمزۃ۔خبرہ۔قرء الجمھور بضم اولھما وفتح المیم وقرئ بسکون المیم فیھما واصل الھمز الکسر والضرب وکذ اللمز یقال ھمزہ یھمزہ ہمزا ولمزہ یلمزہ لمزا۔قال الرازی الھمزۃ الکسر قال تعالٰی ھماز مشاء والمز ہ الطعن ولا تلمزوا انفسکم والمراد الکسر من اعراض الناس والغض منھم والطعن فیھم۔ھمزۃ لمزۃ علی وزن فعلۃ وبناء فعلۃ لمبالغۃ الفاعل کالضحکۃ واللعنۃ ای کثیر الضحک وکثیر اللعن۔واذا اسکنت العین یکون لمبالغۃ المفعول یقال رجل لعنۃ بسکون العین اذا کان ملعونا للناس یکثرون اللعن علیہ۔الذی الخ بدل من کل او فی محل نصب علی الذم او تعلیل لما قبلہ عددہ قرء الجمھور بالتشد ید وقرئ بالتخفیف ومعناہ احصاہ فھو ماخوذ من العدد قال الزجاج عددہ لنوائب الدھر یقال اعددت الشیء وعددۃ اذا امسکتہ۔یحسب الخ مستانفۃ لتقریر ما قبلھا وقیل فی محل النصب علی الحال من فاعل جمع اخلد ماض معناہ المضارع ای یخلدۃ والخلد بالضم البقاء کلا روع لینبذن الخ اللام جواب قسم محذوف حطمۃ علی وزن ھمزۃ مبالغۃ فی الحطم بمعنی الکسر تحطم وتکسر من القی فیھا والحطمۃ من اسماء الناس فی عمد ممددۃ فی محل نصب علی الحال من الضمیر فی علیھم ای کائنین فی عمدۃ ممددۃ موثقین فیھا وقیل خبر مبتدء محذوف ای ھم اوصفۃ لموصدۃ قرء الجمھور عمد بفتح العین والمیم جمع عمود کادیم ودادم وقال ابوعبیدہ جمع عماد وقیل اسم جمع لعمود قال فی الصحاح العمود عمود البیت وجمع القلۃ اعمدۃ وجمع لکثرۃ عمد۔

تفسیر ¦ یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی۔ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے اس کی نو آیت ہیں۔

[1] ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ دین حق خدا نے تمہارے لئے پسند کیا اب تم ایمان واسلام ہی پر مرنا۔۱۲ منہ

وجہ ربط ¦ وجہ ربط اس کی سورۂ عصر سے یہ ہے کہ سورۂ عصر میں بیان تھا کہ انسان خسارہ میں ہے اب اس سورہ میں انسان کے خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے جاتے ہیں۔واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں: اول حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا، عبادت نہ کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔ دوم وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں جیسا کہ کسی کا حق ادا نہ کرنا یا تکلیف وایذا بلاوجہ پہنچانا، آبروریزی کرنا، دلوں کو رنج پہنچانا خصوصاً خاصانِ خدا کی دل آزاری کرنا اور ان کی جو بندگانِ خدا کی اصلاح وتعلیم کے لیے اپنی جان اپنا مال اپنا آرام نذر کر چکے ہوں۔یہ قسم دوم کے گناہ ایسے برے ہیں کہ بغیر اس کے کہ جس کو ایذا دی گئی ہے وہ معاف نہ کرے توبہ واستغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے اور نیز ان افعالِ قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے، فساد کا دروازہ کھلتا ہے، تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس لیے قرآنِ مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے۔اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، منہ چڑانا، ان پر ٹھٹھا کرنا، مضحکہ اڑانا، آواز اور ان کی صورت کی نقلیں کرنا یہ کمینہ اخلاق بڑے خسارہ کے باعث ہیں ان سے دنیا میں بھی خسارہ ہے، عداوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کی عزت لوگوں کی نگاہوں میں نہیں رہتی خود اسی کو بیہودہ اور مسخرہ کہنے لگتے ہیں اور آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے وہ آگ ہے جو تطلع علی الافئدۃ ان کے دلوں کو جلائے گی نعوذ باللہ منہا۔اور یہ عیب جاہلوں بدبختوں میں زیادہ مروج ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اس کو عیب نہیں بلکہ ہنر جانتے ہیں۔مکہ کے قریش کافر اس بلا میں سخت مبتلا تھے۔بالخصوص ولید بن مغیرہ واخنس بن شریق وامیۃ بن خلف یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور غریب ایمانداروں کی نماز وعبادت کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے تھے اور اسی سبب سے بعض مفسرین نے انہیں کے ان افعالِ قبیحہ کو سببِ نزول قرار دیا مگر دراصل سببِ نزول وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔پس اس سورۂ مبارک میں بڑے پر اثر الفاظ میں ان اخلاقِ رذیلہ کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے جو باعثِ خسران ہیں۔

فقال ویل لکل ھمزۃ لمزۃ کہ خرابی ہے ہر ایک بدگوئی کرنے والے عیب چین کی۔اور وہ خرابی کیا ہے اس کو آخر میں بیان فرماتا ہے لینبذن فی الحطمۃ الخ کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا الخ۔ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) ابوعبیدہ کہتے ہیں دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں، غیبت وبدگوئی کرنے والا۔ (۲) ابوالعالیہ وحسن ومجاہد وعطاء وابن ابی رباح کہتے ہیں کہ ہمزہ اس کو کہتے ہیں جو روبرو بدگوئی کرے اور لمزہ اس کو جو پیٹھ پیچھے برا کہے۔ (۳) قتادہ اس کے برعکس معنی بیان کرتے ہیں۔ (۴) قتادہ ومجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی تھی باپ ایسا تھا اس کی قوم ایسی ہے وہ شریف نہیں۔اور لمزہ وہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ اعضا کے اشاروں سے کسی کی آبروریزی کرے جیسا کہ سفلوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ، بھوؤں یا منہ بنانے سے کسی کی بے عزتی کرنے کے لیے اشارے کیا کرتے ہیں۔ (۵) ابن کثیر کہتے ہیں کہ ہمزہ وہ ہے جو زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال سے یعنی اعضاء کے اشاروں سے۔ اور سب اقوال کا مطلب ایک ہی ہے۔یعنی طعن اور اظہارِ عیب، کسی کی دل آزاری اور بے عزتی کرنا، چغل خوری اور دو میں لڑائی کرا دینا اور ایک کی بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کرنا اور نقلیں کرنا اور آواز کھینچنا اور قہقہے اڑانا اور آوازیں نکالنا سب اس میں گئے۔افسوس آج کل یہ کفار کی عادت مسلمانوں میں رواج پا گئی۔ایسی کوئی مجلس نہ دیکھو گے کہ جس میں دوسرے پر طعن وتشنیع نہ ہو اور امیروں کے ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے لچوں شہدوں نے اپنا وطیرہ کر لیا ہے بلکہ وعظ وسپیچ میں بھی ایک دوسرے پر آواز کھینچتا ہے۔الا ماشاء اللہ اسی لیے صلحاء نے مخالطت ومجالستِ عامہ کو ترک کر دیا اور اب تو یہ خرافات لکھی بھی جاتی ہے۔ایسے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں کہ جن میں ایک دوسرے پر لعن وطعن کرتا ہے، کوئی لفظ نحیف اٹھا نہیں رکھتا اور اخباروں میں تو روزمرہ یہی دیکھنے میں آتا ہے اور نیچ اخبار تو اس کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں ہائے ہائے اسلامیوں کے عادات و خصائلِ حمیدہ کہاں چلے گئے۔بزرگانِ دین نے عمر بھر بھی کسی کی غیبت نہیں کی۔امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے

غیبت کی بابت مؤاخذہ نہ ہوگا میں نے کسی کی غیبت عمر بھر نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی کہ جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، خرابی ہے اس کی خرابی ہے اس کی۔ (رواہ احمد، والترمذی وابوداؤد والدارمی)۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (رواہ احمد والترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نہ طعنہ باز ہے، نہ لعنت کرنے والا ہے، نہ فحش بکنے والا ہے، نہ بے حیائی کرنے والا ہے۔ (رواہ الترمذی) یعنی ایمان کی شان نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہا کرے، فحش بکے، گالیاں دیا کرے، ننگا لچا بن جائے، جو منہ میں آئے بک دیا کرے اور اس کو آزادگی سمجھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کیا ہے غیبت (بدگوئی)۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنی جو اس کو بُری معلوم ہو کسی نے عرض کیا کہ اگر دراصل اس میں وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ فرمایا اگر عیب ہے اور تو نے بیان کیا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ وہ تو بہتان ہے۔ (رواہ مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اس کے عیب پر طعنہ زنی نہ کر، خدا اس پر رحم کرے گا تجھے اسی بلا میں مبتلا کر دے گا۔ (رواہ الترمذی) یہ ہے تہذیبِ اخلاق جس سے لوگ آج بالکل بے خبر ہو رہے ہیں اور انگریزی روش کو تہذیبِ اخلاق سمجھ رہے ہیں۔

ہمزہ اور لمزہ فعلہ کے وزن پر ایک صیغہ ہے جو مبالغہ کے لیے عرب کی زبان میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ضحکۃ اس کو کہتے ہیں جو بہت ہنسا کرے اس صیغہ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بدبخت کی یہ عادت ہوگئی اور اکثر ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔

غالباً اس خبیث عادت کا سبب، کبر و تعلّی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس غرور تعلّی کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال، شرافتِ نسب و حسب، علم و ہنر اور سب سے بڑھ کر مال ہے۔ یہ وہ نشہ ہے کہ انسان کو اندھا ہی کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے غرور خاک میں مل جایا کرتے ہیں اس لیے اب اس کے اس مایۂ ناز کی حقیقت کھولتا ہے۔ فقال الذی جمع مالًا وعددہ کہ وہ جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اس گن گن کے رکھنے میں اشارہ ہے کہ وہ مال اسبابِ خیر اور نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کے لیے جمع نہیں کرتا بلکہ دھر رکھنے کے لیے اور حوادث میں کام آنے کے لیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرص اور حبِّ مال اس کے دل پر غالب ہے اور یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یوں مال فی نفسہٖ برا نہیں نہ اس کا جمع کرنا بشرطیکہ جائز طریقوں سے حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ زکوٰۃ، غربا کے ساتھ صلہ رحمی دینی کاموں میں تائید کی جائے، برائی اسی قسم کے مال جمع کرنے کی ہے کہ جس کا ذکر ہوا۔ اور جس بخیل مالدار کا پوچھئے گا کہ یہ کس لیے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اس بات کو رد کرتا ہے۔ فقال یحسب ان مالہ اخلدہ کہ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا موت سے بچالے گا۔ آسمانی مصائب کو ٹال دے گا، تغیراتِ جسم کو روک دے گا۔ اگر یہ نہیں سمجھتا تو پھر یہ بخل یہ تکبر کس لیے۔ آخر ایک روز خاک میں مل جانا ہوگا سب سامان یہیں رہ جائے گا۔ اس لیے فرمادیا کلا کہ ہرگز ایسا نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے کس لیے کہ کسی مالدار نے اپنی موت کو نہیں ٹال دیا ہے، کوئی بڑھاپے کی مصیبت سے نہیں بچا ہے۔ پھر جب دنیا میں ایسے موقعوں پر کام نہیں آیا تو کیا آخرت میں آئے گا؟ اس کا بھی جواب دیتا ہے لینبذن فی الحطمۃ کہ آخرت میں آگ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کر دینے والی ہے۔ یہ جملہ دراصل ویل کی تفسیر ہے۔ حطمہ بھی فعلہ کے وزن پر ہے حطم توڑنا حطمہ بہت توڑنے والی یہ جہنم کی آگ کی صفت بیان ہوئی جو اس کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے یہ بھی دنیا میں اپنی بداخلاقیوں سے لوگوں کے دل توڑا کرتا تھا۔ آگ کا تسلط اولاً صورت پر ہوتا ہے کہ جلنے کے بعد صورت بگڑ جاتی ہے پھر گوشت و پوست پر نوبت پہنچتی ہے پھر ہڈیوں کو توڑتی ہے جہاں یہ مال کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا اس قدر اوصاف میں دنیاوی آگ بھی شریک تھی۔ لیکن آتشِ الٰہی ان سے تاثیر میں بالاتر ہے اس لیے کسی قدر اس کے حالات

ظاہر کرنے کے لیے بطریقِ سوال و جواب کے ذکر کرتا ہے تاکہ اس عالم کی آتش کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ فقال وما ادرٰک ماالحطمۃ کہ تو اے مخاطب! کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ؟ یعنی اس کی شناخت حکماء و عقلاء کے فہم سے بالاتر ہے۔ کس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہی چند اقسام آتش کے ہیں ایک تو یہی معمولی آگ عنصری یا کوکبی جیسا کہ آفتاب اور بعض ستاروں کی حرارت یا بجلی کی حرارت یا اجسام کی باہم مصادمت اور حرکت کی حرارت یا مزاجی حرارت جیسا کہ حیوانات میں زیادہ محسوس ہے اور خصوصاً انسان میں بخار کے وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ آتش ان سب قسموں سے ایک جداگانہ حرارت ہے پھر وہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے نار اللہ کہ وہ غضبِ الٰہی اور اس کے قہر کی آگ ہے۔ الموقدۃ روشن کی گئی اور دہکائی گئی ہے بندوں کے گناہوں کے ایندھن سے اب اس کی ایک اور صفت بھی سنو التی تطلع علی الافئدۃ وہ یہ ہے کہ جو دلوں کو جھانکتی یا دلوں تک پہنچتی ہے یعنی اس کا ایک مخصوص صدمہ دل پر پہنچتا ہے۔ کس لیے کہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جلایا تھا، دنیاوی آگ اول جسم پر اثر کرتی ہے اس کے بعد جو جسم میں ہے وہاں تک پہنچتی ہے برخلاف اس آتشِ قہرِ الٰہی کے کہ یہ اولاً دل پر پہنچتی ہے پھر جسم پر اثر کرتی ہے اس میں عذابِ روحانی کی طرف اشارہ ہے جو جسمانی عذاب سے بدرجہا سخت تر ہے اور حکما مرنے کے بعد اسی غم والم کو جو افعالِ ناشائستہ پر ہوگا روحانی عذاب کہتے ہیں۔

دنیا میں اس آتش کے مشابہ بخار کی آتش ہے یا غم کی آتش ہے لیکن وہ دو درجہ سے کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے اول سانس لینے سے کہ ٹھنڈی سانس باہر سے اندر جائے اور گرم باہر آئے سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ انہا علیہم مؤصدۃ وہ ان پر سرپوش کی طرح بند کی جائے گی ہر طرف سے احاطہ کیے ہوگی۔ نہ اندر کی گرم سانس باہر نکلنے دے گی نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی یعنی گھونٹ دیے جائیں گے اور کبھی تڑپنے یا باہر پھرنے سے بخارات گرم پسینے میں نکل کر کسی قدر کمی ہو جاتی ہے باہر پھرنے سے کسی قدر غم غلط ہو جاتا ہے اور اسی لیے غمگین اور عشاق کو جنگلوں اور دریاؤں اور باغوں کی سیر مفید ہوا کرتی ہے سو وہاں یہ بھی نہ ہوگا کس لیے کہ فی عمد ممددۃ کہ وہ لوگ بڑے بڑے آتشیں ستونوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے ہل بھی نہ سکیں گے نہ ان ستونوں کو اکھیڑ سکیں گے۔

لینبذن فی الحطمۃ کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے خصائلِ بد کے سبب انسان انجامِ کار طبیعۃ غالیہ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جو روحانی آگ ہے غموم و ہمومِ دائمی میں جلا کرتا ہے۔ اور مؤصدۃ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر طرف سے محیط ہوتی ہے ابوابِ سرورِ ابدی بند کر دیے جاتے ہیں اور بہیمیہ وسبعیۃ اور شیطانیۃ اس پر غالب آجاتی ہے اور عمد ممددۃ سے طبائعِ عنصریہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو آسمان تک بلند ہیں اور یہ ان کے سلاسل میں جکڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم باسرارِ کلامہ۔

(اللہ اکبر)

سورہ فیل مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ
كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے جو ان پر کنکریلی پتھریاں

پھینک رہے تھے پھر تو ان کو آخور کی مانند بنا دیا۔

ترکیب ؛ الھمزۃ للاستفھام التقریری لم ترا صلہ ترٰی حذفت الالف بالجازم والرؤیۃ قلبیۃ وانما عبر العلم بالرؤیۃ ایماء الی ھذہ الواقعۃ بمنزلہ المشاھد الحسوس وان مضت قبل ولادتہ ﷺ بخوشھریں ولکنھا التواتر ھا کانت کالحسوس المبصر ۔ کیف فعل ربك الخ ھذہ الجملۃ سدت مسد مفعولی ترٰی وکیف منصوب علی المصدریۃ اوالحالیۃ واختار الاول ابن ھشام فی المغنی والمعنی ای فعلٍ فعل الم یجعل الاستفھام للتقریر کانہ قال قد جعل کیدھم فی تضلیل والکید ارادۃ المضرۃ بالغیر بالخفیۃ وارسل عطف علی الم یجعل طیرًا اسم جنس یذکر ویونث مفعول ارسل ابابیل لغت لطیر قیل جمع ابول بکسر الھمزۃ مثل عجول وقیل جمع ابیل کسکین وقیل جمع ابالۃ وقال الفراء لا واحد لہ من لفظہ مثل الشماطیط والعبادید واصلہ من الابل قال ابوعبیدہ ابابیل جماعۃ فی تفرقۃ یقال جاءت الخیل ابابیل من ھھنا وھھنا ای اقاطیع یتبع بعضھا بعضا کالابل المؤنثۃ ترمیھم قرء الجمھور بالفوقیۃ وقری بالتحتیۃ والضمیر فی الحالین الی الطیر لانہ اسم جنس یذکر ویونث وقیل الضمیر فی القراءۃ الثانیۃ للہ عزوجل۔ والجملۃ فی محل نصب صفۃ اخری لطیر سجیل قال الزجاج مشتق من السجل ای مما کتب علیھم العذاب وقیل معرب من سنگ گل وھی حجارۃ من طین طبخت بالنار وقیل السجیل الشدید وقال عبدالرحمٰن بن ابزی من السماء وقیل من سجین ثم ابدلت النون۔ کعصف عصف برگ کشت قولہ تعالی کعصف ماکول۔صراح۔وعصیفہ وعصافہ بمعناہ۔

تفسیر ؛ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اس کی پانچ آیت ہیں اور اس میں فیل کا اول ذکر ہے اس لیے اس کو سورۂ فیل کہتے ہیں۔

ربط اس کا سورۂ ہمزہ سے یہ ہے کہ اس سورہ میں انسان کے چند اخلاقِ رذیلہ بیان فرما کر ان کی سزائے اخروی بھی بیان فرمادی تھی۔اس سورہ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔بیشتر قریش مکہ میں اخلاقِ رذیلہ تھے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی تھی اور ان منکرینِ قیامت کو عذابِ آخرت کی تو کچھ پروانہ تھی۔اس لیے اب اس سورہ میں ان کو ایک ایسے واقعۂ ہولناک کو یاد دلا کر جو ان کے سامنے گزرا ہے تنبیہ کیا جاتا ہے کہ جب ہم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے والے کی دنیا میں یہ سرکوبی کی حالانکہ وہ بڑا لشکر لے کر آیا تھا تو جو اس گھر کو شکستہ کرنا چاہے گا جو اللہ کا گھر ہے یعنی اہل اللہ کا دل تو وہ کیونکر ہمارے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے دنیا میں اس کی سرکوبی ہوگی جو یاد کرے گا۔چنانچہ مدت کے بعد ان بدبختوں پر طرح طرح کے مصائب آئے قحطِ شدید میں مبتلا ہوئے۔بدر میں قتل اور ذلیل ورسوا ہوئے جس مکہ شہر کی یہ عزت ہے کہ اس پر حملہ کرنے والے کا سر توڑا گیا اور مکہ کی برکت سے قریش اس آفت سے بچے جو ابرہہ اشرم ان پر لانے والا تھا تو پھر مکہ میں رہ کر اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور یہ ظلم وستم وحشیانہ کہ جس کی برکت سے مکہ محفوظ رہا بڑی سزا کا مستوجب ہے۔

اصحابِ فیل کا واقعہ ؛ اور یہ واقعہ جس سال گزرا ہے اسی سال میں ایک مہینہ پچیس روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جس کو ارباص کہتے ہیں۔فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔وہ کون لوگ تھے؟ ابرہہ اشرم یمن کا بادشاہ حبشی جو نجاشی شاہِ حبش کا نائب تھا اور اس کے لشکر والے حبش والے۔حبش میں بھی ہندوستان کی طرح ہاتھی پیدا ہوتے ہیں۔اس بادشاہ کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔اور مختصراً اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ یمن کے ملک میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قومِ حمیر کا اخیر بادشاہ تھا یہودی ہوگیا اور بہت کو یہودی کر ڈالا اور اس نے اسی تعصب میں آکر نجران کے عیسائیوں کو جو اس وقت ٹھیک مذہبِ عیسوی پر تھے ناحق ظلم سے مارا،خندق کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور ان مسکینوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا جس کا ذکر سورۂ السماء ذات البروج میں ہے تو ان عیسائیوں میں سے کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل لے کر قیصرِ روم پاس فریادی پہنچے کیونکہ وہ بھی عیسائی تھا اس نے نجاشیِ حبش کے بادشاہ کو جو اس کا تابع اور عیسائی تھا مدد کر۔ ذکوا انجاشی نے ابرہہ

کو ایک لشکر دے کر یمن کو بھیجا اس نے ذونواس وراس کی سلطنت کو برباد کیا اور آپ یمن کا بادشاہ بن گیا۔یہ بڑا بدذات اور شہوت پرست اور کمینہ خصلت شخص تھا۔اس نے کعبہ کی رونق گھٹانے کے لیے اپنے پائے سلطنت شہر صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا اور اس کی بڑی تیاری کی اور عرب کے لوگوں کو حجِ کعبہ سے جو ان میں حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے عہد سے ایک عبادت کا دستور چلا آتا تھا [۲] روکا اور طرح طرح کا تشدد شروع کیا اور حکم دیا کہ میرے کنیسہ کا حج کیا کریں مگر لوگوں کے دل تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔مقبولیت اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔کون مانتا تھا اس وجہ سے اس کو خانہ کعبہ اور شہرِ مکہ میں اور وہاں کے لوگوں سے عداوتِ قلبی پیدا ہوئی مگر اس دبی ہوئی آگ کے ابھارنے کا یہ سبب ہوگیا کہ اس کنیسہ کے جاروب کش نے اس میں رات کو پاخانہ پھر کر اس کو جابجا سے گندہ کر دیا اور بھاگ گیا۔معلوم ہوا کہ یہ مکہ کا رہنے والا تھا اس نے عداوت سے یہ کام کیا ہے۔پھر چند روز کے بعد اس کنیسہ میں کسی سبب سے آگ لگ گئی اور جل کر خراب ہوگیا جس سے لوگوں کی نظروں میں اور بھی اس کی بے وقعتی پیدا ہوگئی۔دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے۔اب تو اس کو غصہ آگیا اور ایک لشکرِ جرار لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے اور بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا مکہ کی طرف کعبہ ڈھانے کے لیے چلا اور دل میں یہ داؤ بھی تھا کہ صرف کعبہ کا ڈھانا مشہور کروں تاکہ لوگ نہ بھاگیں ان کو امن کا اشتہار دیدیا تھا اور جب وہ اس کو ملیں تو زن وفرزند صغیر وکبیر سب کو قتل کروں۔جب وہ مکہ کے پانچ چار کوس قریب آگیا اور مکہ کے لوگ ڈر کر بھاگ گئے صرف عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا رہ گئے تھے اور دادیِ محسر [۳] میں یا بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما صفاح میں ڈیرا کر دیا تو اس کے پاس عبدالمطلب آئے،تعظیم سے بٹھایا اور پوچھا کیا چاہتا ہے۔کہا میرے اونٹ تیرے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وہ دلا دو۔اس نے تعجب سے کہا کہ اونٹوں کی فکر کی کعبہ کے لیے تو نے کچھ نہ کہا۔عبدالمطب نے کہا اونٹ میرے تھے، مجھے ان کی فکر ہے اور یہ تو اللہ کا گھر ہے جو سب پر غالب ہے اس کی وہ آپ تدبیر کرلے گا۔ اور رستہ میں بھی بہت کچھ عربوں نے منت وزاری کی تھی کہ تو یہ نہ کر مگر وہ کب مانتا تھا آخر دھاوے کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو ڈھانے کے لیے آگے کیا۔ہر چند فیل بان مارتے تھے وہ آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔اسی میں تھے کہ جدہ شہر کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ پر ہے بڑے بڑے سبز جانور بعض کہتے ہیں سیاہ تھے جو کبھی پہلے دیکھے نہ گئے نہ بعد میں، بڑی چونچ اور پنجوں والے پرے کے پرے نمودار ہوئے۔ایک ٹکڑی کے بعد دوسری ٹکڑی آتی تھی دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور ایک چونچ میں تھی۔پھر اس لشکر میں سے جس پر پڑتی تھی خواہ انسان خواہ حیوان سر سے نیچے تک نکل جاتی تھی سب کو غارت کر دیا اور قریشِ مکہ اِدھر اُدھر پہاڑوں میں چھپے یہ واقعہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔چنانچہ بہت لوگ اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے مکہ میں موجود تھے اور ان کنکریوں میں سے بعض کنکریاں بعض صحابہ کے پاس بھی تھیں۔

یہ بات کہ ابرہہ کے بعد یمن کا کون حاکم ہوا ہم تاریخِ عرب میں بتلا دیں گے اور یمن عرب میں کس حصہ کا نام ہے اس کو جغرافیۂ عرب میں دکھائیں گے۔اس واقعہ کا جو قریش پر نعمت [۴] اور عبرت خیز تھا خدا پاک اس سورہ میں ذکر فرماتا ہے فقال الم یجعل کیدھم فی تضلیل کہ کیا اس نے ان کے داؤ کو غلط نہیں کر دیا؟ ضرور کر دیا جو انہوں نے چاہا تھا اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ حسرتیں ساتھ لے کر

---

[۱] گرجا۔۱۲

[۲] جو کعبہ سے روکتا ہے دنیا میں مبتلائے مصائب ہوتا ہے۔۱۲منہ

[۳] یہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی ہے۔یہ قول ابن حجر کا ہے۔۱۲منہ

[۴] اس لیے کہ قرض کی جان ومال وآبرو محفوظ رہی اور ان مردوں کے مال ہاتھ لگے جس سے اہل مکہ مالدار ہوگئے اور اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے جس کا ذکر سورہ قریش میں آتا ہے۔۱۲منہ

جہنم کو گئے۔ یہ جملہ کیف فعل کی تفسیر ہے پھر اور تفسیر کرتا ہے وارسل علیھم طیراً ابابیل اور ان پر پرندے بھیجے جوق جوق لفظ ابابیل جمع ہے جس کے مفرد میں اختلاف ہے۔ کوئی ابابلی کوئی ابول کوئی ابالہ کہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفرد اس لفظ سے نہیں آیا اور اس کے معنی ہیں جوق جوق یا پرے کے پرے مگر لفظ ابابیل سے یہ چھوٹا جانور جس کو عرب میں ابابیل کہتے ہیں سمجھ لینا بڑی غلطی ہے یہ جانور سمندر میں سے اٹھے تھے اور عرب جانور تھے پھر ان پرندوں نے جو کچھ کیا اس کو بیان فرماتا ہے۔ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ان پر پتھریاں پھینکتے تھے اور پتھریاں کاہے کی تھیں؟ پختہ فائدہ: لفظ سجیل میں جو اس جگہ وارد ہے۔ مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) بعض کہتے ہیں یہ سنگ گل کا معرب ہے اور سنگ گل وہ ہے جو پزاوے میں مٹی پک کر پتھر بن جائے جس کو کھنگر یا جھانو کہتے ہیں۔ (۲) بعض کہتے ہیں اصل میں سجین تھا یہاں نون لام سے بدل گیا جس میں اشارہ ہے کہ وہ پتھریاں اور کنکر کچھ معمولی کنکر نہ تھے بلکہ عالمِ غیب میں سے اس طبقہ کے تھے کہ جہاں ارواحِ کفار کو عذاب دیا جاتا ہے ان کنکریوں کی یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں پار نکل جاتی تھیں پھر وہاں کی اور چیزوں میں کیا کچھ تاثیر نہ ہوگی معاذ اللہ۔ (۳) بعض کہتے ہیں سجل سے مشتق ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں یا لکھی ہوئی چیز یا دفتر کے جس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکریاں ازل میں ان بدبختوں کے لیے لکھی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے ہر کنکری پر بخطِ غیب جس کو اس جہان کے لوگ پڑھ نہیں سکتے تھے لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کے لیے ہے۔ پھر جب سیسہ کی گولی بارود کے زور سے انسان اور حیوان میں سے پار نکل جاتی ہے تو کیا عالمِ غیب کی گرمی جو قہرِ الٰہی کی بارود تھی اس کے زور سے ان کنکریوں کا اصحابِ فیل میں سے پار نکل جانا کوئی محال بات ہے؟ اس سے بڑھ بڑھ کر ہزاروں اس کی قدرت اور کمال کے کرشمے دیکھے جاتے ہیں اور پہلے دیکھے گئے اور آئندہ دیکھے جائیں گے اور پر کوئی تو ایسی گرم بھٹی قدرت کی ہے کہ جس کی چنگاریاں کبھی کبھی زمین پر گرا کرتی ہیں۔

مؤرخینِ حال نے بارہا ایسے واقعات نقل کئے ہیں کہ فلاں موضع میں اوپر سے ایک آتشیں گولہ پڑا جس کی ہیبت ناک آواز تھی اور گزوں زمین میں گھس گیا اور بہت کو جلا دیا پھر ٹھنڈا ہونے کے بعد جو نکالا گیا تو ایسا سخت لوہا تھا کہ بمشکل گرم ہوتا تھا وغیر ذلک۔

اگر ہم ایسے ایسے واقعات یا ان سے بھی بڑھ کر حیرت ناک ان واقعات کی تفصیل لکھیں جو حال کے جرائد اور اخبارات میں درج ہیں تو ایک مجلد کتاب تیار ہو جائے اور جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اور مؤرخوں نے چشم دید لکھے ہیں وہ بھی ملائے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں پھر ان سب کو غلط بتانا اور اسی دہریت سڑے بسے تراشیدہ نیچر کے اصول پر واقعات کا انکار کرنا خلافِ بداہت ہے۔ سب سے بڑی بات ہے کہ قریشِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اس کو انہیں اہلِ مکہ کے روبرو کہ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں بیان کرتے؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغ گوئی اور ابطالِ نبوت کے الزام قائم ہوتے۔ پھر جب ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور امیۃ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب ان سے کوئی بڑھ کر منکر پیدا ہو گیا ہے جو انکار کرتا ہے اور انکار بھی محض بے دلیل اور دلیل بھی ہے تو یہ کہ نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اس کی تاویل کرے اور چیچک نکلنا بتلاوے عقلمند کی شان سے بعید ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کا انجام کار ان پرندوں کے سبب سے خدائے قہار و جبار نے کیا کیا؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ فقال فجعلھم کعصف ماکول کہ ان کو بھس یا آخور جیسا چورا چورا کر دیا۔ عصف گھاس یا اناج کے پیڑوں کے پٹھے اور پتے جوار باجرا گیہوں وغیرہ کے جب ان کو جانور کھاتا ہے تو پیچھے بچا ہوا آخور چورا چورا ہو جاتا ہے یا ماکول باعتبار مایول کے فرمایا کہ کھایا جائے گا کھانے کے لیے تیار ہے جس کو بھس کہتے ہیں یا حقیقت پر محمول ہے پھر اس کے دو معنی یا تو جو کھانے سے بچا ہوا آخور یا جو کھا کر لید کر دیتے ہیں اور گدھے گھوڑے کی لید میں چورا چورا ہو ہو کر نکلتا ہے اس کو بھی عصف ماکول کہہ سکتے ہیں ہر ایک سے تشبیہ درست ہو سکتی ہے۔

غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جابجا آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم کر آتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا۔ شاید اس بات سے اس ماول نے اس واقعہ کو چیچک نکلنے پر محمول کیا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہم نے بیان کیا اور جو قرآنِ مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر کی بجھی ہوئی تھیں یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں اس کے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی چنانچہ اسی بات کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں روی عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منھم الا لفظ جلدہ وثار بہ الجدری وھو قول سعید بن جبیر انتہی خوش فہم ماول نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چیچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ پھینکی تھیں چیچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

فوائد : (۱) اصحاب الفیل کہا ارباب الفیل نہ فرمایا۔ اس میں نکتہ ہے وہ یہ کہ چیز کو اعلیٰ کی طرف لفظ اصحاب سے منسوب کرتے ہیں اس لیے حضرت کے دوستوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں نہ آپ کو ان کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان احمقوں پر بہیمیت غالب تھی اور ہاتھی کی طرح سیاہ باطن و سیاہ ظاہر تھے ہاتھی سے بھی کمتر عقل رکھتے تھے۔

(۲) فیل ہاتھی اس کی جمع افیال وفیلۃ ہے جمع کا صیغہ اس لیے نہیں آیا کہ گو اس وقت ان کے پاس تیرہ ہاتھی تھے مگر بڑا ہاتھی محمود تھا جو کعبہ کی طرف نہیں جاتا تھا اس لیے اسی کا اعتبار کر کے مفرد لفظ آیا۔ اور نیز یہ اسمِ جنس بھی ہے سب کو شامل ہے اور اس میں آیات کے فواصل کی بھی رعایت ہے۔ ولہ الحمد حمداً کثیراً۔

(اللہ اکبر)

سورہ قریش مکیہ ہے اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا

الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴ ع ۴

قریش کے شوق ا کے لیے ان کو جو سردی و گرمی کے سفر کا شوق ہے پھر تو اسی گھر کے رب کی عبادت کیا کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف میں امن دیا۔

ترکیب : لایلاف قریش بما یتعلق اللام فیہ وجوہ (۱) انہا تتعلق بما قبلہا (۲) متعلقہ بما بعدھا (۳) لا یتعلق بشیء فھی لام التعجب کما فی قولھم لزید وما صنعنا بہ ای اعجبوا من شان زید ومعنی الآیۃ اعجبوا لایلاف قریش وھذا قول الاخفش والکسائی۔ علی الاول ھی تتعلق بجعل والتقدیر جعلھم کعصف ماکول لایلف قریش لبقاء ھم ، حلتھم فی الاسفار۔ وھو قول الزجاج وابی عبیدۃ۔ او متعلقۃ بفعل ای فعل ربک باصحاب الفیل لایلاف قریش ای کل مافعلنا باصحاب الفیل لقد فعلناہ بخاطر القریش او ھی بمعنی الی ویتعلق بفعل کانہ قال فعلنا کل مافعلنا فی السورۃ المتقدمۃ الی نعمۃ اخری علیھم وھی ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف تقول نعمۃ الی نعمۃ ھذا قول الفراء۔ وعلی القول الثانی ھی تتعلق بقول فلیعبد وا وھو

ا چونکہ ان کو سردی اور گرمی کے سفر کا شوق ہے۔ سردی میں یمن کی طرف جاتے ہیں تجارت کے لیے اور گرمی میں شام کی طرف اس شوق اور محبت قائم رکھنے کے لیے اصحابِ فیل کو غارت کر دیا اور اس گھر کو یعنی کعبہ کو بچا لیا جس کے سبب یہ امن سے گرمی سردی میں سفر کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ پھر اس گھر کے مالک کو کیوں نہیں پوجتے۔ ۱۲ منہ

قول الخلیل وسیبویہ والتقدیر فلیعبد وارب هذا البیت لایلاف قریش ای لیجعلوا عبادتھم شکرا لھذہ النعمۃ ودخول فاء فی فلیعبدوا لایمنع ذلک وفی الایلاف ثلثۃ ابدلھا حدھا ان الایلاف بمعنی الالف یقال الفت الشیء وآلفتہ الفا الافا۔ ایلافا بمعنی واحد وقرء ابوجعفر لالف قریش بغیر الیاء والآخرون لایلاف بیاء وقرء عکرمۃ لیلاف قریش۔ والثانی یکون بمعنی اثبات الالفۃ بالتدبیر الذی فیہ لطف والمعنی ان ھذہ الالفۃ فی قریش انما حصلت بتدبیر اللہ تعالیٰ وھوانہ اھلک اصحاب الفیل فحصل المسرۃ وعند المسرۃ یقع الاتفاق والموانستہ فالمصدر مضاف الی المفعول والثالث ان یکون الایلاف بمعنی التھیۃ والتجھیز وھوقول الفراء وابن الاعرابی والمعنی لتجھیز قریش رحلتھا فالمصدر مضاف الی الفاعل وقریش ھم بنوالنضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ وقیل ان قریشا بنوفھر بن مالک بن النضر وقریش منصرف ان اریدبہ الحی وغیر منصرف ان اریدبہ القبیلۃ۔ وھوتصغیر القرش۔ وفی القرش اقوال قیل دابۃ فی البحر تعبث بالسفن ولاتنطلق الا بالنار وسمیت قریش بھا لشجاعتھم۔ وقیل انہ ماخوذ من القرش وھوالکسب لانھم کانوا کاسبین بتجاراتھم وضربھم فی البلاد وقیل کانوا متفرقین فجمعھم قصی بن کلاب فی الحرم حتی اتخذوھا مسکنا فسموا قریشا۔ لان التقرش ھوالتجمع۔ من الکبیر۔

الافہم تاکید لفظی وقیل بدل رحلۃ الشتاء منصوبۃ علی المفعولیۃ وقیل علی الظرفیۃ۔

تفسیر ؛ یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے مگر ضحاک وکلبی کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ وہم ہے قول اول صحیح ہے اس میں قریش کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورہ قریش کہتے ہیں اور اس میں چار آیت ہیں۔

ربط اس کا سورۂ فیل سے یہ ہے کہ سورۂ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو ڈھانے آئے تھے۔ ان کو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تم کو ان سے بچالیا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور سردی اور گرم ملکوں میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا۔ اب اس سورہ میں بتلاتا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا اب تم کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو نہ جھوٹے معبودوں کی اور منجملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے رب نے تمہاری اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کے کہنے پر عمل کرو اور اس کے یار و مددگار بن کر جس طرح دنیا کمانے کے لیے سفر کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لیے سفر کرو۔ اب یہ دوسری تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔

قریش کی تحقیق ؛ واضح ہو کہ قریش عرب کے اس قبیلہ کا نام جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی قبیلہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں کیونکہ نضر بن کنانہ کی تیرہویں پشت میں ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ پھر آگے چل کر یہ نسب نامہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام میں جاملتا ہے۔ یہ قبیلہ قریش مکہ میں رہا کرتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور زمزم کی حفاظت انہیں کے سپرد تھی۔ اسی لیے تمام قبائل عرب ان کی عزت وحرمت کرتے تھے اور جب یہ لوگ باہر جاتے تو خادمِ کعبہ سمجھ کر لوگ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔ پہلے یہ ملتِ ابراہیمیہ پر تھے مگر عرصہ سے ان میں بھی بت پرستی آ گئی تھی اور جو تاریکی تمام عرب بلکہ اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی تھی ان پر بھی چھا گئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ نے بت پرستی کی برائی بیان کرنی شروع کی تو یہی لوگ دشمن ہو گئے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ قریش کے سردار سخت دشمنی کرنے لگے مگر بعد میں بہت ایمان لائے اور قریش میں سے بڑے بڑے نامور صحابہ ہوئے۔ چاروں خلفاء قریش ہی تھے اور اسلام کے شائع کرنے میں قریش کی عادتِ سفر بڑی کارگر ہوئی۔ اس لیے چند روز میں اندلس سے چین تک اسلام پھیل گیا۔ قریش تصغیر ہے قرش کی جس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ قرش ایک سمندر کا سخت اور بہادر جانور ہے چونکہ قریش کا قبیلہ بھی بہادر تھا اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ (۲) تقرش کے معنی ہیں جمع کرنے کے چونکہ قصی بن

کلاب نے اس متفرق قوم کو مکہ میں جمع کیا تھا اس لیے ان کو قریش کہتے تھے۔ اور جمعیت واتفاق بھی ان میں بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تھا۔ (۳) یہ کہ قرش کے معنی کسب کے بھی ہیں چونکہ یہ لوگ تجارت سے کسب کرتے اور کما کر کھاتے تھے لوٹ مار کم کرتے تھے اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ اسلام میں اس قبیلہ کی بسبب ان کے مساعیِ جمیلہ کے اور بسبب قرابتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت ہے۔

فرماتا ہے لایلاف قریش کہ ہم نے[1] یہ جو کچھ اصحاب فیل سے کیا قریش کے الفت دلانے کے لیے کیا کہ ان کو اس گھر کے رب کی الفت دلائیں تاکہ وہ اس کا یہ انعام وافضال خیال کر کے اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ یا یہ معنی کہ عجب ہے کہ قریش کی الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے تجارت یمن اور شام کے واسطے ہے یعنی ان کو اس کی عجب الفت ہے حالانکہ یہ سردی میں یمن کو جانا جو گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کو جانا جو سرد ملک ہے محض اسی گھر کی بدولت ہے جو اصحاب الفیل کے صدمہ سے بچائے گئے اور ان کا مال بھی ان کو ملا پھر الفت تو ہے مگر جس کا یہ طفیل ہے یعنی کعبہ کا جس کی وجہ سے لوگ باہر تعظیم بھی کرتے ہیں اور دیتے بھی ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے نہ اس کے رسول کو مانتے ہیں۔ پھر اس الفتِ قریش کی توضیح کرتا ہے۔ فقال ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف ان کی رغبت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے ہے سردی میں گرم ملکوں اور گرمی میں سرد ملکوں میں تجارت کے لیے اور بادشاہوں اور امراء سے تحائف لینے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسلام سے پہلے ہی قریش میں باہر ملکوں میں جانے اور سفر کرنے کا مادہ تیار کر رکھا تھا جو اسلام لانے کے بعد اشاعتِ اسلام اور فتوحاتِ ملک میں بہت کام آیا۔

سفر اور تجارت کے فوائد ؛ اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو قومیں دور دراز سفر کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان میں حوصلہ اور لیاقت بھی آ جاتی ہے اور مالی ترقی بھی ہوتی ہے ہر ایک قوم کے ملنے جلنے سے تبدلِ خیالات ہوتا ہے۔ اولوالعزمی پیدا ہو جاتی ہے، خصوصاً تجارت کے ذریعہ سے آج کل وہ قومیں جو پہلے خوار و ذلیل تھیں علوم وفنون کی مالک ہو گئیں۔ سلطنت ہاتھ آئی، صحابہ میں بھی یہی اولوالعزمی تو تھی کہ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے اُدھر مغرب میں بربر تک پہنچے، افریقہ کے بیابان کھندل ڈالے۔ اِدھر مشرق میں عراق وایران وخراسان وترکستان کو طے کرتے ہوئے چین تک بلند اقبالی کے پھریرے اڑاتے ہوئے جا پہنچے۔ اس لایلاف قریش میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ گو قریش کے ساتھ اور قومیں بھی شریک تھیں مگر اور قومیں قریش کے تابع تھیں کس لیے کہ نبی علیہ السلام تھے تو اسی قوم کے اور پھر خلفاء تھے تو اسی قوم کے۔ جن کے حکم سے وہ یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے اور اسلام نے قریش کے گھر میں جنم لیا تھا اس لیے غیرت وحمیتِ اسلامی اسلام لانے کے بعد ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور قریشی خون میں یہ اثر دیا تھا کہ اسلام کی ہتک اور قومی ذلت دیکھ کر اس کو حرکت ہوتی تھی اس لیے ائمہ بھی اسی قوم میں سے بنائے گئے اور قانون ہو گیا کہ اسی قوم کے آئمہ ہوں اور قربِ قیامت جو مخالفوں کے جھنڈے گرا دینے والا اور ان کی جمعیت کو زیروزبر کر دینے والا امام مہدی علیہ السلام ظہور کرے گا وہ بھی قریش ہی ہوگا۔

اب ان مکہ کے جاہل اور مخالفینِ اسلام قریش کو اپنی نعمت جتلا کر فرماتا ہے فلیعبدوا رب هذا البیت کہ اور کچھ نہیں تو اسی

---

[1] لایلاف کے تعلق میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ لام جملہ گزشتہ کے کسی فعل فعلنا وغیرہ سے متعلق ہے یعنی اصحاب فیل سے ہم نے جو کچھ کیا قریش کی الفتِ سفر کے لیے کیا جو گرمی وسردی میں سفر کا شوق رکھتے ہیں یعنی اصحاب فیل کی ہلاکت، قریش کی آزادیِ سفر کا باعث ہے۔ یہ اس کی نعمت ہے۔ دوسرا قول یہ کہ لام یعبدوا سے متعلق ہے کہ قریش اپنے اس گرمی جاڑے کے شوقِ سفر ہی کے سبب جو خدا نے اصحابِ فیل کو غارت کر کے قائم رکھا اپنے اسی گھر کے مالک کو پوجا کریں۔ تیسرا قول ایک اور بھی ہے کہ یہ لام تعجب کے لیے ہے جس کا باعتبار ترجمہ یہ ہے قریش کے شوقِ سفر کو تو دیکھو کیسا ہے اور یہ اس گھر کی برکت ہے جو امن سے سفر کرتے ہیں۔ الخ ۱۲ منہ

گھر کے رب کی عبادت کریں اسی بات کو ملحوظ رکھیں۔ بت پرستی چھوڑ دیں۔ پھر اور بھی توضیح کرتا ہے۔ فقال الذی اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف کہ اس کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور کھلاتا ہے اور خوف میں امن دیا۔ مکہ کی سرزمین کھیتی کے قابل نہیں، خشک پہاڑ یا ریگستان ہے جہاں کوئی سبز درخت بھی نظر نہیں آتا۔ نہ پانی کے چشمے نہ کوئی پیداوار ہے۔ پھر ان کے لیے روزی کے کیا کیا سامان کئے۔ خانہ کعبہ کی عزت وحرمت سے دور دراز کے لوگ حج کو آتے ہیں اور پہلے بھی ہمیشہ سے آیا کرتے اور غلہ وغیرہ ہر قسم کی چیزیں لایا کرتے تھے اور نیز خود قریش کو بھی گرمی اور سردی میں سفر کرنے کا اور تجارت کے لیے جانے کا حوصلہ دیا جس کو ایلاف قریش میں بیان فرمایا۔ پھر یہی تو بھوک میں کھانا دیتا ہے اور خوف میں امن دینا یہ ہے کہ عرب میں ہر جگہ مار دھاڑ تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے برخلاف قریش کے کہ ان کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا محض کعبہ کی حرمت سے خصوصاً مکہ دارالامن تھا اور قیامت تک رہے گا۔ حرم مکہ میں جو اس کے اردگرد کوسوں کی سرزمین ہے اگر اس جگہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو ہاتھ نہ اٹھاتا تھا اور نیز اصحاب الفیل کی طرح جو کوئی یہاں چڑھ کر آیا غارت ہوا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک کبھی کوئی دشمن کعبہ پر آ کر فتح یاب نہیں ہوا نہ کسی جبار بادشاہ کا آج تک وہاں تسلط ہوا برخلاف اور معابد کے۔ بیت المقدس ہی کو دیکھئے کہ کئی بار اس کے مخالف اس پر چڑھ آئے اور شہر کو منہدم کر گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہا گئے۔ بخت نصر اور سیسق اور اینٹوکس اور رومی بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں، مسجد کو جلایا اس کی گستاخی کی۔ تاریخ بیت المقدس کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

سوال: خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مدینہ سے لشکر لے کر اس شہر پر چڑھ آئے اور فتح پائی اور امنِ عام زائل کر دیا اور اسی طرح حجاج بن یوسف نے آ گھیرا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا اور کئی بار ایسے واقعات پیش آئے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے لیے نہیں آئے تھے نہ ان کا مقصود یہ تھا بلکہ مجرموں کو سزا دینے آئے تھے یہ اور بات ہے کہ وہ دراصل مجرم تھے جیسا کہ فتح مکہ کے وقت کفار تھے یا جیسا کہ بعد کے واقعات کے وقت اور یوں تو اب بھی مکہ معظمہ میں مجرم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ مکہ کو دارالامن اسی معنی سے کہتے ہیں جو ہم نے بیان کئے اور نیز آیت پر تو یہ شبہ وارد ہی نہیں ہو سکتا کس لیے کہ آیت میں قریش معاصرینِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ تم کو بھوک میں کھانا کھلایا جس کی صداقت کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ قحط تھا بھوکے مرتے تھے، ارزانی کی اور اصحاب الفیل کے وقت خوف تھا امن دیا۔ اس آیت میں کس لطف کے ساتھ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی خدائی باطل کی ہے۔ کس لیے کہ کم سے کم انسان کی دو حاجت ہیں بھوک میں کھانا اور امن سے رہنا پھر جس معبود سے ان دونوں کا کچھ بھی انصرام نہیں ہوتا وہ کیا خدائی کر سکتا ہے مگر مشرکین اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یوں ہی تقلیداً غیر اللہ کی عبادت کئے چلے جاتے ہیں ان کے ناموں کی دہائی دیا کرتے ہیں۔ مصائب میں انہیں پکارا کرتے ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ ماعون مکیہ ہے اس میں سات آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝١ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧ ع

تو نے اس کو بھی دیکھا جو جزا کا انکار کر رہا ہے پھر یہ وہ ہی تو ہے جو یتیم کو دھکے[1] دیتا ہے اور فقیر کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دلاتا پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں نہیں دیتے۔

ترکیب | الھمزۃ للاستفہام لقصد التعجب رایت والرؤیۃ بمعنی المعرفۃ فتعدی الی مفعول واحد وھو الذی الخ وقیل بمعنی اخبرنی فتعدی الی مفعولین والثانی محذوف ای من ھو فذلک الخ الفاء جواب الشرط والتقدیر ان تاملتہ فذالک ویجوز ان تکون عاطفۃ علی الذی یکذب اما عطف ذات علی ذات اوصفۃ علی صفۃ فعلی الاول ذلک مبتدء الذی یدع الخ خبرہ ولا یحض الخ عطف علی یدع وعلی الثانی فی محل النصب عطفا علی الموصول الذی ھو فی محل نصب یدع یدفع بعنف ومنہ قولہ یدعون الی نار جھنم دعا فویل مبتدء للمصلین خبرہ والفاء لترتیب الدعاء علیھم بالویل الذین ھم بیان للمصلین وکذا مابعدہ ویمنعون معطوف علی یراؤون و الماعون فاعول من المعن وھو الشیء القلیل یقال مال معن ای قلیل قالہ قطرب وقیل مفعول من عانہ یعینہ والاصل معوون فحذفت احدی الواوین کقول۔ والماعون اسم لما یتعاورہ الناس بینھم من الدلو والفاس والقدر۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ عطاء و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں نصف اول مکی ہے جو عاص بن وائل رضی اللہ عنہ کی شان میں اور نصف مدنی ہے جو عبدالرحمٰن بن ابی منافق مدینہ کی شان مین نازل ہوئی۔ قولِ اول قوی تر ہے اور ماعون برتنے کی چیزوں کو کہتے ہیں اس میں ماعون کے منع کرنے والوں کی برائی ہے جو ادنیٰ مرتبہ احسان کا ہے اس لیے اس کو سورۂ ماعون کہتے ہیں اس میں سات آیت ہیں۔

ربط اس کا سورۂ قریش سے یہ ہے کہ سورۂ قریش میں خدا تعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت اور راستی کی طرف رغبت دلائی تھی اس سورہ میں قریش کے وہ امراضِ روحانیہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو مہلک ہیں اور خدا سے ملنے میں سدِ راہ ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سورہ تمام حکمتِ نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدن، تدبیر المنزل کا لُبِّ لباب ہے کس لیے کہ سب سے اول بات حکمتِ نظریہ کی اعتقاد درست کرنا ہے خصوصاً اس بات کا یقین کر لینا کہ انسان کے نیک و بد اعمال کی جزاء و سزا ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح ایک دوسرے عالم میں جاتی ہے جہاں اس کو اپنے نیک و بد اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے عادل انسان سے ضرور باز پرس کرتا ہے اس کے مساعیِ جمیلہ کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ یہی اعتقاد تمام حکمت کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں ہر قسم کی بدکاری دل کھول کر کرنے میں کوئی مانع نہیں اور اعمالِ خیر کی مشقت اٹھانے اور مال صرف کرنے کا بھی کوئی محرک نہیں اس لیے سب سے اول دین یعنی جزاء وسزا کی تصدیق ضرور ہے اور یہ سعادت کی سیڑھی کا اول درجہ ہے اور جزاء وسزا کا اعتقاد مع درستیِ اعمال دینِ اسلام کا جز ہے۔ اس لیے اگر دین سے مراد دینِ اسلام کی تصدیق لی جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اس لیے سب سے اول دین کے منکر کی تعجب کے صیغوں میں برائی بیان فرماتا ہے۔ فقال ارایت الذی یکذب بالدین کہ اے پیغمبر! علیک السلام یا اے مخاطب تو نے اس کو بھی دیکھا جو دین یعنی اعمال کی جزاء وسزا کو یا دینِ اسلام کو جھٹلا رہا ہے ایسے بھی لوگ ہیں۔ یہ تکذیب سے روکنے میں نہایت پر اثر الفاظ ہیں۔ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے بلکہ تصدیق کرنی چاہیے۔ حکمتِ نظریہ کے اصل الاصول سے فارغ ہو کر حکمتِ عملیہ کے اصول کی طرف توجہ کرتا ہے۔ حکمت عملیہ میں سب سے پہلی بات تہذیبِ اخلاق ہے اور تہذیبِ اخلاق میں دو ہی جز ہیں۔ اول دفعِ شر بالخصوص یتیم یعنی نابالغ بچے سے برائی نہ کر دفعِ شر طلبِ منفعت سے مقدم ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور فرمایا فذالک الذی یدع الیتیم کہ جزا کا جھٹلانے والا ہی سنگدل یتیم کو دھکے دیتا

[1] یعنی جب جزا وسزا کا قائل نہیں تو پھر ہر قسم کی بے رحمی اور سنگدلی کرتا ہے۔ یتیم پر رحم کرنا مسکین کو کھانا کھلانا رحمدلی کی بات ہے اس کو بھی نہیں کرتا اور خدا کی طرف بھی نہیں آ سکتا اس لیے غفلت اور دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے اور یہاں تک وفی الطبع ہو جاتا ہے کہ معمولی برتنے کی چیزیں بھی مانگے نہیں دیتا۔ ۱۲ منہ

اور جھڑکتا ہے۔ کس لیے کہ جانتا ہے کہ مر کر کسی فعل کی سزا اور کسی عمدہ کام کی جزا تو ملتی نہیں اس شنیع فعل کو تکذیبِ دین کی علامت کر دیا جس میں ایسی ناپاک خصلت ہے گویا اس کو دین کی تصدیق نہیں۔ کس لیے کہ تصدیق و تکذیب ایک ذہنی چیز ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ اب اس کی علامت بیان فرما دی کہ وہ مکذب ہے جو ایسے افعال کرتا ہے درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ تہذیبِ اخلاق کا یہ ہے کہ بندگانِ خدا پر رحم کرے اور جو خود سلوک کرنے کی قدرت نہ ہو تو ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اوروں کو ہی ترغیب دلائے پھر جس میں یہ ادنیٰ مرتبہ بھی نہیں وہ تہذیبِ اخلاق سے محروم ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس کو بیان فرماتا ہے۔ ولایحض علیٰ طعام المسکین کہ فقیروں محتاجوں کو خود کھانا دینا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا یعنی اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ یہ تکذیبِ دین کی دوسری علامت ہے کس لیے کہ جب سزا کا معتقد نہ ہوا تو برے کاموں سے کیوں باز آنے لگا اور جب جزائے خیر ملنے کا معتقد نہیں تو نیک کام کیوں کرنے لگا۔

یہ تہذیبِ اخلاق وہ تھی کہ جس کا تعلق لوگوں سے تھا اس لیے اس کو تدبیر المنزل کا بھی مسئلہ کہا جاتا ہے اور سیاستِ مدن کا بھی۔ کس لیے کہ جب لوگوں پر ظلم سے باز نہ آیا اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک نہ کیا تو اس سے معاشرت اور تمدن میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے اور اگر بغور دیکھئے تو تمدن اور معاشرت میں جو کچھ رنجشیں اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے انہیں دو باتوں سے ہوتی ہے۔ جس جھگڑے اور قضیے کی اصل دریافت کرو گے تو یہی دو باتیں نکلیں گی یا تو تعدی اور زیادتی ہوگی خواہ زبان سے سخت کلامی، بدخلقی، غیبت، گالی، گلوچ، ہجو و توہین یا ہاتھ پاؤں سے دوسرے کے مال یا آبرو پر حملہ ہوگا خواہ سرقہ کے طور پر یا علانیہ غصب ہوگا اور کوئی چالاکی۔ الغرض کوئی نہ کوئی تعدی و ظلم مخاصمت کی بنیاد ہوگی۔ یا اپنی خوبی و منافع کا بند کرنا ہوگا۔ حقداروں کو نہ دینا، بیوی بچوں کو ترسانا، ہمسایوں، دوستوں کو محروم رکھنا خواہ مال سے خواہ کلمۃ الخیر سے خواہ کسی اور مفید کوشش سے۔ پھر یہی اسباب باہمی رنج اور حسد و بغض و کینہ و عداوت کے باعث ہو جاتے ہیں اور جہاں یہ دونوں نہیں یہ فساد بھی نہ ہوں گے۔

دوسری قسم کی تہذیبِ اخلاق اور بھی ہے جو اس قسم اول کے بعد ضروری ہے وہ کیا اپنے مالک و خالق کے ساتھ رابطہ اور اخلاص و نیاز پیدا کرنا۔ یہ تہذیبِ نفس ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے۔ یہ خاص حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کا ہے اور اس لیے اس کو حکمتِ نوامیسہ کہتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے کہ جس سے روح میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح عالمِ قدس کی طرف اس طرح دوڑتی اور اڑ کر جاتی ہے کہ جس طرح اوپر سے ڈھیلا نیچے اپنے حیزِ طبعی کی طرف میل کرتا ہے اور اس فن کی طرف فقراءِ اہلِ کمال کو بڑی رغبت ہوتی ہے اور جس کو اس کی لذت نصیب ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے شغلوں میں مشغول ہونا ایک جبر سمجھتا ہے۔ اسی کے لیے مرتاضین جنگلوں پہاڑوں میں گوشہ نشینی کرتے ہیں اور کیا کیا محنتیں اٹھاتے ہیں مگر بغیر مرشدِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچتے اس کو تزکیۂ نفس بھی کہتے ہیں اب اس کے دو اصول ارشاد فرماتا ہے۔ اول فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون کہ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ **فضائلِ نماز**۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہیں اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر بحضورِ قلب اور مع شرائط ہو تو روح کو ایسا جلد روشن کرتی ہے کہ پھر بندہ کو خود بخود معاصی اور ہر قسم کی بدکاری سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ پھر ایسے بدبخت جو نماز سے بے خبر ہیں افعالِ ذمیمہ مذکورہ بالا سے کس طرح باز آ سکتے ہیں۔ کس لیے کہ ان میں ملکیت کا تقاضا جا کر بہیمیت و شیطانیت کا تقاضا غالب آ جاتا ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ ہمہ تن متوجہ ہونے کا بھی حکم ہے کس لیے کہ دکھلاوے اور غفلت کی اور رسمی نماز نہیں ایسا نمازی دراصل نماز سے بے خبر ہے۔ یہ تزکیۂ نفس کا اول رکن ہے جو اسلام میں پنجگانہ فرض ہے۔

فائدہ: نماز سے سہو جیسا کہ آیت میں ہے اور نماز میں سہو فرق رکھتا ہے۔ اول کے معنی ہیں نماز میں سستی کرنا یا بالکل ترک کرنا۔ اور شرائط

سے وقت پر نہ پڑھنا حضورِ دل سے ادا نہ کرنا جیسا کہ مدینہ کے منافق کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے حق میں فرمایا۔ واذاقاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراءون الناس کہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہیں کرتے اور نماز میں سہو اس کی کسی چیز کو بھول جانا پھر یہ کبھی استغراقِ کلی سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھول گئے اور بیچ کا قعدہ کئے بغیر دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے اور پھر آخر میں سجدۂ سہو کیا اور اکثر اولیاءِ کرام کو بھی یہ پیش آیا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے بھی پیش آتا ہے مگر اس کا تدارک شرع میں سجدۂ سہو سے کر دیا گیا ہے۔ بہرطور نماز میں سہو منافقین کی شان نہیں پیدا کرتا اور یوں انسان کو بھول چوک لگی ہوئی ہے مگر نماز سے سہو سخت بات ہے۔

فائدہ: مکہ معظمہ میں جبکہ یہ سورہ نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں نماز شروع ہو گئی تھی جس پر کفارِ قریش مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور یہی ان کا نماز سے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہونا تھا پھر اس لیے کہ نماز سے غفلت مدینہ کے منافق کرتے تھے اس سورہ کے نصف کا نزول مدینہ میں قرار دینا بیکار تاویل ہے۔

اب تزکیۂ نفس کا دوسرا اصل الاصول بیان فرماتا ہے۔ ان الذین ھم یراؤن کہ خرابی ہے ان کی جو کوئی نیکی بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھانے اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلوصِ نیت اور توجہ الی اللہ ہر کام کے لیے ہونی چاہیے۔ ہر ایک نیک کام جس کی بنیاد خلوص پر ہوگی اس کا نیک ثمرہ دنیا و آخرت میں ہوگا ورنہ برباد ہو جائے گا۔ **خلوص کے فضائل**۔ خلوص عجیب چیز ہے تمام حسنات کی بنیاد یہی ہے اور جو کام خلوص سے ہوتا ہے روح میں اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد رفعِ درجات کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ریاکاری کہ جس کی مذمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کے فقیہوں کے سامنے بیان فرمائی ایک روحانی مرض ہے اور براہی مرض ہے اگر کوئی ذرا بھی عقلِ سلیم رکھتا ہو تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ رات بھر پیر و مرشد اور ولی اور بزرگ کہلانے کے لیے جاگنا، روزے رکھنا، مال خرچ کرنا، دنیا کی آسائش جائز چھوڑ کر زاہد بننا، زاہدوں کا لباس پہننا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھانا مال نمود کے لیے صرف کرنا ایک لغو حرکت ہے آخرت میں تو کچھ ثواب نہیں اس بات پر تو اس ریاکار کا دل بھی جو خلوص سے خالی ہے فتویٰ دیتا ہے اب رہی دنیا کی نیک نامی سو ایسا کون ہے جس کو سب نے مان لیا ہو پھر بھی ہزاروں برا کہنے والے ہوتے ہی ہیں اور جو کسی نے دھوکا کھا کر اچھا بھی جانا تو اس کو کیا ملا۔ صرف یہی بات کہ نفسِ خبیث خوش ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی جبکہ یہ جھوٹا ملمع اتر جاتا ہے تو اتنا ہی رنج بھی ہوتا ہے اور سنت اللہ جاری ہے کہ وہ جھوٹے طمع کو زائل ہی کر دیتا ہے۔ بہت سے ریاکاروں کی چند روز کی چمک ظاہر ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد نیست و نابود بھی ہو گئے نام رہا نہ نشان قبروں پر گدھے کھڑے مگتے ہیں اور جو خلوصِ قلبی سے حسنات کرتے ہیں نہ ان کو کسی کے اچھا کہنے کی پروا نہ برا کہنے کی اور وہ سات پردوں میں بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔

خدا پاک ان کو دنیا میں قبولیتِ عامہ عطا کرتا ہے۔ بنی آدم کے دلوں میں میلان و محبت پھونک دیتا ہے۔ وہ دنیا میں عرصہ دراز تک نیک نامی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ع نمے گنجد اندر خدائی خودی۔ جو خدائے جبار و جلیل بقاء و کبریائی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو غیرتِ الٰہی اس کو مٹا ڈالتی ہے جن کی بقا اپنی ہستی مٹانے کے بعد ہوئی ہے وہ اسی کی بقاء سے ہمیشہ باقی رہا کرتے ہیں۔ ریاکار نماز میں خدا کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کو کرتے ہیں جن کو یہ سجدہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہائے ہائے ان کا معبودِ اصلی اہلِ دنیا اور دنیا ہوتی ہے اور اسی طرح جو لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور فضول خرچی میں برباد ہو جاتے ہیں آخر ان کی شہرت بھی خاک میں مل جاتی ہے۔ دو دن کے بعد اس کی فضول خرچی کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔

الغرض شہرت اور نمود نہایت بیکار چیز ہے جس سے کوئی فائدہ دینی و دنیاوی نہیں اور اس کی طلب امراضِ نفسانیہ میں سے بڑا سخت اور

مہلک مرض ہے۔اس سرض اور جملہ امراض سے رسولِ پاک نے لوگوں کو شفا بخشی تھی اور اس نجاست سے پاک کر دیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے ویز یکھم۔

اب ایک تیسرا اصل الاصول اور بیان فرماتا ہے فقال ویمنعون الماعون کہ وہ جو ماعون کو منع کرتے ہیں ان کی خرابی ہے۔یہ وہ بات ہے جو نظرِ توحیدی سے محجوب ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔تفصیل اس کی یہ ہے ماعون کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابوبکر و علی و ابن عباس و ابن الحنیفۃ و ابن عمر رضی اللہ عنہم و حسن و سعید بن جبیر و عکرمہ و قتادہ و ضحاک رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کس لیے کہ بندگی جو تہذیبِ نفس اور تنویرِ روح کا سبب ہے اس کی دو قسم ہیں۔اول جانی سو وہ نماز ہے دوم مالی وہ زکوٰۃ ہے۔اس لیے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر آیا۔ (۲) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ماعون وہ چیز ہے کہ جس کو عادتاً مانگنے پر روکا نہیں جاتا اور جس کو امیر و فقیر دونوں بوقتِ ضرورت مانگ لیا کرتے ہیں اور جو اس کو نہ دے وہ بدخلق اور لئیم الطبع اور دوں ہمت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کدال، پھاوڑا، ڈول، رسی، چھلنی، نمک، آگ، پانی، ہانڈی وغیرہ استعمال کی چیزیں اور ماعون فاعول کے وزن پر معن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی حقیر چیز جیسا کہ برتنے کی چیزیں۔اور زکوٰۃ کو بھی اسی لیے ماعون کہا جاتا ہے کہ وہ کل مال کا چالیسواں حصہ ہے جو کل کی نسبت بہت ہی تھوڑا ہے بخل اور دناءت کی ممانعت کرنا مقصود ہے جو بندے اور خالق میں حجابِ اکبر ہے اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں ایسی چیزیں رہیں جو ہمسایہ کے کام آئیں۔اور سر اس کا یہ ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع نہیں ہو سکتیں پھر جن پر تجلی انوارِ الٰہی ہے وہ اسی کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں۔کما قال والذین آمنوا اشد حباً للہ پھر یہ محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو بھی نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا کے گھر کے آدمی یعنی غلام سمجھا کرتا ہے خواہ کوئی نمک حرام اور نافرمان ہی غلام کیوں نہ ہو مگر اس کی حاجت روائی اور کاربراری بھی یہ اسی محبت سے عمدہ جانتا ہے۔اس لیے اپنی جان سے مال سے دریغ نہیں کرتا، حاجتمندوں کے لیے یہ وقف ہوتا ہے اور جس کو اس کی محبت نہیں تو اس کے دل میں دنیا کی محبت بھر جاتی ہے۔دنیا کے اسبابِ معاش اس کے دل میں جگہ پائے ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی محبوب چیز کو کسی کو دینا اور اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا اور اسی کو بخل کہتے ہیں اور یہ حالت بندے اور خدا تعالیٰ میں ایک بڑا پردہ ہے۔

یہ حالت سخت ظلمت ہے مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور مرتے وقت ہر ہر شے کی محبت اس کی جان کو عذابِ الیم ہو گی اور اس لیے بخیل مرنے سے بہت ڈرتا ہے اس کی روح اس عالم کی طرف جانے کا نام سن کر لرزتی ہے۔کس لیے کہ وہ تو اسی خسیس جہان پر فریفتہ ہے اول تو دوسرے جہان کا یقین نہیں کس لیے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، کان بہرے ہیں، دیوار حائل ہے اور جو یقین بھی ہو تو وہاں کا چور ہے جاتے ڈرتا ہے.....اس جملہ ویمنعون الماعون میں بخل کی برائی بیان ہے جو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری بات ہے اسی لیے بخیل کو کبھی خدا تعالیٰ کا قرب میسر نہیں آتا ؎

بخیل اربود زاہد بحر و بر بہشتی نباشد بحکمِ خبر

سبحان اللہ کس عمدہ پیرایہ میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور حکمت کے فنون سکھائے گئے ہیں اس قدر مختصر کلام میں یہ مضامین اور پھر الفاظ کی فصاحت، کلام کی بلاغت بڑا اعجاز ہے۔

فائدہ: سورۃ کے الفاظ میں کسی شخص کا ذکر نہیں بلکہ عموماً طبائعِ انسانیہ کے رذائل بتلائے گئے ہیں جو اس کو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں خواہ وہ ابوجہل میں ہوں، خواہ ابولہب میں، خواہ امیہ بن خلف میں، یا عاص بن وائل میں یا مدینہ کے منافق عبداللہ بن ابی میں اور دراصل ان لوگوں میں یہ رذائل موجود تھے۔یتیم کے جھڑکنے کی بابت ابوجہل کا ایک قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فریبی جب کوئی دولت مند مرنے کو ہوتا تو اس

کے پاس جا کر کہتا کہ اپنا مال مجھے سپرد کر دے ورنہ تیرے بال بچے بعد میں اور وارثوں کے سبب تباہ ہو جائیں گے۔اس لیے وہ اس کو دے دیا کرتا تھا پھر یہ اس کے یتیم بچوں کو صاف صاف جواب دیتا اور جھڑک کر نکال دیتا تھا۔چنانچہ ایک یتیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میری طرف سے چل کر فرمائیے۔آپ تشریف لے گئے اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہو گیا اور یتیم کو مارنے اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اس کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی جس میں ان قبائح کی برائی ہے۔

(اللہ اکبر)

سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

اے پیغمبر ہم نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے پھر اسی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو تمہارا بدخواہ ہی پس بریدہ ہے۔

ترکیب: انا مبتدء اعطینا ك خبر وا لکاف مفعول اول لاعطینا الکوثر مفعول ثان۔والکوثر علے وزن فوعل من الکثرۃ وصف بہ للمبالغۃ فی الکثرۃ مثل النوفل من النفل والجوھر من الجھر والعرب تسمی کل شیء کثیر فی القدر او العدد والبرکات کوثرا۔فصل الفاء لترتیب مابعدھا علی ماقبلھا اوللتفریع صل امر لربك متعلق بصل۔وانحر عطف علی صل ان اسمھا شانئك اسم الفاعل من الشنان لامن الشین فان اسم الفاعل منہ شائن لاشان والشانئ لمبغض العدو ھو فصل اوتاکید الابتر خبران وقیل ھو مبتدء والابتر خبرہ والجملۃ خبر ان الابتر افعل من البتر بمعنی القطع من الاصل۔یقال بترتہ ابترۃ بترا اولابتر من الرجال من لاعقب لہ من النسل وذکر الخیر ومن الدواب مالا ذنب لہ۔

تفسیر: یہ سورہ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ابن عباس و ابن الزبیر و عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔مقاتل اور کلبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں مگر قتادہ اور مجاہد و عکرمہ و حسن بصری کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔اول قول جمہور کا ہے اور قوی تر ہے اس میں تین آیت ہیں۔

ربط۔اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ ماعون سے یہ ہے کہ سورۂ ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمناً بتلایا گیا تھا کہ ایسے بھی محروم اور بدبخت بنی آدم ہیں کہ جن کو اس حکمت میں سے کچھ بھی نصیب نہیں یا بعض اقسام نصیب نہیں وہ دنیا میں آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے نہ وہاں کے لیے کچھ خیر لے گئے نہ دنیا میں زندہ نام اور یادگار چھوڑ گئے۔یہ لوگ دراصل ابتر یعنی بے نسل اور دم بریدہ ہیں جس سے کفارِ مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جن پر ازلی بدبختی سوار تھی ابوجہل وغیرہ۔اب اس سورۃ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جن کو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی اور ان کے سینوں سے اوروں کے لیے حکمت کی نہریں نکلی ہوئیں تا قیامت یادگار باقی رہیں گی اور ان کا دل حکمت کا حوض یا دریائے بے پایاں ہے اور دراصل حکمت ہی خیرِ کثیر ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔اس میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بانصیب اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے زمانہ میں آپ اور آپ کے جانشین اور متبعین ہیں اس لیے اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان جملہ فنون سے فیضاب ہونا بیان فرماتا ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کا فیض تا قیامت جاری رہے گا جس سے بنی آدم کے نیک لوگ آپ کو ہمیشہ نیکی سے یاد کیا کریں گے۔واعظین اپنے منبروں پر اور مصنفین اپنی کتابوں میں ابد تک آپ کی ثناء و صفت کریں گے اور آپ کی ذریت دنیا میں پھیل گئی اور کبھی منقطع نہ ہو گی

۱ وقراءۃ طلحۃ والزعفرانی وانس وابن محیص انطیناک بالنون وھی بمعنی قصینا لک فی لغۃ العرب العاربۃ۔۱۲ منہ

اوران احمقوں کے نزدیک جوسلسلہ جاری رہنے کا باعث خاص صلبی بیٹوں پر منحصر ہے اور تیرے دو صلبی بیٹوں لے کے فوت ہو جانے سے جو خدیجۃ الکبریٰ کے پیٹ سے تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے ان کا خوش ہو کر یہ کہنا کہ چلو سلسلہ منقطع ہوا ان کے بعد کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔ اب یہ ابتر ہو گئے محض بیہودہ خیال ہے۔ دراصل یہی ابتر یعنی مقطوع السلسلہ ہیں ان کے پیشاب کے بیٹے ان کا نام زندہ رہنے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ بعض مفسرین نے خاص اسی بات کو (کہ آپ کے فرزند کے مرنے کے بعد کفار قریش نے آپ کو ابتر کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ آپ کے رنج وملال کا باعث تھا جس کے دور کرنے کو سورۂ کوثر نازل ہوئی) سبب نزول قرار دیا ہے لیکن سبب نزول وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا۔

اس سورہ مبارک کی تین آیت ہیں اور ہر ایک میں اسرار و لطائف ودیعت رکھے ہیں۔ فرماتا ہے انا اعطینٰک الکوثر کہ ہم نے نہ کسی اور نے تجھے جو تیری ہمیشہ سے تربیت کرتے رہے ہیں کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر کی تحقیق! کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے لغت میں معنی ہیں بہت زیادہ کے۔ جس سے مراد خیر کثیر یعنی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری اور نعمت اور برتری ہے اور معنی لغوی کے لحاظ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو حبر الامۃ ہیں اس لفظ کوثر کی تفسیر کی ہے جیسا کہ بخاری وابن جریر وحاکم نے اور اسی طرح ترمذی وامام احمد وابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نقل کا ہے۔

اور وہ خیر کثیر حکمت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور پھر یہ لفظ کوثر بس کے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک قسم کی خیر کثیر کو شامل ہے مفسرین نے ہر ایک خیر کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے اس لیے اس بارہ میں ان کے بندرہ قول ہیں جن کو امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح وبسط سے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ ان کا یہ ہے۔ (۱) وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش پکاریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑان سینکڑوں کوس کا ہوگا، اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ جو ایک بار پئے گا پھر عرصات میں اس کو پیاس نہ لگے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ واہل بیت لوگوں کو پلائیں گے۔ تمام اولین وآخرین پیاس کے مارے ادھر ہی دوڑتے چلے آئیں گے جو سعید ہیں اس سے فیضاب ہوں گے اور شقی محروم کئے جائیں گے۔

یہ اس حکم الٰہیہ کا مظہر ہے جو آپ کے دل فیض منزل میں بھر دی گئی تھی اور حوض دل کا مظہر حوض کوثر ہوگا جس کی وسعت کی کچھ انتہا نہ تھی پلانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو دنیا میں اس حکمت کے جام پلاتے تھے پھر جس نے دنیا میں آپ کے حوض حکمت کا جام پیا وہ وہاں بھی پئے گا اور جو بد بخت یہاں محروم رہا وہاں بھی رہے گا۔ اللھم اسقنا من حوضہ یہ ہے وہ حوض کوثر کا سرچشمہ فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) کوثر وہ جنت کی نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم وغیرہما)۔

یہ بھی اسی نہر غیبی کا مظہرہ ہے جو آپ کے حوض قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی اور وہ حوض دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا۔ (۳) اولاد کی کثرت۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ جسمانی نسل بھی آپ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں صحیح جغرافیہ کے لحاظ سے ہر قوم سے زائد ہے حالانکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی ذریت کسی کی بھی نہ پھیلی اور دن بدن ترقی ہے اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تمام دنیا یا اکثر حصہ میں آپ ہی کی ذریت ہوگی۔ قومیں اسلام لے آئیں گی ولہ الحمد۔ (۴) علماء واولیاء سو یہ بھی

ایک خیر کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جس قدر اہل کمال گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحب نفس قدسی پیدا ہوا ہو جس کے کرامات وکمالات انہیں کے اعجاز شمار ہوتے ہوں اور دراصل کمالات کی نسل یہی لوگ ہیں مثلاً کوئی خوشنویس ہے، اس کی خوشنویسی کی اولاد وہ صلبی فرزند نہیں جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اس کا کمال نہ تھا بلکہ شاگرد رشید فرزند کمال ہے اسی طرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالات نبوت اور اس کے برکات ہوں اور یہی سر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون ہوئے علیہ السلام جو ان کے فیض نبوت کے فرزند رشید تھے حالانکہ صلبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین قرار پائے جن کی نسبت ..... آپ نے یہ فرمایا تھا۔ ماصبہ اللہ فی صدری صببتہ فی صدر ابی بکر کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔ یہ نسل بھی آپ کی تا قیامت باقی رہے گی۔ (۵) نبوت عظمیٰ سو یہ اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے یہ بجز آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کوئی بھی تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا نہ اس قدر برکات وانوار غیبیہ کسی کے ظاہر ہوئے نہ کسی پر سلسلۂ نبوت بجز آپ کے تمام ہوا۔ (۶) قرآن مجید سو یہ بھی خیر کثیر ہے جس کے برکات کا کچھ شمار نہیں۔ (۷) کوثر دین اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات وبرکات اسی پر موقوف ہیں۔ (۸) وہ فضائل روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے۔ (۹) آپ کی رفعت ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی خیر کثیر ہے ہر ایک کے نصیب نہیں ہوتی۔ ہزاروں اس کی تمنا میں مر گئے۔ (۱۰) آپ کے علوم جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین وآخرین کے علوم دیے گئے۔ (۱۱) کوثر آپ کا خلق عظیم ہے اور درحقیقت اخلاق حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ (۱۲) کوثر مقام محمود ہے جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔ (۱۳) کوثر یہ سورۂ مبارکہ ہے کل تین آیت ہیں اور بے شمار مطالب کو حاوی ہے اور جس کا مقابلہ کسی عرب کے شاعر وبلیغ سے نہ ہو سکا۔ مشہور ہے کہ جاہلیت میں فصحاء بلغاء اپنے اس کلام کو جو ان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا تفاخر سے لکھ کر کعبہ کے پردے پر لگا دیتے تھے۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور سب نے اپنے کلام اتار لیے۔ پھر کسی کو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک بڑے فصیح وبلیغ نے اس کے اوپر یہ لکھ دیا۔ ماھذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوت بشریہ کے احاطہ سے باہر ہے اور یہ اعجاز ہے اور یہ خیر کثیر ہے۔ (۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں۔ (۱۵) کوثر وہ اعلیٰ مقام قرب ہے جس سے اوپر اور مقام بندہ کو مل نہیں سکتا۔ دراصل یہ سب اقوال اسی پہلے معنی خیر کثیر کی تفسیرات ہیں۔

فائدہ ۱: انا اول لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ جو کچھ عطا ہے ہماری عطا ہے۔ اور نیز عاشق صادق کو جو کچھ فرحت معشوق کی ذات سے ہوتی ہے وہ اس کے عطیات سے نہیں ہوتی اس لیے انا فرما کر اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا۔ پھر صفات کی طرف اور یہ اعلیٰ مقام ہے اور جس کو کوثر عطا ہوا اس کے مناسب ہے۔ اعطینا فرمایا آتینا نہ فرمایا کس لیے کہ دینا عام ہے خواہ کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو خواہ مفت۔ برخلاف اعطاء کے کہ وہ مفت ہوتی ہے اور کرم ہی کرم ہوتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے ہمارے فضل وعنایت سے ہے جس کا شکر یہ لازم ہے۔ پھر اعطینا ماضی کا صیغہ استعمال میں آیا نہ فعطی مضارع کا تا کہ معلوم ہو کہ آپ کو دے دیا گیا نہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اور یہ بھی سمجھا جائے کہ جن چیزوں کا آئندہ ملنا ہے وہ بھی یقیناً ملیں گی گویا ایسے کریم کا وعدہ بمنزلہ دے دینے کے ہے۔ پھر لک خطاب میں لفظ مفرد استعمال ہوا کہ نہ فرمایا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ عطیہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اس میں اور کسی کا حصہ نہیں اور جو کسی کو حصہ ملتا ہے تو آپ ہی کے طفیل سے ملتا ہے بالاستقلال کچھ نہیں ملتا اور اس لیے کوئی کیسی ہی عبادت کرے ریاضت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن

نہ پکڑے وہ درگاہِ حق سبحانہٗ سے محروم رہتا ہے کبھی کشودِ کار نہیں ہوتا۔ اسی لیے صدہا جوگی فقیر جنہوں نے عمر بھر ریاضاتِ شاقہ کی تھیں اور فتوحِ غیب کا دروازہ ان پر نہ کھلا تو اسلام لائے۔ پھر یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ یہ بتلانا ہے کہ برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جن کا ذکر سورۂ ماعون میں ہوا آپ کو حکمت و انوارِ غیبیہ سے مالا مال کر دیا گیا اور آپ دولت کو اپنی فیاضانہ طبیعت سے لوگوں کو دیتے ہیں اور وہ نہیں لیتے بجائے شکر کرنے کے لڑتے مارتے ہیں ان کو بخل و دناءت کا وصف حاصل تھا یتیم کو جھڑکتے اور کھانے کی رغبت نہیں دلاتے اور آپ کی یہ فیاضی ہے۔ یہ نعمتِ کوثر ان کے اس وصفِ بد کے مقابلہ میں ہے۔

پھر جس طرح تکذیبِ دین کا ناپاک مادہ ان میں تھا اور ان کو ویسے ہی بداعمال پر ابھارتا تھا۔ بخل و دناءت اور ناشکری ان سے سرزد ہوتی تھی اسی طرح آپ کو کوثر عطا ہے آپ کو اس کے موافق کام کرنا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ (۱) **فصل لربك** کہ خاص اپنے رب کے لیے نہ کسی غیر کے لیے نماز پڑھیں، شکریہ کریں اور نماز کو کوثر سے کمال مشابہت بھی ہے کس لیے کہ اس میں اپنے خالق سے مناجات و عجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور جو اس میں انوارِ غیبیہ چمکا کرتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید اور روشن ہیں اور دل کو جو یقین و سرور اس میں حاصل ہوتا ہے وہ برف سے زیادہ سرد ہے اور آداب و سنن نماز کے ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پٹڑیوں سے مشابہ ہیں جو حوضِ کوثر کے اردگرد ہوں گے اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ہر رکن میں مقرر ہیں ان جواہرات کے آب خوردن اور پیاسوں سے مشابہ ہیں کس لیے کہ ان سے بھر بھر کر شرابِ محبتِ الٰہی پی جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

اور نیز یہ ان بدبختوں کے اس فعل کے مقابلہ میں ہے **الذین هم عن صلاتهم ساهون** کہ وہ اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور **لربك** کا لفظ **یراءون** کے مقابلے میں ہے کہ وہ دکھاوے کو کرتے ہیں۔ آپ نماز اور ہر کارِ نیک اپنے رب کے لیے کیجئے۔ اور یہ بھی ہے کہ شکرانۂ نعمت جان سے بھی کرنا چاہیے وہ نماز پڑھنا ہے اور مال سے بھی۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا **وانحر** کہ اس کے لیے قربانی بھی کیجئے جو جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اور اس سے فقراء کو نفع بھی پہنچتا ہے۔ یہ ان کے اس بخل کے مقابلہ میں ہے **ویمنعون الماعون** کہ وہ لوگوں کو برتنے کی چیزوں سے بھی منع کرتے ہیں جس میں کوئی حرج ان کا نہیں تھا۔

فائدہ: انحر سے مراد جمہور کے نزدیک قربانی کرنا ہے پھر عام ہے کہ حج میں ہو یا عیدالضحیٰ کے روز یا عقیقہ میں جیسا کہ صل سے نماز پڑھنا عموماً مراد تھا۔ نماز فرض اور نفل اور نمازِ عید و نوافل سب کو شامل تھا یہ اس لیے کہ مکہ میں اس وقت نماز بھی فرض ہو چکی تھی اور نوافل بھی آپ بکثرت پڑھتے تھے اور قربانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے چلی آتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ کفارِ قریش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ میں تحریف کر دی تھی۔ نماز میں صرف تالیاں بجانا اور کودنا ہی رہ گیا تھا اور وہ بھی بتوں کے آگے اور اسی طرح قربانی بھی بتوں کے لیے کرنے لگے تھے اس لیے اس آیت میں انہیں دونوں اصولِ عبادت کی اصلاح کے لیے فرما دیا اپنے رب کے لیے نماز پڑھ ان قواعد سے جو تجھے بتائے گئے اور قربانی بھی اپنے رب کے لیے کر نہ غیر اللہ کے لیے اور اس قربانی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کر اپنی ذات کو اس کی ذات میں فنا اور محو کر دو اور یہ روحانی قربانی ہے جو خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کا حصہ ہے اور اسی طرح ان کی نماز بھی رب کے لیے ہے نہ ثواب کے لیے نہ عذاب سے بچنے کے لیے محض اس کی ذات پاک کے لیے۔

بعض علماء انحر سے مراد نماز کے متعلق افعال لیتے ہیں جیسا کہ صل سے شکرگزاری کرنا مراد لیتے تھے پھر ان کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ دعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا۔ (۴) جلسۂ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جائے۔ واحدی فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کی اصل یہ ہے کہ نحر سینے کو کہتے ہیں (نحر شتر کشتن و بریدن سینہ و بر سینہ زدن و در سینہ شدن نحر و منحر بالفتح پیش سینہ (صراح) اونٹ کی قربانی بھی سینہ کے پاس سے یعنی اس کے حلقوم

کی جڑ سے ہوتی ہے جو سینہ سے ملا ہوتا ہے اور رفع الیدین میں بھی سینہ تک ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے۔ مگر قربانی کرنے کے معنی اس جگہ مراد ہیں اور یہی قول قوی ہے کس لیے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا اکثر جگہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور قربانی بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے۔ دوم۔ مشرکین بتوں کے لیے نماز پڑھتے تھے، سجدہ و رکوع کرتے تھے اور انہیں کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے جیسا کہ اب مشرکینِ ہند بتوں کو بکرا چڑھاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں تاکید کر کے مشرکوں کو سنا دیا گیا کہ یہ فعلِ بد ہے۔ ہر عبادت کا مستحق حق سبحانہٗ ہے اور اہلِ توحید کا یہی دستور ہے۔ اور رفع الیدین وغیرہ آدابِ صلوٰۃ تو فصل میں آ گئے۔ پھر ان کے بالخصوص ذکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ سوم عبودیت کی دو ہی باتیں ہیں اول تعلیمِ امر اللہ دوم شفقت برخلقِ خدا۔ پس فصل میں پہلی بات کی طرف اور وانحر میں دوسری طرف ایما ہے۔ چہارم انحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے معنی میں مستعمل ہے اور معنی پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔

سعادت کے طریقے بیان فرما کر یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ یہ سعادت آپ ہی کے اتباع میں حاصل ہے کس لیے کہ آپ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور جو آپ سے محبت نہ رکھے بغض و عداوت رکھے وہ دین و دنیا میں نامراد ہے۔ اس لیے فرماتا ہے **ان شانئك هو الابتر** کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے عداوت رکھنے والا جو دراصل اللہ تعالیٰ سے عداوت و بغض رکھتا ہے وہی پس بریدہ ہے جس کا بعد میں کوئی عملِ صالح دنیا میں باقی نہیں نہ اس کا کوئی نام لینے والا نہ اس کے بعد میں اس کا سلسلہ جاری ہے یعنی جمیع اقسامِ حسنات سے محروم ہے اور بحمد اللہ آج تک کہ تیرہ سو چودہ برس ہوئے یہ پیشین گوئی آفتاب کی طرح روشن چلی آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور توہین کرنے والے جو آپ کے عہد میں تھے کیا کیا مصیبت دیکھ کر مرے اور پیچھے نام نہ رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزندوں کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل سہمی وغیرہ کفارِ مکہ نے آپس میں یہ کہا تھا کہ یہ ابتر یعنی اوت نپوت ہے۔ حق سبحانہٗ اپنے حبیب کی طرف سے آپ جواب دیتا ہے کہ دراصل وہی اوت نپوت ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

ع ۱ ۲۴

(اے پیغمبر!) کہہ دو اے کافرو نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تمہی میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کرو گے۔ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

ترکیب | یاایها حرف النداء الکافرون النادی لااعبد الخ نداء والجملة مقولة قوله قل وفی تکریر قوله لااعبد الخ ولا انا عابد الخ قولان الاول التکریر للتاکید والمقام مقام التاکید لان الکفار یطلبون منه صلی اللہ علیه وسلم عبادة اصنامهم بالاصرار والثانی ان الاول للمستقبل والثانی للحال لان لا لاتدخل الا علی المضارع بمعنی المستقبل فقوله لااعبد الخ معناه لا اعبد فی المستقبل ماتطلبونه منی من عبادة اصنامکم ولا انتم فاعلون فی المستقبل ما ارید منکم من عبادة ربی وقیل علی العکس وفی ما سوال لانها غیر ذوی العقول فکیف یصح قوله ما اعبد فانه صلی اللہ علیه وسلم یعبد اللہ تعالیٰ وهو اعلم العالمین والجواب منه علی وجهین الاول ان ما مصدریة فی الجملتین کانه قال لا اعبد عبادتکم ولا تعبدون عبادتی لافی الحال

ولا فی الاستقبال والثانی ما بمعنی الذی والعائد محذوف وقیل الاولیان بمعنی الذی والاخریان مصدریتان دینکم مبتداء موخر لکم خبر مقدم دین اصلہ دینی حذفت النون لتوافق رؤس الآیات وبقیت الکسرۃ علامۃ علیھا۔

تفسیر ؛ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ حسن وعکرمہ کا بھی یہی قول ہے مگر قتادہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ وضحاک کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اس کی چھ آیت ہیں۔

ربط ؛ ربط اس سورہ کا سورۂ کوثر سے یہ ہے کہ سورۂ کوثر میں آپ کو بشارت دی تھی کہ آپ ہر طرح دین و دنیا میں کامیاب ہیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت وشوکت عالمِ غیب میں ٹھہر چکی ہے اس سے آپ کو اطمینانِ کلی اور ہمت دلائی تھی تاکہ دنیا بھر کے مخالفوں کی کثرت وشوکت کا کچھ بھی دل میں اثر نہ ہو اس لیے آپ کا دل قوی کر کے اس سورہ میں اس وقت کے تمام دنیا کے لوگوں کو جو کفر و بت پرستی کی اندھیریوں میں سرگرداں تھے اور اپنے دین وملت پر نازاں تھے اعلانِ عام کھلے کھلے الفاظ میں دلایا جاتا ہے کہ تم کافر ہو۔ اور میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہ کروں گا اور نہ تم میرے معبودِ برحق کی بلا شائبہ شرکت عبادت کرنے والے ہو۔

اور شانِ نزول بھی اسی مضمون کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ شانِ نزول یہ ہے کہ کفارِ قریش کی ایک جماعت نے جن میں ابوجہل وعاص بن وائل ووالید بن المغیرۃ واسود بن عبد یغوث واسود بن عبد المطلب بھی تھے عباس رضی اللہ عنہ کی معرفت یہ کہلا کر بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی اور ان کی پرستش کی برائی کرنی چھوڑ دیں۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنائیں اور اگر مال مقصود ہے تو مال چندہ کر کے دیں اگر عورت سے شوق ہو تو عورت جو تمام قبائلِ قریش میں حسین ہو وہ آپ کو دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور راہِ راست اختیار کر لو۔ اس کے بعد پھر یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی کریں گے اس وجہ سے باہم تفرقہ نہ ہوگا نہ کوئی رنجش پیش آئے گی ورنہ آپ کو ہمارے معبودوں سے الگ ہو کر برا کہنے اور توحید جاری رکھنے میں بڑی بڑی مصیبتیں دیکھنی پڑیں گی۔ اس کے جواب میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں صاف صاف کہہ دیا کہ تم کافر ہو مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔

فرماتا ہے قل کہ اے محمد (ﷺ)! کہہ دے۔ ہر چند آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اور اسی کے فرمانے سے مگر اس جگہ اور اس کے بعد اور تین اخیر کی سورتوں میں اس لفظ قل کا ابتداء میں لانا ایک خاص رمز ہے اس جگہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے تم کو کافر نہیں کہتا نہ از خود تمہارے بتوں کی پرستش کو برا کہتا ہوں بلکہ مامور ہوں اور اس کہنے میں بے اختیار ہوں۔ پھر میرا کہنا نہ ماننا بلکہ مجھے ستانا تمہاری زیادتی اور صریح ظلم ہے ورنہ پہلے بھی تو میں تمہیں میں رہا کرتا تھا پہلے نہ کچھ کہہ دیا اس بات کو سوچ لو کہ تم مریض ہو اور میں تمہارے علاج کے لیے تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جس نے اپنی رحمت سے مجھے بھیجا ہے اور حکیم کا فرض ہے کہ جو کچھ مریض میں مرض ہو اس کو بیان کر دے، بیمار کے برا ماننے کی پروا نہ کرے تاکہ بیمار متوجہ ہو کر علاج کرائے اس لیے اس کے بعد یا ایہا القوم نہ فرمایا بلکہ یا ایھا الکافرون کے خطاب سے مخاطب کیا کہ تم کفر کے مرضِ مہلک میں گرفتار ہو اور بجائے ازالۂ مرض کے خود حکیم کو اپنے مرض میں شریک کرنا چاہتے ہو۔ لون لولا اعبد ماتعبدون میں ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو۔ میں خاص خالق کی عبادت کرتا ہوں اور وہی عبادت کرنے کے لائق ہے اور تم مخلوق کی عبادت کرتے ہو۔ کہیں ستاروں کی، کہیں ارواحِ غیر مرئیہ جن اور بھوت اور ملائکہ اور ارواحِ حضراتِ انبیاء واولیاء کی، کہیں اجسامِ علوم کے نفوس کی اور کہیں اجسام واصنام کی، کہیں عناصر کی، کہیں بنی آدم کے محترم لوگوں کی، کہیں ہوا، پانی، خاک، آگ کی، کہیں نباتات کی، کہیں حیوانات کی اور لطف یہ کہ ان چیزوں کی عبادت کو حق سبحانہٗ کی عبادت اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہو اور مخلوق کو خدا جانتے ہو اس لیے ان سے حاجات طلب کرتے ہو، دہائی دیتے ہو، مدد مانگتے ہو،

نذر و نیاز کرتے ہو، یہ بت پرستی ہے نہ خالق پرستی۔ اور بلا شرکتِ خاص خالق کی عبادت کو تم بیکار جانتے ہو۔ یہ بلا نہ صرف عرب میں تھی بلکہ اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، یورپ، افریقہ سب ممالیک اور سب قومیں عیسائی، یہودی، پارسی، ہنود اس بلا میں گرفتار تھے اس لیے آپ نے بآواز بلند کہہ دیا کہ میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا۔

مگر اے سیاہ باطنو! تم بھی تو میرے معبودِ برحق کی عبادت نہیں کرتے۔ فقال ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ہو کس لیے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ہم ان اشیاء کو جہتِ قبلہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں اور دراصل عبادت اللہ ہی کی کرتے ہیں غلط خیال ہے۔ کس لیے کہ دراصل یہ عبادت انہیں معبودوں کی ہے نہ میرے معبودِ برحق کی۔ وہ اس قسم کی عبادت سے بری ہے۔

اور آئندہ بھی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اس لیے فرمایا ولا انا عابد ما عبدتم اور نہ میں آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور مجھے تو تم سے یہ توقع نہیں۔ ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم اس کی عبادت کرو جس کی میں کرتا ہوں۔ اس میں ان کفار کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تقدیر میں کفر پر مرنا مقرر ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا گیا تھا ان کو سمجھانا صرف حجت کا کام تمام کر دینا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی نسبت یہ ارشادِ الٰہی ہو چکا ہے ختم اللہ علی قلوبھم کہ ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور وہ لوگ جو بالفعل کافر ہیں اور آئندہ ایمان لانے والے ہیں وہ دراصل ازلی کافر نہیں وہ تو ہزاروں ایمان لائے اور خالص اللہ کی عبادت کرنے لگے سو اس جملہ میں وہ مراد نہیں نہ اس سے پہلے جملہ میں۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ دوبار اس جملہ کا لانا محض تاکید کے لیے ہے کیونکہ وہ حضرت ﷺ سے اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں آپ ہمارے معبودوں کی کیجئے تاکہ نفع ونقصان میں برابر ہو جائیں اور بار بار اس پر اصرار کرتے تھے اس لیے دوبارہ فرمایا گیا اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ مخاطب کے حال کے موافق کلام کیا جائے جس طرح ہماری زبان میں تاکید کے لیے کہہ دیتے ہیں میں نہیں کروں گا۔ میں نہیں کروں گا لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جملہ لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد میں حال کی نفی تھی کہ بالفعل نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور دوسرے جملہ ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد میں استقبال کی نفی ہے کہ نہ آئندہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔ بعض کہتے ہیں اول جملہ استقبال کے لیے تھا اور یہ حال کے لیے ہے۔

جب یہ اتحاد یک لخت منقطع ہو گیا تو صاف صاف علیحدگی کی بھی خبر دے دی۔ فقال لکم دینکم تمہارے لیے تمہارا طریقہ پسند ہے کہ اسی پر چلتے ہو ولی دین اور مجھے اپنا طریقہ پسند ہے اسی پر چلوں گا اور چلتا ہوں۔

فائدہ ۱: اس زمانہ میں تمام دنیا کفر و بت پرستی کی نجاستوں سے بھری ہوئی تھی اور انسانی بدی کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں روشنی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اصولِ ملتِ بیضاء ارکانِ طریقتِ حنفیہ مٹ چکے تھے اور اہلِ کتاب کے مذہب میں جو کسی قدر چمک تھی اس پر بھی دنیا پرست احبار اور راہبوں نے گرد وغبار ڈال رکھا تھا ایسا دعویٰ کر دینا اور برملا اشتہارِ کفر جاری کر دینا نہ اس وقت کوئی ظاہری سامان نہ یار وانصار بلکہ اپنا شہر اور خاندان ہی دشمن نہ کسی بادشاہِ وقت کی مدد نہ کسی حکومت کا سہارا۔ اگر اس تائیدِ غیبی اور عطائے کوثر کا اثر نہیں کہ جس کا ذکر یسعیاہ علیہ السلام نے بطریقِ پیشین گوئی کے فرمایا ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا طلب کبھی ایسا نہیں کر سکتا وہ اگر ایک قوم کو مخالف کرتا تو دوسری کو موافق بھی بنا لیتا ہے۔ اور پھر اخیر تک آپ اس دعوے پر ایسے قائم رہے کہ دنیا کی مصائب اور قبائل کی مار دھاڑ، قتل وضرب نے کچھ بھی جنبش نہ دی یہ دلیل ہے کہ آپ مؤید من اللہ تھے۔

فائدہ ۲: بعض علماء اس سورہ یا اس آیت لکم دینکم ولی دین کو منسوخ بتلایا کرتے ہیں بلکہ منسوخ الحکم کی مثال میں پیش کیا کرتے

ہیں اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں جہاد ترک کر کے بیٹھ رہنے کا حکم ہے اور آیتِ قتال و جاھد الکفار الآیہ میں ان سے جہاد کا حکم ہے کہ ان کو ان کے دین سے مجبور کر کے اسلام کی طرف لاؤ اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالو۔ اس لیے یہ سورہ منسوخ اور آیتِ قتال ناسخ ہے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کس لیے کہ اس سورہ میں کہیں نہیں کہ کفار کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے اور لکم دینکم کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔ دوم: اس سورہ میں حکم نہیں بلکہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوا کرتی اور اب بھی یہی بات ہے کہ اہلِ اسلام کفار کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے نہ کریں گے وہ اللہ جل وعلا کی خالص توحید محمدی سے عبادت کرتے ہیں کفار کو اپنا دین پسند ہے مسلمانوں کو اپنا دین پسند ہے بلکہ بوقتِ جنگ بھی یہی بات ہے پس محققین کے نزدیک یہ سورہ محکمہ ہے نسخ کا اس میں دخل بھی نہیں ہے۔

ف۳۔ احادیثِ صحیحہ میں اس سورہ کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ از انجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن وقل ھو اللہ تعدل ثلث القرآن وقل یاایھا الکافرون تعدل ربع القرآن رواہ الترمذی۔ کہ ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصف قران کے برابر ہے اور قل ھو اللہ ثلث قرآن کے برابر ہے اور قل یاایھا الکافرون ربع قرآن کے برابر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کل قرآن میں یا نیک باتوں کا حکم ہے یا بری باتوں سے ممانعت ہے۔ اور ہر ایک کی دو دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان باتوں کا حکم ہے جو دل سے متعلق ہیں یا ان کا جو اعضاء سے متعلق ہیں اور اسی طرح ممانعت یا تو افعالِ قلبیہ سے ہے یا افعالِ جوارح سے۔ یہ چار قسم ہوئیں اور اس سورہ میں صرف ان باتوں سے ممانعت ہے جو قلوب سے متعلق ہیں اور وہ شرک ہے اور گو بظاہر عبادتِ غیر اللہ اعضاء سے بھی متعلق ہے مگر محرک دراصل دل ہے اس وجہ سے اس سورہ کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا۔

احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوفل بن معاویہ اشجعی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا قل یاایھا الکافرون پڑھ کر سویا کر کس لیے کہ یہ شرک سے برأت ہے یعنی دل سے پڑھنے والا شرک سے بری ہو جاتا ہے۔ اگر مر گیا تو توحید پر مرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو تو میں تمہیں ایسا کلمہ بتلاؤں جو شرک سے بری کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا سوتے وقت قل یاایھا الکافرون پڑھ لیا کرو۔ اخرجہ ابویعلیٰ والطبرانی۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد۔ یہ سورہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور یہی جمیع عبادات کا اصل الاصول ہے۔

سورہ نصر مدینہ میں نازل (اللہ اکبر) ہوئی اور اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

جبکہ اللہ کی مدد اور فتح آ چکی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح کر و ستائش کے ساتھ اور اس سے معافی مانگو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ترکیب ؛ اذا منصوبۃ بجاء وقیل یسبح نصر اللہ مصدر مضاف الی الفاعل والمفعول محذوف ای نصرہ ایاک اوالمؤمنین وھذا فاعل جاء ومعناہ حصل وانما عبر بہ بالمجئ تجوزا لان شعار بان نصرہ یقینی وقد قرب حصولہ (الفتح عطف علی نصر اللہ ورایت عطف علی جاء ورایت ان کان بمعنی العلم فمفعولہ الاول الناس والثانی یدخلون وان کان بمعنی ابصرت فیدخلون حال۔ وعلی التقدیرین افواجا حال فاعل یدخلون ای فوجا بعد فوج فسبح الخ جواب الشرط بحمد ربك فی محل النصب علی الحال ای سبح اللہ حامدا لہ اومتلبسا بحمدہ ای قل سبحان اللہ بحمدہ واستغفرہ عطف علیٰ سبح انہ کان الخ تعلیل لقولہ استغفرہ ای لان من شانہ قبول التوبۃ۔

تفسیر ؛ یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی مگر ابویعلیٰ وبزار وبیہقی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ ایامِ التشریق۔ بمقام منیٰ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ میرے لیے ادھر کا پیغام ہے یعنی آپ جس کام کے لیے بھیجے گئے تھے اب وہ پورا ہو چکا یا ہو چکنے کو ہے۔ دنیائے دنی آپ کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اب ہماری طرف توجہ کیجئے، تسبیح کہئے اور حمد بیان کریں اور امت کے لیے استغفار کیجئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عمر رضی اللہ عنہ بدری لوگوں کے ساتھ بلایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کو برا معلوم ہوا کہ یہ بچہ ہے ہمارے ساتھ اس کو کیوں بلایا کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لیے کہ اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں پھر ایک بار مجلس میں بلایا اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان سے سوال کیا کہ اس آیت کے تم کیا معنی بیان کرتے ہو۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح لوگوں نے کہا یہ کہ جب ہم کو فتح ونصرت نصیب ہو تو اس کی تسبیح کریں اور معافی مانگیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ مطلب نہیں بلکہ علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی جو آپ کو بتلائی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں (رواہ البخاری)۔ اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے یہ کہ سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی مہینے پہلے نازل ہوئی ہے اس میں تین آیت ہیں۔

اس سورہ کو قل یاایھا الکافرون سے یہ ربط ہے کہ سورۂ کافرون میں بے دغدغہ اعلان تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور تم بت پرست کافر ہو۔ اور اس سے پہلے سورۂ کوثر میں یہ مژدہ عطا ہو چکا تھا کہ آپ کو کوثر عطا ہوا ہے۔ آپ کی ذریت اور اتباع کی کثرت ہو گی۔ اب اس سورہ میں تسلی دی جاتی ہے کہ آپ اس اعلان کے بعد کفار کے غلبہ سے خوف نہ کریں گو ہر طرف وہی محیط ہیں قریشِ مکہ اور جمیع قبائلِ عرب سے یہود ونصاریٰ ومجوس تک سب آپ کے بدخواہ ہیں مگر آپ کچھ بھی پروانہ کریں آپ کے لیے اللہ کی مدد اور فتح تیار ہے۔ ایک دن آنے والا ہے گویا آ ہی چکا ہے کہ آپ کا دین غالب آ جائے گا، کفر کو شکست ہو جائے گی، بت پرستی منہ موڑ کر بھاگے گی اور اس کفر وبت پرستی کے حمایتی مغلوب ہو جائیں گے اور گروہ کے گروہ لوگ آپ کے دین میں داخل ہوں گے اور وہ آپ کے کام کا اخیر ہو گا تب ہماری طرف آنے کی تیاری کیجئے۔ تسبیح وتحمید اور امت کے لیے استغفار کی کثرت کیجئے۔ چنانچہ اس بشارت کے موافق واقع ہوا جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔ اس مناسبت یہ سورۂ قل یاایھا الکافرون کے بعد رکھی گئی۔

فقال اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آ چکی اور تم نے اے نبی علیک السلام لوگوں کو خدا کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا کہ آج ایک جماعت اسلام لائی، کل دوسری قوم اسلام لائی۔ آیت میں چار باتیں بیان فرمائیں۔ اول۔ اللہ کی نصر کا آنا۔ دوم، فتح کا حاصل ہونا۔ سوم، لوگوں کا دینِ الٰہی میں داخل ہونا۔ چہارم، ایک ایک دو دو کا نہیں بلکہ جماعتوں کا اور قوموں کا دین میں داخل ہونا۔

نصر وفتح ؛ اب ہم ان چاروں باتوں کی تشریح کرتے ہیں تا کہ کلام الٰہی کے معنی خوب طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ نصر: تحصیلِ مطلوب میں اعانت (فتح) تحصیلِ مطلوب یعنی مقصود کا حاصل کر دینا اور نصر فتح کا سبب ہوتا ہے اس لیے نصر کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ پھر اعانتِ عام ہے، کبھی اسبابِ ظاہری کے پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جیسا کہ مخالفوں پر فتح پانے میں لشکر عوان وانصار کا موجود

کر دینا یا جو لشکر کو کارآمد چیزیں ہوتی ہیں ان کا موجود کر دینا، ہتھیار اور خوراک وغیرہ یا مخالفوں کی مدافعت کے اسباب پیدا کر دینا، ان میں بزدلی اور ہیبت اور سوءِ زبیری پیدا کر دینا اسی لحاظ سے بدر کے معاملہ میں فرمایا ہے۔ وما النصر الامن عند الله العزیز الحکیم۔ اور یہی حال ہے انسانی خدات کے مقابلہ میں۔ انسان جب تہذیب نفس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس ملک کے فتح کرنے کے لیے قوائے بہیمیہ وسبعیہ وشیطانیہ کے لشکروں سے لڑنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر جو تائید غیبی ہے وہ اللہ کی طرف کی نصرت ہے اور اس کے بعد مقصود کا حاصل ہونا فتح ہے اسی طرح بدراہ قوموں کی اصلاح اور ان کے نفوس کی تہذیب حضرات انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد ہوتا ہے اور یہ حاصل ہونا کچھ آسان بات نہیں اس میں مدد غیبی درکار ہے۔ وہ کیا؟ لوگوں کے دلوں میں اس شخص کے قبولیت اور اس کی بات کا اثر پیدا کر دینا یہ نصر اللہ ہے جس کے بعد فتح ہی فتح ہے یعنی پھر جوق در جوق اور گروہ کے گروہ دین اللہ میں ایک کششِ باطنی سے خود بخود داخل ہونے لگتے ہیں اور اسی کو فتح مبین بھی کہتے ہیں۔ سو یہ اسی کوثر کے عطا ہونے کا ظہور ہے۔ اور اخیر عمر میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آرہے تھے۔ یہ بات حاصل ہونے لگی تھی اور یوماً فیوماً ترقی پر تھی خصوصاً فتح مکہ کے بعد سے روز مرہ قبائل کے قبائل اور کبھی ان کے ایلچی آتے اور تلقین پا کر جاتے اور سب مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے خود جماعتوں کی جماعتوں کو دینِ الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا اور خدائے پاک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر آپ کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔

فتح مکہ ؛ مفسرین نے لفظ نصر اور فتح کے وسیع معنوں کو ایک ایک بات میں محدود کیا ہے حالانکہ وہ سب کو شامل ہیں اور سب ہی مراد ہیں پس جس طرح نصرتِ الٰہی کے متعدد طریقے معلوم ہوئے اسی طرح فتح کے بھی ہیں۔ اول فتحِ مکہ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ عرب کے اکثر قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مگر مکہ کے لوگ ابھی تک اسی بت پرستی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر تلے ہوئے تھے اور کئی بار لڑائیاں میدان میں آکر لڑ چکے تھے۔ یہ شہرِ مقدس کفار کا مرکز ہو رہا تھا۔ ہجرت کے آٹھویں[1] سال جیسا کہ بخاری میں معمر سے روایت ہے دس ہزار لشکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا جس کی بابت کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۴۲ باب میں پیشین گوئی ہے جس کے جملے یہ ہیں: ''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا'' الخ۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور مسلا نہ جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ الخ اس میں اذا جاء نصر الله والفتح الخ کے مضمون کی پوری تائید ہے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اسکائیگا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی قوموں کو بلایا اور قبائل جمع ہوئے۔ دس ہزار لشکر ساتھ ہوا مکہ کے لوگ امان کے طالب ہوئے، آپ نے امان دی اور سب نے ایک لخت اسلام اختیار کر لیا، کفر کا جھنڈا اکھڑ گیا۔ اب عرب میں کوئی مذہبی مخالف باقی نہیں رہا۔

(۲) بعض کہتے ہیں فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو سال حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں کو رنج وملال تھا واقع ہوئی اور جس کے بعد مسلمانوں کو فراغدستی میسر آئی۔ (۳) جمیع فتوحات مراد ہیں جو غزوات میں پے در پے نصیب ہوئیں اور اسلامی شوکت زور پکڑتی گئی۔ فتح مکہ، خیبر، طائف، حنین وغیرہ۔ (۴) فتوحاتِ غیبیہ علوم واسرارِ ملکوتیہ جو رفتہ رفتہ آپ پر منکشف ہوتے تھے اور آخر اس کا حضرت احدیۃ کا دروازہ کھل جانا اور کشفِ ذاتی ہے کہ پھر یہ کثرت وحدت کے ملاحظہ کے لیے کسی طرح بھی حاجب نہ ہوتی تھی اور عرفاء وکملاء ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عالمِ غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں تب وہاں کی چیزیں عیاں نظر آنے لگتی ہیں اور اسی عالم کے لوگوں سے موانست زیادہ ہونے لگتی ہے۔ اس عالم سے بے اعتنائی ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح اس عالم کے لوگوں کا شغل خدا پاک کی

[1] صحیح یہ ہے کہ ساتواں سال تھا ۱۲ منہ

تسبیح وتقدیس ہے اور یہی باعثِ راحت اور سرورِ روح ہے ان لوگوں کا بھی ہو جاتا ہے اس لیے فرمایا ہے فسبح کہ خدا پاک کی تسبیح کیا کرو اور تسبیح بھی کیسی بحمد ربك جملہ سے ملا کر سبحان اللہ وبحمدہ۔

تسبیح کی حقیقت ؛ واضح ہو کہ حق سبحانہٗ کو صفات مذمومہ سے مبرا سمجھنا عین عبودیت ہے کہ وہ فانی نہیں حادث نہیں کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں۔ الواثِ بشریہ وکدوراتِ امکانیہ سے پاک ہے۔ نہ وہ سوتا ہے، نہ بیمار ہوتا ہے وغیر ذلک۔ پس اس قسم کے اوصافِ بد سے مبرا سمجھنا تسبیح ہے اور اس کے لیے شرع میں الفاظ مقرر ہیں سبحان اللہ وغیرہ کہنا۔

پھر یہ زبان سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی اور کبھی انسان یا ممکنات کی حالت سے بھی کہ خود بخود اس کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ خالق جمیع عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے اور اس آیت میں اسی طرح اشارہ ہے وان من شیءٍ الایسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔

بذکرش ہرچہ بینی درخروش ست ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلشن تسبیح خوانے ست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

پھر اس تسبیح کے مراتب متفاوت ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ زبان سے کہنا اور اعلیٰ یہ کہ زبان اور قلب دونوں سے تسبیح کرنا اور جن جن نقصانوں سے اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے ان کے برخلاف اوصافِ کمال کا اس کی ذات میں مشاہدہ کرنا اور اس مشاہدہ سے انوار کا اس کی ذات پر انعکاس پڑنا اور اس کا بھی ان نقائص سے پاکیزہ ہو جانا گو حدوث کے خصائص سے چھٹکارا مشکل ہے مگر تسبیح سے اس پر ایک ایسی تجلی پڑتی ہے کہ جس سے روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے اور آخر کار اس کے خصائصِ بشریہ مٹتے مٹتے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ یہ مجردات ملائکہ میں مل جاتا ہے اور پھر ان سے بھی بڑھ کر بارگاہِ قدس میں جگہ پاتا ہے جیسا کہ فرمایا فی مقعد صدق عند ملیكٍ مقتدر۔

تسبیح عارف کی حالت ابتدائی ہے کس لیے کہ پہلے آئینے یا کسی لوح کی جس پر کوئی نیا رنگ جمانا ہوتا ہے تو صفائی کر لی جاتی ہے پھر رنگ یا نقش قائم کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ بندہ حادث ہے، حدوث وجسمانیت کے ہزاروں خصائص میں آلودہ ہے بہیمیت کی تاریکی اس پر محیط ہے مجردات اور عالمِ ملکوت سے یوں بعید ہے حتی کہ اس کے ادراکات میں بھی صفائی نہیں قوتِ وہمیہ اپنا دخل دیے بغیر نہیں چھوڑتی جب کوئی معانی مجردہ اس کے لوحِ قلب پر ڈالے جاتے ہیں تو قوتِ وہمیہ ضرور ان کو بھی کسی نہ کسی جسمانی قالب میں ڈھال ہی لیتی ہے اسی لیے حق سبحانہٗ اور ملائکہ جو جسمانیت سے پاک ہیں جب ان کا تصور کرتے ہیں تو کسی خوبصورت آدمی کی شکل میں یا اور کسی جسمانی چیز میں اور اسی لیے خواب میں جب روح دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہاں کے علوم اس پر فائض ہوتے ہیں تو قوتِ وہمانیہ ان کو بھی ان کے مناسب صور میں ڈھال لیتی ہے جن سے جدا کر کے بتانا تعبیر دینا ہے اور اسی لیے اگلی قوموں میں چونکہ بہیمیت غالب تھی وہ حق سبحانہٗ کی عبادت بغیر کسی مجسم صورت پر دھیان دھرے کر ہی نہیں سکتے تھے اور اب بھی جن کی بہیمیت غالب ہے ان پر جو کبھی تجلی ہوتی ہے تو کسی محبوب اور دلکش صورت میں۔ اور اسی لیے ان لوگوں نے بت آگے رکھ کر عبادت کا طریقہ نکالا تھا جیسا کہ خام کار اور لڑکے خاکا آگے رکھے بغیر کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نورانیت وملکیت کا غلبہ ہوا اور یہ ابتدائی مشق اٹھوائے بغیر شائبۂ حدوث وامکانِ بلا کیف اس خالق قادر کی عبادت قائم کی گئی اور عبادت میں بھی یہی اول تسبیح قائم ہوئی کہ ان کدورات والواثِ بشریہ سے اس کی ذاتِ مقدس کو پاک اور مبرا سمجھا جائے۔

اس کے بعد صفاتِ حمیدہ سے موصوف سمجھانا یعنی جو جو اس کے صفاتِ کاملہ ہیں ان کا اس کی ذاتِ پاک میں ثابت کرنا جیسا کہ وہ حی ہے، کریم ہے، باقی ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، عادل ہے، رحیم ہے۔ وغیر ذلک اس کو تحمید کہتے ہیں

یعنی اس کے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ اس کو یاد کرنا عام ہے کہ ان نعماء کا ہی ذکر ہو کہ جو اس نے بندے کو عطا فرمائیں یا نہیں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے رنگ یا نقش جمانے کا۔ ہر ایک صفتِ باری تعالیٰ کا جب بار بار مراقبہ کیا جاتا ہے اور تصورِ صحیح جمایا جاتا ہے تو ضرور روح پر اس کا پرتو اپڑتا ہے اور پھر مشق کرتے کرتے نوبت دور تک پہنچ جاتی ہے لیکن روح کی استعداد و قابلیت میں فرق بھی ضرور ہے۔ بعض قابل اور مستعد ارواح کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تسبیح سے فنا طاری ہو جاتی ہے اور تحمید سے بقا کا پرتو اپڑ جاتا ہے پھر اس میں بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اس رمز کے لیے قرآن مجید میں اور بالخصوص اس سورہ میں تسبیح کے ساتھ تحمید کا حکم دیا اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العلی العظیم اکثر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دلاتے تھے۔

اور بندہ گو ہزار کوشش اس کی عبادت میں کرے مگر جیسا حق ہے ویسا ادا ہونا مشکل ہے۔ اسی لیے اعترافِ قصور بھی ایک شان عبودیت ہے اور نیز بارگاہِ اعلیٰ میں بندے کی عاجزی بہت پسند ہے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ بھی جملہ ارشاد فرمایا واستغفرہ کہ اپنے رب سے بخشش اور معافی مانگ باوجود اس تسبیح و تحمید کے پھر بندہ کا عجز و انکسار کرنا اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھ کر معافی مانگنا نہایت عبادت ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ یہ استغفار امت کے لیے ہے۔ کس لیے کہ یہ آپ کا اخیر وقت ہے اور آپ کی تکمیل انتہا کو پہنچ گئی ہے اور آپ نے اقوام کو دینِ الٰہی کی طرف بلایا ہے اب اس وقت ان کے لیے آپ کا شفیع بن کر استغفار کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے اس لیے آپ امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے اور یہ امت کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جن کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور استغفار کرے۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے تھے کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہم کو داغِ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبرؓ اس سورہ کو سن کر زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے نصرت و فتح کا مژدہ دیا اور قوموں کے جوق جوق اسلام میں آنے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے۔ بعض نے کہا یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم رازدار ہے کوئی تو رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسوؤں کا سلسلہ ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری میں اور مالی مدد میں ابوبکرؓ کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو مگر خلتِ اسلامی کافی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جو آنے کے لیے کھڑکیاں ہیں سب بند کر دی جائیں مگر ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے۔ یہ اس لیے کہ اس کو نہایت عشق ہے اور رازدار ہیں تاکہ ہر وقت صحبت اٹھانے کا موقع ملے۔ پھر جو اور لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوا اور لوگوں نے اپنا اظہارِ غم و رنج کیا تو آپ نے فرمایا کیوں غم کرتے ہو خوش نصیب ہے وہ امت جس کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور جا کر ان کے لیے تیاری کرے اور بدنصیب ہے وہ قوم کہ جن کا رسول ان میں زندہ رہے اور وہ قہرِ الٰہی سے ہلاک ہوں چنانچہ اس سورہ کے نزول کے کئی مہینے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بخاری میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد ہر نماز کے رکوع و سجود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے۔ سبحانک اللھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ستائش کرتا ہوں اے رب بخش دے۔

اس سورہ پر عمل کرتے تھے اور بخشش اس سے اس لیے مانگ کیونکہ انہ کان توابا وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کو بندے کے رجوع ہونے سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ توبہ کرتا ہے تو وہ درگزر کرتا ہے بڑا ہی حلیم ہے اس کے آگے سر رکھ دینا چاہیے پھر اس کی مہربانی اور عنایت کی کیا کمی ہے۔ اللھم اتوب الیك اغفرلی ولوالدی ولجمیع المسلمین۔

(اللہ اکبر)

سورہ لہب مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

ٹوٹ جائیں ابی لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ٹوٹ بھی گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور وہ اب دہکتی آگ میں گرتا ہے اور اس کی جورو بھی۔ جو لکڑیوں کا پشتارہ اٹھائے گلے میں مونج کی رسی ڈالے پھرتی ہے۔

ترکیب : تبت فعل یدا اصلھا یدان سقطت النون بالاضافۃ ابی لھب مضاف الیہ والمضاف مع ما اضیف الیہ فاعل تبت والید مونث عند العرب وابولھب کنیۃ عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب بن ہاشم والعزی اسم صنم وھو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مشہورا بالکنیۃ وانما اشتھر بھذا لانہ کان جمیلا وان وجہہ کان یتلھب لمزید حسنہ کما یتلھب بالنار۔ وتب فعل والضمیر فاعلہ یرجع الی ابی لھب عطف الجملۃ علی والتباب الخسران والحرمان من کل خیر وقیل الھلاک والتردی۔ والجملتان دعاء علیہ وقیل الاولی دعاء والثانیۃ اخبار۔ ما نافیۃ اغنی فعل عنہ متعلق بہ مالہ فاعلہ معطوف علیہ وما موصولۃ کسب صلۃ والعائد محذوف والکل معطوف وقیل ما مصدریۃ فما کسب بتاویل المصدر فاعل اغنی والجملۃ بیان لتبابہ سیصلی فعل والضمیر الراجع الی ابی لھب فاعلہ نارا مفعول بہ موصوف ذات لھب صفۃ وامراتہ معطوف علی الضمیر المتصل وجاز ذلک للفصل حمالۃ الحطب قراء الجمھور رحمالۃ بالرفع علی الخبریۃ اوالنعتیۃ وقرء عاصم بالنصب علی الذم اوعلیٰ انہ حال من امراتہ حبل موصوفٌ من مسد صفۃ مبتدا مؤخر فی جیدھا خبر مقدم والجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من الضمیر فی حمالۃ وقیل فی محل الرفع علی انھا خبر آخر لقولہ وامراتہ۔ الجید العنق۔ والمسد ایضا الذی تفتل منہ الحبال قیل المسد بسکون السین مصدر بمعنی الفتل وبفتحھا الحور من حدید او حبل من لیف او کل حبل محکم الفتل والجمع مسادوا ما وکذا فی القاموس لرد قیل امراتہ مبتداء حمالۃ الحطب خبرہ فی جیدہ الخ حال من الضمیر فی حمالۃ۔ کذا قال ابن الصائغ۔

تفسیر : یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں اس کی پانچ آیت ہیں۔ اس کا ربط سورہ نصر سے یہ ہے کہ اس سورہ میں بتلایا گیا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں بھی آسمانی حکم قبول کرنے والوں کے لیے فتح و نصرت ہے دین اور دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اسی طرح اس آسمانی حکم سے سرتابی کرنے والوں اور مقابلہ اور عداوت سے پیش آنے والوں کے لیے بھی دنیا و آخرت کا خسارہ اور بربادی اور ہلاکی ہے۔ اس پہلی بشارت کا اول مستحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر مژدہ سنایا تھا۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح کہ لو آئی مدد اور فتح اللہ کی گویا آ ہی گئی۔ اس سورہ میں اس خسران و بربادی کا طوق ابی لہب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کے گلے میں ڈال کر جملہ مخالفوں کو دکھایا جاتا ہے کہ مخالفت و عداوت کا یہ نتیجہ بد ہے جس کی طرف سورۂ کوثر میں اشارہ تھا کہ آپ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کوثر عطا کیا اور آپ کے دشمن کو ابتر کیا۔ اسی لیے اس سورۂ لہب میں اس بدبختی کا بھی حال بیان فرمانا ضرور تھا جو دینِ الٰہی کے مقابلہ اور عداوت میں ظاہر ہوتی ہے۔

شانِ نزول : اس سورہ کا بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری۔ وانذر عشیرتك الاقربین تو آپ کوہِ صفا پر چڑھے اور چڑھ کر اول سے لے کر اخیر تک کے قبائلِ قریش کے نام لے کر پکارا۔ اے بنی فلاں، آخر اے بنی ہاشم، اے بنی عبدالمطلب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ بھلا اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا لشکر تمہارے لیے تیار ہے شب خوں مارے گا تم مجھے سچا جانو گے۔ سب نے کہا بے شک۔ لو اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ عذابِ الٰہی تم پر آنے والا ہے نجات کا رستہ اختیار کر لو اور اپنے بچنے کی تدبیر نکالو۔ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر خاص اپنے خاندان کی طرف جو بہت قریب تھے خطاب کیا کہ اے عباس و اے فلاں اور اے صفیہ میری پھوپھی اور اے فاطمہ میری بیٹی اس پر بھروسا نہ کرو کہ ہم پیغمبر کے رشتہ دار ہیں میں خدا کے ملزم کو نہیں بچا سکتا۔ یہ گفتگو اور وعظ سن کر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا خفا ہو کر یہ کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تبالک (کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں بلایا تھا) اور یہ کہہ کر ایک پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا اور بہت کچھ گالی گلوچ بکیں جس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اس کے نزول کا محرک ہوا جس میں مخالفینِ دین کا دنیاوی اور دینی انجام بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

ابولہب عبدالمطلب کا بیٹا حضرت کا حقیقی چچا تھا اور اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ سرخ رنگ خوبصورت آدمی تھا اور اس کے چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہو گئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور کسی وصف کے بتانے کے لیے عرب میں اُبو اور ابن اور اخ کے ساتھ منسوب کرنا ایک عام محاورہ ہے۔ مسافر کو ابن السبیل، چاند کو ابن اللیل، عربی کو اخا العرب مٹی لگے ہوئے کو ابوتراب کہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ لہب اس کا کوئی بیٹا تھا یا اس کا باپ تھا۔ اور اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا۔ حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی یزید بد بخت کی رشتہ کی دادی۔ ان دونوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ازحد عداوت تھی۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں منسوب تھیں وہ بھی سخت دشمن تھے۔ اُم جمیل رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی کہ اندھیرے میں چبھیں اور آپ کو تکلیف ہو۔ پھر اس سورۃ کے نزول ہونے کے بعد تو قوم میں ابولہب اور اس کی جورو کا خاکہ اوڑ گیا اور بھی عداوت بڑھ گئی اور اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو اور منہ پر جا کر سخت کلمات کہہ کر چھوڑ دو۔ چنانچہ عتبہ نا ہنجار نے آ کر حضرت کے روئے مبارک پر تھوکا اور برے الفاظ سے طلاق دی۔

فرماتا ہے تبت یدا ابی لھب و تب کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بددعا کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ حق سبحانہٗ کسی کو دعا نہیں کرتا ہے بلکہ اس محاورہ میں اس پر بربادی آنے کی خبر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اس پر آنے والی تھی۔ تب محاورہ کے موافق یہ ترجمہ ہوگا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی خراب ہو جائے یا یہ کہ ہو گیا محاورہ ہے بددعا کے بعد ایسا کلمہ مستعمل ہوتا ہے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

جزیٰ ربہ عنی عدی ابن حاتم جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا اس کو غارت کرے اور کر دیا۔

فائدہ ۱: دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہری دونوں ہاتھوں کا ٹوٹنا مراد نہیں بلکہ ہاتھ یا گردن یا سر سے انسان کو تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ وہ خراب ہو جائے۔ انسان کے اندر خدا پاک نے دو قوت رکھی ہیں۔ ایک قوتِ نظریہ جس کے سبب چیزوں کا علم آتا ہے۔ ہر ایک چیز کو جانتا ہے، امورِ غیب کی تصدیق کرتا ہے، برے بھلے کاموں کا انجام سوچتا ہے، نفع و نقصان کو جانتا ہے۔ دوسری قوتِ عملیہ کہ جس کے سبب نیک و بد کام کرتا ہے۔ یہی دونوں قوتیں انسان کے حسنات اور سعادتِ دارین حاصل کرنے کے دو ہاتھ ہیں۔ پھر جس نے ان دونوں کو برباد کر دیا اور برے برے علم حاصل کئے، عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دی کہ مرنے کے بعد حساب و کتاب سزا و جزا کچھ نہیں۔ خدا

تعالیٰ کے کاروبارِ قدرت وصفات میں اور بھی شریک ہیں جو نفع و نقصان دے سکتے ہیں۔ یہی کوئی شخص نہیں نہ نبوت کی ضرورت ہے وغیرہ۔ اور اسی طرح قوتِ عملیہ کو برے کاموں میں صرف کیا، مخلوق کے ساتھ بھلائی اور رحم دلی کی جگہ ظلم کیا، عفت کی جگہ بدکاری کی۔ جن کی اطاعت کرنی چاہیے ان سے سرکشی کی، مقابلہ کیا۔ عبادتِ الٰہی کی جگہ شہوت پرستی اور تن پروری کی خیرات کی جگہ بخیلی اور کنجوسی کی وغیرہ اس نے اپنی کمائی کے دونوں ہاتھ توڑ دیے۔ یہ بات ابولہب کو حاصل تھی اس لیے اس کے حال کی اس مغرور و بے خبر کو خبر دی جاتی اور مطلع فرمایا جاتا ہے اور اس رمز کے لیے اس کی ذات کے برباد ہونے کو دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) یہ کہ انسان کی دو حالت ہوتی ہیں ایک موجودہ دوسری آیندہ۔ چونکہ ابولہب کی دونوں حالتیں خراب تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے خراب ہو چکنے کو تھیں اسی لیے بطور پیشین گوئی کے دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ تجھ پر دنیا میں بھی آفت آنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا میں چند روز کے بعد اس پر افلاسِ شدید آیا۔ وہ بیٹا کہ جس پر ناز تھا اور جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا اور گالیاں دے کر صاحبزادی کو چھوڑا تھا اور جس کے لیے آپ نے بددعا کی تھی کہ الٰہی اس پر تو اپنا کتا مسلط کر اور وہ اس بددعا سے اندیشہ بھی کرتا تھا، شام کے ملک میں جا رہا تھا یا وہاں سے آ رہا تھا اور درندوں سے اپنی حفاظت بھی کرتا تھا۔ رات کو شیر آیا اور آ کر اس نے چبا کر چورا چورا کر دیا اور پھر اس بیماری میں کہ جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں خود ابولہب مبتلا ہوا وہ مرضِ متعدی ہے۔ اسی لیے کوئی پاس نہیں جاتا تھا بڑی تکلیف دیکھ کر مرا چہرہ بگڑ گیا تھا دیکھنے والوں کو ہیبت آتی تھی، کتوں جیسی آوازیں نکالا کرتا تھا۔ اور پھر اس کی جورو بھی مصیبت دیکھ کر مری، افلاس یہاں تک غالب آیا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے خود لاتی۔ ایک گٹھا سر سے گر پڑا کس لیے کہ غمزدہ ہو چکی تھی۔ مصائب نے کمر توڑ دی تھی اور رسی کا پھندا جو گلے میں پڑا ہوا تھا وہ کھنچا گلا ایسا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ غرض ستیاناس ہو گیا مگر اللہ رحمت للعالمین کا دل ان کی اس مصیبت پر بھی رنج کھاتا تھا اور رحم آتا تھا مگر کیا ہوتا ہے قضا کا تیر چھوٹ چکا تھا۔ خدا پاک کو اپنی بے نیازی کی شان دکھانی تھی کہ بھتیجے کو کوثر عطا کرے اور اسی گھر میں چچا ابتر بنے جس کا کوئی نام لیوا بھی نہ رہا۔

فائدہ ۲: آیت میں اس کا نام عبدالعزیٰ نہیں لیا کنیت سے یاد کیا۔ اس کی کئی وجہ ہیں۔ (۱) یہ کہ عزیٰ بت کا نام تھا جس کا یہ بندہ بنا تھا ایسے مکروہ اور ناپسند نام کہ جن میں شرک کی بدبو آتی ہو عالمِ بالا کے نزدیک ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں۔ (۲) ابی لہب کا لفظ جس میں لہب یعنی شعلہ آتش پڑا ہوا تھا گویا ابتدا ہی سے اس کے جہنمی ہونے کی خبر دے رہا تھا اس لیے اس منحوس لقب کے ساتھ یاد کیا گیا اور اس میں اہلِ بلاغت کے نزدیک ایک عجیب لطیفہ ہے۔ (۳) وہ ابی لہب سے مشہور تھا۔ اگر نام عبدالعزیٰ لیا جاتا تو جلد نہ سمجھا جاتا اس لیے یہ نام لیا گیا اب اس کی خرابی کی تشریح فرماتا ہے۔ وما اغنی عنہ مالہ وما کسب کہ نہ اس کا مال کام آئے گا نہ کمائی، عزت و شہرت جو قوم میں حاصل کی تھی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد فرماتے ہیں کمائی سے مراد اولاد ہے عرب کے محاورے میں۔ اور اسی کے مطابق ہوا بھی۔ کس لیے کہ جب انتقامِ الٰہی کا وقت آیا تو دنیا میں مال کام آیا نہ اولاد کوئی بھی اس آفت کو نہ ٹال سکا اور اسی طرح مرنے کے بعد جو عذابِ دردناک پیش آیا اور قیامت میں آئے گا وہاں بھی نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نہ دنیاوی عزت و وجاہت، حسب و نسب پھر جب یہ ایسی بے بنیاد چیزیں ہیں تو اتنا ان پر فریفتہ ہونا اور آخرت کو بھول جانا اگر تباب و خسران از لی نہیں تو اور کیا ہے؟ اب آخرت کا حال بیان فرماتا ہے سیصلی ناراً ذات لھب کہ عنقریب وہ ایک ایسی آگ میں پڑے گا جو شعلہ مارتی ہوگی۔ یہ وہی آتش عداوت و عناد ہے جو دنیا میں شعلہ زن تھی اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وامراتہ اس کی جورو بھی اس آگ میں گرے گی کس لیے کہ اس کے دل میں بھی آتشِ عداوت شعلہ زن تھی۔ شعلہ مارنے والی آگ میں مرنے کے بعد تو وہ دونوں گرے ہی ہیں مگر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روز افزوں ترقی اور اپنا تنزل

دیکھنا بھی آگ میں گرنا تھا اور پیشین گوئی کے مطابق وہ بہت جلد اس میں گرے جورات دن جلا کرتے تھے۔

اب اس کی جورو کا حال بیان فرماتا ہے حمالة الحطب[1] جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔ (۲) فی جیدھا حبل من مسد اس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اس کی بیوی کے وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں اس کو حاصل تھے۔ پھر اس تقدیر پر یا تو حقیقی معنی مراد ہیں کہ خسیس و ذلیل تھی، آپ لکڑیاں لایا کرتی تھی اور جس طرح لکڑہاروں کے گلے میں رسی بندھی ہوتی ہے جبکہ وہ لکڑیوں کو جاتے ہیں اسی طرح اس کے بندھی رہتی تھی پھر ایسی خسیس ودنی الطبع کا خیرات وصدقات میں صرف کرنا کیسا؟ یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں۔ حمالة الحطب عرب کے محاورہ میں اس عورت کو کہتے ہیں جو لگائی بجھائی کرے اور چغل خوری کر کے لڑائی کرائے۔ چغل خور کو عرب کہتے ہیں فلان یحطب علیٰ فلان یہ استعارہ ہے اور فارسی میں بھی سخن چین کو ہیزم کش کہتے ہیں۔ اس بدنصیب کی یہ بھی عادت تھی کہ لوگوں کو لڑا مارتی تھی اور عورتوں میں یہ عیب زیادہ ہوتا ہے۔ اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر لے جایا کرتی ہیں۔ یہ قتادہ ومجاہد وسدی کا قول ہے اور حقیقی معنی مراد لینے کا ابن زید وضحاک وربیع بن انس ومرہ ہمدانی کا قول تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ اس کی آخرت کی حالت ہے کہ جس طرح دنیا میں حضرت کے راستے میں ڈالنے کو کانٹے باندھ کر لاتی تھی اور اپنے گلے کے گلوبند پر جو بڑا قیمتی تھا ناز کرتی تھی اور کہتی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہلاک کرنے میں اس کو صرف کردوں گی اسی طرح جہنم میں اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور وہ گلوبند ایک مستحکم رسہ بن کر گلے میں پڑا ہوگا جس سے فرشتے اس کو گھسیٹیں گے۔

گلے میں مضبوط رسی سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بہیمیت وشیطانیت کی مضبوط رسی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی جس کو پکڑ کر اس کا نفسِ خبیث راہِ حق سے کھینچتا تھا۔ ہر کافر ومشرک کے گلے میں اس قسم کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ بدکاروں کے گلے میں شہوات کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ محبانِ خدا کے گلے میں محبت کی رسی ہے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — میبر دہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

(اللہ اکبر)

سورہ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

ع ۱

(اے نبی) کہہ دو یہ اللہ یگانہ ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

---

[1] حمالة الحطب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے گناہوں کا گٹھا اس کی پشت پر تھا اور خواہشِ دنیا کی رسی گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ اور حمالة الحطب میں اس کے خاوند کی نالائقی کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ عورت بوقتِ مخصوص خاوند کو اوپر لادتی ہے اس کا خاوند ایک لکڑیوں کا پشتارہ ہے جو جلانے کے قابل ہے اور فی جیدہا الخ میں خاص اس کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفسِ بد کی یا اس نالائق خاوند کی بڑی مطیع ہے گویا اطاعت کی گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے اور رسی بھی بڑی مضبوط کھجور کے پٹھوں کی۔ ۱۲ منہ

ترکیب : ھو الضمیر للشان اللہ مبتدء احد خبرہ والجملة للضمیر وھو مرجعہ۔ ویمکن ان یرجع الضمیر الی المذکور وھو الرب وعلی ھذا التقدیر ھو مبتدء اللہ احد الجملة خبرہ ویمکن ان یکون اللہ خبر اول احد خبر ثان ویجوز ان یکون اللہ بدلا من ھو او یجوز ان یکون احد خبر مبتدء محذوف۔ والفرق بین احد وواحد مشہور۔ اللہ مبتدء الصمد خبرہ لم یلد ھذہ الجملة وکذا ما بعدھا تفسیر للصمد۔ ولم یکن اسمہ احد وفی الخبر وجہان احدہما کفوا ولہ اما متعلق بکان او حال من کفوا والثانی الخبر لہ و کفوا حال من احدای ولم یکن لہ احد کفوا فلما قدم النکرة نصبھا علی الحال۔

تفسیر : یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے اور عطا وعکرمہ وجابر وابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور قتادہ وضحاک وسدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت کرتے ہیں مگر قوت جمہور کے قول کو ہے۔

اس سورہ کی چار آیتیں ہیں اور ربط اس سورہ کا سورۂ لہب سے یہ ہے کہ ابولہب اور دیگر عمائدِ قریش جس بلا میں پڑے تھے وہ خدائے واحد لاشریک کو جیسا جاننا چاہیے اس کے مطابق نہ جاننے سے پڑے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہٗ کیسا ہے اور اس کو کیسا سمجھنا چاہیے اور نیز سورۂ کافرون میں جس کی عبادت کا اقرار تھا اس کے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت اور حجت کا اتمام ہے اگر اس کو سن کر بھی یقین نہ آئے اور اس کی ذات مبارک میں باطل خیالات پیدا کرے جو محض توہمات پر مبنی ہیں تو اپنا سر کھائے اور ابتر بنے، کوثر سے محروم رہے اور ابولہب والی بلا میں گرفتار ہووے اس لیے اس کے بعد سورہ کوثر کھا گیا۔

اور شانِ نزول اس کا مجملاً یہ ہے کہ کفارِ قریش نے یا کسی اعرابی نے یا یہود کے علماء کعب بن اشرف وحیی بن اخطب وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ تو اپنے رب کے ہم سے اوصاف بیان کرتا کہ معلوم ہو کہ وہ کیسا ہے اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ پھر اس بات کو محدثین نے مختلف الفاظ سے اور قدرے اختلافِ مضامین سے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کو بیان فرمایئے تو یہ سورہ نازل ہوئی الخ اور اسی طرح ترمذی نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے اور طبرانی وبیہقی وابونعیم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کسی اعرابی نے عرض کیا تھا کہ رب کے اوصاف بیان فرمایئے تب یہ سورہ نازل ہوئی اور بیہقی وغیرہ نے علماءِ یہود کے سوال پر نازل ہونا بیان کیا ہے۔

اور یہ ممکن ہے کہ اول مکہ کے قریش نے سوال کیا ہو اور سورہ نازل ہوئی اور پھر مدینہ میں آ کر یہود نے یا اعرابی نے بھی یہی سوال کیا ہو اور آپ نے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھ سنایا ہو اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں کسی آیت یا سورۃ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ اس تقدیر پر روایتِ مذکورہ بالا میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

فضائل: فضائل اس سورۂ مبارکہ کے بہت کچھ ہیں یہ توحید وعقائدِ اسلامیہ جو ذاتِ پاک حق سبحانہٗ کی بابت ہیں اور جن کو ایمان سمجھا جاتا ہے۔ بنیاد ہے وہ سب اس سورۃ میں مذکور ہیں اور گویا اس بارہ میں قرآنِ مجید کا خاتمہ اسی پر ہے اور باقی پچھلی دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تتمہ کے طور پر ہیں جن میں ہر ایک قسم کے شر سے جو آسمانی ہو یا اس کے اسبابِ ظاہری بندے ہوں جو توحید واعتقاد میں فرق ڈالنے والے شر ہیں حق سبحانہٗ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جس میں اشارہ ہے کہ ان شرور سے بچتے رہو اور ان خطرات ووساوس کو دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اسی اعتقاد پر دمِ اخیر تک قائم رہو۔

امام بخاری واحمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ امام احمد ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جس نے یہ سورہ پڑھی گویا اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا۔ تہائی کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضامینِ قرآن مجید تین قسم کے ہیں۔ توحید وصفاتِ باری تعالیٰ، کیفیتِ افعالِ عباد، قیامت اور وہاں کے حالات

سواس سورہ مبارکہ میں توحید وصفات پورے ہیں۔

بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ آپ نے چند شخصوں کو جہاد میں بھیجا ان کا امام نماز میں جب قرأت تمام کرتا تو قل ہواللہ پر کرتا لوگوں نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا اس نے جواب دیا کہ اس میں حق سبحانہٗ کی صفات ہیں اس لیے میں اس کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کو خبر کردو کہ خدا تجھ کو دوست رکھتا ہے اور بھی احادیث اس کے فضائل میں وارد ہیں۔

فقال قل کہ اے نبی کہہ دو۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ از خود نہیں فرماتے یہ اسرار کہ جن تک حکما کے عقول کو بھی برسوں کی ریاضت اور غور وفکر کے بعد بھی پوری رسائی نہیں ملہمِ غیب کی طرف سے ہیں۔ اس لفظ کے سننے کے بعد مخاطب کو شوق اور انتظار بھی پیدا ہوتا ہے کہ دیکھئے عالمِ غیب سے اس کے بعد کیا اشارہ ہوتا ہے۔ قل **هو الله احد** کہ وہ رب کہ جس کی صفت تم بیان کرتے ہواللہ ہے جو یکتا ہے اس کی ذات اور صفات میں یکتائی ہے۔ ذات میں اس طرح سے کہ نہ اور کوئی شریکِ الوہیت ہے نہ اس کی ذات کے لیے اجزاء میں نہ تحقیقی نہ تقدیری نہ ترکیبی نہ تحلیلی اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادرِ مطلق ہے اور کوئی نہیں وہی علیمِ مطلق ہے کہ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور غیب کے علوم اور اسرار اس کے سامنے حاضر ہیں اور کوئی ایسا نہیں۔ وہی رحمٰن ورحیمِ حقیقی ہے اور کوئی نہیں وہی اصلی ہے اور کوئی نہیں اور جو موجودات ہیں تو ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ مستعار ہے۔ اسی کے وجود کا پرتو ہے وہی مستغنی ہے اور کوئی نہیں۔ الغرض وصفِ احدیت اسی کا حصہ ہے اسی لیے لفظ احد آیا جس کے معنی ہیں یکتا نہ واحد جس کے معنی ہیں ایک۔ **احد اور واحد کا فرق:** احد اور واحد میں فرق ہے جمہور کے نزدیک۔ ازہری فرماتے ہیں کہ احدیت کے ساتھ بجز حق سبحانہٗ کے اور کوئی متصف نہیں ہوسکتا۔ رجل احد درھم احد نہیں کہتے بلکہ رجل واحد درھم واحد کہتے ہیں اور واحد احد میں داخل ہے نہ احد واحد میں۔ کس لیے کہ ایک اور یکتا میں فرق ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ایک شخص اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو سمجھ جائے گا کہ دو کرسکتے ہیں۔ برخلاف احد کے اور اسی طرح عربی میں کہیں گے لایقاومہ احد تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا اور اسی لیے واحد اثبات کے موقع میں اور احد نفی کے موقع میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ واحد کے اوپر اثنین ہے احد پر نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے من حیث ہی ہے نہ جس میں کثرت کا لحاظ ہے نہ قلت کا نہ کسی شرط کے وجود کا نہ عدم کا یعنی حقیقتِ محضہ جو منبع ہے جمیع صفات اور جمیع شیؤن کا اور واحد ذات مع صفت ہے بالخصوص یکتائی کی صفت معتبر ہے اور اسی لیے اول **هو** فرمایا جو ذاتِ بحت ہے اور پھر اس کے نام کو ذکر کیا جو **الله** ہے اور اسی لیے اس کو اسمِ ذات کہتے ہیں اور چونکہ جمیع صفاتِ کمالیہ بھی اس میں معتبر ہیں تو اس کے بعد لفظ احد لایا گیا تا کہ معلوم ہوسکے کہ اس کی صفات اس میں کثرت نہیں پیدا کرتیں اور جو کثرت بھی ہے تو محض اعتباری جو در حقیقت کثرت نہیں۔ اسی لیے اس کی احدیت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا اور اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک مقامِ احدیت اور مقامِ واحدیت میں فرق ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی زبانِ عرب میں ہیں صرف تخفیف کے لیے واحد کے وکو ہمزہ سے بدل لیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اس سورہ میں بندوں کے مراتب کا بھی ایما ہے اور دنیا پر جس قدر مذاہبِ باطلہ تھے یا ہیں ان کا بھی رد ہے اور اپنے صفات کا بھی اظہار ہے۔ یہ تین باتیں ہوئیں۔ اول بات کی طرف اس ایک آیت میں اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بندوں کی تین قسم ہیں اول مقربین کہ جن کی بہیمیت پر ملکیت بالکل غلبہ کرگئی اور اسی لیے بہیمیت کے ظلمانی پردے ان کی آنکھوں سے اٹھ گئے اب ان کو عالم میں کسی کی ہستی نہیں دکھائی دیتی۔ اس آفتابِ حقیقی کے سامنے تمام وجودات کے ستارے مخفی ہوگئے یا یوں کہو کہ اشیاء کے تعینات پر نظر نہیں رہی پھر تو تمام اس کی ہستی اور اسی کے وجود کا دریا رواں دیکھتے ہیں ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد — جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

اور اسی معنی میں عارف جامیؒ نے فرمایا ؎

بجز اغیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست — بے نشاں است کز و نام ونشان چیزے نیست

اور بندہ کی ایسی حالت ہوجانی عقلاً ممکن ہے اور اس کی تمثیل یہ ہے کہ جب کوئی سبز یا سرخ آئینہ آنکھوں پر رکھ کر دیکھتا ہے تو باوجود یکہ اشیاء باہم متمیز ہیں مگر سب اس کو سرخ یا سبز ہی نظر آتی ہیں۔ یہ مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام ہیں جن میں صدیقین وشہداء بھی داخل ہیں ان کو بجز اس کے اور کی حقیقی ہستی ہی معلوم نہیں ہوتی اس لیے ان کے لیے لفظ **هو** فرمایا گو یہ اشارہ مطلق ہے کوئی قید نہیں مگر جب مشارالیہ معین ہے تو بجز اس کے اور کون مراد ہوسکتا ہے۔

دوم اصحاب الیمین جو صلحاء وابرار ہیں ان کی بہیمیت کا وملکیت کا وزن برابر ہے اس لیے ان کی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے ان پر وہ حالت طاری نہیں جو مقربین پر تھی اس لیے لفظ **هو** ان کے لیے کافی نہ تھا بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق ومخلوق میں امتیاز کردے۔ اسی لیے اس کے بعد لفظ **الله** آیا اس کے سننے سے ان پر انکشاف ہوگیا کہ مستجمع جمیع صفات کمال اور الوہیت کا مستحق وہی ہے اور کوئی نہیں۔

سوم: اصحاب الشمال یعنی اشرار جن کی ملکیت پر بہیمیت غالب آگئی اور آنکھوں پر بھاری پردے پڑ گئے، عقلِ خداداد کا نور زائل ہوگیا۔ قلب کے آئینہ پر زنگ لگ گیا، روح کا جوہر بگڑ گیا۔ یہ کفار ومشرکین ہیں ان عقل کے اندھوں کے نزدیک جہاں کوئی بڑی چیز سامنے آگئی اور اس کا کرشمہ ان کے دل پر نقش ہوگیا اسی کو الوہیت میں شریک کرلیا۔ پھر کسی نے اس کو مستقل دوسرا خدا مان لیا کسی نے خدائی کا حصہ دار ٹھہرالیا۔ آفتاب، ستارے، عناصر، احجار واشجار وملائکہ وبنی آدم کے ابرار ومقربین اور جن وخبیث سب کو خدائی میں شریک کرلیا۔ ان کی مثال گدھے کے نادان بچے کی سی ہے، گائے دیکھی اس کو ماں سمجھ کر پیچھے ہولیا۔ بیل دیکھا اس کو ماں سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ پھر کسی نے ذاتِ حق سبحانہٗ کا شریک ٹھہرایا تو کسی نے صفات کا۔ ان کے لیے لفظ احد ارشاد فرمایا تا کہ اس لفظ کو سن کر ہی سمجھیں۔

دوسری بات یوں تو بہت سے باطل مذہب ہیں اور اس وقت بھی تھے مگر ان کی تقسیم یوں کر کے ضبط کرسکتے ہیں کہ یا تو وہ لوگ ہیں جو سرے سے اس کائنات کے بانی کا مستقل وجود ہی نہیں مانتے عناصر وکرات کو کہتے ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ زمین، پانی، ہوا، آتش، افلاک وسیارات اور پھر ان کی ترکیب سے حیوانات وجمادات ونباتات موالیدِ ثلثہ پیدا ہوجاتے ہیں اور جب تک وہ قوت جو مرکب ہونے سے ان میں آئی ہے باقی ہے اور محافظ قوت ان کی صورت ہے۔ یہ باقی ہے تو قویٰ بھی رہتے ہیں نہیں تو ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جز اپنی اپنی جگہ ہوکر چلا جاتا ہے اور اسی کا نام فنا ہے نہ کوئی خدا ہے نہ ملائکہ نہ غیر محسوس چیزوں کا وجود ہے نہ مرنے کے بعد حساب ہے نہ ثواب وعذاب۔ انبیاء ودیگر اچھے لوگ بندوں کی تعلیم کرنے کے لیے اور ترغیب وترہیب کے لیے جنت ودوزخ سے ڈراتے ہیں۔ یہ ایک مذہب ہے پھر اس کی بہت سی شاخیں ہیں دہریہ اور طبعیہ اور یورپ میں آج کل اپنی ملکی زبانوں کے ناموں سے مختلف القاب سے موسوم ہیں۔ حکماءِ یونان میں بھی ایسے بہت لوگ تھے اور دیگر ممالک میں بھی اور ہنود میں ایسے بہت گروہ ہیں یہ بلا پہلے بھی بہت پھیلی تھی اور آج کل نئی تعلیم کا زور اسی پر ہے اور ان کو شرع میں ملحد بھی کہتے ہیں۔ ملحدوں کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔ یا وہ اس کائنات کے بانی کا وجود مستقل مانتے ہیں اور اس کی ہستی کائنات کی ہستی سے جدا تسلیم کرتے ہیں پھر ان کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں۔ خدا، اللہ، گاوڈ، پرمیشر، تنکری وغیرہ اور یہ فرقہ بہت ہے۔ اور اکثر دنیا کی آبادی میں یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسم ہیں یا تو وہ کسی آسمانی کتاب اور نبی کے قائل ہیں یا نہیں اور جو قائل ہیں ان کو متدین کہتے ہیں اور جو قائل نہیں وہ غیر متدین ہیں۔ غیر متدین لوگوں کے پھر بہت سے فریق ہیں جیسا کہ افریقہ اور ہند کے جنگلی لوگ۔ پھر جو ان میں شائستہ ہیں انہوں نے از خود یا ان کے پیشواؤں اور علماء نے ان کے لیے قوانین بھی بنائے

ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں۔ میرے نزدیک اکثر ہنود کے مذاہب اور اسی طرح اہلِ چین و تاتار کے مذاہب اور اسی طرح مجوسیوں کا مذہب اسی قسم میں دخل ہے۔ اس فریق کے آگے بہت سے فریق ہیں مگر سب نے بانیِ کائنات حق سبحانہٗ کی ذات پاک اور اس کے صفاتِ مقدسہ میں کائنات میں سے بڑی بڑی چیزوں کو حصہ دار ٹھہرایا ہے۔ عناصر و کواکب و احجار و اشجار اور ارواحِ غیر مرئیہ کو۔ ان اشیاء کو سمجھتے ہیں کہ یہ مستقل خدا تو نہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے بغیر کوئی کام بھی نہیں کر سکتا اس لیے ان کی خوشامد کرنا بھی انہیں ضرور ہوا اور پھر ان چیزوں کی پرستش اور نذر و نیاز کے عجائب عجائب دستورات قانون بنائے۔ کسی نے ان کے نفوس کی پرستش کی، کسی نے ان کے اجسام کی مورتیں بنائیں، پھر کسی نے صرف علویات کی پرستش پر قناعت کی۔ ستاروں اور کواکب کو پوجنا اختیار کیا، فرقہ صابئیہ جو کئی جگہ مذکور ہوا اس کا یہی طریق تھا قدیم یونانی اور اہلِ مصر اور اہلِ شام و عراق کا بھی یہی مذہب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے بھی اسی طرح صدہا معبود تھے کہ جس طرح اب تک ہنود کے ہیں اور مجوس بھی اسی طرح عناصر پرستی کرتے تھے جیسا کہ اب تک کرتے ہیں۔ اب رہا فرقہ متدین جو دنیا پر تعداد میں سب سے زیادہ ہے پھر ان کے بھی اقسام ہیں۔ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر تک کے اکثر نبیوں کو مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت اور دیگر صحف انبیاء علیہم السلام کی جو ان کے پاس محرف موجود ہیں تعظیم کرتے ہیں۔ سامریہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کو مانتے ہیں وہ بھی یہود میں سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور توریت کو بھی انجیل کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ متدین فریق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا پھر ہر نبی اس طریقہ کو تقویت کرنے کو آیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اس طریقہ کو نہایت رونق دی اور اس کی بنیاد کے مستحکم پتھر رکھے۔ اس لیے اس بزرگ باخدا کی طرف سے ہر فریقِ متدین منسوب ہوتا ہے اور اس کو حنیفیہ کہتے ہیں۔ طریقۂ حنیفیہ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا اعتقاد اور مرنے کے بعد جزاء و سزا قرار شرط ہے۔ خالص عبادت کی تاکید اگلے نبیوں اور ان کی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے۔ ناجائز افعال کے ارتکاب سے ممانعت ہے۔ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اس طریقہ کی پابندی کا دعویٰ تھا۔

مگر حنیفیت میں غیر مذاہب کے اختلاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بہت نقصان آ گیا تھا۔ یہ محل بوسیدہ ہو کر گرنے کے قریب ہو گیا تھا یہود میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ بہت سے قیامت کے ہی منکر ہو گئے تھے اور بہت میں بت پرستی رواج پا گئی تھی اور اسی طرح رومیوں اور یونانیوں اور دیگر بت پرست قوموں کے اختلاط سے عیسائیوں میں صدہا فریق ہو گئے تھے اور اب تک ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور خدائی کا تیسرا جز سمجھنے لگے اور بعض تو حضرت مریم علیہا السلام کو بھی پوجنے لگے تھے اور عرب میں بھی حنیفیت کے نشان مٹ چکے تھے عموماً بت پرستی رواج پا گئی تھی۔

اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عرب میں ایک ایسا نبی برپا کیا جس نے اپنی روحانی طاقت سے اس ملتِ حنیفیہ میں پھر جان پھونک دی اور جو کچھ اس فرقہ میں نقص پیدا ہو گئے تھے ان کو دور کر دیا۔ اور اس نبی پر یہ سورہ نازل فرمائی جس میں جمیع مذاہبِ باطلہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے قبائح پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اب دنیا میں اصل فرقہ حنیفیہ جو ہے وہ اسی نبی کے متبعین ہیں اور دراصل یہی لوگ حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ بزرگوں کے ماننے والے ہیں۔

اب میں فرقوں کے ابطال کی اس سورۃ کے الفاظ سے تشریح کرتا ہوں۔

ھو سے ان ملحدوں اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسی قدر عقل و ادراک سے بھی بہرہ ور ہیں کس لیے کہ موجودات میں سے جب وہ

ایک چیز کو بھی غور کریں گے تو آخر یہی بول اٹھیں گے کہ وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اس کو ساکن بھی مان لو اور زمین کو اس کے اردگرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بن گیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا ان میں نور کیوں نہیں۔ کس لیے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں پھر اس کے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے اوروں کے نور میں سردی کا کون سبب ہے۔ پھر ان کے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مسخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کہو مادہ علت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے اس کے قائل ہونے کا کون سبب۔ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے اور اگر اور کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار ہر پھر کر اس طرف آنا پڑتا ہے۔ مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس بحث کو ہم اسی قدر پر تمام کرتے ہیں اور مادی اور طبعی آج کل حکماءِ یورپ میں اور جو بطی الفہم ہیں ان کے لیے لفظ اللہ خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

اب رہے وہ فرقے کہ جو خدا تعالیٰ کے وجودِ مستقل کے قائل ہیں اور اس کو قادر بھی مانتے ہیں مگر ساتھ ہی اور موجودات کو بھی خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ ایک نوری خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور ایک ظلمانی جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ یزدان نیک اشیاء اور نیک کام پیدا کرتا ہے اور اہرمن مضر چیزیں اور برے کام کراتا ہے اور دونوں کا باہم مقابلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ کبھی وہ غالب یہ مغلوب اور کبھی یہ غالب وہ مغلوب اور دیگر مشرکین اور اشیاء کو اس کی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ عرب فرشتوں کو اور جنوں کو خدا کے رشتہ دار اور بیٹیاں سمجھ کر کارخانۂ قضاء و قدر کا مختارِ کل جانتے تھے۔ اسی طرح عناصر اور کواکب کو مظہرِ تجلی سمجھ کر ان کو قاضی الحاجات، دافع البلیات خیال کرتے تھے بلکہ ہنود اور مجوس اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر ان کی عبادت کے ہو نہیں سکتی نہ اس تک ان کے وسیلہ بغیر فریاد پہنچ سکتی ہے۔ نہ نذر و نیاز اور ہنود نے حیوانات نباتات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھ رکھا ہے اور عرب کے مشرکوں اور دیگر اقوام کا بھی اسی کے قریب قریب حال تھا۔ پھر کہیں کسی دیوتا کو پانی کا، کسی کو صحت و تندرستی کا، کسی کو ارزانی کا اور کسی کو گرانی کا اور کسی کو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح و شکست کا اور کسی کو موت و حیات کا مختار سمجھ رکھا ہے اور عرب نے بھی سمجھ رکھا تھا۔ پھر ان دیوتاؤں کی مورتیں پیتل، تانبے، سونے، چاندی، پتھر کی بنا رکھی تھیں اور مکانات میں رکھ چھوڑی تھیں جیسا کہ ہنود کے مندر یا بت خانے۔ پھر ان کے آگے سجدہ کرتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، نذر و نیاز پیش کرتے تھے، ناچ دکھاتے، گانے سناتے تھے، بخور جلاتے تھے، باجے بجاتے تھے اور ان مندروں کے پجاری مقرر تھے اور اسی طرح زہرہ، مشتری، آفتاب، ماہتاب وغیرہ ستاروں کے مندر بنے ہوئے تھے اور اب جس کو ان اگلے لوگوں کے حالات دریافت کرنے ہوں تو ہندوستان میں آ کر ہنود کے معابد دیکھ لے۔ کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں تو کہیں مہادیو کی مورت ہے اور کہیں بشن کی اور کہیں بھیروں کی اور کہیں کالی دیوی کی تو کہیں لاٹوں والی کی تو کہیں اور کسی کی، خصوصاً شہر بنارس میں یہ تماشا خوب موجود ہے۔ ہر چند مسلمانوں کے آنے سے بہت کم ہو گیا ہے مگر پھر بھی بہت ہے۔ پھر کہیں مرد کے اعضائے تناسل کی مورت جس کو مہادیو کا لنگ کہتے ہیں ایک کھرل میں کھڑا ہے جس کو پاربتی زوجہ مہادیو کا اندام نہانی سمجھا جاتا ہے۔ سانپوں کا مالک و مختار گوگا پیر سمجھا جاتا ہے جو ایک مارواڑی راجپوت تھا اسی طرح اور صدہا مکروہات ہیں۔ ہنود کا فرقہ محدثہ جس کا آریہ نام ہے۔ ہر چند تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعے سے اس داغِ بدنامی کو اپنی کتب سے مٹانا چاہتا ہے اور جن کتابوں سے مٹ ہی نہیں سکتا جیسا کہ اٹھارہ پوران ان کا منکر ہو گیا ہے مگر سناتن دھرم کے پنڈت ان کی اس تدبیر کو کب چلنے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ان چیزوں کی پرستش جیسا کہ ہزار ہا سال سے مروج ہے ہمارے چاروں ویدوں اور چھوؤں شاستروں اور اٹھارہ پرانوں کی صریح عبارات سے ثابت ہے۔ کوئی ایک آدھ جملہ نہیں جو اس کی تاویل کی جائے بلکہ بڑے بڑے چوڑے

مضامین ہیں اور ہمارے تمام پنڈت جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے یہی مطلب سمجھتے آئے ہیں اور قدیم شراح نے یہی مطالب بیان کئے ہیں۔ پھر یہ دیانند جو دراصل سنسکرت کا ماہر بھی نہ تھا نہ اس کے پورے قواعد جانتا تھا ہزاروں برسوں کے بعد کہاں کا پنڈت پیدا ہوگیا جو ہیر پھیر کے خلاف محاورے زبان کے معنی بیان کرنے لگا۔ یہ کتابیں نہ آسمانی ہیں نہ ایک شخص کی تصنیف ہیں۔ چاروں ویدوں میں سے رگوید اول کتاب ہی کو دیکھو کہ متعدد اشخاص کے کلام متعدد مذاق کے موافق ہیں جن کے نام بھی شراح نے ہر شکتی کے سرے پر لکھ دیے ہیں۔ نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کتابوں میں کبھی تغیر نہیں ہوا کس لیے کہ کئی بار یہ کتابیں دنیا سے معدوم ہو چکی ہیں جن کو اوتاروں نے موجود کیا ہے۔ اگر آریہ فرقہ کو جو دیانند جیسے بے علم کا معتقد ہے۔ نئی تعلیم اور مسلمانوں کی توحید سے یہ بت پرستی ناپسند ہے اور مذہب قدیم ان کے نزدیک سراسر جاہلانہ خیالات کا مجموعہ ہے کہ جس کو کوئی روشن دماغ قبول ہی نہیں کرسکتا اور اسی لیے وہ ہمیشہ ہندوستان ظلمت نشان کے باہر بھی نہیں نکلا تو وہ ان کتابوں اور اس مذہب کی کہاں تک مرمت کرے گا حق پسندی یہی ہے کہ صاف صاف اقرار کرے کہ باطل ہے اور مذہب اسلام کو قبول کرلے اگر اس بارہ میں قوم سے ڈرتے ہیں اور اپنی پرانی گدڑی کو گانٹھ کر تعصب سے دوشالہ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور حب الوطن کا حق ادا کرتے ہیں تو ایمانداری نہیں پوری خیانت ہے۔ (میں پنڈتوں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں)۔

الغرض سینکڑوں معبود ہیں ایک دو نہیں۔ اسی طرح بعض قوموں نے اور اور آلے بنائے تھے ان سب کے رد کے لیے لفظ احد آیا کس لیے کہ حق سبحانہٗ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے کوئی اس کا کسی وصف میں شریک نہیں۔ اب اس کی توحید کے دلائل اگر میں مفصلاً بیان کروں تو ایک اور مبسوط کتاب بن جائے۔ خصوصاً ان قوموں کے لیے (جو خدا تعالیٰ کو بھی قادر جانتے ہیں مگر مخلوق کو مظاہر یا اس کے کارخانوں کا مالک ومختار جان کر پوجتی ہیں) تو لفظ احد اس غلط خیال کے مٹانے کو سیفِ قاطع ہے کس لیے کہ مقامِ احدیت میں اس کے سوائے اور کسی کا وجود بھی نہیں پھر صفات میں شرکت کیسی وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر بلید الفہم لوگوں کو اس کے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا۔ الله الصمد کہ اللہ بے نیاز ہے اس کو اپنے کسی کام میں کسی کی حاجت نہیں اور وہ حاجت روا اور قاضی الحاجات بھی ہے۔ پھر کون ہے جو بندوں کی حاجت براری کرے اور کسی کی مجال ہے جو اس کے آگے دم مارے۔ اس کی شانِ صمدیت نہیں چاہتی کہ اور کی عبادت کی جائے۔

الوہیتِ مسیح کا رد ! اب فریقِ متدین کی خام خیالیوں کا بطلان کرتا ہے فقال لم یلد اس نے کبھی کسی کو نہیں جنا۔ تو الد وتناسل اس کی احدیت وصمدیت کے برخلاف ہے کس لیے کہ بیٹا باپ کے ہم جنس ہوا کرتا ہے۔ پھر جب دوسرا اس جیسا ہوا تو نہ احدیت رہی نہ بلحاظ صفات کے صمدیت باقی رہی۔ کس لیے کہ صمد وہی ہے کہ جس کو کسی کی حاجت نہ ہو اور سب کو اس کی طرف حاجت ہو۔ پھر بیٹا باپ کا ہم جنس جب ہی ہوگا کہ وہ بھی اس کے مانند اوصاف رکھ کر حاجت براری کرے۔ پس نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں نہ جن، نہ حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں نہ حضرت عزیر علیہ السلام، جیسا کہ عیسائیوں اور یہود کا خیال ہے۔ نہ خود یہود یا کوئی قوم اس کی اولاد ہے جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ نحن ابناء الله واحباءه ولم یولد اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں کس لیے کہ اگر باپ ہو تو حادث ہو جائے اور حادث خدا نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ کسی مشہور فریق کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا باپ ہے مگر یہ جملہ اس لیے ارشاد ہوا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جو کسی سے جنا گیا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اس قاعدہ پر وہ جو حضرت مسیح علیہ السلام وعیسائی خدا کا بیٹا اور خدا بھی کہتے ہیں اور اب تک الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور اسی فاسد اعتقاد کو ایمان اور موجبِ نجات جانتے ہیں اس کا بھی کامل رد ہوگیا۔ **تثلیث کا رد:** عیسائیوں کا ایک اور فاسد عقیدہ ہے وہ کیا؟ تثلیث کہ باپ خدا یعنی حق سبحانہٗ اور بیٹا خدا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدوس جبرئیل علیہ السلام یا دوسرا فرشتہ یا روح اعظم خدا۔ پھر سب ایک خدا نہ تین۔ ہر چند مذکورہ بالا دلائل سے یہ عقیدہ بھی باطل ہوگیا مگر اس کی زیادہ تر تصریح کرنے کے لیے فرمادیا ولم

یکن له کفوا احد کہ اس کا کوئی کفو یعنی مثل بھی نہیں جب اس کا کوئی ہمسر نہیں اور احدیت وصمدیت اور کسی کو نہ جننا نہ کسی سے جنا جانا اسی کا مقتضی بھی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس پر خدا کا اطلاق کرنا ہمسر اور کفو ثابت کرنا ہے جو بدیہی البطلان بات ہے اور عیسائی تینوں کو برابر خدا کہتے ہیں پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہمسری اور کفویت ہوگی؟

جمیع مذاہبِ باطلہ کے عقائدِ فاسدہ کا کن مختصر الفاظ میں اور کس شائستہ اسلوب میں رد کیا گیا ہے؟

صفات کا ثبوت ! تیسری بات اس کے صفات کا ثبوت اور توضیح وتشریح اس کی کہ جس کے سننے کے مشرکین یا یہود مشتاق تھے اس طرح سے ہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات یا ثبوتیہ ہیں یا سلبیہ۔ پھر ثبوتیہ یا اضافیہ ہیں یا غیر اضافیہ جیسا کہ اس کا حی یعنی زندہ ہونا، ازلی ہونا، ابدی ہونا اور صفاتِ اضافیہ کہ جن کا تعلق یا تعقل دوسری چیز سے ہے جیسا کہ اس کا قادر ہونا، عالم ہونا، سمیع وبصیر ہونا، صاحبِ ارادہ ہونا، خالق ورازق ہونا اور صفاتِ سلبیہ جیسا کہ نہ جوہر ہونا نہ جسم ہونا، نہ کسی مکان وزمان میں ہونا، حدوث اور امکان کے خصائص سے مبرا ہونا، نہ کسی کا باپ ہونا نہ کسی کا بیٹا ہونا۔ پس هو الله میں صفاتِ ثبوتیہ آگئے۔ کس لیے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام کامل صفات پائے جائیں اور وہ مستحقِ عبادت ہو۔ هو اس کے وجودِ اصلی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ الله اس کے حی وقیوم، سمیع وبصیر، علیم وخبیر، قادر ومالک ہونے پر اور دیگر اوصافِ کمال پر دال ہے۔ احد صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کس لیے کہ احدیت سے مراد اس کی ذات کا منفرد اور تمام قسم کی ترکیبات سے منزہ ہونا ہے اور جب احدیت ہے تو وہ مکان اور جسم سے بھی پاک ہے کس لیے کہ مکان یعنی جگہ مجسم شے کے لیے ہوتا ہے اور جو چیز مجسم ہے ضرور مرکب ہے اس کے اجزا لایتجزی ہوں یا ہیولی وصورت ہوں اور ترکیب منافیِ احدیت ہے اور جب وہ نہ جسمانی ہے نہ مکانی تو جمیع عوارضِ مکان وجسم بلکہ زمانہ سے بھی پاک ہے نہ اس کو موٹا کہہ سکتے ہیں نہ دبلا، نہ لمبا نہ پستہ قد، نہ گورا نہ کالا، نہ بوڑھا نہ جوان، نہ وہ کسی میں حلول کئے ہوئے نہ کوئی اس میں۔ کس لیے کہ حلول بھی مستلزمِ ترکیب ہے پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فلاں شخص میں گھس آیا فلاں شخص خدا کی ذات میں داخل ہوگیا محض لغو ہے اور جب وہ مجسم نہیں تو شکل وصورت سے بھی پاک ہے اور محسوس بھی نہیں اور لفظ احد اس کی یکتائی و استقلالِ صفات پر بھی دلالت کررہا ہے۔

اس کے بعد پھر صفات کی تشریح فرماتا ہے الله الصمد۔ صمد کے لغت میں دو معنی ہیں۔ اول قصد وارادہ کرنے کے۔ اس تقدیر پر صمد بمعنی مصمود ہوگا کس لیے کہ فعل بمعنی مفعول زبانِ عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے، ہر کوئی اس کی طرف قصد کرتا ہے۔ دوم صمد کے معنی ہیں ٹھوس کے کہ اس پر کوئی تغیر نہیں آتا وہ قوی اور مستقل ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ واجب الوجود کے معنی میں ہے۔

یہ لغوی معنی کی تحقیق تھی مگر عرب عرف میں یہ لفظ بہت سے معانی میں مستعمل ہے۔ اس لیے مفسرین میں سے ہر ایک نے ایک ایک معنی اختیار کئے ہیں۔ (۱) یہ کہ وہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کس لیے کہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں۔ (۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں سردار کے جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔ (۳) اصم کہتے ہیں کہ صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔ (۴) اسدی کہتے ہیں کہ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جو ہر کام میں مقصودِ اصلی ہو اور اس کی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔ (۵) حسین بن فضل کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔ (۶) صمد فردِ کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔ یہ سب قول اول لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور وہ سب صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱) صمد بے نیاز کہ جس کو کسی کی کسی بات میں حاجت نہ ہو۔ (۲) صمد وہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالادست نہ ہو۔ (۳) قتادہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کھائے نہ پیے۔ (۴) صمد وہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے فنا نہ ہو۔ (۵) حسن بصری کہتے ہیں صمد وہ کہ جس کو زوال نہ ہو جیسا کہ تھا ہمیشہ ویسا ہی رہے۔ (۶) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی مرے نہ کوئی

اس کا وارث بنے۔ (۷) یمان اور ابو مالک کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی سوئے نہ بھولے۔ (۸) ابن کیسان کہتے ہیں صمد وہ جو اور کوئی اس کے صفات سے موصوف نہ ہو۔ (۹) مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔ (۱۰) ربیع بن انس کہتے ہیں صمد وہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔ (۱۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں صمد وہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔ (۱۲) جعفر صادق فرماتے ہیں صمد وہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔ (۱۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد کے معنی ہیں بے نیاز اور سب سے بے پروا۔ (۱۴) ابو بکر وراق کہتے ہیں صمد وہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔ (۱۵) صمد وہ جو کسی کو نظر نہ آسکے۔ (۱۶) ابو العالیہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کسی کو جنے نہ کسی نے اس کو جنا ہو۔ (۱۷) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صمد بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ (۱۸) صمد وہ جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

الغرض لفظ صمد دونوں قسم کے صفات کا مجمع ہے۔ اس کے بعد بالخصوص چند اور صفتِ سلبیہ بیان فرماتا ہے۔ لم یلد کہ اس نے کسی کو نہیں جنا یعنی وہ کسی کا باپ نہیں کیونکہ بیٹا باپ کے مثل ہوتا ہے وہ اپنا مثل بنانے سے پاک ہے اور نہ وہ جورو رکھتا ہے جس سے کسی کو جنائے اور وہ خواہشِ نفسانی سے پاک ہے۔ ولم یولد اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا۔ کوئی اس کا باپ نہیں یعنی حادث نہیں قدیم ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس پر کوئی وقت نیست کا گزرا ہو۔ ولم یکن له کفوا احد وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی مثل اور ہمسر اور کنبہ وقبیلہ ہو۔

اس کی کسی بات میں کوئی مساوی نہیں نہ ذات میں نہ وجود میں۔ کس لیے کہ اس کا وجود ذاتی ہے برخلاف مخلوق کے کہ ان کا وجود اس کی طرف سے آیا ہے نہ اس کے علم میں کسی کو ہمسری ہے۔ کس لیے کہ اس کا علم بھی ذاتی ہے اس کی ذات منشاءِ علم ہے نہ اس کی قدرت میں کسی کو مساوات ہے کس لیے کہ اس کی قدرت ذاتی ہے اور کسی کو جو قدرت آتی ہے اول تو وہ محدود ہے۔ دوم اس کی طرف سے ہے۔

فائدہ: یہ سورہ حق تعالیٰ کے محامد میں ہے جیسا کہ سورۂ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں تھی مگر آنحضرت ﷺ پر کفار نے بیٹا نہ ہونے سے عیب لگایا اور ابتر کہا تھا برخلاف اس کے حق سبحانہٗ پر بیٹا ثابت کرنے سے نصاریٰ نے عیب لگایا تھا۔ پھر جس طرح وہاں آپ حق سبحانہٗ نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا کہ تیرا دشمن ہی ابتر ہے اسی لیے اس سورہ میں لفظ قل نہیں فرمایا اس سورہ میں اپنی طرف سے اپنے نبی کو مخالفوں کو جواب دینے پر مامور کیا اور اسی لیے ابتداء میں لفظ قل استعمال ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکینِ عرب اپنی جہالت سے آپ کے دشمن ہیں مگر یہ اہلِ کتاب باوجود علم وکتاب کے میرے دشمن ہیں جو مجھ پر ایسا عیب لگاتے ہیں۔

(سبحان الله عما یصفون)

(اللہ اکبر)

سورہ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۧ﴿۵﴾

(اے نبی! یوں) دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اور اندھیرے کے شر سے کہ جب پھیل پڑے اور گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے۔

ترکیب : برب الفلق الجار متعلق باعوذ الفلق بالتحریک الصبح واصله الشق یقال فلقت الشیء فلقا شققته والتغلیق مثله یقال فلقته فانفلق وهو عام یتناول فلق الصبح من ظلام اللیل والحبوب والنباتات من الارض والماء من الجبال قال اللہ تعالیٰ فالق الاصباح وقال فالق الحب والنویٰ وقال فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ من شر ما خلق متعلق باعوذ۔ ما بمعنی الذی والعائد محذوف ویجوز ان تکون مصدریة ویکون الخلق بمعنی المخلوق وقریٔ الجھور باضافة شر الی ما وقری ابو حنیفہ رحمہ اللہ بتنوین شر وما علی هذا مع الفعل بتاویل المصدر فی موضع الجر بدل من شر ای شرِ خلقه۔ وقال بعضهم ما نافیة والمعنی من شر لم یخلقه وهذا فاسد لان النافیة لا یتقدم علیها ما فی حیزها وهذا عام ومابعده من الشرور الثلاثة تخصیص بعد التعمیم۔ الغاسق اللیل والغسق الظلمة وهذا قول الفراء وابی عبیدة وقال الزجاج الغاسق البارد وانما سمی اللیل به لانه ابرد من النهار۔ وقب من الوقوب هو دخول وظلامه یقال وقبت الشمس اذا غابت۔ النفاثات هذا قراءة الجھور وهی جمع نفاثة علی المبالغة وقریٔ النافثات جمع نافثة والنفث النفخ والعقد جمع عقدة (گرہ)۔

تفسیر : حسن بصری وعکرمہ وعطاء وجابر کہتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی قول قوی تر ہے اور اس میں پانچ آیت ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اختلاف مشہور ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک یہ دونوں اخیر کی سورتیں کلامِ الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل تو ہیں مگر قرآنِ مجید کا جز نہیں بلکہ قرآنِ مجید قل ھو اللہ پر تمام ہوگیا اور یہ دونوں سورتیں بطور تعویذ وحفاظت کے نازل ہوئی ہیں اور اسی لیے وہ ان کو اپنے قرآن میں نہیں لکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کو کلامِ الٰہی اور منزل من اللہ نہیں جانتے تھے اور جس نے ان کی نسبت یہ خیال کیا ہے یہ اس کی سخت غلط فہمی ہے۔

مگر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مخالف ہیں۔ سب نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو غلط ٹھہرا دیا تھا اور جمہور کے دلائل بہت سے ہیں۔ ازانجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری واحمد ونسائی وغیرہ معتبر محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے کہ زر بن جیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان دونوں سورتوں کی بابت سوال کیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے کہا ویسا ہی میں نے کہا یعنی ان کو بھی جبرئیل لائے اور یہ بھی قرآن کا جز ہیں۔ ابی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دوسری حدیث صحیح اور ہے کہ جس کو مسلم وترمذی ونسائی وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کی مثل اب تک میں نے نہیں دیکھی تھیں۔ قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جز قرآن سمجھتے تھے مگر الحمد کی طرح ان کو بھی اکثر پڑھا کرتے تھے اس لیے ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی اس نہ لکھنے کی وجہ سے لوگوں نے خیال کرلیا کہ وہ ان کو جز قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور بات بھی اصل یہی معلوم ہوتی ہے مگر اس بحث سے قرآن مجید میں تحریف کا شبہ پیش کرنا اور اپنے اوپر سے الزامِ تحریف اٹھانے کے لیے اس بحث کو دکھانا محض بے فہمی ہے اور کیونکر تحریف کا الزام قائم کیسے ہوسکتا ہے جبکہ یہ سورتیں مصحف میں لکھی ہوئی ہیں اور سب صحابہ ان کو یاد رکھتے تھے، نماز میں پڑھتے تھے۔ اگر کسی وجہ خاص سے اپنی کتاب میں کسی نے نہیں لکھا تو کیا قرآنِ مجید سے خارج سمجھی جائے گی یا تردد سمجھا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

ربط : ربط اس سورۃ کا سورہ قل ھو اللہ سے یہ ہے کہ انسان کی نجات کا مدار اعتقاد کی درستی پر ہے اور مرنے کے بعد یہی نور روح کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے جو اس عالم میں اس کے لیے سرورِ ابدی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اعتقادِ کامل سورہ قل ھو اللہ میں تمام وکمال بیان کردیا گیا ہے۔ مگر یہ اعتقاد مراتب رکھتا ہے اصحاب الیمین کا اعتقاد راسخ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے وہ کسی کے شبہ اور دنیاوی کشمکش اور اس کی مزخرفات سے

زائل نہیں ہوتا مگر اوسط اور نیچے کے طبقے کے بھی لوگ ہیں جن کو یہ اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ لفظ قل اس پر دلالت کرتا ہے۔

عقیدہ میں خلل انداز یہ چند چیزیں ہیں۔ اول وہ امور جو ان کی بہیمیت کی تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نورِ عقل کو ڈھانک لیتے ہیں پھر اس موقع پر وہی رب الفلق جو ظلمات کو دور کر کے صبح کی روشنی پھیلاتا ہے اگر دستگیری نہ کرے تو توہمات کے گرداب سے بچ نہیں سکتا اس لیے ان امور سے پناہ مانگنے کا من شر ما خلق و من شر غاسق اذا وقب میں ذکر فرمایا۔ (۲) دنیا کے تجملات اور اس کے شہوات ہیں جو انسان کے مدارک و مشاعر کی گرہوں میں ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ اس کو دیوانہ اور احمق ہی کر ڈالتے ہیں اس کے علاوہ خیالات اور صحیح اعتقاد میں تغیر پیدا کر دیے ہیں ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں ہے و من شر النفاثات فی العقد۔ (۳) مصائب اور دنیا کے مکروہات اور اعدا کا جبر اور ایذا رسانی ہے اس سے پناہ مانگنے کا ذکر ومن شر حاسد اذا حسد میں کیا۔ اب رہے اوسط سے نیچے درجہ کے لوگ ان کے ایمان و یقین میں جو چیزیں خلل انداز ہیں ان کا اور ان سے پناہ مانگنے کا ذکر سورہ قل اعوذ برب الناس میں ہے جن کا ذکر ہم اس کی تفسیر میں کریں گے۔

فائدہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب بندہ دل سے اس کی پناہ چاہتا ہے تو غیب سے اس کی حمایت ہوتی ہے اور نیز اس میں اشارہ ہے کہ اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہیے دل کی حالت بدلتے کوئی دیر نہیں لگتی اسی لیے اہلِ کمال ہر وقت لرزاں ہی رہا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے تھے اور نیز پناہ مانگنا بھی ایک عجز اور عمدہ عبادت ہے جو بندہ کے دل پر نورانی کیفیت طاری کر دینے میں عجب اثر رکھتی ہے۔

اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ قل کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس لفظ کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وہ عقائدِ صحیحہ جو سورۂ قل ھو اللہ میں بیان ہوئے میری طرف سے نہ تھے بلکہ منجانب اللہ جو آپ اس نے اپنے اوصاف بیان فرمائے کسی دلیل و برہانِ منطقی اور کسی کے انکشاف سے ثابت نہ تھے جن میں غلطی کا احتمال باقی رہتا اسی طرح ان اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا بھی اسی کا حکم ہے جو اس نے اپنے بندوں کی اندرونہ حالت پر نظر کر کے ارشاد فرمایا ہے اور خلق کے جملہ حالات اور ان کے تغیرات خصوصاً جزرومدِ انسانی کو جس قدر خالق جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اعوذ برب الفلق کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے پروردگار کی جو رات کی ظلمت دور کرتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔

فائدہ: فلق کے لغوی معنی پھاڑ چیر کر نکالنے کے ہیں۔ زمین سے دانہ نکالنے میں بھی حق سبحانہٗ کو فالق الحب و النوٰی کہا گیا ہے اور رات میں سے صبح کی روشنی نکالنے پر بھی یہ لفظ اس کی نسبت بولا گیا ہے۔ فالق الاصباح اس میں اس کی قدرت و جبروت کا اظہار ہے اور ایسا ہی شخص پناہ دینے کے قابل بھی ہے اور اسی کا مرتبہ پناہ دینا اور شر سے بچانا ہے۔ یہ تھے لغوی معنی۔ پھر مفسرین کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ اس جگہ فلق سے مراد صبح ہے۔ ہر چند وہ سب چیزوں کا رب ہے مگر صبح کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے۔ **تاریکی کے اقسام:** تاریکی کے چند اقسام ہیں: اول عدم کی تاریکی جو بڑی تاریکی ہے جس میں کچھ کسی کا نیک و بد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ تمام عالم اس تاریکی کی رات میں تھا اسی نے ہستی کی صبح پیدا کی اور مخلوق کو وجود کی روشنی میں لایا جس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ وہی نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ دوسری جہل اور بہیمیت کی سیاہی اور جب شہوات ولذات کی رات اس میں سے صبح نکالنا فطرت اور ملکیت اور روحانیت کی روشنی پیدا کر دینا ہے۔ اس رات میں سے وہی نور کی صبح پیدا کرتا ہے جس میں انسان نیک و بد اور غلط و صحیح میں امتیاز کرتا ہے اور حقائقِ صحیحہ پر قائم رہتا ہے۔ تیسری ظاہری رات کی سیاہی جس میں خبائث و شیاطین، چور و قزاق، موذی جانور نکلتے اور اپنا شر پھیلاتے ہیں۔ وہی دامنِ شب سے صبح کا نکالنے والا اور ان کو دفع کرنے والا ہے۔ کا ہے سے پناہ مانگنی چاہیے؟ اس کا آپ ہی بیان فرماتا ہے **من شر ما خلق** اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے۔ خدا تعالیٰ نے جو ہستی کا باغ

لگایا تو اس نے اس باغ میں سب قسم کے بوٹے لگائے ہیں۔ میٹھے بھی، کڑوے بھی، خاردار بھی، ثمر دار بھی۔ پھر ایک مخلوق ہے دوسری کو اپنے کام میں بھی لاتی ہے۔ مثلاً تیز بھیڑ بکری کو کھاتا ہے۔ یہ شیر کے لیے خیر ہے اور بکری بھیڑ کے لیے شر۔ علی ہذا القیاس یہ ہے وہ مخلوق کا شر، پھر شر عام ہے روحانی ہو یا جسمانی۔ روحانی شر عقائد کا فساد بری باتوں کی طرف میلان، جسمانی شر خسارتِ مال و امرض غلبۂ اعداد غیر ذلک۔ شر کے صدہا اقسام ہیں، سماوی، ارضی، اختیاری، بلا اختیاری، دنیا کا شر، آخرت کا شر، قبر کا عذاب، جہنم کا عذاب۔ ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے۔ شر بندہ کی مضرت ما خلق جو اس نے بنایا یعنی اس کی مخلوق انسان پر دنیا میں یا مرنے کے بعد جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ سب اشیاء کے ذریعہ سے پہنچتی ہے جو اس کی مخلوق ہے۔ سانپ نے ڈس لیا، آگ نے جلایا، غذا نے فساد پیدا کیا یہ سب شر ہیں بندہ کے حق میں مگر بالخصوص ان تین شروں سے تو ضرور ہی پناہ مانگنی چاہیے جو بڑے شر ہیں۔ (۱) و من شر غاسق اذا وقب اندھیری کے شر سے جبکہ پھیل جائے۔ اول تو رات کی اندھیری ہے جو محسوس ہے اور اسی لیے اکثر مفسرین نے غاسق سے مراد اندھیری رات لی ہے۔ اندھیری رات میں موذی اور درندے جانور نکلتے ہیں ان سے اذیت پہنچتی ہے اور چور و قزاق بھی نکلتے ہیں۔ لوگوں کو شر پہنچاتے ہیں۔ جن و خبائث نکلتے ہیں کس لیے کہ نور سے ان کو نفرت ہے کیونکہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ ان سے بھی بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ دوسری بہیمیت اور قوائے شیطانیہ کی اندھیری ہے معاذ اللہ جب یہ آ کر گھیر لیتی ہے تو پھر شر ہی شر ہے اس میں غصہ ہے تو وہ ہے جو نہیں کرنا تھا وہ کرا دیتا ہے۔ طمع ہے تو وہ ہے جو دام میں پھنسا کر داریں کے قید خانہ میں قیدی کرا دیتی ہے اور شہوت وہ بلا ہے کہ الٰہی توبہ۔ پھر ادراک و شعور میں بھی فرق آ جاتا ہے اچھے کام برے اور برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں وہ نورِ عقل و ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ تیسری حجاباتِ روحانیہ کی اندھیری ہے جو واصلانِ محبوب پر طاری ہو جاتی ہے اور ان کو مشاہدہ سے محروم کر دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر ان کے لیے کیا شر ہے جو شرِ محض ہے ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے جو ان سب اندھیریوں کو دور کر کے روشنی نکالتا ہے اور خدا کے صفات میں سے بالخصوص رب الفلق کو ان شروں سے پناہ مانگنے میں ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

(۲) **ومن شر النفاثات فی العقد** گرہوں میں پھونکنے والیوں کی شر سے بھی پناہ مانگنا چاہیے۔ نفث لغت میں پھونکنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں۔ نفاثات نفاثہ کی جمع ہے اور بعض قراء نے نافثات بھی پڑھا ہے۔ وہ نافثہ کی جمع ہے نفاثہ وہ عورت جو بہت پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہو اور تاگے میں گرہیں لگاتی ہو جس کو جادوگرنی کہتے ہیں۔

سحر کے اثر پر بحث | مفسرین کا ایک گروہ ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے کہ جادوگرنیاں جو جادو کرتے وقت پھونک پھونک کرتا گے میں گرہیں لگاتی ہیں ان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سحر میں اثر ہے جیسا کہ نظر میں ہے اور اس کا صدہا بار لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ خدا پاک سے پناہ مانگنی چاہیے کہ ان کے جادو کا اثر نہ چلے ورنہ آدمی کو دیوانہ کر دیتی ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کا فی نفسہ تو کوئی اثر نہیں نہ عقلِ سلیم اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ البتہ قوتِ وہمیہ میں ایک اثر ضرور پیدا ہوتا ہے جب جادوگر پھونک پھونک کرتا گوں میں لگاتے ہیں تو قوتِ متوہمہ اس سے منفعل ہوتی ہے اور یہ وہم قوی ہوتا جاتا ہے کہ جادوگر کا اثر مجھ پر ہوا پھر آئندہ جو کچھ افعالِ طبعیہ یا صحت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ اس وہم کے سبب سے ہوتا ہے اور وہم کی مضرت کی صدہا مثالیں اور بہت سی سچی حکایتیں ہیں۔ نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کے بیمار کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ تم نے جو آبخورے سے سوتے سے اٹھ کر پانی پیا اس میں سانپ کا چھوٹا سا بچہ تھا میں نے دیکھا تھا۔ میں اور کام میں مصروف ہو گئی اس کو مار نہ سکی افسوس تم پی گئے اب وہ پیٹ میں بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ الغرض ایسا خیال پکوایا کہ اب جو پیٹ میں ریاح سے قرا قر ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ سانپ کا بچہ پھرتا ہے نوبت یہاں تک پہنچی کہ نحیف و ضعیف ہوتا گیا ہلاکت تک پہنچ گیا۔ ہر چند علاج کئے جاتے تھے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس راز سے ایک اور عورت بھی واقف تھی۔ اس نے لڑکے کے

والد سے کہا کہ اس کا علاج میرے ہاتھ میں ہے اور فوراً تندرست ہو جائے گا۔ اس نے بیمار سے کہا کہ میں اپنے منتر کے زور سے اس کو تیرے پیٹ سے نکال دوں گی۔ ہر روز آ کر کچھ بڑبڑاتی اور اس پر دم کر جاتی ایک روز ایک سانپ کا بچہ بھی مخفی طور پر ساتھ لے آئی مریض سو رہا تھا کہ اس کو اس کے پائجامہ میں آہستہ سے چھوڑ دیا۔ اس کے کاٹنے کا اندیشہ نہ تھا دانت توڑ دیے تھے، زہر کی نلی نکال دی تھی اور فوراً لڑکے کو بیدار کیا کہ دیکھ کیا ہے اس نے کوئی چیز پائجامہ میں پھرتی دیکھی گھبرا کا پائجامہ اتار پھینکا تو اس میں سانپ تھا۔ اس عورت نے کہا دیکھ یہی تو تیرے پیٹ میں تھا جو نکل گیا بیمار کو یقین آ گیا وہ خیال جاتا رہا۔ یوماً فیوماً تندرست ہوتا گیا۔ اس قسم کے بہت سے شعبدے دیکھنے میں آئے ہیں اور عملِ مسمریزم کی تو اسی پر بنیاد ہے اور قوت وہمیہ ہر ایک شخص میں ہے، خواہ نیک ہو یا بد مگر زیادہ مادہ کم علموں میں ہوتا ہے خصوصاً لڑکوں اور عورتوں میں۔ اس لیے ان پر وہم کی زیادہ فسوں گری چل جاتی ہے اور اسی طرح جاہل اور ناشائستہ اقوام کا حال ہے اور انہیں لوگوں میں سحر جھاڑے منتر کا زیادہ چرچا بھی ہوتا ہے۔ پھر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی فسونگری کو عقلِ سلیم دفع کر دیا کرے۔ وہم وخیالِ فاسد اپنا سکہ نہ جمانے پائے۔ وہم کی ظلمت طاری نہ ہونے پائے اور اسی لیے رب الفلق سے پناہ مانگی جاتی ہے کہ اے رب! تو روشنی کی صبح وہم کی رات سے نکالتا ہے مجھے وہم کے اندھیریوں سے محفوظ رکھیو۔

فائدہ: جادوگر تو مرد بھی ہوتے ہیں نفاثات جمع مونث کے صیغہ لانے کی کیا وجہ؟ جمہور کے قول پر تو یہ وجہ ہے کہ بیشتر یہ جادوگری بسبب کم عقلی اور دنائتِ طبع کے انہیں میں ہوئی ہے اور جو کوئی مرد ہو کر بھی یہ کام کرتا ہے تو وہ بھی نامرد عورت ہے اور عورتوں کی جماعت میں داخل ہے۔ (۲) بعض فرماتے ہیں کہ نفاثات سے مراد نفوس ہیں سو وہ عرب کی زبان میں مؤنث ہیں تب یہ معنی ہوئے کہ نفوسِ انسانیہ کے اثرِ بد سے جو لوگوں کے دلوں میں پھونکتے ہیں پناہ مانگو۔ (۳) بعض کہتے ہیں جماعتیں مراد ہیں۔ اور جماعت کو صیغہ مونث سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ (۴) نفاثات سے عورتیں مراد نہیں بلکہ اس قسم کے اور الفاظ قرآنِ مجید میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ ذاریات وناشرطات جس سے مراد خبائث ہیں جو انسان کے دل ودماغ وجگر وغیرہ اعضاء میں جن کو اصل اور استحکام کے لحاظ سے عقد کے ساتھ استعارہ کے طور پر تعبیر کیا ہے اپنا اثرِ بد پھونکتے اور سکہ جماتے ہیں۔

ابو مسلم نفاثات فی العقد کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد عورتیں ہیں مگر ان کی جادوگری اور گرہوں میں پھونکنے سے ظاہری تاگوں میں پھونکنا مراد نہیں بلکہ مردوں کے ارادوں اور ان کی مستحکم راؤں میں (جن کو بطور استعارہ کے گرہوں سے تعبیر کیا جاتا ہے کسی بات پر قوی ارادہ کرنے کو کہتے ہیں گرہ باندھ لی) تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور نفث استعارہ ہے ڈھیلا کر دینے سے کس لیے کہ جب گرہ کو کھولنا ہوتا ہے تو اس میں ذرا تھوک لگاتے ہیں کہ نرم ہو کر کھل جائے۔

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ عورتوں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے جو مردوں کی ہمتوں اور مستحکم ارادوں کو مکر کی پھونک مار کر ڈھیلا کر دیتی ہیں اور حقیقت میں عورت کی طرف مرد کو ایک طبعی کشش ہے۔ پھر یہ مردوں پر وہ فسونگری کرتی ہیں کہ ایک قصد کو توڑا کر دوسری طرف لگا دیتی ہے۔ عورت کے جادو سے خدا کی پناہ! اس کے بنائے سینکڑوں عاقل وفرزانہ دیوانہ بن گئے۔ عقائدِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ ترک کر دیے۔ اس جادو کی تاثیر کے تو معتزلہ اور حکماءِ فرنگ بھی قائل ہیں۔ یہ شر بھی بڑا شر ہے اور اسی لیے قرآنِ مجید میں ایک جگہ یوں آیا ہے زین للناس حب الشهوات من النساء الخ اور پھر یہ بھی فرما دیا ہے ان من ازواجكم واولادكم عدواً لكم فاحذروهم کہ تمہارے زن وفرزندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں ان سے بچتے رہا کرو۔

الحاصل یہ دوسرا شر کہ جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے حب الشہوات ولذات کا شر ہے جس کا جادو انسان کے دل ودماغ اور باطن قوتوں پر چلتا ہے اور یہ گرہیں ہیں ان میں وہ ایسا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں کہ سب ڈھیلے ہو جاتے ہیں مگر وہ رب الفلق کہ جو سیاہی میں سے روشنی

نکالتا ہے اگر اپنی پناہ میں لے لے اور تائید کرے اور قوائے بہیمیہ کی تاریکی میں سے صبحِ نورِ فطرت پیدا کر دے تو کچھ بھی غم نہیں ؎

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم گر تو با مائی نباشد ہیچ غم

آنحضرت ﷺ پر سحر ہوا تھا یا نہیں! ¦ اس آیت میں یا اور کسی آیت میں اس بات کا ذکر تک بھی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نے سحر کیا تھا یا نہیں اور کیا تھا تو کس نے اور کب کیا تھا اور اس کا کیا اثر ہوا تھا؟

یہ ساری بحث ایک بالائی بات ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر اہلِ روایت کہتے ہیں کہ مدینہ میں لبید بن اعصم یہودی نے اپنی بیٹیوں سے حضرت پر جادو کرایا تھا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک پر کچھ پڑھ کر اور ایک تاگے میں گرہیں لگا کر ایک کنوئیں میں جو خشک تھا جس کو ذروان کہتے تھے رکھوا دیا تھا۔ اس نفاثات فی العقد میں اس کی لڑکیوں کی طرف اشارہ بتاتے ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے تھے۔ دو روز یہ حالت رہی تھی پھر جبرئیل علیہ السلام نے مطلع کیا تو حضرت علی وطلحہ رضی اللہ عنہما گئے اور اس کنوئیں میں سے وہ تاگا اور بال نکال لائے جوں جوں اس کی گرہیں کھلتی جاتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام ہوتا جاتا تھا۔

مگر معتزلہ اور بالخصوص قاضی وغیرہ ان روایت کا صاف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط اور بے اصل روایات ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کی راہ سے مسحور کہتے تھے یعنی جادو کیا گیا۔ اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو پھر ان کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت پہنچے۔ کس لیے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمك من الناس کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے؟

فریقِ سابق کہتا ہے کہ وہ سحور بمعنی مجنوں کہتے تھے یعنی جادو سے کسی نے ان کو دیوانہ کر دیا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل وہوش میں کچھ فرق نہ آئے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا اور یہ سحر اس قسم کا نہ تھا اور لوگوں سے محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ تجھے کوئی قتل نہ کر سکے گا جیسا کہ کفار ارادہ کرتے تھے یہ نہیں کہ کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا بھی نہ پہنچے گی۔ کس لیے کہ احد کی لڑائی میں دندان مبارک شہید ہوئے، خیبر میں یہودیہ نے بکری میں ملا کر زہر دیا جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیہ کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جانا اور وہ بھی چند روزہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے؟

اور سحر کا اثر نمایاں ہو جانا منافی شانِ نبوت نہیں۔ کس لیے کہ یہ بحیثیتِ بشریت اثر نمودار ہوتا تھا اور کھانے پینے، سونے وغیرہ خواصِ بشریہ میں آپ بھی شریکِ بشر ہیں اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار جو آپ کو جادوگر کہتے تھے ان کا گمان غلط کرنا تھا۔ کس لیے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

تعویذ باندھنے اور دم کرانے کا کیا حکم ہے؟ ¦ تعویذ لکھ کر باندھنا یا کوئی کلام پڑھ کر دم کرنا دفعِ مرض کے لیے شرعاً کیسا ہے؟ علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ (بعض کہتے ہیں نہیں کرنا چاہیے کس لیے کہ مشرکین اور یہود کا دستور ہے جس کی مذمت اس آیت سے ثابت ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سے ستر ہزار شخص بلا حساب جنت میں جائیں گے هم الذين لايسترقون ولايتطيرون وعلى ربهم يتوكلون۔ متفق علیہ کہ جو وہ نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ فال وشگن لیتے ہیں اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ زینب جو عبداللہ بن مسعود کی بیوی تھیں کہتی ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرے گلے میں تاگا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا ہے یہ؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا یہ تاگا پڑا ہوا ہے (گنڈا) تب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر توڑ ڈالا اور کہا تم میرے گھر والے شرک سے بے نیاز ہو۔ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھاڑ اور تعویذ

اور ٹونکا شرک ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضرات [1] کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا شیطانی کام ہے (رواہ ابوداؤد) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے داغ دلوایا [2] جھڑوایا وہ توکل سے دور ہو گیا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو حمرہ [3] تھی میں نے کہا آپ تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کچھ تعویذ گنڈا لٹکائے گا تو اسی کے حوالے [4] کیا جائے گا خدا تعالیٰ ہی کا توکل بس ہے۔

(۲) اکثر اہلِ علم کا قول ہے کہ تعویذ یا جھاڑنے میں بشرطیکہ کلماتِ شرک نہ ہوں اور اس میں بھی دوا کی طرح خدا کی عطا کی ہوئی تاثیر سمجھتا ہو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ جو احادیثِ مذکورہ بالا میں ممانعت مذکور ہے یا تو ان تعویذ اور گنڈوں اور منتروں کی بابت ہے کہ جن کو جاہلیت میں مشرکین عمل میں لاتے تھے اور ان میں غیر اللہ سے استمداد و استعانت تھی اور یا ان خاص لوگوں کے لیے حکم تھا کہ جن کی توکل میں شان بلند تھی اور عوام کے لیے ممنوع نہیں اور حق سبحانہٗ نے جس طرح دوا میں عطا کی ہے اسی طرح اسما میں بھی دی ہے انکار کرنا مکابرہ ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس وغیرہ ادعیہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور صحابہ نے بھی ایسا کیا ہے اور کلماتِ مبارکہ بھی لکھ کر تعویذ کے طور پر باندھے ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سی احادیث ہیں جن کے نقل کرنے کی حاجت نہیں اور جو کوئی توکل کرے تو اولیٰ ہے۔

اب تیسری شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرماتا ہے جو وہ بھی بڑا ہی شر ہے فقال ومن شر حاسدٍ اذا حسد۔ اور کہہ کہ میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔

حسد کا بیان ! حسد دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے برباد کرنے کی کوشش کرنا اور طرح طرح کے حیلے اور تدابیر عمل میں لانا۔ اور غبطہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر اپنے لیے بھی اس کی آرزو کرنا بغیر اس کے کہ اس کا برباد کرنا چاہتا ہو اس لیے حسد حرام ہے اور غبطہ جائز ہے۔

دنیا میں جس قدر شر ہیں دو ہی قسم کے ہیں۔ اول وہ جو بغیر ارادہ اور کسی خاص کاوش کے پیش آتے ہیں جیسا کہ اتفاقاً آگ میں جل جانا، پانی میں غرق ہو جانا۔ دوم وہ کہ ارادہ و اختیار سے سرزد ہوں جیسا کہ قتل، لوٹ، چوری وغیرہ اور یہ شر جو بالارادہ سرزد ہوتا ہے حتی المقدور بچنے کی راہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور بالارادہ جس قدر شر ہیں ان کی بنیاد حسد پر ہے۔ حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لیے اپنی خرابی اور بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لیے یہ شر بڑا شر ہے۔

اس لیے حکماء نے فرمایا ہے کہ یہ وہ مرضِ جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد جلتا ہے۔ پہلا گناہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا آپ بھی برباد ہوا مگر حضرت کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عفتی بھی برباد کی اور اس مظلوم کو بھی قتل کیا۔

اس کے شر سے خدا محفوظ رکھے۔ یہ بدنصیب انسان کے خیالات بھی بدل ڈالتا ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادرِ مطلق اس کی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفتِ بد سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ دل

---

[1] اکثر عامل جنوں کو حاضر کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔۱۲

[2] عرب میں مرض کا علاج داغ بھی تھا اس سے منع فرمایا کہ ناحق شکل بگاڑنا ہے اور کیا کوئی دوا نہیں۔۱۲

[3] حمرہ حائے مہملہ سے سرخ رنگ کے دانے نمودار ہو جانا ایک مرض چیچک کے اقسام سے ہے جس کو سرخ بادا کہتے ہیں۔۲ز

[4] یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت دور ہو کر اب وہ تعویذ گنڈا ہی اس کا کارساز رہ گیا جو بغیر حکمِ الٰہی کچھ نہیں کر سکتا۔۱۲منہ

میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر وہ سعادت جو پہلے تعلیم ہوئی تھی برباد ہو جاتی ہے۔ یہود باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیِ برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے سعادت سے محروم رہ گئے۔ حاسد کو کوئی سعادت نصیب نہیں ہوتی اس کا دل ملعون ہو جاتا ہے۔

فائدہ: بعض عارفین اس سورۃ کی اس طرح سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں الوہیت کی شان بیان فرما دی تو اب مخلوقات کے مراتب کی شرح کرتا ہے اس لیے کہ ظلماتِ عدم طاری تھے اور اس کے شر میں سب غرق تھے اس لیے اس نے ان عدم کی اندھیریوں کو پھاڑ کر نورِ وجود نکالا اس لیے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق کہہ مجھے اس کی پناہ ہے جو اندھیریوں کو پھاڑ کر ہستی کے نور میں لایا اور ممکنات پیدا کیے۔ پھر ممکنات کی دو قسم [1] ہیں۔ ایک عالمِ بالا جس کو عالمِ امر کہتے ہیں۔ ارواح و ملائکہ۔ وہاں خیر ہی خیر ہے شر نہیں۔ دوسرا عالمِ خلق یعنی عالمِ محسوس جس میں شر بھی اور خیر بھی اس لیے اس کے بعد فرمایا من شر ما خلق کہ عالمِ خلق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرو اس سے پناہ مانگو۔ پھر عالمِ خلق یا علویات ہیں یا سفلیات ہیں۔ علویات میں بھی چنداں شر نہیں لیکن سفلیات میں جمادات، نباتات، حیوانات تین ایسی قسم ہیں کہ جن میں شر ہے کہ کس لیے کہ جمادات میں تو کوئی قوتِ نفسانیہ نہیں وہ تو شر ہی شر ہے کس لیے کہ عدم ظلمت ہے۔ اس لیے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر کرتا ہے فقال من شر غاسق اذا وقب اور نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ ایسی ہے جو اس کو طول و عرض و عمق میں بڑھاتی ہے اور یہی اس کی گرہ ہیں جن میں وہ قوتِ نباتیہ پھونکتی ہے پھر نباتات کے شر ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس کے بعد ان کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا۔ ومن شر النفاثات فی العقد پھر حیوان میں قوائے حیوانیہ ہیں حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنیہ اور بالخصوص شہوت اور غصہ اور طمع اور یہ سب کے سب روح کو عالمِ غیب کی طرف متوجہ ہونے اور جلالِ الٰہی میں مشغول ہونے سے حاسد بن کر روکتے ہیں اس لیے ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں آیا ومن شر حاسدٍ اذا حسد۔

اب عالمِ سفلی میں انسان ہی باقی رہا اس لیے اس کے مراتب کا ذکر سورۂ قل اعوذ برب الناس میں کیا کبیر۔

فائدہ: واضح ہو کہ اس سورۃ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو اجمالاً جملہ شروں سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی اور پناہ بھی کس سے مانگے رب الفلق سے جو اندھیریوں میں سے روشنی نکالنے کا رب ہے اس کے بعد تین شر کو بالخصوص ذکر کیا تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر اور وہ تین شر یہ ہیں۔ (۱) اندھیرے کا شر جبکہ پھیل پڑے خواہ رات کا اندھیرا ہو جس میں موذی چیزیں نکلتی ہیں خواہ قوتِ بہیمیہ کا اندھیرا جبکہ نورِ عقل پر چھا جائے اور انسان کو اندھا کر دے۔ (۲) گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کا شر عام ہے کہ تاگے کی گرہوں پر جادو منتر پڑھ کر پھونک مارنا ہو جیسا کہ ڈائنی اور جادوگرنیاں کیا کرتی ہیں یا انسانی مدارک و مشاعر دل و دماغ کو اپنے حسن و جمال کے منتر سے بیکار کرنے والی عورتیں ہوں یا عورتوں کے سوا وہ شہوات و لذات ہوں جو انسان کے دل و دماغ کی گرہوں کو اپنے منتر سے ڈھیلا کر دیتی اور مخبوط بنا دیتی ہیں۔

(۳) حاسد کا شر خواہ کوئی انسان ہو یا اسی کے اندر کا نفسِ امارہ ہو جبکہ روح پر حسد کر کے اس کی ترقی کو مٹانا چاہیے۔ الغرض یہ تینوں شر ایسے ہیں کہ جن میں ظلمت ہے اول شر میں تو ظلمت ظاہر ہے دوسرے میں بھی ظلمت ہے۔ جادوگرنیوں کے جادو سے بھی نورِ عقل پر قوتِ متوہمہ کی ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور اسی طرح حسین عورتوں کے ناز و کرشمہ بھی بہیمیت کی ظلمت پھیلا دیتے ہیں اور شہوات کی ظلمت تو اندھا ہی کر دیتی ہے۔ تیسرے شر میں بھی ظلمت ہے کس لیے کہ نفسِ امارہ کا حسد جب روح کے مقابلہ میں زور کرتا ہے تو ظلمات کا تلاطم ہونے لگتا ہے اور اسی طرح کوئی انسانی حاسد بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اندھیر ہی مچا دیتا ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے اور خود اس کے اندر تو ظلمات کے دھوئیں اٹھتے ہیں پھر ان تینوں شروں سے جو ظلمات تھے پناہ مانگنے میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق ہی مناسب تھی یعنی رب النور۔

---

[1] قرآن مجید کی اس آیت الا لہ الخلق والامر میں انہیں دونوں عالموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔۱۲منہ

پس ان ظلمات پر اس رب النور ہی کی مدد اور پناہ کافی ہے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تا کہ وہ اپنے نور کی تجلی ڈالے اور وہ اندھیرا دور ہو جائے یہ کمال بلاغت ہے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شر کی بنیاد ظلمت پر ہے اور خیر کی نور پر۔ اس لیے رب الفلق کا اس صفت کے ساتھ یاد کرنا اور اس سے پناہ مانگنا نور پیدا کر دیتا ہے اور اس خاصیت کا جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

اعوذ برب الفلق من شر ما خلق

(اللہ اکبر)

سورہ الناس مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ ع

اے نبی یوں کہا کرو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی۔ اس خطرہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی بدی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو۔

ترکیب: قل اعوذ قراء الجمہور بالھمزۃ قری بحذفھا ونقل حرکتھا الی اللام برب الناس متعلق باعوذ ملك الناس عطف بیان لرب الناس قرء الجمہور ملك الناس باسقاط الالف فی ملک والملک بکسر اللام السلطان القاھر۔ اله الناس ایضاً عطف بیان من شر الواسواس متعلق باعوذ وھو المستعاذ منہ۔ الوسواس بفتح الواؤ عند الفراء اسم بمعنی الموسوس وبکسرھا مصدر ای الوسوسۃ کالزلزال بمعنی الزلزلۃ والوسوسۃ حدیث النفس یقال وسوست الیہ نفسہ ووسوسۃ ای حدثتہ حدیثا واصلھا الصوت الخفی ومنہ الوسواس للصوت الحلی۔ الخناس نعت لہ۔ مبالغۃ من الخنس وھو التاخر خنس یخنس اذا تاخر ومنہ قولہ تعالیٰ فلا اقسم بالخنس۔ قال مجاھد اذا ذکر اللہ خنس ای تاخر الشیطان۔ واذا لم یذکر تقدم الذی الخ الجملۃ فی محل الجر علی الصفۃ للخناس او فی محل الرفع بتقدیر ھو او فی محل النصب علی الذم من الجنۃ والناس بیان للخناس او الوسواس وقیل متعلق بیوسوس ای یوسوس فی صدورھم من جنۃ الجن والانس وقیل بدل من شر باعادۃ الجار وقیل حال من الضمیر فی یوسوس ای یوسوس وھو من الجن والناس والجنۃ والجن بالکسر بمعنی واحد۔ فی الصراح جن بالکسر پری پری وھو خلاف الانس۔ الواحد منہ جنی بکسر تین۔ جنۃ بالکسر پریاں۔ قولہ تعالیٰ من الجنۃ والناس۔ ودیوانگی۔ قولہ تعالیٰ امر بہ جنۃ فالاسم والمصدر علی صورۃ واحدۃ۔ انتھی ملخصاً۔ والناس اصلہ عند سیبویہ اناس فحذفت فاؤہ عند غیرہ لم یحذف منہ شیء واصلہ نوس اذ التصغیر نویس والواحد منہ الناسی۔

تفسیر: یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی وہی گفتگو ہے جو سورہ فلق میں تھی اس کا شانِ نزول وربط وہی ہے جو سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں بیان کر آئے ہیں اس میں چھ آیت ہیں۔

خلاصہ اس ربط کا یہ ہے کہ اس سورہ میں ان شروں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے ہیں اور ایمان کے زائل کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔ خصوصاً عامہ ایمانداروں کے لیے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی تین حالت ہیں۔ اول طفولیت کا زمانہ جس کو عقلِ ہیولانی کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت تو حضرت کو اعضاءِ جسمانی کے کمزور ہونے کے سبب بدیہیات بھی معلوم نہیں

ہوتے، ماں باپ کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ وہاں تو محض تربیت ہی تربیت ہوتی ہے جس کا متکفل وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور اپنی شانِ ربوبیت کا کس کس طرح سے جلوہ دکھاتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے اور اس نادانِ محض کی جبلت میں دودھ کا چوسنا القا کرتا ہے ایسے زمانہ کے لحاظ سے قل اعوذ برب الناس ارشاد فرمایا اور پناہ مانگنے میں اپنی اس قدیم ربوبیت کو یاد دلایا جس سے کوئی آدمی بھی محروم نہیں۔ پھر اس کے بعد نشو ونما شروع ہوتے ہوتے اس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ بدیہیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور بدیہیات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کو فکر ونظر سے حاصل کرنے لگتا ہے۔ اب ایک تو یہ علمی زور حاصل ہو دوسرے بدن کا زور، اٹھتی جوانی کا نشو ونما، لذات وشہوات کی رغبت اس کے اوپر بادشاہی کا رنگ جما دیتی ہے۔ اپنی ترنگ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ شاہانہ مزاج پیدا ہو گیا نہ آخرت کی فکر نہ کوئی مآل اندیشی اس زمانہ کے آفات اور شر بھی ایسے ہیں کہ الٰہی توبہ۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پناہ مانگنے میں ملك الناس ارشاد فرمایا کہ تو کیا ہے اور تیرا زور اور علم کیا ہے شہنشاہِ مطلق ہم ہیں ہمارے دیے ہوئے قویٰ کے لشکروں پر تو کیا غرور کرتا ہے جب چاہیں اپنے لشکروں کو تجھ سے لے سکتے ہیں اور دوسرے لشکر بھیج کر تجھے پامال کر سکتے ہیں تو اپنے زوروں پر گھمنڈ نہ کر بلکہ تمام انسانوں کے بادشاہ سے جو بڑا زور آور ہے پناہ مانگ۔ پھر اس کے بعد جب جوانی کا خمار ٹوٹتا ہے تو اس کو اِدھر اُدھر کی بھی سوجھتی ہے جیسا کہ سورۂ احقاف میں فطرتِ انسانی کے بعد اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر مبذول ہوئی ہیں شکر کروں اور وہ وہ عمدہ کام کروں جو تجھے پسند آئیں۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں اور معلومات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ اس کے سینہ میں جمع ہوا اور جو کمال اس میں ودیعت رکھے گئے تھے اور جن کا تخم اس کی استعداد کی زمین میں ڈالا گیا تھا اب وہ سب باہر آ گیا اور اس کو حکماء کے نزدیک عقل بالفعل کا مرتبہ اور کمال کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اب اس پر شانِ الوہیت آشکار ہوئی۔ اس مرتبۂ کمال کے لحاظ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا اله الناس کہ لوگوں کے معبود سے جس میں جملہ کمالات اور تمام صفاتِ کاملہ موجود ہیں اور تیرا یہ کمال اس کے آگے کچھ بھی نہیں پناہ مانگ اب اپنے ان تینوں اوصاف کو (جو انسان کی عمر کے تینوں حصوں کے مناسب تھے اور اسی لیے ربوبیت، ملکیت، الوہیت کو الناس کی طرف مضاف کیا ہے) بیان فرما کر یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم کس سے پناہ مانگنے کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہے جن سے پناہ مانگنی چاہیے وہ کون سا شر ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے من شر الوسواس کہ وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے وسواس بفتح و کے معنی ہیں وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا اور بکسرہ واس کے معنی ہیں خطرہ اور وسوسہ بہر حال خطرہ اور وسوسہ ہو یا وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا ہو اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے اور دل سے کہنا چاہیے کہ الٰہی تو جو رب الناس ہے سب کی پرورش اور تربیت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو جو ملک الناس لوگوں کا بادشاہ ہے سب تیری رعیت ہیں سب پر تیرا زور چلتا ہے۔ (پرورش کرنے والا کبھی بادشاہ نہیں بھی ہوتا جیسا کہ ماں باپ اور آقا یا عزیز واقارب پرورش کرتے ہیں مگر بادشاہ نہیں سب پر زور نہیں، مخالف کے زور اور اس کے شر کو نہیں روک سکتے) مگر تو پرورش کرنے والا بھی ہے اور بادشاہ بھی تجھ کو یہ فوقیت ہے اور بادشاہ بھی کیسا بادشاہ الہ الناس تو لوگوں کا خدا بھی ہے۔ بادشاہ کو اختیاراتِ شاہی حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اختیاراتِ خدائی وہاں وہ بھی اوروں کی طرح مجبور ہوتا ہے۔ موت اور بلائے آسمانی اور قضاء وقدر کے احکام میں اس کی کچھ بھی نہیں چلتی مگر تو تو خدا بھی ہے تیرے زور اور تیری قدرت کے کرشموں کو کسی انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ تجھ میں بے انتہا طاقتیں ہیں تو جیسا کہ تو نے سورہ قل ہو اللہ میں آپ بتلایا ازلی ہے ابدی ہے، یکتا ہے، صمد ہے یعنی بے نیاز ہے کسی کا کسی کام میں محتاج نہیں۔ سب تیرے ہی محتاج ہیں۔ مجھ کو وسواس یعنی وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تو پناہ دے تیرا پرورش کردہ ہوں تیری رعیت ومحکوم ہوں تیرا بندہ ہوں ابتدائے آفرینش سے اب تک اور آئندہ تیری ہی عنایات کا خوگر ہوں میرے کئی رابطے تجھ سے ہیں تو ہمیشہ کا کرم

گستر ہے میں موروثی خانہ زاد اور رعیت ہوں۔

پھر وہ وسوسہ ڈالنے والا کون ہے جس کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے اور پناہ مانگنے کا آپ ہی اپنی رحمت سے حکم دیتا ہے جس پر قبولیت کا اشارہ ہے؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے الخناس وہ وسوسہ ڈال کر ہٹ جانے والا چور اور داؤ گھات والا قزاق ہے۔ خنوس پیچھے ہٹنا' کام کر کے سٹک جانا جیسا کہ چوروں بدمعاشوں کی عادت ہوتی ہے۔ خرمنِ ایمان میں چنگاری ڈال دی اور چل دیے پھر اور بھی توضیح کرتا ہے کہ وہ وسواس کیا کیا کرتا ہے؟ الذی یوسوس فی صدور الناس کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور بدخطرہ اور ناپاک خیال ڈالا کرتا ہے۔

انسانی خناس کے وسواس کی توضیح: پھر فرماتا ہے کہ آخر وہ ہے کون؟ من الجنة والناس وہ جن ہے ابلیس اور اس کی ذریت جن کو قلوب بنی آدم تک رسائی ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں اور انہیں پر موقوف نہیں آدمی بھی ایسے ہیں جو ایمان میں یا نیک کام میں یا کارِ خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا لگا دیا کرتے ہیں۔ کہیں ملمع کار تقریر سے' کہیں پرافسوں تحریر سے' کہیں ناصح مشفق بن کر' کبھی پیر و مرشد بن کر' فقیری کا لباس پہن کر الغرض ہزاروں بہروپ بدل کر انسانی شیطان ایسے کام کرتے ہیں جن کی نسبت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس شکلِ آدم ست پس بہر دستے نباید داد دست

ان انسانی شیطانوں کا ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور ہوا ہے خصوصاً اس اخیر زمانہ میں کہ جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بہت کچھ زور ہے۔ ایمان کا تھامنا آج کل ایسا مشکل ہے کہ جیسا ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔

ایک طرف کو غیر مذاہب کے واعظ اس آزادی کے زمانہ میں ایسے نکل پڑے کہ جیسے برسات میں حشرات الارض۔ کہیں پادری اور ان کے کاسہ لیس ہیں جو طرح طرح سے دامِ تزویر پھیلاتے ہیں وعظ اور خطرات ڈالنے والی کتابوں کی تصنیف اور اخبارات و رسائل کی شہرت پر بس نہ کر کے مدارس بھی قائم کر دیے۔ عورتوں کے دلوں پر اپنے زہریلے تخم بونے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سادہ لوح ان کی چپڑی چکنی باتوں میں آ کر اپنی مستورات کو بھی تختۂ مشق بنانے کے لیے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کہیں یتیم خانے بنا کر مصیبت زدوں کے بچوں کو شکار کرتے ہیں اور روٹی کھلا کر ان کا ایمان چھین لیتے ہیں، کہیں شفاخانے بنا رکھے ہیں خیراتی اور رفاہ کے کاموں کی آڑ میں ایمان سے برگشتہ کرتے ہیں۔

پھر مدارس میں بھی الحاد کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کو نیو سائنس بتایا جاتا ہے اور کس کس پیرایہ سے ایمان اسلام اور اس کے ارکان و شعائر کی توہین کی جاتی ہے' قہقہے اڑائے جاتے ہیں پھر ان کے خوشامدی اور کاسہ لیس جو نئے فلسفے کے شیدائی ہیں بلباسِ اسلام لوگوں کو ملحد و دہریہ بنا رہے ہیں۔ کہیں معراج کا انکار' کہیں خرقِ عادات کا انکار' معجزاتِ انبیاء علیہم السلام پر تمسخر' ان کے برکاتِ نفوسِ مقدسہ پر مضحکے پھر عام بدکاری کے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ جن سے بچنا مشکل۔ شراب کا دریا رواں' فاحشہ عورتوں اور برہنہ تصاویر اور لہو و لعب اور طرح طرح کے باجے اور تھیٹر اور تماشے ایسے نکل پڑے کہ جن میں سے کوئی شہر اور کوئی محلہ خالی نہ ہوگا دواؤں میں شراب' کھانوں میں شراب، پھر قانون نے شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لوگوں سے شریعت چھیڑا کر رسم و رواج کی پابندی پر پروانہ دے دیا۔ پھر سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیلائی کہ جس سے کوئی تجارت اور کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ پھر ان کے خوشامدی ان باتوں کے جواز میں اپنی ملمع کار تقریروں، لیکچروں میں کیا کیا کاریگریاں[1] کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر بیچارہ شیطان بھی ششدر رہ جاتا ہو تو تعجب نہیں۔ شاگردِ

---

[1] سود کے جواز کے لیے کبھی تو یہ تقریر ہے کہ سود عرب کے مفلس لوگوں کی داد و ستد تک محدود تھا کیونکہ غریب آدمیوں کی ضرورت پر قرض دے کر ان سے سوایا ڈیوڑھا لینا انسانی مروت کے خلاف تھا مگر شاہی بنکوں سے منافع لینے میں یہ بات نہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ سود کا مسئلہ شارع نے ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ یہ ←

رشید استاد سے بھی سبقت لے گئے لعنۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر ان کے دیکھا دیکھی وہ مذاہب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جن کی بدبو سے دنیا سڑ گئی تھی اور اب تک سڑ رہی ہے۔ پھر وہ سیاہ باطن نئی روشنی کی خوشبوئیں مل مل کر اس ناپاکی کو کیسا عطر بنا کر دکھا رہے ہیں اور اسلام اور اس کے ہادی کے پرنور چہرہ پر کیسے کیسے بدنما دھبے لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی فرضی تصویر دکھا کر اس کا چہرہ بگاڑ کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو گھن آ جائے۔ ان کے خطرات و وسواس کی شرح کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ پھر خود اسلامیوں میں جو زمانہ کے اثرِ بد سے لوگوں نے کجیاں پیدا کر کے ان کا نام اسلام اور سنت رکھا ہے اور پھر ان کے مولویوں، درویشوں نے جو جو وسواس پیدا کر کے عامہ مسلمانوں کو راہِ راستِ محمدی میں ٹھوکریں کھلائی ہیں اور کھلا رہے، خدا تعالیٰ ان سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ ہے انسانی خناسوں کے وسواس کی تفسیر جن کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اب میں کسی قدر شرالجنہ کی بھی تفسیر کرتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر خون کی طرح شیطان پھرتا ہے۔ (متفق علیہ)۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان سے شیطان پوچھتا ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی اور یہ کس نے یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا پھر جب یہ نوبت پہنچے تو کہہ دینا چاہیے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کا بھی ابن آدم کے دل پر گزر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی۔ شیطان کے گزرنے سے شر پر آمادگی اور حق کی تکذیب پر تحریک ہوتی ہے اور فرشتے کے گزرنے سے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی تحریک ہوتی ہے پھر جس کو یہ بات نصیب ہو تو اللہ کا شکر کرے اور جس کو پہلی بات پیدا ہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ (رواہ الترمذی)۔ اور یہ ممکن ہے کس لیے کہ فرشتے اور اسی طرح شیطان جسمِ لطیف رکھتا ہے۔ سو ان کا انسان کے مجازی دم میں مداخلت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسی لیے دل پر دریا کی طرح موجیں اٹھا کرتی ہیں۔ کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدی کی طرف دل میں از خود خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا محرک نیک کاموں میں فرشتہ کا الہام ہوتا ہے اور بدکاموں میں خطرۂ شیطانی ہوتا ہے پھر جو اس خطرۂ شیطانی پر جم گیا برباد ہوا۔ اور اصل مادہ میں اس شیطانی اور ملکی گزر کا انسان کے قوائے بہیمیہ اور قوائے ملکیہ کا ہیجان ہے اور اسی لیے بعض نے غلط فہمی سے صرف مادہ کو شیطان اور فرشتہ سمجھ کر شیطان اور فرشتہ کے وجودِ مستقل کا انکار کر دیا یہ بھی ایک شیطانی خطرہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر قوتِ وہمیہ بھی ایک بڑا شیطان ہے۔ وہ اس کو کچھ کا کچھ دکھا دیتی ہے اور اس کے علوم و معارفِ حقہ میں فرق ڈال دیتی ہے۔ جس قدر گمراہ فریق ہیں اسی قوتِ وہمیہ کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا جس سے ارشاد ہے کہ اپنے علوم و معارفِ حقہ پر جو تم کو مشکوٰۃِ نبوت سے پہنچے ہیں مستقیم اور ثابت قدم رہو خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ہلاکت کی گھاٹی اور خسران کے گڑھے میں نہ گرو۔

فائدہ: سورہ قل اعوذ برب الفلق میں رب الفلق کی ایک صفت ذکر کر کے تین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر تھا اور اس سورہ میں تین صفات ذکر کر کے ایک چیز سے پناہ مانگنا فرمایا وہ کیا؟ شر وسواس خناس۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ (۱) تو یہ کہ اس میں جسمانی شروں سے پناہ مانگی گئی تھی جس کے لیے ایک صفت رب الفلق کافی تھی اور اس سورہ میں روحانی اور دینی شر سے پناہ مانگی گئی ہے اس لیے اس کے لیے تین صفاتِ رب کا ذکر کرنا مناسب ہوا تا کہ معلوم ہو کہ دینی شر بڑا شر ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنے میں خدا پاک کے تین اوصاف رب الناس' ملک الناس' الٰہ الناس کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔

← قیود جو لگائی ہیں تو فقہاء نے فرصت میں بیٹھ کر لگائی ہیں' اسلام کے وسیع دائرۂ معاش کو تنگ کر دیا ہے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہاں سود لینا درست ہے۔ مگر دارالحرب کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو حکامِ وقت کے ڈر سے چپ ہو جاتے ہیں کس لیے کہ دارالحرب کے پھر اور احکام بھی تو ہیں۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ سود جو ربوٰ کا ترجمہ ہے خاص قرض لینے دینے میں ہے باقی تجارت اور ہنڈی' بٹے اور نوٹوں کے منافع سے کچھ تعلق نہیں۔

(۲) یہ کہ اس سورۃ میں ان تین شروں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو اعلیٰ اور اوسط کو لاحق ہوتے ہیں اور اس میں اس شر سے بچنے کا حکم ہے جو عوام کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جو نہایت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان کو خدا تعالیٰ کے یہ تین وصفِ محافظ عطا کئے گئے کہ ان صفاتِ عالیہ کے ذریعہ سے شرِ شیطانی سے پناہ مانگو۔

فائدہ۲: بعض مفسرین نے من الجنۃ والناس کا بیان قرار دیا ہے جو یوسوس فی صدور الناس میں مذکور تھا تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ خناس جو جنوں اور آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کس لیے کہ جس طرح نیک و بدخطرات انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی اور وہ بھی انسان کی طرح مکلف اور مامور ہیں ان میں بھی نیک اور بد ہیں ان کے دلوں تک بھی جس طرح فرشتۂ مہمِ خیر کا گزر ہوتا ہے اسی طرح خناسِ مہمِ شر کا گزر ہوتا ہے ان میں بھی مومن اور کافر ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کے لیے بھی نبی ہیں اس لیے اس قوم کے ایمانداروں کو بھی پناہ مانگنا سکھایا ہے۔

مگر یہ کلام باقی رہے گا کہ ناس کا اطلاق کیا جن پر بھی ہوتا ہے جس کے بیان میں من الجنۃ واقع ہوا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ ناس کا اطلاق انسان ہی پر ہوتا ہے نہ جن پر۔ بعض فرماتے ہیں ہوتا ہے جیسا کہ رجال کا اطلاق سورۂ جن میں جنوں پر بھی ہوا ہے یعوذون برجال من الجن۔

فائدہ۳: اس سورہ میں خدا پاک کے تین اوصاف مذکور ہوئے۔ اگرچہ وہ بندے کی تو تینوں حالتوں کے مناسب ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا مگر وسواسِ خناس سے ان تینوں صفات کو کیا اثر پہنچتا ہے؟ ضرور پہنچتا ہے کس لیے کہ جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ وسواسِ خناس ہے چونکہ اس میں لطافت بھی ہے جو دلوں تک پہنچتا ہے اور بدنِ انسان میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اور پھر کام کر کے چل دیتا ہے۔ وہ قزاق ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا اور جو پکڑا جائے اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔ اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنے میں باری تعالیٰ کے صفات میں سے وہ تین صفات اختیار کئے گئے جو اس کے لیے کافی ہیں۔ رب الناس میں لطافتِ رب کی طرف اشارہ ہے اور پاسبانی کی طرف بھی۔ کس لیے کہ رب وہ ذات ہے جس میں جمیع صفاتِ کمال ہیں اور منجملہ ان کے لطافتِ علم وخبر بھی ہے جس بغیر ظاہری و باطنی تربیت ممکن نہیں وہ خناس جب کبھی دل میں آئے گا اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا اور تربیت کا مقتضی ہے کہ باطن کو بھی شر سے محفوظ رکھے۔ اس لیے اس کے پہرے دار بھی خاصانِ خدا کے اردگرد رہا کرتے ہیں۔ یحفظونہ من امر اللہ اور اس قزاق کی گرفتاری کے لیے ملک الناس کی صفت مذکور ہوئی۔ کس لیے کہ شاہانِ عالیشان بڑے بڑے چوروں قزاقوں کو بس میں کر لیا کرتے ہیں اور پھر قابو میں کرنے کے بعد سزا دینے کے لیے الہ الناس کی صفت کا اظہار فرمایا۔ کس لیے کہ خدائی سے بڑھ کر پھر اور کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ سب کو اعمال کی جزا اور سزا دینا اسی کی شہنشاہی اور خدائی مقتضی ہے۔

فائدہ۴: سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں پناہ گمراہی اور حجاباتِ حاجزہ سے مانگی تھی جس کے غالباً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی قوتِ وہمیہ اور ہیبت کا غلبہ اور کبھی لذات وشہوات کی رغبت جس کی طرف ومن شر النفٰثٰت فی العقد میں اشارہ تھا اور کبھی قوائے ملکوتیہ کا دب جانا اور عوارضِ ہیولانیہ واسبابِ ظلمانیہ کا غلبہ پانا جس کی طرف ومن شر حاسد اذا حسد میں اشارہ تھا۔ اس لیے استعاذہ میں خدا تعالیٰ کی صفتِ رب الفلق کا ذکر کیا جو تنویر کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس سورہ میں شیطانی وسواس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے اور شیطان کا استیلاء انسانیت پر پورا پورا ہو جاتا ہے جو طرح طرح سے تخلیاتِ باطلہ اور اشکالِ مختلفہ میں ظہور کرتا ہے..... اس لیے اس سے استعاذہ کرنے میں تین صفاتِ جبروت ذکر ہوئے۔ ربوبیت، ملکیت، الوہیت کہ جن کے استیلاء شیطانی استیلاء کو جگہ نہیں ملتی۔

فائدہ۵: ابتداء قرآن کی وصفِ ربوبیت سے تھی الحمد للہ رب العالمین فرمایا تھا اور اختتام وصفِ الوہیت پر ہوا۔ الہ الناس فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسی کی شکرگزاری کے ساتھ عبادات و

اطاعت میں عمر گزاری جائے۔ وله الحمد ظاهراً وباطناً۔ (الله اکبر)

بتاریخ ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ بوقتِ صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی۔

قطعہ تاریخ از مولوی سکندر یار خان صاحب دہلوی

سلمہ اللہ تعالیٰ

زہے تفسیر حقانی تصنیفاتِ مولانا — زدیدارش فرو ریزد بدل نوارِ فیضِ حق
سکندر جست تاریخش زہاتف این ندا آمد — شدہ تاریخ سالِ او گل از گلزارِ فیضِ حق

۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

لکھی تفسیرِ حقانی ہے کیا خوب — مصنف کو خدا نے دی جو توفیق
ہوئی تاریخ کو جب فکر مجھ کو — کہا دل نے یہ ہے تنویرِ تحقیق

۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

شدہ تفسیر حقانی چہ مرغوب — زدیدارش نمودِ منظرِ حق
نمودم فکر بہرِ سالِ تاریخ — بگوش آمد ندا ایں مظہرِ حق

۱۳۱۴ھ

هذا ماسطره فخر العلماء الاعلام الحبر القمقام زير الاسلام المدرس فى مدينة النبى الكريم عليه الصلوٰة والسلام مولانا عبدالرحمن احمد بن عبدالقادر المدنى سلمه الله عن شر كل غوى وغبى

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدالمن جعل كتابه العزيز اصلا للعلوم و بابا للسعادة- وسببا للفوزوالنجاة والهداية والسيادة- وجعل العلماء مفتاحا لهذا الباب ونور ايستضاء بهم فى جميع البلاد- وفضلهم على من سواهم من خلقه من حاضر وباد- فقال جل من قائل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون وقال هل تستوى الظلمات والنور ففيه كفاية لاهل الشعور- وشكر المن اصطفٰى منهم من شآء لخدمة كتابه الاسمى الكريم- وافاض عليهم من فتوحات الالٰهية لفهم مبانيه وتفسير معانيه مايقف دونه فهم كل فيلسوف وحكيم- ونظمهم فى سلك قوله تعالىٰ ومايعلم تاويله الاالله والراسخون فى العلم- واصلى واسلم على المخصوص بجوامع الكلم و الهادى الى اقوم الطريق وعلى اله واصحابه الواصلين غاية السبق فى ميدان التحقيق- امابعد فيقول الفقيرالى رحمة ربه الغنى عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر الياس المدنى خادم العلوم ببلدة اشرف رسول واكرم نبى- انه اقتعدت غارب الاغتراب وانثنى الغربة عن الاقران والاتراب ودخلت بلادالهند مجبورا عن التقدير قائلارب لماانزلت الى من خير فقير وجعلت جل قصدى فى هذا السفر الاستفادة والافادة ودفع الغموم والهموم بملاقاة العلماء السادة- كماهو داب السلف الكرام وعادة- كيلا اؤب صفراكيدين وارجع نجفى حنين فحلولى ووصولى اليها فزت بالعلماء الكرام وظفرت بزيارة الكملاء العظام منهم مفتى الانام المرجع فى جميع الاحكام البحر الذاخر الحبر الماهر السحاب الماطر عديم النظير فى هذا الجم الغفير شيخ المشائخ العلم الشامخ الملقب بحجة الله المفتى مولنا لطف الله متع الله المسلمين بطول بقائه ونضّر رياض العلوم ببهائه ومن جملة ماطلعت عليه بتوفيق العليم الحنان تفسير القرآن العظيم الشان المسمٰى بفتح المنان فوجدته مريدا فى جنسه جامعا لكل المحاسن فى نفسه غميم النفع لكل عالم وطالب علماء فى فنه يهتدى به الى جميع المطالب كشف عن مخدرات المعانى القناع بحسن بيان وتوضيح واقناع يشفى به الداء العضال ويزاداد المهتدى به هداية ويهتدى به الضال هوالبحر الا ان للبحر ساحل وللبحر جزروليس له جزر كيف لاوهوتاليف العالم العلامة البحرالمدقق الفهامة وحيد دهره وفريد عصره الجامع بين المنقول والمعقول من فروع واصول من شدت عليه الفصاحة نطاقها ومدت اليه البلاغة رواقها وسلمت اليه دقائق المعانى اعنتها ورقائق ازمتها حتى صاربحرامده لايصارم ولايبارٰى وفردا فى حلبة العلم وميدانه لايسابق ولايجارى ببابه تحط المشكلات رحالها فتصدرعن رحابه وقد حل اشكالها جامعا لجميع المجامد والمفاخر صادقاعليه قول الشاعر ؎

ليس على الله بمستعبد ان يجمع العالم فى واحد

وهوالشيخ مولنا ابومحمدعبدالحق الدهلوى بيدا انى اطلب من مؤلفه ادامه الله وبلغه مناه فى أخرته ودينا ه ان يترجم بلسان العرب وارجومنه اجابتى لهذا المطلب ليعم نفعه اهل كل لسان من قاص و دان واسئل الله الكريم رب العرش العظيم ان يحسن له ولى العواقب ويكفينى واياه شركل حاسد مراتب وان يجمعنى واياه فى دارالنعيم ببركة نبيه

الكريم انه علىٰ مايشاء قدير وبالا جابة جذير واصلى واسلم على سيدنا محمد صلوٰة مستمرة الدوام واله واصحابه ومن تبعهم واهتدى بهديهم من الانام-

هذا ماكتبه الفاضل الكامل العارف العامل شيخ الطريقة العلية القادرية مولنا محمدعمر الملقب بشاه سراج الحق انار الله سراجه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان وعلمه البيان وانزل على عبده أيات بينات من الهدٰى والفرقان والصلوٰة والسلام علىٰ افضل الانبياء سيدنا محمداكرم الخلق من الانس والجان الموبد باوضح الحجج والبرهان المبعوث بالكتاب العلى الشان وعلى أٰلهٖ واصحابه البالغين اقصى البراعه والبيان المنعوتين فى الصحف والقرآن وبعد فان الفاضل الاديب والكامل الاريب صدرا لا فاضل فى المعقول والمنقول فخر الاماثل فى الفروع والاصول عالم انوار التفاسير القرآنية ماهراسرار الاحاديث النبوية المحقق المدقق سيدنا واستاذنا الاحق مولانا ابومحمدعبدالحق لازال ذاته محققاللحق ومبطلا للباطل قدصنف كتابا جليلًا المسمّٰى بالتفسير الحقانى جامع نكات الاصولية والفروعية فاتح مغلقات العقلية والنقلية حيث لم يسمعها الاٰذان ولم يرعيون الازمان معجبة للنواظر ومطربة للجواهر تميل اليها الطباع وتلذذبها الاسماع كافية للمتمسكين بعروة الوثقٰى وافيةً للمتشبثين بغايه القصوى- وانى يختفى للشمس ضوء عن ابصارفى ضحوالنهار- وكيف يسرد فرالمسك يخثو- خياشم الورى فى يوما حار- فيا ايهاالطالبون الصادقون هملوا الى مقاصد كم واشكرواالى انجاح مراصدكم فانه نعم البضاعة واحسن متاع الدنيا والاٰخرة واٰخر كلامنا وختم مرامنا ان الحمد لله رب العلمين-

حرره العبدا لاحقر المدعو محمد عمر المقلب بشاه سراج الحق-

یہ تاریخیں حضرت فاضل اجل شاعر بے مثل علامہ فہامہ وفریدِ زمانہ فخر عرفی رشک فیضی خسروثانی مولنا مولوی عبدالعلی لکھنوی ومدراسی نے ارسال فرمائی ہیں۔ناظرین حضرت کا تہ دل سے اور مصنف صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں

حامداً مصلیاً

تواریخ عربی وفارسی واردوی تفسیر حقانی منظومہ حضرت آسی محمد عبدالعلی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ

تبصروقل ايها المستكين هوالحق للحق حصن حصين
لقد جاء حق بتفسير حق هوالعبد للحق حبر فطين
على رفعة الدرس بدر منير وفى مجلس الوعظ صدر امين
لاهل النوادى ندى الايادى لصرح الافاضات ركن ركين

سمندِ فکرو زخشِ عقل و خنگِ فکر راپے کرو — دمِ دعوائے ملی ہفت خوانِ راہِ عرفانی
روی درچہ چو نصب العین داری عینکِ تاری — شوی آگہ کتابِ حق نمارا اگر توبرخوانی
معاذ اللہ از حورے کہ می باشد پس از کورے — چساں از باغ درصحرا خرامد سروِبستانی
بحمدللہ درین دوران خزاں رفت و بہار آمد — چمد در صحنِ بستان ہر شجر از فرطِ ریّانی
برآ از قیدِ آب وگل در آور کاخِ جان ودل — بزن چوں بایزید ازسر خوشہا بانگِ سبحانی
برای نغز گفتاری چودر سفتن ہوا داری — کنی واچوں صدف لب را بآبِ ابرِ نیسانی
بہر مُل قلقلے مستی فزائی ازدمِ حق حق — بہرگل بلبلی دستان سرائی ازخوش الحانی
ازین اکسیر اعظم چوں مسِ دل راطلا سازے — دریں دیر سپنجی خاک افشاں بر زر افشانی
بدل در گنبدِ تن نعرۂ اللہ اکبر زن — مشو بزدل دریں منزل اگر شیرِ نیستانی
چو خواہی یسر عسرِ جادۂ جان ربِّ یسرخوان — والاطی نہ خواہد شدرہِ مشکل بہ آسانی
کرا قدرت کہ دریابد موادِ جوہرِ کلی — کرا طاقت کہ پیمایدسوادِ ملکِ امکانی
زروئے شرط انتاجِ قرانِ اصغر و اکبر — کل اندرجزنہ جزدر کل بشکلِ اول وثانی
بیااندر بلاغت ہم فصاحت راچہ می جوئی — ببیں اندر درایت ہم روایت راچہ میخوانی
بیفگن تودۂ خاک ای جان ببیں دنیائے دوں ہمت — بیفشاں آستیں اے دل بریں آلودہ دامانی
نہ باشی دریک آنِ دم وروزہ سن مولد ہم — نہ درچار خیشج و پنج حس و شش جہت مانی
چو نفسِ دون بدخالی چہ خواہی خانہ بربادی — چو بومِ شومِ بدفالی چہ جوئی خانہ ویرانی
کجازاید زشب آبستنِ دنیائے دوں فردا — کجا آیدزگرگِ نفس سرکش کارِ چوپانی
بشواز صفحۂ دل نقشِ دنیائے دنی یکسر — بکن حاصل مقامِ ملا اعلیٰ از پر افشانی
ہمیں نسبت بودبانوعِ سافل جنسِ عالی را — کہ فوقانی بودایں جنس وآں نوعست تحتانی
بدست اندر دریں رہ ہریکے حیران و سرگرداں — چہ کلکِ گوہر افشانی چہ سلکِ سبحہ گردانی
کجا این نارسائی کمندِ دستِ کوتاہی — کجا آن ذروۂ بامِ فلک سائے ثناخوانی
ملک در ذکر اوحیران فلک در فکر او گردان — بعشقش مہرومہ دارد در آتش لعلِ حیرانی
براہلِ ظاہریت رای را برروئے آوردن — بداں ماندکہ برگنبد نہی جوزِ خراسانی
جمالِ شاہدِ عین العیونِ واجب اعلیٰ تر — زدرکِ قوتِ درّاکہ اعیانِ امکانی
ہمانا درکِ کنہ حمدونعت واجب و ممکن — برون ست ازدرونِ سرحدِ امکانِ انسانی
کشاباب حجازی از حقیقی و زمجازی ہم — سراخوش نغمہ ہم زن زخمہ برقانونِ حقانی
ہمانا اندرین آبادیٔ دیرِ خراباتی — چوطفلان میکنی ازخاک و گل تعمیرِ ویرانی
بدارم گوہرِ سلکم ببازارِ خریداری — بیارم اشہبِ کلکم بمضمارِ سخن رانی
وہم سرور ہوائے چرخ شہبازِ سخن دانی — سمندِ خامہ را آرم درین میدان بجولانی

سرم شد مخزن الاسرار و جانم سبحۃ الابرار — کہ گشت ایدربرویم فتحِ بابِ سرِحقانی
منم امروز سفیر الحقائق ہمچو غزالی — منم امروز تحریر الدقائق ہمچودوّانی
ہم اکنون وبرویم شیخ اول کودکی نادان — ہم ایدون شیخ ثانی پیشِ من طفلِ دبستانی
قلم اندر کفم ہمچوں علم برصفحۂ میدان — زبان اندر بیان در معرکہ تیغِ صفاہانی
منم امروز کشفاف المعانی ہمچو جار اللہ — منم امروز خلاق المعانی ہمچو خاقانی
بیابنشیں ببین لختی دریں تحریرِ حق گوئی — بخواں پہ پہ بگووہ وہ بریں تفسیرِ حقانی
اگر داری ہوائے ہائے وہوی حق سرائیدن — بیابشنو صدائے نغمۂ تفسیرِ حقانی
بنہ یکسو خیالِ ہفت خوان رستمِ دستان — بطیِ وادیِ سی منزل تفسیرِ حقانی
طبیعی و ریاضی و الٰہی تا کجی خوانی — بیابنشیں بخواں حرفے ازیں تفسیرِ حقانی
اگر پرسی زمن احوالِ ایں تفسیر میگویم — جہان اینست و جان اینست وجااینست گردانی
اگر راز و نیازِ حق شنیدن آرزو داری — بیابنگر دریں تفسیر اسرارِ خدا دانی
تونافہمی بدیں تقریر اگر مصحف نیاموزی — تونادانی بدیں تفسیر اگر قرآن نمیخوانی
ازیں تقریر فرقان گوئی از تفسیر خواہی برد — ازیں تفسیرِ قرآن پنجہ با سفیرِ ہوّانی
خدایا تابلب آید دلیلِ واجب وممکن — مسلم بادامکان راخطش چوں خطِ برہانی
چہ حق علم الیقین عین الیقین حق الیقین باشد — چہ حق الحق احق باحق شدایں تفسیرِ حقانی
چنین تفسیر نتوان یافت کس در عالمِ امکان — وَاِلَّا فَاْتِنَا یَا مُدَّعِیْ بِالْمِثْلِ[1] وَالثَّانِی
نہ چیدہ دامنِ گلچیں چنیں خنداں گلِ رنگین — ندیدہ دیدۂ حق بیں چنیں تفسیرِ حقانی
چہ تفسیر آنکہ باشد غیرتِ تفسیرِ بیضاوی — چہ تفسیر آنکہ باشدروکشِ تفسیرِ شوکانی
چہ تفسیر آنکہ مستغنی است از تفسیرِ این وآں — چہ تفسیر آنکہ مستعلی ست برعرشِ سخن دانی
چہ تفسیر آنکہ تحریر از سوادِ عین حور العین — چہ تفسیر آنکہ تقریر ازحدیثِ شاہِ عدنانی
چہ تفسیر آنکہ توضیحِ حدیثِ سرورِ عالم — چہ تفسیر آنکہ تلویحِ کلامِ ربانی
چہ تفسیر آنکہ باشد مخزنِ اسرارِ لاہوتی — چہ تفسیر آنکہ باشد مطلعِ انوارِ سبحانی
چہ تفسیر آنکہ باشد مرکزِ ادوارِ دینداری — چہ تفسیر آنکہ باشد نقطۂ پرکارِ ایمانی
چہ تفسیر آنکہ تعلیمش علم در عالمِ امکان — چہ تفسیر آنکہ تادیش مؤدب باادب دانی
چہ تفسیر آنکہ در آفاق نامش نامورآمد — چہ تفسیر آنکہ در عالم علم اسمش بحقانی
چہ تفسیر آنکہ کشفِ سرحق جوئی و حق پوئی — چہ تفسیر آنکہ شرح تین حق گوئی و حق دانی
چہ تفسیر آنکہ دانندش ز تفسیرِ کبیر اکبر — چہ تفسیر آنکہ خوانندش زہریک قاصی ودانی
چہ تفسیر آنکہ گوئی زابشارِآب ورنگِ سنگ — بدارد دربغل صدجلوۂ سروِچراغانی

[1] سن مثلہ

چہ تفسیر یکہ از علامۂ علمِ کلامِ حق — چہ تفسیر یکہ از فہامۂ منطقِ برہانی
چہ فہامہ کہ نامی نامِ اوعلامہ عبدالحق — کہ حق برنام اوزدسکۂ تفسیرِ حقانی
ازان جوہر نما دریائے زنارِ گہر نجی — وزیں گوہر نماطغرائے تسبیحِ سلیمانی
ازاں الطف نسیمِ نافہ ریزِ مشکِ تاتاری — وزین الطیب شمیمِ نفحہ بیزروح و ریحانی
ازاں مسدود اسبابِ تاویلاتِ لایعنی — وزیں مردود شد اسبابِ تسویلاتِ شیطانی
چہ تفسیر آنکہ باشد مجمعِ علم و فنش جامع — چہ تفسیر آنکہ باشد مولوی عبدالحقش بانی
چہ عبدالحق کہ الحق نامِ ادبر صفحۂ ہستی — شرف داردبراسما ہمچو بسم اللہ عنوانی
چہ عبدالحق کہ تحدیثش بود تحدیثِ حق بینی — چہ عبدالحق تفسیرش بودتفسیرِ حقانی
چہ عبدالحق کہ ذہنش واقفِ اقوالِ غزالی — چہ عبدالحق کہ طبعش کاشفِ امثالِ میدانی
چہ عبدالحق کہ اوانسان عین وعین انسان ست — چہ انسان کزوی این صنعتِ تعالیٰ شانِ انسانی
ہم اودرخیز و میز مطلبِ فقہ و حدیث اکمل — ہم او درذوق و شوق مقصدِ تفسیرِ حقانی
دمِ تقریرِ منقولی مدقق ہمچو شیبانی — بوقتِ بحثِ معقولی محقق ہمچو دوانی
کمندِ منطقش رانردبان نہ طاقِ مینائی — سمندِ حکمتش راہمعنان گردون گردانی
چمن پیرائے عقل دہنگ اہل الرای علمِ دین — بہار آرائے آب و رنگِ باغ فقہ نعمانی
بذاتش ختم شد تفسیر ہربابے وہر نوعے — بوصفش صادق آمد بحرِزخارہمہ دانی
کسش چہرہ نشداندر چہار اقلیمِ ہندوستان — بل اندرہفت اقلیمش نزدپہلو بہ سحبانی
ولے تصدیقِ آں فرموداین معجزنما سفرے — بلے مصداق آن گروید این تفسیرِ حقانی
بفیض وجود وبخشش موجۂ سرچشمۂ جاری — بفضل و علم و دانش لجۂ دریائے عمانی
اگر حق برزبان آری چنیں حبرِ مفسررا — محقق میتواں دانی مدقق میتواں خوانی
مفسر ایں چنیں باید محدث ایں چنیں شاید — کہ ازسرّد احادیث آورد تفسیرِ حقانی
بہ نثر جانفزائے دل وحید و فیضی وطغرا — بہ نظمِ دلکشائے جان حکیم و قدسی و شانی
بایں جادو بیانی سحر خوانی نیست مانندش — نہ جامی و نظامی ہم نہ فردوسی نہ خاقانی
علاجی دردِ قومی رازہے حاذق طبیب آمد — کہ در دارالشفائے اونماید دردِ درمانی
زسنگ سخت ایں کوہِ گراں بے دعوی معجز — عصای زدبرآورد آب چوں موسیِ عمرانی
چہ سرہا گفت ازہرباب معقولی ، منقولی — چہ درہاسفت درسلکِ سیاقِ نظمِ قرآنی
کشود از ناخنِ فکرِ رسا آں عقدِلاینحل — کہ درحلش عقولِ عشرہ عاجز شدز نادانی
بحمدللہ بصد تصحیح و تنقیحے کہ می باید — چہ خوشخط طبع شد شرحِ کلامِ پاک ربانی
معانی از مبانی و زمعانی رازہا روشن — چوزیرِ برقعِ زربں نمایاں شکلِ نورانی
نماید منجلی خطِ جلیش چشمِ پیراں را — ضعیفاں را فزاید قوتے ازقوتِ روحانی

انیسِ جلوت و کثرت جلیسِ خلوتِ وحدت — رفیقِ عزلت و صحبت رحیقِ فیضِ سبحانی
بیاضِ روشن از روشِ سوادش جلوۂ دارد — تو گوئی صبحِ نورانی دمیداز شامِ ظلمانی
مبانی یاسمن بویان مثانی رشکِ گلرویان — معانی عنبریں مویان ہمہ در عنبر افشانی
برون اوصافِ شان زا ارایش انفاسِ اوہامے — بری دامانِ شان ز آلایشِ الواثِ شہوانی
توگوئی سبز پوشانِ گلستانِ قدم اینجا — بصد فرگشتہ نازل از فرازِ عرشِ رحمانی
اگر از مضمونِ نُعمت مصدرِ اوصافِ قہاری — گہ ازفحوای نعمت مظہرِ الطافِ پنہانی
بخوانِ سلوتت خواہد چورو برمائدہ آری — بسوئے وحدتت خواند باخلاص اگر خوانی
سوادش غیرتِ لیلا بیاضت روکشِ بیضا — ضیائے طبع خندد برضیائے صبح خندانی
بچشمِ قیس و ہم چشمِ زلیخا ہر دوباید دید — جمالِ شاہدِ لیلیٰ کمالِ ماہِ کنعانی
نظردر سنبلِ پیچانِ زلفِ سطرِ اوقیدی — نگہ در دور ہائے حلقۂ آیاتِ زندانی
پئے دلدادگانِ شاہدِ خوش خال زیباخط — بودحسنِ خطش، آئینہ دارِ حسنِ وحدانی
ازین آئینہ باید دید حسنِ صورت ومعنی — وزیں گنجینہ شاید چیدرُہائے ثناخوانی
بہرلفظش بودفتح الخفائے سرِپیغمبر — بہر حرفش بودکشف العظای رازِ ربانی
مصفا صفحہ تاب از چشمۂ خورشید خاوربرد — مجلّا کاغذآب از چادرِ مہتابِ نورانی
چہ گویم صورتِ مطبوع طبع آب و رنگِ سنگ — کہ شدآئینہ ازفرطِ صفایش غرقِ حیرانی
لباسِ طبع پوشید و فزون شد جوہرِ حسنش — چہ جوہر جوہرِ تاباں رشکِ لعلِ یمانی
صفایش راچہ میپرسی جلایش راچہ میخواہی — ہر آئینہ در آئینہ نماید شکلِ حیرانی
بنامِ ایزدکہ از حسن و صفائے آب و رنگِ او — پریدہ آب و رنگ از جوہرِ یاقوتِ رمانی
بہر مبنی و معنی باہمی ربط آنچناں باشد — کہ قلب لام الف واقع شودچوں لام الف خوانی
مسلسل سطر پیچاں آب و تاب از سلکِ لولوبود — چہ لو لو لو لو لالاچہ لاالالۂ قانی
ہم آمد حال راسیرت نمائے صورتِ جانان — ہم آمدقال راصورت نمائے سیرتِ جانی
ہم اسرارِ خداوندِ قدم را جامِ جم آمد — ہم آئینہ نمائے شکلِ حالِ شاہِ عدنانی
بیاض صفحہا خندہ کناں برصفحۂ دندان — سوادِ حرفہا چشمک زنان برچشمِ فتانی
سوادش از سوادِ زلف لیلای خدابینی — بیاضش از بیاضِ روئے سلمائے خدادانی
سواد اندر بیاضِ او ہویدا روشن اندردل — بیاض اندرسوادِ اوبظلمتِ آبِ حیوانی
مصفا ازصفائے سطحۂ مرآت اسکندر — مجلّا از جلائے چشمۂ خورشیدِ نورانی
دو چشم لفظ و معنی عشوہ سازِ صورت و سیرت — دو زلفِ ظہر و بطن ایمائے پیدائی و پنہانی
الا اے جوہری بنگر درینجا حق نماجوہر — چہ جوہر جوہرِ گوہر چہ گوہر گوہرِ کانی
سطورش نظمی از جوہر چہ جوہر جوہرِ اصلی — حروفش نثری از گوہر چہ گوہر گوہرِ کانی

مخطط ہر ورق چوں خال و خطِ نوخطان آمد
چہ خط کز فرطِ خوبی خط کشد برخطِ ریحانی

بیای طالبِ تفسیرِ مصحف نقدِ دل برکف
کہ سودائے چنیں جنسِ گراں شد برتوارزانی

بطرزِ خوب وہم خوش طبع شدایں نسخۂ دلکش
بخوبی و خوش اسلوبی ندیدم مثلِ آں ثانی

بدیدہ سرمۂ جذب القلوب از نورِ حق بینی
بعارض غازۂ حسنِ قبول از رنگِ حقدانی

چناں مقبول عالم آمداز احقاقِ حق الحق
کہ چوں قرطاس زرّش میبرد ہر قاصی ودانی

زہے حسنِ قبولِ او کہ ہرگہ پیش کردندش
قبول آمد بدرگاہِ[1] نبی انسی وجانی

پس آسی خود نبی چوں سالش ازجبریل پرسیدند
بگفتا یارسول اللہ زہے تفسیرِ حقانی

بمیدانِ زبانِ فرس تااینجا سخن راندم
در اُردوئے معلّٰی ہم عنان تاہم بجولانی

پس ازعذرثنائِ حق و نعتِ شاہِ عدنانی
کہ ان دونوں سے گونگی ہے زبانِ نطقِ انسانی

کہاں ہے قوتِ دراکہ اور کس جاہے عقلِ کل
یہاں دونوں ہیں ابجد خوانِ حرفِ لوحِ[2] نادانی

کلامِ نفسی واجب کی کیونکر ہو ثنا ممکن
کہ نفس الامر میں امکان سے باہر ہے ثناخوانی

کہاں ممکن سے ہو ممکن ابد کے معنیِ واجب
کہاں حادث سے ہو حادث ازل کی شرح پایانی

کلامِ نفسی و تعبیرِ لفظی میں ہے ضدباہم
کہاں وہ واجبِ باقی کہاں یہ حادثِ فانی

کجاوہ فرعِ نامحکم کجایہ اصلِ مستحکم
کہاں وہ عقلِ یونانی کہاں یہ نقلِ ایمانی

کجا تشریق بیضا کی کجاتنویر مہتابی
کہاں تقدیس واجب کی کہاں تحدیثِ امکانی

جو دیکھو اس طلسمی خانۂ دنیا میں عبرت سے
کہ ویرانی میں آبادی ہے آبادی میں ویرانی

میں الحق حق ہی کہتا ہوں کہ جز علامہ عبدالحق
ہے کس میں ایسی حق گوئی وحق بینی وحق دانی

ہے منطق ان کی لونڈی اور حکمت ہے غلام ان کا
بجا ہے گر کہوں میں ان کو شیخِ اول و ثانی

مطب میں بوعلی سینا و افلاطون و فارابی
ادب میں سیبویہ و ابنِ رشد و شیخ جرجانی

کہوں کیونکر نہ ان کو شہسوارِ عرصۂ معنی
کہ ہر دم زیرران ان کے ہے شبدیزِ سخن رانی

فصاحت میں ہیں جرجانی بلاغت میں ہیں میدانی
روایت میں ہیں رزقانی درایت میں ہیں وڈانی

ہے زیبا جولکھیں اربابِ فضل ان کی فضیلت میں
ہے اولیٰ جو کریں اصحابِ علم ان کی ثنا خوانی

علَم کرتا ہے ان کا علمِ حق اظہار عالم میں
قلم کرتا ہے ان کا مثل نیساں کی دُر افشانی

وہاں ہے حقۂ دُرہائے تفسیر و حدیث ان کا
زبان ہے چشمۂ آب روانِ فقۂ نعمانی

محقق ہو تو ایسا ہو مفسر ہو تو ایسا ہو
مناظر ہو تو ایسا ہو کہ بات اس کی ہو برہانی

بیان ہے دلگدازِ بزمِ ایوانِ سخن سنجی
زبان ہے یکہ تازرزمِ میدانِ زباندانی

ہے سرعت میں ہوائے تیزپائے فرشِ بحروبر
ہے رفعت میں ہمائے چرخ سائِ عرشِ رحمانی

وہ حرکت ارتجالِ فکر کی یاگردشِ گردوں
وہ جودت انتقالِ ذہن کی یابرقِ جولانی

---

[1] افتادد رگاہِ شاہ۔الخ
[2] ۱۳۱۴ھ

بتادیٔ مذہبِ تحقیقِ حق بینی کی راہِ راست
دکھادی اُس پہ رہِ حق دانی لی جولانی

نگاریں کلکِ گوہر سلکِ رنگا رنگ صنعتِ سے
عیاں ہے حال و خطِ نوعروسِ نظمِ قرآنی

ہر آیت کے وقائق اور حکایت لکھ دیے بالکل
بتائے کھول کر مصحف کے سب اسرارِ پنہانی

فصاحت اور بلاغت سے نہ پر کیونکر ہو یہ تفسیر
کہ اُردو و فارسی عربی کی حاصل ہے زباندانی

ظہورِ حق سے اس تفسیرِ حقانی کی حق یہ ہے
کہ گویا دہریوں اور ملحدوں کی مر گئی نانی

بہت ہیں اب بھی دجالون کذابون دنیا میں
سوا دجالِ اعور کے کہ ایک آنکھ اس کی ہے کانی

خصوصاً دہریت اور نیچریت کا ہے رد اس میں
باثباتِ بدیہیات و نظریاتِ برہانی

ہوا ہے منکروں پر ظاہر اس تفسیر سے سب کچھ
جنان و دوزخ و میزان و حوض و حور وغلمانی

فنائے کائنات و نفخِ صور وحالتِ برزخ
عذابِ قبر و ایجابِ سوال و حشرِ ابدانی

مگر سچ پوچھو تو ہر ایک نے اطرافِ عالم میں
اسی تفسیر سے قدر اس مفسر کی ہے پہچانی

کتب فُصِّلَت آیاتُہٗ تفصیل میں بیشل
کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُہٗ حکمت میں لاثانی

ہوئی سرد اس سے بالکل دہریت کی گرم بازاری
کہ گویا آگ پر باطل کی حق کا پڑ گیا پانی

یہ آئینہ ہے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا
یہ گنجینہ ہے لعل و گوہرِ ایمان کا لاثانی

ہے جس سے بڑھ گئی سب دینِ حق کی حق نما شوکت
ہے جس سے گھٹ گئی سب نیچری دریا کی طغیانی

ہے جس سے عسکرِ ابرار کی جمعیتِ خاطر
ہے جس سے لشکرِ کفار کی ثابت پریشانی

کہیں تحقیقِ ربط و وقف و وصل و ضبط قصرومد
کہیں تدقیقِ رسمِ خطِ توفیقی عثمانی

کہیں احقاقِ حق ہے اور کہیں ابطالِ باطل ہے
کہیں ہے علمِ ایمانی سے ردِ فنِ یونانی

مبانی اور معانی میں ہے ربط و اتحاد ایسا
کہ جیسا لام الف میں لام الف کا ربطِ وجدانی

نہیں تشبیہ یہ لائق ہے فائق اس سے ربط اس کا
کہ نقطہ حظ میں حظ نقطے میں یہ نکتہ ہے پنہانی

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ آیاتُہٗ شانِ نزول اس کا
کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُہٗ اس کی ثناخوانی

یہ ہے تفسیرِ حقانی ہے حق یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی
ہوا ہے ظاہر اس تفسیر سے اعجازِ قرآنی

سوادِ لفظ سے ہے جلوہ گر بینا ضیا معنی
عیاں جس طرح مشکیں کاکلوں سے شکلِ نورانی

بحمداللہ کہ کیا ہے چھپ گئی تحقیق وصحت سے
زہے تفسیرِ قرآنی خجے تقریرِ فرقانی

اگر چاہو نجاتِ اُخروی اور دولتِ دینی
لو اس کو نقد جان و دل سے اے اخوانِ ایمانی

چلو! اے جوہرِ تفسیرِ قرآن کے خریدارو
کہ پائی گوہرِ جنسِ گراں نے کیا ہے ارزانی

سوا نیزے پہ جب خورشید ہو گا روزِ محشر میں
یہی تفسیر ہو گی سر پہ چترِ ظلِ سبحانی

ملے گا اجر اس تفسیر کا سب پڑھنے والوں کو
رہے گا فیض اس کا تابقائے عالمِ فانی

ہے اس میں غایتِ اعجاز کی معجز نما تاریخ
ہے اس میں آیتِ مصحف سے نکلا سال لاثانی

پس اسی آیتِ قرآن سے اس تفسیر کی آئی کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیاتُہٗ تاریخِ قرآنی

تاریخِ اختتام

تفسیر حقانی وخاتمہ جلد ہشتم درسال ۱۳۱۴ھ از جناب ساقی دادخان صاحب

بحمداللہ ز فضلِ کبریائی بہ تکمیل آمدہ تفسیرِ شیریں
زمولٰنائے عبدالحق محقق زہے تفسیر باتقریرِ شیریں
چوشد تفسیر حقانی نامش برائے اہلِ دین تفسیرِ شیریں
بتقلیدِ صحابہ و آئمہؒ بطرزِ کاملیں تفسیرِ شیریں
پئے دفعِ مطاعن تلخ اعدا ضرورت بوداز تفسیرِ شیریں
زتورات وانا جیل ودساتیر خبرہا میدہد تفسیرِ شیریں
زہیدِ ہندواں وکیدِ نیچر کشاید عقدہا تفسیرِ شیریں
قبائحِ شرک وہم اوہامِ بدعت صراحت میکند تفسیرِ شیریں
زمکرو خدعۂ اعدائے اسلام خبردارت کندتفسیرِ شیریں
غرض بہرِ افادہ دینِ برحق زحق دارداثر تفسیرِ شیریں
جزاک اللہ اے علامۂ عصر چہ خوش آوردۂ تفسیرِ شیریں
عدورا پا شکست از بہرِ تاریخ سروشم گفت ازتفسیرِ شیریں

۱۳۱۴ھ

تاریخِ تفسیرِ حقانی نتیجۂ فکر شاعرِ بے بدل منشی مکمل حکیم غلام محی الدین صاحب متخلص بندہ

حنفی القادری ثم چشتی النظامی سیکرٹری انجمن محافظ حجاج وانجمن تبلیغ الاسلام ومالک شفاخانہ فیض واقع شہر بمبئی

لوحش اللہ دفتر لاریب فیہ معنی وتفسیرِ قرآن حبذا
ازتفاسیر ست ایں تفسیر نیک دادتصریحاتِ شرح و بسط را
کردہ ز استدلالِ عقلیہ ثبوت شانِ توحیدِ جنابِ کبریا
گشت ردہر سوالِ منکریں ازجوابِ شافی وعلمِ خدا
برصفات و ذات و اثباتِ ملک بروجودو شکل و ماہیت بسا
کرد بحث آورد اقوالِ نبیل بادلائل باوثوقِ اہتدا
دفعِ شبہات و شکوکِ ملحدین کرد در وجہِ نبوت جابجا
غیرادیان وملل رانسخ ساخت ازبراہین و حج صدمرحبا
اختلافِ قرأت و قراء ہم زدرقم از خامۂ معجز نما
از جوابِ شافیش لب بستہ اند منکرینِ معجزاتِ انبیاء
گشت این تفسیر خضرِ راہِ حق بہرِ گمراہانِ دینِ مصطفیٰ
بہر ہر نیچر جوابِ باصواب داداز آیات و تفسیرِ ھدا
شرحِ روح و عالمِ اخری نوشت کرد اثباتِ جزاوہم سزا
ایں مفسر کیست اسمِ سامیش برزبانِ من رواں شدمرحبا
بومحمد عبدحق ذی فضل و علم رافعِ شرحِ محمدؐ مصطفا
فاضلِ اکمل فقیہِ بے مثل عالمِ علمِ حقایق باخدا
ماحیِ تاریکیِ بدعات و شرک جلوۂ خورشیدِ ورع و اتقا
معرکہ آرائے بحثِ علمِ دیں مردِ میدانِ حقایق بے ریا
باز نازان ست نطقم برزباں بازشدجاں و دلم فرحت فزا
اے کہ درعہدِ ہمایوں طبع شد نام والا برلبِ آمد حبذا
آں نظام الملک آصف جاہ و شان میر محبوب علی خاں ذوالعطا
شاہِ اسلام و شہِ ملک دکن عدل گستر خلق پرور باخدا
ناز برعہدِ شہِ ملکِ دکن می کند تفسیر حقانی بجا
مژدۂ طبعش چوشد شہرت پذیر فکر لاحق شد پئے سن بندہ را
مصرعۂ تاریخ دل ناگاہ خواند طبع شد تفسیرِ حقانی چہا

۱۳۱۳ھ

قطعاتِ تاریخِ تالیفِ تفسیرِ حقانی از نتیجۂ طبع شاعرِ بے بدل فاضلِ بیمثل حافظ محمد یعقوب صدیقی متخلص بہ انیق جونپوری ابن شیخ رمضان علی صاحب

قطعہ

مرحبا فاضل علامِ ادیبِ بے مثل — چست کیا آپ کی تقریر ہے ماشاء اللہ
یہ طلاقت یہ سلاست یہ روانیِ کلام — کیا ہی جادو بھری تحریر ہے ماشاء اللہ
ایسی تفسیر نہ دیکھی نہ سنی ہو گی کبھی — واعظو! لو۔ زہے تقدیر ہے ماشاء اللہ
مرضِ جہل و ضلالت کے مٹانے کو انیق — واقعی نسخۂ اکسیر ہے ماشاء اللہ
ایسی تحقیق و دلائل سے مدلل کہئے؟ — اُردو میں کون سی تفسیر ہے ماشاء اللہ
کہہ دو یہ منکر بے دین سے کہ رستہ کاٹے — دینِ حق کی کھلی شمشیر ہے ماشاء اللہ
مرض شرکِ و جہالت کا اڑا دے خاکہ — نسخۂ حق کی یہ تاثیر ہے ماشاء اللہ
آئے آئینۂ تحقیق میں صورت دیکھے — ہاں کدھر منکرِ بے پیر ہے ماشاء اللہ
کیوں نہ مقبولِ خلائق ہو کلامِ حق ہے — چار سو دہر میں تشہیر ہے ماشاء اللہ
کور باطن اسے آنکھوں سے لگائیں آ کر — نسخۂ سرمۂ تبصیر ہے ماشاء اللہ
لکھ دو اب بے سر افراط سن ہجری یہ — واہ جی کیسی یہ تفسیر ہے ماشاء اللہ

۱۳۱۳ھ

ایضاً

کیوں نہ ہو بیمثل تفسیرِ مقدس لاکلام — اور اُردو میں کوئی تفسیر ایسی ہے کہو
یہ وہ محبوب دل آرائے جہاں ہے زاہدو! — ہے بجا اس کے لیے گرجان سے سودا کرو
شکرِ خالق کا بجا لاؤ کہ عین احسان ہے — تمغۂ اسلام یہ حق سے ملا ہے واعظو
ایسی جامع ہے یہ تفسیرِ مقدس واہ واہ — دین کا اے مومنو حل اس سے ہر عقدہ کرو
دیکھ کر اس پایہ کی تفسیر اُردو میں انیق — بول اٹھا بے ساختہ دل کہ سن ہجری لکھو
بے سر آورد اک مصرع میں دو تاریخ ہیں — ناظر الاسلام منظورِ زمانہ ہے سنو

۱۳۱۳ھ ۱۳۱۴ھ

ایضاً

لکھی کیا ہے شرحِ کلامِ حق ہوئے حل معانی جو تھے ادق — ہیں کہاں محقق ماسبق کریں اس کی قدرومنزلت

ہے کدھر خیال ترا انیق ہے انتشاریہ کس لیے — سنِ ہجری تو سرِ احترام سے لکھ وسیلۂ آخرت

۱۳۱۳ھ

ایضاً

مرحبا، آفریں، جزاک اللہ — جذا اے مفسرِ علام
ایں چہ تفسیرِ دلبر زیباست — عشوہایش کشند جانِ انام
پائے علت چو دور ازو کردم — گشت تفسیرِ بے مثالش نام

۱۳۱۳ھ

ایضاً

تعالی اللہ چہ تفسیرِ مقدس — بہ سدرہ مدح خواں روح الامینش
بہ نورِ جلوۂ حسنِ معانی — ثنا خواں درجنان ہر حور عینش
سن ہجری سروش ازروئے ایمان — بمن گفتا بگو مرغوبِ دینش

۱۳۱۳ھ

ایضاً

لکھی واہ تفسیر کیا مرحبا! — فھذا من اللہ فوزکبیر
برابر کاسرکا ٹکرائے انیق — فقل ان ھذا عدیم النظیر

۱۳۱۳ھ

ایضاً

ہے لکھی تفسیرِ حقانی عجیب — ہر ورق کوڑا ہے بہرِ منکرین
مصرعۂ تاریخ ہجری کے لیے — تھی جو مجھ کو فکر انیقِ کمترین
ازسرِاخلاص بولا چرخِ پیر — اے جوان لکھ ہے یہ مہرِواعظین

۱۳۱۳ھ

تاریخِ طبع

ایں چہ تفسیر شد جہاں آرا — ہمہ آفات زدستِ نورانی
انکشافِ تمام یافت ازو — ہمہ اسرارِ سرِّ قرآنی
سالِ طبعش چو جستجو کردم — گفت ہاتف چراغِ ایمانی

۱۳۱۳ھ

دیگر قطعۂ تالیف

وللہ درالمولف انیق فھذا عجیب نصیح متین
ھدانی لاجل السنۃ ملھم الا ان ھذا کتاب مبین
۱۳۱۳ھ

دیگر تاریخِ طبع

شدہ مطبوع عالم مرحبا تفسیرِ قرآنی زہے انوارِ ایمانی خبے الطافِ ربانی
زسالِ طبع پرسیدند اہلِ طبع چوں ازمن دلم گفتا بگو۔ زہ طبع شد تفسیر حقانی
۱۳۱۶ھ

واضح رہے کہ ۱۳۱۳ھ میں یہ جلد ہشتم قریب الاختتام تھی شاعر فاضل نے تاریخوں میں وہی سال ملحوظ رکھا مگر ۱۳۱۴ھ میں اتفاق اختتام ہوا۔

تقریظ تفسیر حقانی (طبع ششم)

از جناب مولانا مولوی حافظ محمد عبدالتواب صاحب چشتی (مولوی فاضل) مؤلف سیرۃ الحبیب و برکات رمضان وحیاۃ بعد المماۃ وغیرہ

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ كَانَ وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا○ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَخُلَفَائِهٖ وَسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُبَشَّرِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا○ وَعَلَی الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِیْنَ الَّذِیْنَ فَسَّرُوْا الْقُرْاٰنَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا○ اَمَّا بَعْدُ

خلّاق عالم نے انسان کو عقلِ سلیم عطا فرما کر تمام مخلوقات پر اس کو فضیلت و برتری کا شرف عطا فرمایا۔ وَلَقَدْ[1] كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اور یہی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ حَیْثُ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور اسی ضعیف البنیان بے چارے انسان کو وہ بارِ امانت بھی سونپا گیا جس کے لینے سے تمام مخلوق نے ڈر کر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

(احزاب: ۷۲/۳۳)

ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اٹھالیا۔

اس بنی نوعِ انسان کے فردِ کامل جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کا خطاب عطا فرما کر نبوت و رسالت ہی کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب: ۴۰/۳۳)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ولیکن وہ خاتم النبیین ہیں۔

نزولِ قرآن

ان ہی نبی کریم اور مقدس ہستی رسولِ امی ﷺ پر وہ مقدس کتاب نازل فرمائی گئی جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام نامی سے ملقب و مشہور ہے۔ جس کی ہر آیت مومنین کے لیے باعث رحمت اور نسخہ شفا ہے۔ وَ نُنَزِّلُ[3] مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بنی اسرائیل: ۸۲/۱۷) جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اور اسلام ایک ہاتھ میں تبلیغی علم اور دوسرے میں قرآن شریف لے کر اقوامِ عالم کے سامنے آیا۔ وہ زمانہ نہایت تاریک اور ہر قسم کے معاصی صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پُر تھا۔ ہر چار سو کفر اور شرک و بت پرستی کی گھنگور گھٹائیں چھا رہی تھیں اور آفتابِ ہدایت کو جہالت کی بدلیوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی اور خدائے واحد کی یکتائی

---

[1] اور ہم نے انسان کو بزرگی دی۔ ۱۲ منہ
[2] میں زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔
[3] اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور موجبِ رحمۃ ہیں۔ ۱۲ منہ

اور اس کی قدرتِ کاملہ اور اس کی کارسازی کو کوئی جانتا سمجھتا نہ تھا اوہام پرستی کا زور تھا۔ کوئی جنات کو پوجتا کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتلاتا۔ وَجَعَلُوا[1] الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (زخرف: ع ۲ پ ۲۵) اس وقت داعیِ اسلام نے تمام اقوام کو بآوازِ بلند للکارا اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور فَاعْبُدُوْهُ وَاسْجُدُوْا لَهٗ کہ لوگو! تمہارا معبود حقیقی تو صرف خدائے واحد ہی ہے اور اسی ایک اللہ کی عبادت و پرستش کیا کرو اور اسی کو سجدہ کرو۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حم سجدہ ع ۵ پ ۲۴)

اثرِ قرآن

جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے کلامِ الٰہی کی آیات سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور خشیۃ خداوندی سے ایسی رقت طاری ہوتی کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ: ۵:۸۳)

جب وہ ان آیتوں کو جو رسول پر نازل ہوتی ہیں سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں کو دیکھیے گا کہ ان سے آنسو جاری ہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص قرآن شریف کی ترجمانی نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضور کی زبان مبارک قرآن شریف کی بہترین تفسیر تھی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم ع ۱ پ ۲۷) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن وحی منزل من اللہ ہے۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ضرورتِ تفسیر

جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفاءِ اربعہؓ کا زمانہ آیا۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہوا۔ الغرض یہ تمام کے تمام خیر القرون (اچھے زمانے) تھے کہ جن میں کلامِ ربانی کے مطالب و معانی جاننے اور آیاتِ الٰہی کی تفاسیر سمجھنے والے آنحضور ﷺ کے احباب و اصحاب اور اتباع بکثرت موجود تھے۔

اس دور کے جب اسلام اطراف و اکنافِ عالم میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور مختلف زبانوں مختلف مذاق اور مختلف طبقات کے لوگوں سے اس کو واسطہ پڑا تو کسی کی زبان عربی تھی تو کسی کی محض عجمی اور عربی زبان بھی تھی تو وہ عربی نہ تھی کہ جس صاف زبان میں کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔

اور عربانی زبان میں اتنے ماہر اور ایسے سمجھدار بھی سب ملکوں میں ایسے متبحر عالم نہ تھے کہ جو آیات کے ان مفہوم اور مصداق کو سمجھ سکیں۔ کہ جن اغراض کے لیے کلامِ الٰہی نازل ہوا ہے۔ اس لیے تفسیر کی ضرورت پڑی اور علماءِ ربانین نے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو کلام الٰہی کو تفسیر لکھنے میں صرف کر دیا اور تفسیر خازنؒ جلالین۔ بیضاوی۔ اتقان۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر کبیر۔ روح البیان۔ روح المعانی وغیرہ وغیرہ مستند مختصر و مطول اور مبسوط تفسیریں عربی لکھیں۔ (فجزاهم الله خيرا الجزا) جن کا علامہ مفسر حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمۃ القرآن میں تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر جبکہ یہ سرچشمۂ ہدایت (یعنی اسلام بادیۂ عرب اور اس کے مضافات کو سیراب کرتا ہوا بلادِ عجم کی سرزمین جہالت و بت پرستی اور خطۂ کفرستان یعنی ہندوستان تک پہنچا اور اس کی سیرابی اور شادابی کا باعث ہوا تو اہل ہند۔ فارس۔ ایران ترکستان وغیرہ کے مسلمانوں کی خاطر علماءِ کرام نے فارسی میں تفسیریں لکھیں۔

---

[1] اور لوگوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

شاہان اسلام کے عروج اور ہندوستان میں دار الخلافہ ہونے کے باعث فارسی کا دور دورہ تھا۔ سرکاری شاہی دفاتر کی زبان فارسی تھی۔ روزمرہ بول چال میں فارسی ہی بولی جاتی۔ الغرض تحریر و تقریر میں فارسی ہی زبان استعمال ہوتی تھی۔ شدہ شدہ تغیراتِ عالم کی نیرنگیوں سے وہ زمانہ آ گیا کہ یک لخت حالت بدل گئی۔ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند اور بلادِ ہند میں فارسی کی جگہ اردو زبان رائج ہو گئی اور ماہرینِ علوم عربیہ اور فارسی دان اساتذہ اور ان کے قدردان ایک ایک کر کے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یہ وہ زمانہ تھا کہ بلادِ ہند میں مسلم افراد کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور ان کے لیے

اردو میں جامع مانع تفسیر کی ضرورت

اور سخت ضرورت تھی۔ تو علماءِ ربانیین نے تبلیغ اسلام کی خاطر کلام الٰہی کے معانی و مطالب عام مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے اردو میں قرآن شریف کے ترجمے کیے اور بہت سی تفسیریں لکھیں جیسا کہ علامہ مفسر حقانی نے ذکر فرمایا ہے لیکن اردو بھی آئے دن اپنا رنگ اور لب و لہجہ بدلتی رہی اور زمانہ حال کے لوگوں کے لیے پہلے زمانہ کی اردو فارسی تفسیروں سے اخذِ مطالب کرنا اور معانی کا سمجھنا دشوار ہو گیا تو ان دقتوں کو دیکھ کر آج سے پچاس سال پیشتر علامہ مفسر حقانی نے اردو میں

تفسیرِ حقانی

لکھی یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں بھی توہم پرستی کا رواج تھا۔ الحاد بے دینی کا چار سو چرچا کہیں آریوں کی مادہ پرستی زوروں پر تو کہیں سناتن دھرمیوں کی مہادیو اور پیپل پوجا اور طرح طرح کی بت پرستی اپنا رنگ لا رہی تھی کہیں رام لیلا اور دسہرہ ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں تعزیہ پرستی اور گور پرستی کا مزاج ہے۔ بدعات کا اتنا زور کہ قبروں سے منتیں مانی جاتی ہیں کہیں اسلام کی بھی تعلیم اور اس کی توحید کے مقابلہ میں ثالث ثلثہ تین خداؤں کی خدائی جنگ کے چرچے اور قرآن اس کے خلاف پکار کر کہہ رہا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۱/۲۲) اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔

اور کہیں تعلیم جدید کے اثرات سے نیچریت اور دہریت کے باعث خود مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ شیعہ سنی الگ کٹے مرتے تھے۔ حنفیوں اور اہل حدیث میں آئے دن آمین بالجہر اور رفع یدین کی بابت تو تو میں میں ہوتی رہتی تھی ادھر عقائد اور ارکانِ اسلام کا انکار تو ادھر نیچریت اور دہریت معجزات اور بزرگوں کی کرامات۔ جنوں اور ملائکوں کے وجود سے منکر اور دوزخ جنت کو خیالی واہمہ بتلاتی تھی۔ معاذ اللہ منھا۔

عوام میں اتنی استعداد نہ تھی کہ ان شکوک و شبہات کا جواب دے سکیں اور خود تشفی حاصل کر سکیں یا عربی فارسی اردو قدیم تفاسیر سے اخذ مطالب کر لیں۔ کیونکہ قدماء کی تفاسیر کی عالمانہ عبارتیں اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لیے فخر المفسرین زبدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل مولانا مولوی ابو عبد الحق صاحب مرحوم و مغفور حنفی قادری چشتی دہلوی مفسرِ تفسیرِ حقانی نے

فتح المنان

کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر اردو میں لکھی جس میں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی صداقت اور ارکان اسلام و عقائد و عبادات و معاملات کو کلام الٰہی کے تحت میں الحمد سے لے کر والناس تک نمایاں طور سے ظاہر کرتے ہوئے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے پوری بحث

کی ہے۔ مخالفِ اسلام کا کوئی شک وشبہ یا سوال باقی نہیں چھوڑا کہ جس کا عقلی نقلی طور سے مسکت جواب نہ دیا ہو۔ پھر خوبی یہ کہ تفسیر سلف صالحین اور عقائدِ اہل سنت والجماعۃ کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ وَذَالِكَ[1] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اس تفسیر سے مستفید ہوسکتا ہے۔ علماءِ کرام اور عربی دان حضرات کے لیے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب شانِ نزول ربطِ آیات نیز صرفی نحوی لغوی تشریح وتحقیق۔ منطق وفلسفہ سے استدلال فنِ مناظرہ کے مباحث۔ علم معانی وبلاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموزِ نکات بیان فرمائے ہیں۔

عوام اردو دانوں کے لیے سلیس اردو میں زیرِ متن بامحاورہ ترجمہ۔ پھر ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ پھر صوفیائے کرام کے فیوضات وملفوظات اور تصوف کے اسرار ونکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں اپنا خاص رنگ اور روحانی اثر دکھلا رہے ہیں۔

اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمۃ القرآن میں علامہ مفسر حقانی نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں اور فوائد لکھ دیے ہیں جن کا جاننا ہر مفسرِ قرآن کے لیے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لیے لابدی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کیے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالبِ قرآن کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے الغرض یہ تفسیر ہر طرح سے قابلِ قدر تفسیر ہے جس طرح آج سے پچاس سال پیشتر اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح اب بھی بلکہ اس سے زیادہ اس کی طرف لوگوں کی حاجت ہے۔

کتبہٗ
فقیر محمد عبدالتواب چشتی غفرلہ از مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۴۹ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۰ء یوم یکشنبہ

---

[1] یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جغرافیۃ العرب

نحمدہ و نصلی

ہم نے تفسیر میں عرب کے جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں جو کہ قرآن مجید میں واقعاتِ گزشتہ بطورِ عبرت بیان ہوئے ان کی پوری کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی جب تک کہ جس زمین پر وہ گزرے ہیں اس کا صحیح حال نہ معلوم ہو جائے اور احادیث اور فنِ سیرت میں اور نیز فقہ میں جہاں عشری اور خراجی زمین کا بیان ہوتا ہے وہاں بھی بغیر جغرافیہ جانے اچھی طرح سے حال معلوم نہیں ہوتا اور استاد شاگرد دونوں پر جہالت کا پردہ پڑا رہتا ہے اور ہمارے معاصرین علماء کو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں۔ اس لیے جو جو غلط بیانیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان مدارس کے لڑکوں کو جو فنِ جغرافیہ وتاریخ سے ماہر ہیں مضحکہ کرنے کا موقع دیتی ہیں اور اسی طرح تاریخِ عرب نہ جاننے سے بڑی بڑی پرخطر گھاٹیوں میں گر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اسی لیے اکثر تفاسیرِ موجودہ میں ان فنون سے بے خبر مفسروں نے سخت غلطیاں کھائی ہیں جو اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں۔

ہم قدیم اور جدید جغرافیوں کو آگے رکھ کر عرب کا جغرافیہ اور مختصر تاریخ اور اسی طرح عراق اور جزیرہ اور شام اور کنعان اور ایشیائے کوچک کا بھی مختصر سا حال لکھتے ہیں کیونکہ اسلامی کتابوں میں ان ملکوں اور ان کے شہروں کا بھی ذکر آتا ہے۔

(من کتاب مسالک الممالک لابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطرخی المعروف بالکرخی المطبوع بمطبع بریل لیڈن ۱۸۷۰ء)

ملک عرب ایک مستطیل زمین ہے جس کو بحرِ فارس مقام عباداں سے کہ جہاں دجلہ نہر آ کر ملتی ہے احاطہ کرتا ہے اور پھر بحرین شہر کو احاطہ کرتے ہوئے شہر عمان تک پہنچتا ہے۔ پھر سواحلِ مہرہ وحضرموت کو احاطہ کر کے عدن کی طرف مڑتا ہے پھر شمال کے رخ ایک کھاڑی بن کر چلتا ہے اور جدہ تک پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ حجاز ومدین تک جاتا ہے اور وہاں سے بھی گزر کر اس کھاڑی کی کہ جس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں دو شاخوں میں سے ایک ایلہ پر تمام ہو جاتی ہے اور دوسری شاخ تلران اور حُجیلات سے ہو کر قلزم پر تمام ہو جاتی ہے اور اسی لیے اس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں۔ یہ عرب کی شرقی اور جنوبی اور کسی قدر غربی حدود ہیں۔

پھر حدِ عرب ایلہ سے شروع ہوتی ہے اور شہر لوط اور جھیل مردار سے (اس کو بحیرہ زغر بھی کہتے ہیں) ہوتی ہوئی شراۃ ویلقاء کو طے کر کے جو علاقہ فلسطین سے ہیں اذرعات اور حوران اور ثنیہ وغوطہ کے پاس سے گزر کر جو علاقہ دمشق سے ہیں تدمر وسلمیہ کے قریب سے گزرتی ہوئی جو علاقہ حمص سے ہیں۔ پھر خناصرہ اور بانس کو طے کرتی ہوئی جو قنسرین کے علاقہ ہیں فرات ندی تک جا ملتی ہے پھر یہاں سے اس شمالی و شرقی حد کو دریائے فرات تمام کرتا ہے جبکہ وہ رقہ اور قرقیسا اور رحبہ اور والیہ اور عانہ اور حدیثہ اور ہیت اور انبار کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر یہ حد کوفہ کے پاس سے ہو کر فرات کے دہانوں پر تمام ہو جاتی ہے۔

پھر وہاں سے یہ حدیوں چلے گی کہ اس کو کوفہ شہر کے نواح سے لو اور حیرہ اور خورنق کو لیتے ہوئے واسط تک پہنچا دو اور یہاں ایک منزل تک دریائے دجلہ کے دہانے پھیلتے ہیں پھر وہاں سے بصرہ شہر کے نواح کو لے کر عباداں تک ملا دو۔

یہ ہے دیارِ عرب کا محیط اور حدود اربعہ۔ پس عباداں سے لے کر ایلہ تک جو بحر فارس و بحر ہند و بحر قلزم محیط ہے یہ تین ربع عرب کو شامل ہے جس میں تمام شرقی اور تمام جنوبی اور کچھ غربی حد آ گئی اور اب کچھ غربی اور تمام شمالی حد جو باقی رہی تو وہ ایلہ سے لے کر مابس تک اور وہاں سے

عباداں تک شمالی حد ہے اور مابس سے انبار کے بھی آگے تک جزیرے کی حد جنوبی ملتی ہے اور انبار سے لے کر عباداں تک عراق عرب کی جنوبی حد ملتی ہے اور ایلہ کے قریب سے ایک بیابان عرب سے ملحق ہوتا ہے۔ غربی وشمالی حد میں جس کو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں یعنی وہ بیابان جس میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے یہ بیابان عرب میں داخل نہیں اور یہ عمالیق اور یونانیوں اور قبطیوں وغیرہ اقوام کا مسکن تھا۔ انہیں اقوام سے بنی اسرائیل کو ان دنوں میں لڑائیاں پڑی تھیں۔

اور اسی طرح ملک[1] جزیرہ بھی عرب میں شامل نہیں۔ ہر چند اس میں ربیعہ ومضر کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ تغلب ربیعہ اور اسی طرح یمن کے قبائل شام میں آباد ہو گئے تھے اور وہ بھی قیصرِ روم کے تابع تھے اور مذہب عیسائی رکھتے تھے جیسا کہ تنوخ اور غسان اور بہراء اور جنوب عرب وعراق میں اکثر عرب پارسی مذہب رکھتے تھے اور شاہانِ ایران کے مطیع تھے اور یمن میں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔

عرب[2] کی تقسیم ¦ حدسرین سے لے کر کوہ یلملم کے بیابانوں تک اور پھر طائف سے لے کر سیدھا نجد یمن تک ادھر شرق میں بحرِ فارس تک اس بڑے حصہ کو جو تمام عرب سے تقریباً دو تہائی ہے ملکِ یمن کہتے ہیں جو پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے اور حصوں سے اچھا ہے۔ قدیم زمانہ میں اسی سرزمین میں بڑے بڑے نامور بادشاہ اٹھے ہیں۔ قوم حمیر اور شاہانِ تبع اور قومِ عاد کا یہی ملک ہے ان شاہانِ سابقہ نے تمام عرب ہی پر حکومت نہیں کی ہے بلکہ مصر اور عمران اور وہاں سے گزر کر اور ممالیک پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے۔ بلقیس بادشاہزادی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکِ شام میں حاضر ہوئی تھی اسی ملک کی فرمانروا تھی اور سرّین سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے تخمیناً مدین تک طول میں اور عرض میں شرقی سمت میں حجر سے لے کر جبلِ طے تک یمامہ سے گزرتے ہوئے بحرِ قلزم تک اس ٹکڑے کا نام حجاز ہے۔ مکہ مدینہ جدہ وغیرہ اسی ملک کے شہر ہیں اور حدِ یمامہ سے لے کر مدینہ کے قریب تک بصرہ کے بیابانوں سمیت اور بحرین سمیت

---

[1] ملک جزیرہ وہ ملک ہے جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے یعنی میان دوآب فرات ودجلہ۔ یہ بڑا شاداب اور آباد ملک ہے اور عراق عرب جزیرہ سے ملا ہوا ہے وہ بھی آباد ملک ہے عرب کے ملحقات میں سے ہے نہ عرب۔ ۱۲ منہ

[2] شرح اس کی یہ ہے کہ عرب پانچ حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) یمن یعنی عرب کا جنوبی حصہ اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ غرب میں قلزم وجنوبی تہامہ، شرق میں بحر فارس، جنوب میں بحر عرب، شمال میں حدود نجد ویمامہ وغیرہ اور اس کو یمن اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے والے کو یہ بجانب دستِ یمن یعنی دائیں ہاتھ واقع ہے اس کے اضلاع یہ ہیں۔ حضرت موت، شحر، مہرہ، عمان، نجران۔ (۲) نجد۔ اس کے معنی ہیں بلند زمین کے چونکہ یہ قطع مرتفع ہے اس لیے اس کو نجد کہتے ہیں اس کے حدود یہ ہیں۔ عرب میں حجاز وتہامہ، جنوب میں یمامہ ویمن، شمال میں فرات، شرق میں عراقِ عرب۔ یہ حصہ زرخیز ہے شعراء نے اس کی بہت مدح کی ہے چنانچہ قیس بن ملوح شاعر کہتا ہے ؎

تمتع من نسیم عرار نجد فما بعد العشیۃ من عرار دوسرا شاعر کہتا ہے سقی اللہ نجداً والسلام علی نجد یا حبذا نجد علی القرب والبعد

حرب البسوس عرب کی خونخوار جنگِ باہمی اسی ملک میں واقع ہوئی ہے جو کلیب اور وائل بن ربیعہ کی خونخوار جنگ تھی اور جبل عکاد بھی اسی ملک میں ہے جہاں اب تک وہی قدیم عربی زبان فصاحت سے بولی جاتی ہے یہاں کا گھوڑا اور اونٹ ضرب المثل ہے۔ (۳) تہامہ۔ یہ عرب کا ایک غربی مستطیل ٹکڑا ہے اس کے غرب میں بحرِ احمر جنوب میں یمن کا ایک حصہ شمال میں حجاز شرق میں نجد ویمن۔ یہاں کی رات خوشگوار مشہور ہے یہ حصہ ریگستان ہے اور چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ (۴) یمامہ یہ عرب کے شرقی ٹکڑے کا نام ہے اس کے غرب میں حجاز وتہامہ شرق میں بحرِ فارس، بحرین وغیرہ جنوب میں یمن شمال میں نجد اور اس کو عروض بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے گیہوں اور کھجور مشہور ہیں۔ (۵) حجاز یہ بھی ایک مستطیل ٹکڑا ہے عرب کے غربی حصہ میں اس کے غرب میں بحرِ قلزم ہے غربی حد جنوب کے رخ ملک تہامہ اور شمالی رخ ایلہ شرق میں نجد یمامہ ہے اور جنوب میں یمن اور تہامہ ہے۔ حجاز کے معنی ہیں پردے کے چونکہ یہ ملک ایک سمت سے تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اس لیے اس کو حجاز کہتے ہیں مکہ مدینہ جدہ وغیرہ شہر اسی متبرک ٹکڑے میں واقع ہیں۔ یہ ٹکڑا ریگستانی اور پہاڑی ہے کھیتی باغ بہت کم ہیں ندی نالے چشمے بھی نہیں مگر رسالت کا چشمہ یہیں سے جاری ہوا ہے جس نے دنیا کو سیراب کر دیا۔ ۱۲ منہ

بحر فارس تک اس حصہ کا نام نجد ہے۔

اور عباداں سے لے کر انبار اور نجد اور حجاز تک کہ جس میں اسد اور طے اور تمیم اور تمام قبائل مضر ہیں عراق کہلاتا ہے اور حد انبار سے لے کر مابس تک ملک شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدانِ خساف ہے وادی القریٰ اور حجر تک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ سمندر کے کنارہ تک تبوک کے سامنے کے حصہ کو دیارِ طے تک بادیۂ شام کہتے ہیں۔

بعض علماء مکہ کو تہامہ یمن میں اور مدینہ کو نجد میں قرب کی وجہ سے شمار کرتے ہیں اور تہامہ کو یمن کا غربی وجنوبی حصہ سمجھتے ہیں۔

ملکِ عرب ¦ ۱۲ درجہ سے لے کر ۲۵ درجہ تک عرض شمالی میں اور ۳۳ درجہ سے لے کر ۵۹ درجہ تک طول شرقی میں ہے اور زیادہ سے زیادہ عرض اس ملک کا ۱۱۵۰ میل ہے اور طول زیادہ سے زیادہ ۱۴۰۰ میل ہے جغرافیہ کے میلوں سے اور رقبہ اس کا تخمیناً گیارہ لاکھ میل مربع ہے اور باشندے یہاں کے دو کروڑ سے زائد ہیں مذہب سب کا اسلام اور زبان عربی ہے۔ آدمی اس ملک میں ہر قسم کی رنگت اور قد وقامت کے ہوتے ہیں۔ سیاہ فام بھی اور گندم گون بھی اور شمالی عرب کے سرخ وسفید، طبعاً بہادر اور مہمان نواز، ذکی الطبع، غیور، عفیف ہوتے ہیں مگر غصہ اور ہٹیلے بھی ہوتے ہیں۔

لڑائی اور شکار سے بہت رغبت رکھتے ہیں۔ تجارت کو عمدہ سمجھتے ہیں اور عمدہ زمین کے عرب کھیتی اور نخلستان کی تربیت کو بہت پسند کرتے ہیں، صنعت وحرفت کم ہے۔ یہ ملک اکثر ریگستان ہے جہاں کھیتی اور باغ اور نہریں اور چشمے کچھ نہیں۔ قدرے گھانس ہوتی ہے جو ان کے مواشی کو کافی ہو جاتی ہے اور ایسے بھی قطعات ہیں جہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہر قسم کے درخت اور چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ہیں مگر تمام ملک میں ایسی کوئی ندی یا نہر نہیں جس میں کشتیوں کی آمد ورفت ہو اور بارہ مہینے جاری رہتی ہو اگر دجلہ وفرات کو عرب سے خارج کر دیا جائے۔ عرب میں پہاڑ بھی بکثرت ہیں۔ بیشتر تو سیاہ اور خشک پہاڑ ہیں جہاں چشمے اور شادابی اور درخت بہت ہی کم ہیں۔ ازانجملہ کوہ شراۃ کا سلسلہ ہے جو ایلہ تک پہنچ کر عقبیٰ سے گزرتا ہوا بحر احمر کے کناروں تک جا ملتا ہے۔ کہیں سے چالیس میل اور کہیں سے اسی میل ہے۔ پھر یہ سلسلہ مشرق کی طرف موڑ کھاتا ہے یمن کو عبور کرتا ہے خلیج فارس سے آملتا ہے پھر وہاں سے بحرین کو طے کرتا ہوا فرات اور عمان کے دہانوں پر منتہی ہوتا ہے اور مدینہ کے شرق میں کوہ طے کے بھی دو سلسلے ہیں جن کو آجا اور سلمیٰ کہتے ہیں۔ یہ کوفہ سے مکہ آنے والوں کو ملتے ہیں اور عرب کو جو جنوباً وشمالاً تقسیم کرتا ہے وہ کوہ عارض ہے۔ اس کی جنوبی حد بلادِ یمن میں سے جعدہ کے قریب ملتی ہے پھر یہاں سے شمالی جانب چلتا ہے اور خلیج فارس تک جا پہنچتا ہے اور اسی پہاڑ پر شہر ہجر اور یمامہ ہے جہاں کے چشمے اور باغ نخلستان مشہور ہیں اور مدینہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جس کو جبلِ احد کہتے ہیں اور جنوبی پہاڑ کو عیر کہتے ہیں اور حجاز کے پہاڑوں میں سے مکہ اور منیٰ کا پہاڑ ہے جس کو فاران بھی کہتے تھے۔ عرب میں کوئی بھی جھیل نہیں۔ اگر بحرِ لوط کو عرب میں شمار نہ کیا جائے۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹے چھوٹے نالے نکلتے ہیں جو سمندر تک نہیں پہنچتے کچھ چل کر رستے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ صنعاء یمن کے قریب ایک نہر ہے جو بحرِ ہند میں گرتی ہے اور ایک چھوٹی سی نہر بلادِ مہرہ میں بھی ہے جو اسی سمندر میں آملتی ہے۔ ان بلاد کے پہاڑوں میں ہوا معتدل ہے لیکن نشیبی قطعات اور ریگستانی میدانوں میں سخت گرم ہوا چلتی ہے۔ عرب کے قطعات میں مختلف مہینوں میں بارش ہوتی ہے عرب کے بعض بلند پہاڑ ایسے بھی ہیں جن پر سردی اور کبھی کبھی برف جم جاتی ہے جیسا کہ طائف کا پہاڑ۔ یمن کے بعض بلند پہاڑ نہایت فرحت بخش ہیں۔ عرب کے بعض پہاڑوں اور ان کے نشیبوں میں ایسے بھی قطعات ہیں جہاں زنجبیل، چنبیلی، کھجور، انبلی، نیشکر، بیگن، مرچ، انار، بادام، پستہ، انگور، سیب، ناشپاتی، لیموں، کیلا، انجیر، گلاب، نرگس، بنفشہ، بیر، نارجیل کھیرے، ککڑی، تربوز، خربوزے، ہر قسم کی چیزیں اور ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں خصوصاً نواحِ جنوبیہ میں۔ یمامہ کے گیہوں مشہور ہیں باقی میدانوں میں جوار، باجرہ، چنا اسی قدر ہوتا ہے جو بمشکل وہیں کے لوگوں کو کافی ہوتا ہے۔

عرب میں ہر قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں خصوصاً نجد کا گھوڑا تو دنیا میں مشہور ہے اس کے سوائے گدھا، گائے، بیل، اونٹ، خچر بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، ہرن، خرگوش، دنبہ بھی بہت ہوتا ہے۔ درندے بھی ہر قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔ پرند بھی بکثرت ہیں۔ چڑیا، کبوتر، فاختہ، چیل، کوا، ہدہد، عقاب گدھ وغیرہ اور جنوبِ عرب میں ایک جانور نسناس پہلوں کا بڑا دشمن ہوتا ہے۔ آج کل عرب میں لوہے اور تانبے کی اور سیسہ کی کان اور یمن میں عقیقِ یمنی کی کان مشہور ہے بلکہ یمن کے بعض پتھر بے بہا مشہور ہیں اور کوہِ سینا کے پاس بہت سی کانیں ہیں لیکن اب تک ظاہر نہیں ہوئیں اور چاندی سونے کی کانیں جن پر عرب کو کسی زمانہ میں فخر تھا افسوس آج کل نامعلوم ہیں۔

جب ہند اور مغربی ممالک میں آمد و رفت نہ تھی عرب کی تجارت بڑی ترقی پر تھی کس لیے کہ مغربی ملکوں میں مشرقی ملکوں کا مال اور مشرقی ملکوں میں مغربی ملکوں کی چیزیں عرب ہی کے وسیلہ سے آتی جاتی تھیں۔ عرب کو فنِ جہاز رانی میں بڑا کمال تھا وہ جہازوں پر ہند اور اس کے جزائر اور چین و جاپان تک ادھر بحرِ احمر میں ہسپانیہ تک دلیرانہ سفر کیا کرتے تھے اور جب سے رستہ نکل آیا اور دخانی جہاز ایجاد ہو گئے تو عرب کی تجارت بالکل جاتی رہی۔ عرب سے اب سناء اور لوبان، صبر مر، فلفل سیاہ، حنا، عود بن جاتے ہیں۔ اور یورپ سے عمدہ عمدہ کپڑے ریشمی اور اونی اور لوہے کی ساخت کے ہتھیار وغیرہ اور بلور اور شیشے کے ظروف اور بارود و چھرے بہت آتے ہیں اور حبش سے ہاتھی دانت اور بکریاں اور مشک اور جنوبی افریقہ سے سونا اور ہاتھی دانت، کہربا اور غلام آ کر بکتے ہیں اور مصر و ہند سے چاول، شکر، تیل اور ہند سے کتان و روئی اور شام سے صابون اور وہاں کی ساخت کے کپڑے آ کر بکتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عرب کے بادشاہانِ حمیر نے اور ملکوں پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے۔ اسلام کے بعد عرب نے وہ کایا پلٹی تھی کہ روئے زمین کے فرمانروا، علوم کے خزانچی، صناعی و دستکاری کے استاد مانے جاتے تھے۔ فنِ عمارت میں ان کو ایک خاص ملکہ تھا۔ اسپین میں الحمراء وغیرہ عمارات ان کی یادگار ہیں۔

یہ سفر بحری و بری کے بڑے مشاق تھے چین تک اول ہی صدی میں جا پہنچے، ادھر غرب میں سپین پہنچے۔ ترکستان وغیرہ ملک ان کے گھوڑوں نے کھندل ڈالے تھے۔ یہ جہاں جاتے تھے اسلام اور اپنے کمالات کو ساتھ لے جاتے تھے ان کو غیر لوگوں پر بہت جلد فتح حاصل کر لینے میں بڑا کمال تھا مگر فتح کرتے ہی مفتوح قوموں کو اپنی نعمتوں اور عزت میں شریک کر لینا اپنی جوانمردی اور فیاض طبیعت کا شیوہ جانتے تھے۔ اس لیے جو ملک انہوں نے فتح کیا تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں کے باشندوں کو نہال کر دیا۔ یہ عہد اور قول و قرار کے بڑے سچے تھے، ان کے قوانین میں جو فروشی گندم نمائی کا دوسرا پہلو نہ تھا، ان کی پرہیز گاری اور فیاضی اس پر شجاعت غیر قوموں کو بہت جلد اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، عیاشی اور شہوت پرستی سے ان کو دلی نفرت تھی۔ رعایا پر ظلم کرنا یا حیلہ و تدبیر سے ان کا مال چھین لینا ان کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔ وہ محکوموں کو اپنی برابر عزت کا مستحق بنانے میں سرگرم تھے مگر اب کئی صدیوں سے یہ سب اوصاف کم ہو گئے اور دنیا بھر کی کوئی سرسبز سلطنت بھی ان کے قبضہ میں نہ رہی۔ اب جو شاہانِ اسلام اور ملکوں کے فرمانروا ہیں انہیں عربوں کے تعلیم کئے ہوئے شاگرد ہیں۔ اب ہم اول حجاز کے مشہور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ ! دو پہاڑوں کے بیچ ایک مستطیل شہر آباد ہے۔ اس کا طول معلاۃ سے مسفلہ تک تقریباً دو میل ہے جنوب و شمال میں۔ اور اسفل جیاد سے لے کر کوہِ قعیقعان کی پشت تک عرض طول سے تخمیناً دو ثلث ہے۔

اس کے مکانات گارے اور چونے اور پتھر کے بنے ہیں۔ لکڑی کا بھی بہت کام ہے۔ شہر میں متعدد بازار ہیں خصوصاً بزازوں کا بازار تختوں سے پٹا ہوا ہے صرف دھوپ کے بچاؤ کے لیے بازار پر رونق ہیں ہر قسم کی چیز موجود ہے۔ رستوں اور بازاروں میں صفائی کا عمدہ انتظام ہے اور روشنی کا بھی۔ آبادی بڑھ جانے سے دونوں پہاڑوں پر بھی مکانات اور محلے آباد ہو گئے ہیں۔ آب و ہوا گرم خشک مگر صحت بخش ہے۔ چونکہ سمندر سے یہ شہر بہت دور نہیں اس کی غربی سمت میں کہیں دو منزل کہیں اس سے بھی کم سمندر یعنی بحر قلزم ہے اس لیے خشکی زیادہ نمودار

نہیں ہوتی۔ مگر منطقہ حارہ کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں بادِ سموم چلتی ہے۔ شہر کے قدیم رؤسا میں سے جن کو اصلی باشندہ کہنا چاہیے تین ہی گھر مشہور ہیں۔ ایک شریف کا جو امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے گویا یہ حجاز کا بادشاہ ہے گورنر حجاز جس کو باشا کہتے ہیں مکہ معظمہ میں رہا کرتا ہے۔ سلطان المعظم کی طرف سے وہ شریف کا نگران رہتا ہے کبھی کبھی باشا اور شریف میں بدمزگی ہو جانے سے حجاز اور اہلِ شہر کو تکالیف بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ دوسرا گھر شیبی کا ہے جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہا کرتی ہے۔ تیسرا عباس رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے جس کو سقایۃ الحاج اور آبِ زمزم کی خدمت ہے۔ اکثر لوگ شہر کے آفاقی ہیں کوئی چار پشت سے کوئی دس پشت سے کوئی خود باہر سے آ کر بسا ہے۔ مصر، شام، ہند، جاوا، عرب کے لوگ بکثرت موجود ہیں۔ ترکی نسلیں بھی ہیں بیشتر مخلوط ہیں اور اسی لیے اس شہر کے لوگ گورے، کالے، موٹے، دبلے، خوبصورت، بدصورت ہر قسم کے ہوتے ہیں مگر زبان اور لباس سب کا عربی ہے عربی زبان اس شہر کی اصلی زبان ہے۔

شریفِ مکہ کو حجاز کے قبائل بادشاہ مانتے ہیں اور سلطان المعظم کی طرف سے بھی وہ ایک بڑا سردار یا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے اور وہاں سے اس کو بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا شریف اسی خاندان سے مسند نشین ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ نفیس مزاج ہیں مکانات میں عجب عجب آرائش کرتے ہیں۔ ہمیشہ پچھلی رات سے بازار کھل جاتے ہیں کھانے پینے کی چیزیں دن نکلنے تک بہت کچھ بک چکتی ہیں۔ اسبابِ معاش یہاں کئی قسم پر ہیں۔ اول تجارت یہ شہر بندر جدہ سے بہت قریب ہے۔ سمندر کی راہ سے ہر ایک ملک سے ہر قسم کی چیز آتی ہے۔ غلہ، پارچہ، ظروف وغیرہ اس لیے اس شہر میں بڑے بڑے تاجر ہیں اور مرفہ الحالی سے گزران کرتے ہیں۔

(۲) حرفت۔ گرچہ یورپ کی طرح کسی کام کی بھی اس شہر میں کلیں نہیں ہیں مگر ہاتھ سے بنانے والے کاریگر بہت ہیں سینے کے اور لکڑی کے۔ خصوصاً تسبیح کے کام سے بہت لوگ واقف ہیں اور یہی کام ہوتے ہیں۔ (۳) وظائف خوار بیشتر کو تو حضرت سلطان المعظم کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے حرم شریف کے بہت سے امام اور بہت سے مؤذن اور بہت سے خادم ہیں ان سب کا خرچ اور مسجد الحرام کا خرچ سب سلطان المعظم کی طرف سے آتا ہے جس کو خدیو مصر بھیجتا ہے اور شام سے بھی آتا ہے یہ کئی لاکھ روپیہ کا خرچ ہے۔ (۴) حجاز کی خدمت اس میں ایک جماعت مطوفین کی بھی ہے۔ یہی لوگ پردیسی حاجیوں کو مکان کرایہ دلاتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو رفع کرتے ہیں اور ان کو حج کے ارکان بھی تعلیم کرتے ہیں۔ پہلے روز یہ اپنی طرف سے ضیافت بھی کھلاتے ہیں۔ یہ متعدد زبانیں جانتے ہیں۔ حاجی بے کھٹکے اپنی امانتیں ان کے پاس رکھ دیتے ہیں مگر آج تک ان کی امانت داری میں کوئی دھبہ نہیں لگا۔ خرید و فروخت بھی انہیں کی معرفت ہوتی ہے تو اچھی ہوتی ہے۔ انہیں کی معرفت مدینہ جانے کے لیے اونٹ کرایہ ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ وہی جو حکام کی طرف سے مجاز ہو۔

سلطان المعظم کے جو قانون حجاز خصوصاً مکہ اور مدینہ کی بابت ہیں نہایت نرم اور پر رحم ہیں۔ سلطانی انتظام بہت عمدہ ہے، عدالتیں بھی ہیں، میونسپل کمیٹی بھی ہے، سرکاری مدارس اور شفاخانہ اور ڈاکخانہ بھی ہیں تار گھر بھی ہے مگر اس وجہ سے کہ گاڑیوں کا رواج اس ملک میں نہیں۔ صرف اونٹ گھوڑے، خچر، گدھے بارکشی کرتے ہیں ایسی سڑکیں نہیں جن پر روڑی بچھی ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں دوڑتی چلی جائیں اور اس طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔

شہر میں مسافر خانے بھی بکثرت ہیں جن کو رباط کہتے ہیں جن میں ہر قسم کا انتظام ہے۔ کرایہ کے مکان بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ مکانات دو منزلے بلکہ سہ منزلے بھی ہوتے ہیں ہر طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں صحن ندارد۔

شہر کے ایک گوشہ میں سلطانی لشکر بھی رہتا ہے۔ عمدہ چھاؤنی ہے۔ حجاز کے لشکروں کا صدر مقام یہی ہے اور جدہ بھی ہے۔ شہر میں رات دن خدا تعالیٰ کی عبادت اور تہلیل و تکبیر کا ہر جگہ چرچا رہتا ہے۔ خصوصاً مسجد الحرام تو کسی وقت خالی نہیں رہتی۔ یہاں کے آدمی عموماً عفت شعار،

پرہیز گار ہیں۔ نہ شہر میں کہیں شراب خانہ ہے نہ کوئی مسکر چیز بکتی ہے نہ کوئی کسبی، فاحشہ ہے نہ ایسے وقوعہ ہوتے ہیں جیسے کہ ہند میں ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے حج کے مجمع میں کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہو نہ یہ کہ کسی نے کسی کو عورت یا مال کے لیے مار ڈالا ہو۔ نہ کوئی تھیٹر ہے نہ کوئی تماشا گاہ ہے، نہ بدمعاشی اور بدکاری کے یہ طریقے ہیں نہ کوئی ایسی موشگافی وہاں جانتا ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر واقعات کا لحاظ ہو کر دادرسی مدِنظر رہتی ہے نہ وہاں ملمع کاری ہے نہ دکھاوے کی یہ چمک دمک ہے کہ بال کی کھال کھینچی جاتی ہے اور نہ قانونی پیچ لڑا کر ملک کو مکر وفریب سکھانے والے وکلاء ہیں، نہ شیطان کی آنت کی طرح مقدمات اس قدر طول پکڑتے ہیں نہ اہلِ مقدمات زیر باری اور بیکاری کے سبب برباد ہو جاتے ہیں۔

پولیس کا بھی عمدہ اسلوب ہے حتی المقدور لوگوں کی آسائش وامن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دکھاوے کی زرق برق اور مفت کے ایچ پیچ نہیں نہ لوگوں کو شکنجوں میں کھینچا جاتا ہے۔ یہی حال میونسپلٹی کا ہے۔ ضروری کاموں کے لیے مختصر سے ٹیکس ہیں نہ دکھانے کی ٹیپ ٹاپ ہے اور نہ ترکوں کے آرام کے لیے منظرِ وسیع میں لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے نہ میلوں ان کے لیے سڑک بنائی جاتی ہے نہ ان کے لیے ٹون ہال میں عیش ونشاط کے سامان بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے نہ بات بات پر ٹیکس ہے۔ شہر میں جابجا نہر زبیدہ پھرتی ہے اسی کے صاف اور شیریں پانی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں۔ جابجا حوض بنے ہوئے ہیں جن میں نہر پڑ کر نکل جاتی ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے وضو کرتے ہیں کوئی مانع نہیں نہ کوئی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ شہر میں انگور، انار، کشمش، منقیٰ، کھجور وغیرہ میوہ جات بکثرت بکتا ہے اور ارزاں بکتا ہے۔ نہ شہر میں کوئی باغ ہے نہ سبز درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں نہ ترکاری اور سبزہ زار کے کھیت ہیں۔ یہ سب چیزیں موجود ہیں جو طائف وغیرہ مقامات سے آتی ہیں یہ اس شہر کی بڑی برکت ہے۔

اس شہر میں تخمیناً تین لاکھ آدمی آباد ہوں گے۔ خاص اس شہر اور مدینہ میں غیر مسلم کو آنے نہیں دیتے لیکن یورپ کی سلطنتیں اپنے جاسوس بھیجتی رہتی ہیں جو بہ تبدیلِ لباس آیا کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی رعیت میں سے کسی مسلمان کو بھیجتے ہیں جو وہاں طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے اور اس بات کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے کہ شریف اور عربوں کو سلطان المعظم سے لڑا دیا جائے تاکہ سلطان المعظم کے ہاتھ سے خدمتِ حرمین شریفین کا افتخار جاتا رہے۔

مسجد الحرام ¦ تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور اس کے چاروں طرف نہایت خوشنما سنگ مرمر کے ستونوں پر کئی کئی درجہ کے دالان ہیں یعنی قبے بنتے چلے گئے ہیں اور اس نشیب کے وسط میں سنگِ مرمر کا فرش ہے اس کے بیچوں بیچ ایک مربع بڑی بلند عمارت ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ یہ عمارت سقف ہے قدِ آدم کے قریب کرسی پر ایک دروازہ مقامِ ابراہیم وزمزم کے کنوئیں کی طرف ہے۔ اس عمارت پر نیچے سے لے کر اوپر تک سیاہ ریشم کا کہ جس پر خطِ نسخ میں بناوٹ میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ غلاف پہنایا ہوا ہے اور نصف سے بلند سنہری حرفوں کا ایک پٹکا بنا ہوا ہے اور کعبہ سے ملی ہوئی مغرب رخ بیضوی شکل سنگ مرمر کی دیوار دو ہاتھ بلند ہے اس کو حطیم کہتے ہیں اور حجر بھی اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے جبکہ اس کی چھت پر بارش ہوتی ہے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

حطیم سمیت کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس رخ میں کعبہ کے ایک کونہ کو رکن عراقی دوسرے کو رکن یمانی کہتے ہیں اور اسی طرح دوسری طرف کے دونوں گوشوں میں سے ایک کا نام رکن شامی ہے اور دوسرے گوشہ پر جو دروازہ کعبہ کے قریب ہے گز سوا گز بلندی پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جو عمدہ عقیق ہے، ڈھال کے برابر چاندی کے حلقہ میں بندھا ہوا دیوار میں لگا ہوا ہے۔ طواف کے بعد اس کو بوسہ دیتے ہیں اور اس کو حجرِ اسود یعنی کالا پتھر کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کے سبب نہایت قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ دروازہ کے سامنے ایک کنواں ہے جس کو زمزم کہتے ہیں اور یہیں سقایۃ الحاج ہے جس کو سقایہ عباس کہتے ہیں اور دارالندوۃ جو جاہلیت میں قریش کی مجلس کا مکان

تھا اب حرم میں شامل ہو گیا ہے دارالامارۃ کے مغربی جانب میں تھا۔

صفا ¦ جبلِ ابوقبیس کی ایک مرتفع جگہ کا نام ہے جیسا کہ مروہ جبلِ قعیقعان کے پتھر کا نام ہے جو اس کے مقابلہ میں ہے اور یہی وہ دونوں پہاڑ ہیں کہ جن کے بیچ شہر مکہ بستا ہے لیکن ابوقبیس جو شرقی جانب میں ہے قعیقعان سے بلند ہے جو غربی جانب میں ہے۔ قعیقعان کے پتھروں سے کعبہ کی عمارت چنی گئی ہے۔ صفا ومروہ کا میدان آج کل بازار ہے جس میں حاجی سعی کیا کرتے ہیں۔

منیٰ ¦ مکہ سے عرفات کی جانب انہیں دونوں پہاڑوں کے سلسلہ میں تقریباً تین میل ہے وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں بازار بھی اور مکانات بھی ہیں اور اس کے وسط میں مسجد خیف ہے۔ اور یہیں وہ چھوٹے چھوٹے تین مینار ہیں جن پر حاجی سات سات کنکریاں مارا کرتے ہیں مکہ کے رخ کے مینار کو جو منی کے اخیر پر ہے، جمرۃ العقبیٰ کہتے ہیں۔

مزدلفہ ¦ منیٰ سے آگے بڑھ کر عرفات کے رستہ پر بطنِ محسر اور مازمان کے بیچ ایک مقام ہے جہاں عرفات سے واپس آ کر رات کو حجاج رہا کرتے ہیں بطنِ محسر منی اور مزدلفہ کے بیچ ایک وادی کا نام ہے اور مازمان دو پہاڑوں کی شاخ ہے جو بطن عرنہ تک گئی ہیں۔

عرفات ¦ عرنہ سے لے کر بنی عامر کے باغ تک کے میدان کا نام ہے اور وہیں وہ مسجد ہے جہاں ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھا کرتے ہیں۔ عرفات حرمِ مکہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح تنعیم بھی خارجِ حرم ہے۔ عرفات مکہ سے تخمیناً آٹھ نو میل ہے۔

ثبیر ¦ یہ بلند پہاڑی ہے جو منی اور مزدلفہ سے دکھائی دیتی ہے۔ ایامِ جاہلیت میں جب تک اس پہاڑی پر دھوپ نہ نکلی دیکھ لیتے تھے چلتے نہ تھے۔

مشعر الحرام ¦ مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی جگہ امام حج کے دنوں میں عشاء اور صبح کی نماز پڑھایا کرتا ہے۔

حدیبیہ ¦ یہ مکہ سے ایک دن کے رستہ سے زیادہ پر ایک مقام ہے کسی قدر حرم میں اور کسی قدر حل میں داخل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کو آئے تو قریش برسرِ مقابلہ آئے اور اسی جگہ روک دیا اور یہیں صلح نامۂ باہمی لکھا گیا۔

مدینہ ¦ مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دس منزل ایک شہر ہے کہ جس کی پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے اس کی آبادی شہر پناہ سے بھی باہر ہے۔ آبادی مکہ سے کم ہے مکانات کا وہی طرز ہے یہاں تقریباً سردی اور گرمی ایسی ہوتی ہے کہ جیسی ہندوستان کے دہلی شہر میں۔ اس کے اردگرد کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں ان کو حائط کہتے ہیں۔ ان میں کنوؤں اور کاریزوں سے پانی دیا جاتا ہے۔ شہر کے وسط میں مسجدِ نبوی ہے جس کو حرم شریف کہتے ہیں۔ یہ نہایت شاندار اور پرتکلف عمارت ہے جو لاکھوں روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ اب جو مسجد موجود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک محلّہ تھا اور مسجدِ نبوی جو آپ کے عہد میں تھی اسی میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وسعت دی۔ پھر خلفائے بنی امیہ نے ازواجِ مطہرات کے گھروں کو بھی اور دیگر گھروں کو بھی شامل کر لیا۔

مسجد کے گوشہ میں ایک مرتفع عمارت ہے جس کے اوپر سبز گنبد ہے اس کے اندر ایک درجہ چھوڑ کر ایک اور گنبد ہے جو ہر طرف سے بند ہے اس کے اندر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہم کا مزار شریف ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پرتکلف اور پرزر سبز مخمل سے ڈھکی رہتی ہے یعنی سبز مخمل کے بڑے بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر زری کے حرفوں سے جو نہایت خوشخط ہیں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی شہر کی غربی جانب میں وہ جگہ بھی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور بقیع الغرقد شہر کے شرقی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ بنا ہوا ہے جس میں بڑے بڑے صحابہ انصار ومہاجرین واہل بیت کی قبریں ہیں۔ اب بھی یہی قبرستان ہے بڑی پربرکات اور عبرت خیز جگہ ہے۔

قبا ¦ دو میل کے فاصلہ پر مکہ کے رخ ایک بستی ہے۔ ہجرت کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پہلے یہیں اترے تھے۔ شہر

کے جنوب اور شمال میں کئی میل کے فاصلہ سے پہاڑوں کے دو سلسلہ ہیں۔ جنوبی سلسلہ کا نام جبلِ عیر ہے اور شمالی کا احد جو تخمیناً دو میل کے فاصلے سے ہے اور اسی کے دامن میں ان شہداء کے مزارات ہیں جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ جن میں حضرت کے چچا سید الشہداء حمزہ بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ مسجدِ نبوی کے غرب میں ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے اور اس کے پاس مدرسہ بھی یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ بازار وسیع نہیں مگر پر رونق ہیں۔ شہر میں شیریں پانی اور سبز چیزیں اور میوے بکثرت ملتے ہیں۔ نہایت شاداب جگہ ہے آدمی یہاں کے نہایت نرم دل اور مہربان اور مہمان نواز اور بے تکلف ہیں۔ شہر کے شرقی طرف کئی میل کے فاصلہ پر بنی نضیر و بنی قریظہ ہے۔ یہود کی گڑھیاں بھی تھیں جن کے اب کچھ نشان بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہاں بھی متعدد مدرسہ اور شفاخانہ ہیں اور مسافروں کے لیے مہمان سرائیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار نظام الملک آصف جاہ مالک دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بھی ان دونوں مقدس شہروں میں ہزار ہا روپیہ ماہوار اللہ صرف ہوتا ہے اور عمدہ مکانات اور آسائش کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ حضور پرنور میر محبوب علی خان نظام الملک آصف جاہ بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کا دست کرم نیک کاموں کے لیے بڑا فراخ ہے۔ حیدرآباد میں جس امیر کے متعلق وہاں کی خبر گیری ہے وہ ہمارے عنایت فرما نواب معزیار الدولہ بہادر ہیں ان کی ہمت اور کوشش سے شاہ عالیجاہ کا عطیہ بڑی امانت سے مستحقوں کو پہنچتا ہے اور ہر سال حجاج کی ایک جماعت بھی روانہ کی جاتی ہے۔ یہ شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی فیاضی کی ایک چھوٹی سی نظیر ہے۔

فرع ¦ مدینہ کے جنوب میں چار دن کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں۔

عقیق ¦ مدینہ سے مکہ کے رخ چار میل کے فاصلہ پر ایک وادی پرفرحت ہے جس کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے۔

جحفہ ¦ یہ سمندر سے دو میل کے فاصلہ پر بڑی آباد بستی ہے۔ مکہ اور مدینہ کے رستہ میں اس سے آباد تر کوئی جگہ نہیں جیسا کہ مدینہ اور عراق کے رستہ میں فید سے زیادہ پررونق اور کوئی جگہ نہیں اور یہ دیارِ طے میں ہے اور طے کے دونوں پہاڑ اس جگہ سے دو دن کے فاصلہ پر ہیں اور یہاں کھجور بکثرت ہیں طے کے قبائل مواشی چرانے کو یہاں آیا کرتے ہیں۔

جبلہ ¦ ایک قلعہ ہے آخر وادی ستارہ میں مرد اور عسفان کے بیچ۔ مکہ جانے والوں کو بائیں طرف ملتا ہے اس وادی کا طول دو دن کا سفر ہے جہاں کوئی بھی کھجور کا پیڑ نظر نہیں آتا اور اس کی پشت پر ایک اور وادی ہے جس کو سایہ کہتے ہیں اور بھی ہے جس کو سائرہ کہتے ہیں اسی جبلہ پر زمانۂ سابق میں تمیم اور بکر بن وائل کی خونخوار جنگ ہوئی تھی۔

خیبر ¦ یہ مدینہ سے شمال و غرب میں چار منزل کے فاصلہ سے ایک مستحکم گڑھی ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا قصبہ بستا ہے اس کے آس پاس کھجور کے باغ بکثرت ہیں اور قابلِ کاشت زمین بھی بہت ہے۔ یہاں مالدار یہودیوں کی ایک قوم رہا کرتی تھی جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اس لیے ان پر صلح حدیبیہ کے بعد چڑھائی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار کیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے دروازہ کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اب تک وہ پتھر موجود ہے جس کو پچاس آدمی بمشکل ہلا سکتے ہیں۔ فتح کرنے کے بعد اس کے باغ اور زمین مسلمانوں کو تقسیم کر دی گئی۔ مدینہ کی فاقہ کشی اور تنگی دفع کرنے کا یہ پہلا سامان تھا۔ یہاں سے تیمہ چار منزل ہے وہاں سے حجر چار منزل ہے۔

مدینہ کے اطراف میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں جن میں عرب کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ ینبع بحر قلزم کے کنارہ پر مدینہ سے چار منزل۔ یہ بہت ہی قریب بندر ہے اور اسی کے متصل عیص اور مردہ ہے۔ ینبع کے پاس جبل رضوی ایک سرسبز اور بلند پہاڑ ہے۔ فرقہ کیسانیہ[1] کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ اب تک زندہ اسی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ **ودان**: جحفہ سے ایک منزل پر ہے اور اس کے چھ میل کے قریب

[1] شیعہ کا ایک فریق۔ ۱۲ منہ

ابواء ہے یہاں جعفری اور حسنی قبائل رہتے ہیں جن میں باہم لڑائیاں ہوا کرتی ہیں۔

جدہ ¦ یہ مکہ سے غربی جانب دو منزل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارہ ایک عمدہ شہر آباد ہے جس کے چاروں طرف سنگین شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں بازار وسیع ہیں۔ ہر قسم کے تاجر موجود ہیں اور مالدار لوگ بھی رہتے ہیں۔ یہ حجاز کا سب سے آباد بندر ہے۔ بحرِ قلزم سے مکہ جانے والے لوگ اکثر یہیں اترتے ہیں پھر ایک منزل بیچ اگلی منزل مکہ ہے اس جگہ غیر سلطنتوں کے کونسل بھی رہا کرتے ہیں۔

طائف ¦ چھوٹا سا شہر جبل غزوان پر آباد ہے مکہ سے شرقی رخ میں تین منزل پر۔ اس پہاڑ پر بنی سعد اور ہذیل کے تمام قبائل آباد ہیں۔ ثقیف و ہوازن کا بھی یہی مرکز ہے۔ یہ بڑی بلند جگہ ہے اس لیے سرد مقام ہے جس کی چوٹی پر برتن میں پانی جم جاتا ہے۔ تمام حجاز میں اس سے زیادہ شاداب اور سرد سیر اور بہار افزا کوئی مقام نہیں۔ یہاں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور قسم قسم کا انار نہایت شیریں اور بڑے بڑے دانوں کا اور انجیر اور بہت سے میوے اور اسی طرح ترکاریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مکہ میں جو میوے آتے اور ارزاں بکتے ہیں سب کا خزانہ یہی مقام ہے۔ گرمیوں میں ترکی حکام اور دولت مند اشخاص اس پہاڑ پر چلے جایا کرتے ہیں۔ مکہ سے وہاں تک تار لگا ہوا ہے۔ اوپر عمدہ عمدہ مکانات اور باغ ہیں۔ مکہ شہر میں جو نہر زبیدہ جاری ہے جس کو زبیدہ خاتون ہارون رشید کی بیگم نے بنایا تھا اسی سلسلہ پہاڑ کے کسی چشمہ سے نکلتی ہے۔

اور یہی بستیاں حجاز میں ہیں لیکن اب ہم اسی قدر پر بس کر کے ملک حجاز کا بیان ختم کرتے ہیں۔

شمالی عراق کے مقامات

حجر ¦ چھوٹا سا گاؤں وادی القریٰ کے قریب ہے ایک دن کے فاصلہ پر پہاڑوں میں اور یہاں قوم ثمود کے مکانات ہیں جن کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ ہم نے ان کے کھدے ہوئے مکانوں کو دیکھا ہے جو ہمارے مکانوں کی مانند پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے ان پہاڑوں کو اثالب کہتے ہیں۔ یہ چند پہاڑ متصل ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے جدا ہے، ان کے ارد گرد ریت ہے جس کے سبب اوپر چڑھنا نہایت دشوار ہے اور یہیں وہ کنواں ہے جو صالح علیہ السلام کے ناقہ کے لیے معین ہوا تھا جیسا کہ فرمایا تھا لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم۔

تبوک ¦ حجر اور شام کے بیچ ہے۔ شروع شام سے چار منزل کے فاصلہ پر شام کے نصف رستہ میں ایک قصبہ ہے جہاں ایک قلعہ بھی ہے اور باغ اور چشمے بھی ہیں۔ کہتے ہیں اصحاب الایکہ کہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے یہیں رہتے تھے۔ حضرت شعیب مدین کے رہنے والے تھے ان کے لیے رسول ہو کر آئے تھے۔

مدین ¦ قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھ منزل کے فاصلہ سے ایک بستی ہے جو تبوک سے بڑی ہے اور یہیں وہ کنواں ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ مگر پاٹ دیا گیا تھا اس کے اوپر کسی نے گھر بنا لیا ہے اور یہاں کے لوگ چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ مدین دراصل قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے داماد تھے۔

بادیہ سماوہ ¦ ایک بیابان ہے جو دومۃ الجندل سے لے کر عین التمر تک ہے۔ اس وادی میں پیڑ سرسبز بکثرت ملتے ہیں اور چشمے بھی اور اسی کے قریب میدانِ قادسیہ ہے۔

بادیہ خساف ¦ یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیان میدان میں ہے۔ رعد سے لے کر مابس تک یہ بھی سرسبز ہے۔

صفین ¦ یہ بھی اسی میدان میں ایک مقام ہے فرات کے قریب۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی مہینوں تک ستر لڑائیاں ہوئی تھیں۔

تیماء ¦ ایک قلعہ ہے تبوک سے شمال کی طرف۔ اس میں ایک بستی ہے یہاں بھی چشمہ اور سرسبز درخت بکثرت ملتے ہیں۔

قلزم ¦ بحرِ قلزم کے کنارے ایک بستی ہے اور اسی کے قریب ہی سمندر کی شاخ تمام ہوگئی ہے نہ یہاں کھیتی ہوتی ہے نہ کوئی سایہ دار درخت ہے نہ پانی شیریں ہے دور سے لاکر پانی پیتے ہیں۔ مصر اور شام اور فلسطین اور حجاز کے قافلے یہاں آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور اسی کے سبب اس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں۔

تاران ¦ ایلہ اور قلزم کے درمیان اسی بحر کے کنارے پر ایک بستی ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہوا ٹکر کھا کر دریا میں بڑا طوفان برپا کرتی ہے۔ اس دریا میں اس جگہ سے زیادہ اور کوئی مقام خطرناک نہیں۔ اسی جگہ فرعون مع لشکر غرق ہوا ہے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف ایک اور مقام ہے جس کو جبیلات کہتے ہیں۔ یہاں بھی بڑا طوفان رہتا ہے پھر اس سے آگے بڑھ کر جنوبی طرف میں ایک بستی ہے جس کو اُبلہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بحرِ قلزم کے کنارہ ہے۔ اگلے زمانہ میں یہاں یہود رہتے تھے یہاں کسی قدر شیریں پانی اور کھیتی بھی ہے مگر زیادہ گزران مچھلی کے شکار پر ہے۔ ان لوگوں کو سبت کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت ہوئی تھی انہوں نے عدول حکمی کی جس پر قہر نازل ہوا۔ ان کا واقعہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے۔ صورتیں مسخ ہوکر بندر اور سور نظر آنے لگے۔ واسئلهم عن القرية التى كانت حاضرة البحر۔ اسی کے سامنے شرقی طرف مدین بستی ہے۔

تیہ بنی اسرائیل

یہ بیابان قلزم کے شرق سے شروع ہوتا ہے۔ قلزم کی دونوں شاخوں کے بیچ جو بیابان ہے کوہ طور اور سیناو ہیں واقع ہے مدین سے کئی منزل کے فاصلہ پر۔ پھر یہ بیابان آگے چل کر شام اور عرب کے رخ دور تک چلا گیا ہے۔ اس میں عمالیق اور دیگر اقوام آباد تھے۔ آج کل اکثر عرب رہتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے ہیں یہ بیابان کہیں تو ایسا ہے کہ جہاں نہ پانی نہ سایہ دار درخت ہے۔ سنگلاخ یا ریگستانی زمین اور خاردار پیڑ اور خشک پہاڑیاں ہیں۔ اور کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں۔

یمن کے مقامات

اب میں یمن کے مقامات کو بیان کرتا ہوں

عمان: یہ ملک یمن کا شرقی حصہ سمندر کے کنارے کنارے اور کچھ جنوبی حصہ ایک مثلث کی صورت جس کی ابتداء شہر بحرین اور انتہا شرقی اور جنوبی حصہ کو لیتی ہوئی دفر تک ہے اور اس کے اس موڑ پر کہ جہاں سے شرقی حد تمام ہوکر جنوبی شروع ہو جاتی ہے شہر مسقط آباد ہے جو تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں سے ہندوستان کا کراچی بندر صرف تخمیناً چھ سو میل ہے اور ہندوستان اور عرب میں اس سے کم فاصلہ اور کسی طرف سے نہیں۔ ملک عمان کا کنارہ جو بحرین سے شروع ہوکر دفر پر تمام ہو جاتا ہے یہ دور تخمیناً گیارہ سو میل ہے اور عرض اس ملک کا تقریباً دو سو میل ہے۔ یہ ملک سرسبز ہے اور میوے بکثرت ملتے ہیں زراعت بھی ہے۔ سمندر کے کنارے اس کے یہ بندر بہت مشہور ہیں۔ **صحاریہ**: بڑی تجارت گاہ ہے اور پررونق ہے۔ **مسقط**: یہاں عمان کا سلطان رہا کرتا ہے جو خارجی مذہب رکھتا ہے۔ یہ رونق دار شہر ہے۔ مساجد و مدارس بکثرت ہیں۔ یہاں کا حلوٰی بہت مشہور ہے۔ **بحرین**: یہ بھی ایک شہر ہے، یہاں موتی نکلتے ہیں اس لیے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بکثرت رہا کرتی ہے۔ یہ بھی مسقط کی طرح اور صحار کی طرح خلیج فارس پر آباد ہے۔

حضرموت ¦ یہ ملکِ عدن اور عمان کے درمیان ہے اور اس کے درمیانی حصہ کو نجد الیمن کہتے ہیں۔ نجد کے لغوی معنی ہیں بلندی کے یعنی

اونچی زمین جس کو اس ملک میں بانگر کہتے ہیں اور پست اور نشیب کو کھادر۔

اس ملک کو بلادِ خیوان بھی کہتے ہیں اس لیے کہ بلادِ خیوان بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ سرسبز اور آباد ملک ہے اور زمین قابلِ کاشت ہے اس کے مشہور شہر یہ ہیں۔ **نجران**: یہ ایک بارونق شہر ہے اسلام سے پہلے یہاں عیسائی رہا کرتے تھے اور وہی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کے لیے آئے تھے۔ اسی کے قریب دوسرا شہر جرش ہے یہاں بھی کھجور بکثرت ہیں اور آباد و شاداب جگہ ہے اور ان دونوں سے آباد زیادہ شہر صعوہ ہے یہاں بھی چمڑے کے ویسے ہی کارخانے ہیں جیسا کہ صنعا میں ہیں اور یہاں تجار بکثرت آباد ہیں اور حسنی زیدی سردار یہیں رہا کرتا ہے۔ **صنعاء**: یمن کا دارالسلطنت ہے اس سے زیادہ یمن میں کوئی شہر آباد اور بارونق اور مالدار نہیں ہے۔ اس کی آب و ہوا معتدل ہے گرمی سردی میں اور جگہ جانے کی حاجت نہیں پڑتی زمانہ گزشتہ میں شاہانِ یمن کا یہی شہر دارالامارۃ تھا جہاں اب تک بڑے بڑے نشانات عمارات سابقہ کے پائے جاتے ہیں۔ اسی جگہ وہ قصرِ غمدان تھا جس کا حال ہم بیان کریں گے مگر اب ایک ڈھیر پڑا ہے اور یہیں دو اور محل بھی تھے سلیحن، بینون۔ انہیں کے باب میں کوئی شاعر افسوس ظاہر کرتا ہے ؎

هل من بعد غمدان او سلیحن من اثر وبعد بینون یمنی الناس بنیاناً

اور اسی کے قریب[1] مارب کا بندر ہے جو کسی زمانہ میں شام تک ملک کو شاداب کیا کرتا تھا اور یہ بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھا وہ دو پہاڑوں میں دو میل تک کی دیوار ہے تین سو گز بلند مربع اور ترشے ہوئے پتھروں سے چنی ہوئی اور ایک پتھر کو دوسرے سے میخوں اور سیسے سے جوڑا گیا ہے۔ اس سے ان پہاڑوں اور نالوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا اور ایک بڑی جھیل شیریں پانی کو دیکھنے میں آتی تھی اور پھر اس میں آبپاشی کے لیے بڑی حکمت اور پیمانہ سے روزن رکھے ہوئے تھے جن سے نالوں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے طور سے ملک کی آبپاشی ہوتی تھی اور اس ملک میں باغ اور میوے بکثرت تھے۔ منزلوں درختوں کے سایہ میں مسافر چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی ناشکری سے یہ دیوار جس کو عرم کہتے تھے ٹوٹ گئی اور اب تک اسی طرح خراب پڑی ہے۔ باغ ارم اسی کے سبب سے تروتازہ تھا اور صنعاء سے شمال و مشرق میں تخمیناً اسی میل کے فاصلہ پر شہر سباء کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں سباء بھی دنیا کے عمدہ شہروں میں سے تھا۔ بلقیس شہزادی اسی شہر کی رہنے والی اور یمن کی حاکم تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی اور سباء کو مارب بھی کہتے ہیں اور یہ بندر شہر سباء کے قریب بتلاتے ہیں نہ صنعاء کے۔ اور یہی صحیح ہے۔ یدنحرہ یمن میں بلند پہاڑ ہے جس پر سبز درخت اور چشمے ہیں اور کھیتی بھی ہوتی ہے۔ شبام یمن کے مشہور پہاڑوں میں سے ہے جو بہت بلند ہے اس پر بکثرت آبادی ہے۔ **عدن**: انتہاءِ یمن بحرِ قلزم کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور اسی لیے انگریزوں نے حضرت سلطان ترکی سے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اپنا بہت سا سامان وہاں رکھتے ہیں۔ صرف شہر عدن، باقی ملک اور گردونواح میں کچھ دخل نہیں۔ اس جگہ بھی موتی نکلا کرتے تھے۔

ارضِ مہرہ: ملک عمان اور حضرموت کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو دریائے شور سے ملا ہوا ہے یہاں کا بڑا شہر شحر ہے۔ یہ بے آباد ملک ہے۔ یہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں جن کا گزارہ مواشی پر ہے یہاں کا اونٹ تیز روی میں بہت مشہور ہے۔ **بلادِ خیوان**: ارض مہرہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ علاقہ سرسبز ہے یمن کے بڑے قبائل یہاں آباد ہیں۔ **دیار کندہ**[2] **وخولان و ہمدان**: یہ یمن کے اور نجد اور تہامہ کے درمیان ہیں۔ یہاں باغات اور آبادی موجود ہے۔ **بلادِ اباضیہ**: یہ خوارج کا مسکن ہے بلادِ خیوان کے قریب بڑا سرسبز اور آباد ملک ہے کھیتی اور باغ اور چشمے بکثرت ہیں۔

---

[1] قریب سے مراد یہ نہیں کہ صنعاء کے کوس دو کوس بلکہ ضلع میں جس سے مراد سباء ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ یمن کے مشہور قبائل ہیں۔

محہ: عدن کا مشہور بندر ہے یہاں سے صنعاء وتریم بہت نزدیک ہے اور اسی طرح مکلہ بھی مشہور بندر ہے حضرموت بھی ایک شہر ہے شرق میں دریا کے قریب اور اس کے نواح میں بہت ریت ہے جس کو احقاف کہتے ہیں اور یہیں حضرت ہود پیغمبر علیہ السلام کی قبر مشہور کرتے ہیں۔ یہیں قومِ عاد پر عذاب آیا تھا اور اسی کے قریب مقام بلہوت میں ایک ایسا گہرا کنواں ہے کہ جس کی تہہ تک کوئی اتر نہیں سکتا۔ ملک یمن قومِ عاد کا مسکن تھا اور ان کے اب تک یادگار پائے جاتے ہیں۔

تہامہ ! اس ملک کو بعض نے ملک یمن کا ایک حصہ قرار دیا ہے جس کا طول آٹھ سو میل عرض دو سو میل ہے۔ یہاں شیریں پانی بکثرت ملتا ہے اس کو یوں خیال کرنا چاہیے کہ عرب کا غربی کنارہ جو بحرِ قلزم سے ملا ہوا ہے مدین سے لے کر عدن تک طول میں۔ اس کے دو حصہ ہیں مکہ تک کا شمالی کنارہ ملکِ حجاز اور مکہ سے عدن تک جنوبی کنارہ تہامہ ہے۔

اس قطعہ میں وہی پہاڑوں کا سلسلہ چلا آتا ہے جو حجاز میں تھا اور یہ پہاڑ بیشتر بحرِ قلزم کے متصل ہیں اور کہیں سے پھیل گئے ہیں، کہیں سے کئی کئی سلسلے ہو گئے ہیں اور پھر ریتا بھی ہے اور تہامہ کی رات اسی لیے مشہور ہے کہ دن میں تو آفتاب کی گرمی سے زمین آگ ہوتی ہے اور جب آفتاب غروب ہوا، ہوا ٹھنڈی چلنے لگی، ریت سرد ہو گیا۔ پھر نہ پسو ہے نہ کھٹمل ہے۔ دن کے جلے بھنوں کو اس ریت کے نرم بستر پر کس مزے سے نیند آتی ہے زبید تہامہ کا بڑا اور آباد شہر ہے اور بھی شہر ہیں جیسا کہ معقر، کدرہ، جور، عطنہ، شرجہ، دویمہ، حمصہ، غلافہ محہ کمران، لحرہ، لسعہ، شرمہ، عشیرہ، رلقہ، خصوف، ساعد، مجم وغیرہا۔

یمامہ ! عرب کے مشرق میں بحرِ فارس سے ملا ہوا ملک ہے۔ یہ عمان سے اسی طرح ملا ہوا ہے کہ جس طرح تہامہ حجاز سے۔ اس کی ابتداءِ طولانی بحرین کے نواح سے شروع ہوتی ہے اور شمال میں بڑھتے بڑھتے علاقہ کوفہ سے گزر کر بصرہ کے میدانوں تک جا ملا ہے اور عرض میں سمندر کے کنارہ سے لے کر تخمیناً دو سو میل تک غرب میں چلے جاؤ سب ملکِ یمامہ ہی کا علاقہ ملے گا اور اس کے بعض علاقوں کو الحصا بھی کہتے ہیں۔ یمامہ قبیلہ طسم میں سے مرہ کی بیٹی تھی جس کے نام سے یہ ملک نامزد ہے۔ زمانہ سابق میں طسم اور جدس کے قبائل یمامہ میں رہا کرتے تھے۔ بحرین تک پھیلے ہوئے تھے اور عادِ اولیٰ احقاف میں رہتے تھے جو عمان سے لے کر عدن تک پھیلے ہوئے تھے اور احقاف کا ایک مشہور ریگستان ہے یمامہ دو وادی ہیں جو شمال سے شروع ہو کر جنوب تک تمام ہوتی ہیں۔ اس ملک میں بہت سے چشمے اور متعدد چھوٹی چھوٹی نہریں یا نالیاں رواں ہیں جن سے ملک نہایت سرسبز اور آباد ہے۔ یمامہ کے لوگ کہتے ہیں یہ ملک پانچ چیزوں میں بڑھ کر ہے۔ (۱) یہاں کی عورتیں نہایت خوش رنگ ہوتی ہیں۔ سنہری رنگت ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ سونے کا زیور پہنے ہوئے دور سے معلوم نہیں ہوتا۔ (۲) یہاں کے گیہوں۔ (۳) یہاں کی کھجور نہایت عمدہ ہے کہ ایسی اور کہیں نہیں ہوتی۔ (۴) یہاں گوشت ایسا خوش ذائقہ اور عمدہ ہوتا ہے کہ پھر اور جگہ نہیں ملتا۔ (۵) یہاں پانی بھی ایسا شیریں ہوتا ہے کہ پھر اور پانی کیسا ہی شیریں ہو منہ نہیں لگتا۔ **ذات النسوع**: ایوانِ یمامہ میں عجائب دنیا سے تھا احسن التقسیم کا مصنف ابوعبداللہ محمد شامی کہتا ہے یمامہ دراصل ملک ہجر کا سوانا ہے یعنی علاقہ اور ہجر کے مشہور شہر یہ ہیں، احساء، سابون، زرقا، اول، عقیر۔

اسی طرح سے نجد الیمن کے ناحیہ یعنی سوانا اور علاقہ احقاف کو قرار دیتا ہے اور احقاف کے یہ شہر گنواتا ہے۔ خاص حضرموت، حسب اور اسی طرح سباء کو بھی ناحیہ قرار دیتا ہے۔

---

۱ ہندوستان سے مکہ جانے والے جہازوں کو اس جگہ حکماً ٹھہرایا جاتا ہے تاکہ امراضِ متعدیہ کا اثر زائل ہو جائے اس کا نام قرنطینہ ہے۔ آبادی کمران سے دور ایک میدان میں غریب حجاج کو اتار دیا جاتا ہے جہاں نہ شیریں پانی ہے نہ سایہ دار درخت۔ مسافروں کے لیے جھونپڑیاں بنادی ہیں کھانے پینے کی بھی چیزیں کم ملتی ہیں۔ یہ مصیبت یورپ کے روشن دماغ ڈاکٹروں اور خود غرض سلطنتوں کا فیض ہے، اللہ رحم کرے۔ ۱۲ منہ

عجائباتِ یمن

(۱) یمن کے بعض علاقوں میں سے عقیق سرخ اور یاقوت خالص اور لال برآمد ہوتا ہے جس کے آگے لال بدخشانی کی اصل نہیں اور بھی طرح طرح کے جواہر برآمد ہوتے ہیں۔ یمنی ایک خاص پتھر ہے جو وہاں بکثرت موجود ہے اور اس ملک کی چیز ہے۔

(۲) یمن کے پہاڑوں میں ہر قسم کی کانیں موجود ہیں لوہا، جست، تانبا وغیرہ خصوصاً پھٹکڑی کے بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں جس کو یشبِ یمانی کہتے ہیں۔

(۳) یمن کے ریگستان میں شترمرغ پایا جاتا ہے اور ایک عجیب جانور ملتا ہے جس کے پاؤں بیل جیسے منہ ہرن جیسا گردن صراحی دار کئی گز کی، اونٹ سے بھی بڑی اور اسی طرح ٹانگیں بھی بڑی بڑی پتلی دبلی۔ یہ جانور اگر گردن بلند کرے تو چھ سات گز بلندی تک پہنچا دے۔

(۴) اس کے بیابانوں میں بندر بکثرت ملتے ہیں۔ خیر یہ تو اور جگہ بھی ہوتے ہیں مگر ایک اور جانور بھی ہے جس کو عُدار کہتے ہیں۔ وہ ایک چار پایہ ہے اس کی صورت انسان سے بہت مشابہ ہے جہاں کہیں انسان کو دیکھ پاتا ہے تو دوڑ کر گھیر لیتا ہے اور نیچے ڈال کر اس سے مباشرت کرتا ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت جس کے صدمہ سے انسان کمتر زندہ رہتے ہیں۔

(۵) اس ملک میں قدیم یادگار شاہانِ سلف کے ایسے ہیں کہ جن کا مثل اور دوسری جگہ تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا اور وہ عمارات یہ ہیں۔ غمدان، مارب، قصر مسعود، سدِ لقمان، سلحین، صرواح، مرواح، بینون، ہندہ، ہیندہ، فلثوم، برمدہ۔

غمدان: شہر صنعاء میں ایک چور خانہ ایوان تھا جس کا ایک رخ زرد عقیق کا دوسرا سرخ پتھر کا تیسرا سبز کا چوتھا سفید کا بنایا گیا تھا۔ یہ ایوان نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا اور سات منزل بلند تھا۔ ہر ایک منزل دوسری سے چالیس ہاتھ بلند تھی اور ہر منزل کی چھت ایک سنگ مرمر سے پٹی تھی۔ اس دیوان کے چاروں طرف بڑی خوشنمائی اور نزاکت سے دریچے رکھے تھے جو رنگ برنگ کے عقیق اور بیش بہا پتھروں سے بنے تھے اور اس ایوان کے فرش اور چھت اور دیواروں پر وہ گلکاری کی ہوئی تھی کہ دیکھ کر عقل حیرت کرتی تھی کسی جگہ کسی بادشاہ کی بزم کا نقشہ کھنچا تھا کہ پرستاران پری رو ہاتھوں میں ظروف لیے اس زمانہ کے عمدہ کپڑے پہنے کھڑی ہیں، کہیں امراء صف بستہ کھڑے ہیں جن کی تصویریں اس کی شان وشوکت کو یاد دلا رہی ہیں۔ ایک بلند تخت پر کوئی بادشاہ باحشم وخشم بیٹھا ہوا اپنی جبروت وسطوتِ چند روزہ کو یاد دلا رہا ہے۔

اور اس کے ہر ایک گوشہ میں شیر کی مورت سنگ ہمرنگ شیر سے بنی ہوئی تھی اور طلسم یہ تھا کہ اس کے منہ میں آواز داخل ہو کر ہیر پھیر کھا کر پیچھے سے جو نکلتی تھی تو ہو بہو شیر کے غرانے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر کمرہ میں ایک ایسا مصالحہ رکھا ہوا تھا کہ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بجلی کی روشنی ہو رہی ہے اور اس سبب سے تمام ایوان چمک اٹھتا تھا اور دیواروں کے پتھروں میں ایسی صفائی تھی کہ وہ روشنی رات کو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتی تھی۔ اندھیری رات میں جب کوئی صنعاء کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صنعاء میں بجلی کوند رہی ہے اور بارش ہو رہی ہے حالانکہ وہ سب اس ایوان کی روشنی ہوتی تھی۔ اس ایوان کے کسی ستون پر خطِ حمیری میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس ایوان کو گرائے گا قتل کیا جائے گا۔ یہ ایوان کسی مصلحت سے بحکم امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ گرایا گیا آخر وہ شہید ہوئے۔ اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے اور کسی قدر زمین کے اندر کا حصہ باقی ہے۔

صنعاء میں اس قسم کے اور بھی دو ایوان تھے جن کا نام سلحین اور بینون تھا۔ اسلام کے زمانہ تک یہ ایوان باقی تھے۔

(۶) یمن میں کپڑے بھی نہایت عمدہ بنتے تھے کسی زمانہ میں بردِ یمانی بڑی عزت سے دیکھی جاتی تھی۔

یمن کے اقوام اور ان کے عادات

یہاں اکثر قبائل بنی قحطان ہیں اور یہی عرب العربا شمار ہوتے ہیں پھر ان کے باہم صدہا قبائل ہیں ان میں سے قبیلہ بنو حمیر جو شاہانِ یمن

تھے نہایت معزز قبیلہ ہے اور بعض قبائل فاطمیوں کے بھی دوسری صدی سے وہاں آباد ہیں۔

اہلِ یمن پرہیز گار، مہمان نواز، بہادر، علم پسند ہیں اب بھی دینیات کے عالم جس قدر یمن میں ملیں گے عرب کے کسی خطہ میں نہ ملیں گے۔

نجد

شرق وغرب میں یمامہ سے لے کر مدینہ تک اور جنوب وشمال میں مکہ کے محاذی ملک سے لے کر مدینہ کے سامنے تک یعنی حجاز میں مکہ اور مدینہ تک کی لمبائی کے مقابلہ میں دن نکلتے رخ یمامہ کا جو حصہ ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔ بعض نے بحرین اور نواحیِ کوفہ کو بھی نجد میں شامل کیا ہے بلکہ یمامہ کو بھی۔

مدینہ منورہ سے چند میل شرق کی طرف جانے سے نجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حصہ یمن سے کم ہے مگر بڑا حصہ ہے پھر اس کے اندر متعدد اضلاع ہیں جو متعدد ناموں سے نامزد ہیں۔ یہ ایک مرتفع ہے۔ اس میں پہاڑ اور ریتلے میدان بکثرت ہیں اور آباد وشاداب اضلاع بھی ہیں جہاں کھجوریں اور ہر قسم کے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔ الغرض حجاز کے مقابلہ میں بحرِ فارس کی حد تک شرقی جانب کے حصہ کو نجد کہتے ہیں۔ کوفہ بصرہ کا میدان بھی بعض کے نزدیک نجد میں داخل ہے اور بیابانِ قادسیہ اکثر کے نزدیک نجد میں داخل نہیں۔ نجد کا گھوڑا اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ وہ ریگستان جو مشہور ہے اس کا عرض شقوق سے اجفر تک اور طول جبل طے سے لے کر شرق میں بحرِ فارس تک ہے وہ زرد اور نرم ریت ہے جہاں نہ کوئی سبز درخت نظر آتا ہے نہ کوئی چشمہ پانی کا۔

عرب کے قبائل [1]

قادسیہ سے شقوق تک طول میں اور سماوا سے لے کر بصرہ کے جنگل تک عرض میں بنی اسد کے قبائل آباد ہیں۔ پھر شقوق سے گزر کر جب دیارِ طے میں آجاؤ اور معدن نقرہ سے گزر جاؤ تو اس کے بائیں طرف سلیم کے قبائل ملیں گے اور دائیں طرف جہنیہ کے۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان بکر بن وائل کے قبائل اور مضر کے قبائل آباد ہیں اور مکہ کے شرق میں بنو ہلال اور بنو سعد اور ہذیل کے قبائل آباد ہیں اور طائف اور اس

[1] عرب کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی کچھ اولاد عراق میں جا بسی تھی پھر ایک زمانہ کے بعد ان پر حام کی اولاد غالب ہوگئی اور وہ تتر بتر ہو گئے کچھ تو شمال کی جانب آشور پہنچے اور بعض عرب کے رخ چل دیے جن کو عرب کہنے لگے کس لیے کہ سامی زبان میں غین نہیں اس کی جگہ عین بولا جاتا تھا۔ بہر حال عراق سے خروج کر کے سام کی اولاد ملک عرب میں آبسی۔ ایک زمانہ کے بعد ان میں مدیان اور عیسو اور لوط کی نسل بھی مخلوط ہوگئی ادھر جنوبی ملک میں طام کی اولاد سے بھی خلط ہوا اسی لیے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور پھر کچھ قبائل تو آفتِ ارضی وسماوی یا باہمی جنگ وجدل سے نیست ونابود ہی ہو گئے ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ کم ہوئے اور کم ہوتے ہوتے اور قبائل میں جا ملے۔ ان کے بھی اصلی قبیلہ کا نام ونشان باقی نہ رہا اس قسم کے قبائل کو بائدہ کہتے ہیں۔ ان میں سے (۱) عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا قبیلہ تھا۔ (تکوین ۱۰۔۲۲۔۲۳) جو یمن میں آباد تھا اور انہیں میں کے بادشاہ نے باغِ ارم لگایا اور بہشت بنائی تھی اور انہیں میں سے (۲) ثمود بن ارم بن سام کا قبیلہ تھا (تکوین ۱۰۔۲۳۔) یہ قبیلہ بھی یمن میں رہتا تھا لیکن ان کو حمیر بن عبد شمس نے جس کا لقب سبا تھا وہاں سے نکال دیا اور پھر یہ شمال عرب میں بمقام حجر آرہے تھے اور انہیں بائدہ یعنی فنا شدہ قبائل میں سے قبیلہ (۳) طسم بھی ہے یہ لود بن سام کی اولاد میں سے تھا (تکوین ۱۰۔۲۳) اور انہیں فنا شدہ قبائل میں سے قبیلہ (۴) جدیس بھی ہے جو جاشر کی نسل سے تھا یہ دونوں قبیلہ ایک جگہ رہا کرتے تھے آخر کسی بات پر تلوار چلی اور برسوں چلی یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کو نیست ونابود کر دیا اور انہیں فنا شدہ قبائل میں سے (۵) جرہم اولیٰ کا قبیلہ ہے اور انہیں میں سے قبیلہ (۶) عمالیق بن الطیفاز بن عیسو ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے عہد تک تھا۔ ان قبائلِ بائدہ کے صرف اشعار عرب کی زبان پر یادگار باقی ہیں اور انہیں سے کچھ کچھ ان کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام۔ ۱۲ منہ

کے نواح میں بنی ثقیف اور اوطاس ہیں اور مکہ کے غرب میں مذحج وغیرہ مضر کے قبائل ہیں۔ بصرہ کے نواح میں سب سے زیادہ قبائل آباد ہیں اور ان میں سب سے زیادہ تمیم ہیں بحرین اور یمامہ تک اور قبیلہ طے کے بھی جن میں سے حاتم طائی تھا۔ اس نواح میں بکثرت ہیں۔ یمن میں اکثر بنی حمیر اور ان کے قبائل آباد ہیں۔ اب قبائل کے نام ان کی نسلیں زیادہ پھیل جانے سے اور ناموں سے مشہور ہو گئے ہیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں جو لشکر ملکوں کے فتح کرنے کو جمع کیا گیا تھا بیشتر یمن کے قبائل تھے اور بعد میں خلفاء کے لشکروں کا خزانہ کوفہ اور بصرہ کے دوران کا نواح تھا اور پھر عراق عرب ہو گیا۔

عرب کے مقامات کی مسافتیں

کوفہ مدینہ سے بیس منزل ہے اور مدینہ سے مکہ تقریباً دس منزل ہے۔ بصرہ سے مدینہ اٹھارہ منزل اور معدن نقرہ کے قریب کوفہ کا رستہ آ ملتا ہے۔ مدینہ سے بحرین تخمیناً پندرہ منزل۔ رقہ سے مدینہ بیس منزل اسی طرح مدینہ سے دمشق بیس منزل اور فلسطین بیس منزل اور مصر ساحلِ بحر کے رستہ سے بیس منزل شام اور عرب کا مصر سے کوئی جدا رستہ نہیں بلکہ دونوں کے رستے خشکی سے جانے والوں کے ایلہ میں مل جاتے ہیں اور یہیں سے تیہ بنی اسرائیل یعنی وہ بیابان کہ جس میں وہ چالیس برس ٹکریں مارتے پھرے تھے شروع ہوتا ہے۔ مدین سے نکل کر مصر اور فلسطین کے رستہ کی دو شاخ ہو جاتی ہیں۔ عدن سے مکہ تک دو رستہ ہیں ایک تو سمندر کے کنارہ یہ دور کا رستہ ہے اور دوسرا صنعاء، صعوہ، جرش، نجران، طائف ہو کر۔ یہ کم ہے تیسرا اور بھی رستہ ہے جو اس سے بھی کم ہے۔ یہ تہامہ سے ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں سے مگر یہ دشوار ہے اس لیے ہر ایک نہیں جا سکتا۔

حضر موت اور مہرہ کے لوگ اپنے ملکوں کو عرضاً قطع کرتے ہوئے اس مقام پر آ ملتے ہیں جو مکہ اور عدن کے درمیان ہے۔ عمان کے لوگوں کا رستہ مکہ تک خشکی سے دشوار گزار ہے اس لیے وہ جدہ تک دریا کے رستہ سے آتے ہیں۔ اسی طرح عمان اور بحرین کا خشکی کی راہ سے دشوار گزار رستہ ہے۔ عربوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے بحرین اور عبادان کا خشکی سے رستہ کف دست میدان ہونے کے سبب دشوار گزار ہے۔ اس لیے دریا کے رستہ سے آتے جاتے ہیں۔ بصرہ سے بحرین اٹھارہ منزل ہے رستہ اچھا ہے، پانی ملتا ہے مگر خطرناک ہے۔

عراقِ عرب

زمانہ قدیم میں دجلہ اور فرات کے درمیان ملک کو یونانی مسوپوٹیمہ کہتے تھے۔ عراق اور جزیرہ دونوں اسی میں آ گئے۔ پھر ان کی باہم یوں تقسیم کی گئی ہے کہ اس کا شرقی حصہ عبادان سے لے کر انبار تک وہ عراقِ عرب ہے اور انبار سے لے کر ملک شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدانِ خساف بھی ہے اس ملک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ تبوک کے سامنے کا حصہ دیارِ طے تک کو بادیہ شام کہتے ہیں۔ عراقِ عرب کو قدماء کلدیہ بھی کہتے ہیں۔

عراق کے مشہور مقامات

بغداد: دجلہ کے کنارہ پر آباد ہے۔ اس وقت اس میں تخمیناً نوے ہزار یا لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ بارونق شہر ہے۔ خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں یہ شہر دنیا کے شہروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بغداد میں ساٹھ ہزار حمام علاوہ امراء کے حماموں کے تھے اور کئی لاکھ مسجدیں تھیں جن میں امام اور مؤذن مقرر تھے اور شہر پناہ کے سترہ دروازہ تھے ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا۔ اس شہر کو ہلاکو خاں بن چنگیز خاں ملعون نے ساتویں صدی ہجری میں برباد کیا۔ اس

کافر بادشاہ کو جو تاتاری تھا علامہ نصیر الدین طوسی[1] چڑھا کر لایا تھا۔

اس شہر میں بڑے بڑے بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ ازانجملہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک ہے۔ ازانجملہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور شہر کے غربی رخ حضرت امام ہمام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پوتے حضرت محمد بن علی بن موسیٰ کا مزارِ پرانوار ہے۔ ابن خلکان کہتا ہے ''وکانت ولادۃ ابی الحسن موسیٰ الکاظم یوم الثلثاء قبل طلوع الفجر من شھور سنۃ تسع وعشرین ومایۃ (۱۲۹ھ) وتوفی خامس عشرین شھر رجب سنۃ ثلث وثمانین ومایۃ (۱۸۳ھ) وقیل انہ توفی مسمومًا ودفن فی مقابر الشونیزیۃ خارج القبۃ وقبرہ ھناک مشھور مزار وعلیہ مشھد عظیم فیہ من قنادیل الذھب والفضۃ وانواع الآلات والفرش مالا یوجد وھی فی جانب الغربی''۔ اور اسی جگہ کو کاظمین کہتے ہیں۔

مدائن: جہاں ایوانِ کسریٰ ہے عجائبِ زمانہ میں سے ایک عمارت ہے۔ بغداد کے قریب ہے اس شہر کی زبان عربی ہے مگر فارسی اور ترکی بھی مروج ہے یہاں یہود و نصاریٰ کا بھی مجمع ہے۔ **سامرہ:** دجلہ کے کنارہ پر بغداد سے تخمیناً ستر میل شمال و مغرب میں ایک پررونق شہر ہے اور اس کو سرمن رائے بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت امام علی نقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پسر بزرگوار حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک ہے اور یہیں ایک غار بتلاتے ہیں جس کی نسبت شیعہ مشہور کرتے ہیں کہ اس میں مہدی آخر الزماں جو بارہویں امام ہیں اور امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کے پسر بزرگوار ہیں پانچ برس کی عمر میں بقول بعض نو برس کی عمر میں بقول بعض سترہ برس کی عمر میں اس غار میں خوفِ اعداء سے چھپے ہیں اور قیامت کے قریب نکلیں گے اور یہ واقعہ دو سو پچھتر ہجری کا ہے۔

کوفہ: بغداد سے جنوب و مشرق میں تخمیناً تین منزل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر بڑا آباد تھا اور مسلمانوں ہی نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ بغداد جوں جوں ترقی پاتا گیا یہ اجڑتا گیا۔ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

نجف: کوفہ سے غربی رخ پانچ میل پر ایک شہر ہے کبھی یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔ اس جگہ حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مزارِ مقدس ہے۔ چالیسویں سال ہجری میں رمضان کی ۱۹ شب میں تریسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ حضرت کی قبر ہارون رشید کے زمانہ تک مخفی تھی۔ پھر تحقیق کر کے ہارون رشید نے اس جگہ ایک گنبد اور مسجد بنا دی ہے۔ اس قصبہ کو لٹیرے بدوؤں کے ہاتھوں سے مصیبت پہنچا کرتی تھی مگر حاجی محمد حسین خان اصفہانی نے جو فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران کا وزیر اعظم تھا بہت سا روپیہ صرف کر کے اس کی پختہ شہر پناہ بنوا دی جب سے امن ہو گیا اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ اس سے پہلے نادر شاہ نے گنبد کو سنہری بنوا دیا تھا۔ کہتے ہیں جواہر و اسباب طلائی و نقرئی جس قدر اس درگاہ میں ہے جو شیعوں نے نذر و نیاز میں بھیجا ہے اتنا کسی سلطنت کے خزانہ میں بھی نہ ہوگا اور کوفہ کے نزدیک ایک اور جگہ ہے جس کو ذی الکفل کہتے ہیں یہاں حضرت خرقیل علیہ السلام کی قبر ہے جس کے پہلے متولی یہود تھے۔ اب مسلمان ہیں ہر سال دور دراز سے یہود زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

کربلائے معلّٰی: یہ بغداد سے جنوب و مغرب میں پچاس میل کے فاصلہ سے ایک آباد شہر ہے جو نجف سے بڑا ہے اور نجف سے یہ شمال و مغرب میں تخمیناً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ فرات یہاں سے قریب ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ ایک جنگل تھا جب حضرت کوفہ آتے ہوئے یزید کے لشکر سے اس مقام پر گھیرے گئے اور آپ اور آپ کے ہمراہی یہیں شہید ہوئے اور آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا یہیں مزار بنا تب سے ایک شہر بس گیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ اکسٹھ ہجری میں محرم کی دسویں تاریخ ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف چھپن برس کی تھی۔ یہاں کا گنبد بھی طلائی ہے۔ شاہ فتح علی خان کے عہد میں آقا محمد خان نے ۱۲۰۷ھ میں طلائی کرایا تھا۔ کاظمین کا گنبد بھی طلائی ہے۔ یہ شہر کربلا دن بدن ترقی پر ہے

---

[1] علامہ شیعہ تھا ابنِ علقمی وزیر بھی شیعہ تھا دونوں کی سازش سے خلافتِ بنی العباس کا خاتمہ ہوا۔ ۱۲ منہ

آبادی عمدہ ہے۔ بازار بھی خوب ہیں شہر کے وسط میں حضرت کی درگاہ ہے۔

رقہ: فرات کے کنارہ پر ایک قدیم قصبہ ہے اس کے سامنے شمالی طرف میں پینسٹھ میل کے فاصلہ پر قصبہ حران واقع ہے اور رقہ سے غربی سمت تقریباً چوالیس میل مابس ہے اور مابس کے قریب صفین ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ کربلا سے تخمیناً پچیس میل شرق میں شہر حلہ ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ قدیم شہر بابل کا حلہ ایک محلہ ہے جیسا کہ موصل نینویٰ شہر کا محلہ ہے۔

بصرہ: اس کے نیچے فرات اور دجلہ آ کر باہم ملتے ہیں اور بحرِ فارس میں گرتے ہیں۔ یہ شہر کبھی بارونق تھا مگر اب تو کھجور کی تجارت کی ایک بڑی منڈی ہے۔ بازار اور مکانات معمولی ہیں۔ زمین میں سیلابی کی وجہ سے نمی رہتی ہے، گرمی بہت ہوتی ہے، مچھر اور پسو بھی بیحد ہوتے ہیں۔

جزیرہ

مراصد الاطلاع میں ہے کہ جزیرۃ القورھی التی بین دجلۃ والفرات وھما مجاورا الشام یشتمل علی دیار مضر و دیار بکر سمیت الجزیرۃ لانھا بین دجلۃ والفرات وھما مقبلان من دیار الروم ویحیطان متبائنان حتی یلتقیان قرب البصرۃ ثم یصبان فی البحر وھی صحیحۃ الھواء بھا مدن جلیلۃ وقلاع وحصون کثیرۃ۔ من امھات مدائنا حران والرھا والرقۃ وراس عین ونصیبین وسنجار والخابور وماردین وآمد ومیافارقین والموصل وغیر ذلک۔ کہ جزیرہ اس ملک کو کہتے ہیں جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور اس کو یہ دونوں دریا گھیرے ہوئے ہیں اس لیے جزیرہ کہتے ہیں اور یہ دریا شام کے متصل ہیں اور دیارِ روم یعنی آرمینا سے آتے ہیں۔ پھر موڑ کھا کر برابر مشرق کی طرف بہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بصرہ کے قریب آ کر مل جاتے ہیں (بمقام قونہ جو بصرہ کے شرق میں ہے) اور بحرِ فارس میں جا گرتے ہیں۔ جزیرہ میں دیارِ مضر اور دیارِ بکر شامل ہیں اور یہ صحت بخش ہے۔ اس میں بڑے بڑے قلعے اور شہر ہیں اور اس کے بڑے شہر یہ ہیں۔ حران، رہا، رقہ، راس عین، نصیبین، سنجار، خابور، ماردین، آمد، میافارقین، موصل وغیرہ۔

یعنی غربی حصہ اس میان دوآب کا جو بڑا وسیع اور دو ثلث ہے اس کو جزیرہ کہتے ہیں اور شرقی حصہ کو عراق۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بڑی شہرت اور فوقیت رکھتا تھا۔ بابل اور نینویٰ کے بادشاہ اسی سرزمین کے تھے جو ایک وقت شہنشاہ مانے جاتے تھے۔ ان کی عمارات کے یادگار اب تک زمین سے برآمد ہوتے ہیں۔

اور اس میانِ دوآب کے شمال و مشرق کے ملک کو کردستان کہتے ہیں جس کو یونانی خارجیہ کہتے تھے۔ یہ ایک مستطیل ٹکڑا ہے یہ بھی اس شہر میں شریک ہے۔ عراقِ عرب کو قدما کلدیہ کہتے تھے۔ کلدانی بادشاہ بخت نصر وغیرہ یہاں کے تھے اور کلدانی زبان اسی ملک کی قدیم زبان کا نام ہے جو اب بالکل متروک ہے۔ جزیرہ اور کردستان کے غرب و شمال کے حصہ کو شمال میں بحر اسود تک اور غرب میں اس پہاڑی سلسلہ تک کہ جس میں سے دجلہ اور فرات نکلے ہیں آرمینا کہتے ہیں۔ پھر پہاڑی سلسلہ سے عرب کے رخ سمندر تک یعنی بحرِ روم تک اور شمال میں بحرِ اسود تک کو ایشیائے کوچک کہتے ہیں اور اناطولی بھی۔ اس کا طول غرب سے شرق تک تخمیناً ہزار میل ہے اور عرض جنوب و شمال میں چار سو میل سے پانچ سو میل تک ہے اور قدما اس کو روم کہتے تھے اس کے مشہور شہر سمرنا یعنی ازمیر اور بروساء اور قونیہ اور پلمیرا اور آفس کہ جہاں اصحاب الکہف غار میں چھپے تھے اور جہاں دیانا کا گنبد تھا ایشیائے کوچک اور یورپ کے اس براعظم کے بیچ کہ جس کے شرقی کونہ پر قسطنطنیہ ہے صرف سمندر کی ایک کھاڑی حدِ فاصل ہے جو تخمیناً ساٹھ ستر کوس لمبی اور کہیں دو کوس کہیں اس سے بھی کم چوڑی ہے جس کو ڈارڈینلز کہتے ہیں اس کا جنوبی سرا بحرِ روم سے ملتا ہے اور شمالی بحرِ اسود سے۔

---

[1] یہ گنبد عجائباتِ دنیا میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۲ منہ

پھر فرات سے لے کر سمندر کے کنارہ تک غرب میں اور شمال میں حلب سے لے کر جنوب میں حدودِ عرب تک کے قطعہ کو شام اور یونانی شیریہ کہتے ہیں جس کے غرب میں جزیرہ سائپرس ہے جس کو عرب قبرس کہتے ہیں جو تخمیناً ایک سو چالیس میل لمبا اور چالیس میل چوڑا ہوگا۔

شام کے حدود مختلف رہے ہیں کبھی فلسطین اور جزیرہ اور عراق کو شام کہتے تھے۔ شام کے مشہور شہر حلب، دمشق، حماۃ، حمص، انطاکیہ وغیرہ ہیں اور قدماء اس ملک کو ارام بھی کہتے تھے۔

اس کے پانچ ضلعے ہیں۔(۱) قنسرین۔(۲) حمص۔(۳) دمشق۔(۴) اردن۔(۵) فلسطین۔

یہ چھوٹا سا مستطیل قطعہ ہے جس کے غرب میں بحرِ روم ہے اور اس کو کنعان اور ارضِ مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مشہور شہر یروسلم یعنی بیت المقدس ہے اور اس کے ساحل پر بیروت، قیصریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ یہ سمندر کے قریب قریب تخمیناً ڈیڑھ سو میل جنوب وشمال میں طویل اور تخمیناً چالیس پچاس میل شرق وغرب میں عریض ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ مخروطی شکل جس کی نوک شمال میں ہے۔ اس ملک کے جنوب و مشرق میں جھیل مردار ہے جس کو عرب بحرالمیت کہتے ہیں۔ اسی کے کنارہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہ تھیں وہ ان کی بدکاری سے الٹی گئیں۔ ان الٹی بستیوں کے آثار اب تک شام کے آنے جانے والوں کو نظر آیا کرتے ہیں۔ وانها لبسبیل مقیم اور اس ملک کے جنوب وغرب میں وہ بیابان بھی ہے جس کو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قلزم کی دونوں شاخوں کی جڑ سے لے کر شمال میں بحرِ روم تک۔ تخمیناً سو میل طول اور شرقاً غرباً قلزم کے کناروں سے لے کر بحرالمیت یعنی جھیل مردار کے کناروں تک۔ یہیں بنی اسرائیل چالیس برس تک میدانوں میں ٹکراتے پھرے تھے۔ اس ملک کی زبان عبرانی اور شام کی سریانی اور کلدیہ کی کلدانی کہلاتی تھی۔

اب عموماً ان سب ملکوں کی زبان عربی ہے۔

یہ تمام ملک حضرت سلطان المعظم کے قبضہ میں ہیں۔ کسی زمانہ میں ان ملکوں میں متعدد سلطنتیں تھیں۔ جزیرہ کی جدا اور عراق کی جدا اور کردستان کی جدا اور آرمینا کی جدا اور ایشیائے کوچک کی جدا اور فلسطین کی جدا۔ اور عجب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے بادشاہ پاس بے شمار فوج اور شاہی سامان تھا۔ خاص فلسطین کو دیکھو کہ اس کے فرمانروا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بخت نصر شاہ بابل کی چڑھائی تک بنی اسرائیل تھے۔ حضرت داؤد وسلیمان علیہ السلام بھی انہیں فرمانرواؤں میں سے تھے۔ نینویٰ اور بابل کے بادشاہوں کی دولت مندی مشہور ہے۔ اس وقت یہ ملک بڑے آباد اور سرسبز تھے جن کے کاریزوں اور نہروں کے ڈھئے پھوٹے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ملک سردسیر اور شاداب ہیں۔ آب وہوا معتدل، سردی میں بعض مقامات پر برف بھی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں میوے بکثرت ہیں اور آبادی بہت ہے۔ یہ قومیں زیادہ آباد ہیں:

(۱) ترکمان یہ قبائل ان تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۲) کرد۔ (۳) اعراب جن کو بدو کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی قومیں بھی ہیں مگر یہ تینوں قومیں بہادر اور جنگجو اور قوی ہیں۔ اگر یہ بدامنی نہ پیدا کریں تو ان ممالک میں پھر اور کوئی بدامنی نہیں پیدا کرسکتا۔ یہ ممالک روئے زمین پر اس لیے فخر کرسکتے ہیں۔

(۱) سلطنت وحکومت کی بنیاد طوفانِ نوح کے بعد یہیں پڑی اور بڑے بڑے بادشاہ نامور یہیں سے اٹھے۔

(۲) طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کا یہی وطن ہے، یہیں سے نکل کر اور ملکوں میں پھیلے۔

(۳) حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی مولد ہے اسی سرزمین سے نامور انبیاء اٹھے مگر ان سب کے بعد عرب سب پر فوقیت لے گیا۔ کس لیے کہ اس سرزمین سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حکمت وعلوم اور ایمان ومعرفت کے چشمے اسی ملک سے نکلے۔

بخت نصر اور نینویٰ کے بادشاہوں اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پیشتر یونانی

بادشاہ سکندر اکبر ان ملکوں پر مسلط ہوا۔ اس کے بعد اردشیر بابکان کے عہد تک عراق وجزیرہ میں یونانی قابض تھے اور بعد میں دور تک رومی مالک تھے۔ شام اور فلسطین پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک اور اس کے بعد زمانۂ اسلام تک۔ مگر ایران اور عراق کے کچھ حصوں پر اردشیر اور اس کے جانشین ایرانی بادشاہ مسلط تھے۔ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روم یعنی ایشیائے کوچک اور شام کا دجلہ تک ہرقل مالک تھا اور ایران اور اس کے نواح کا کسریٰ اور جزیرہ میں غسان قوم کے عرب قیصر کی طرف سے فرمانروا تھے۔

عرب میں ایک زمانہ میں بنی حمیر کی سلطنت تھی اور مدتوں تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ اسلام سے کچھ آگے ذونواس کا حبش کے رہنے والے نجاشی نے خاتمہ کیا اور نائب جس کو ابرہہ کہتے تھے خانہ کعبہ کی بے ادبی سے غارت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بادشاہ ہوا اس کو سیف بن ذی یزن حمیری نے انوشیروان کی مدد سے ہلاک کیا اور وہ بھی ایک حبشی کے ہاتھ سے مدت تک سلطنت کرنے کے بعد مارا گیا۔ اس کے بعد انوشیرواں نے اپنا گورنر مرزبان یمن پر بھیج دیا۔ اس کے بعد مرزبان کا بیٹا خرخرہ حاکم یمن ہوا اور ہرمز نے اس کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ بازان کو بھیج دیا۔ یہ بازان یمن پر اسلام کے زمانہ تک حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے حاکم بنا کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔

ادھر یمامہ اور بحرین واطرافِ کوفہ وبصرہ میں یمن کے بادشاہوں کی خودسری سے ایک مستقل سلطنت ہوگئی تھی انوشیروان کے عہد میں اس سلطنت کا مالک نعمان بن المنذر تھے اور یہ بادشاہ مجوس تھا اور شاہانِ ایران کے تابع تھے۔ اسلام سے دو ایک صدیوں پہلے عرب میں طوائف الملوکی ہوگئی تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔ حرب البسوس بھی اسی زمانہ کی جنگ ہے۔ پھر اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو عرب پر سایہ افگن ہوکر عراق وشام وغیرہ ممالک پر قبضہ کرتے ہوئے شرق میں چین تک اور غرب میں اندلس تک جا پہنچا اور اپنا قدم جما دیا۔ وللہ الحمد حمداً کثیراً۔